ماہنامہ
پاکیزہ
مئی 2016

مایہ ناز قلمکاروں کے قسط وار ناول

رفاقت جاوید اور مدیحہ شاہد کی متاثر کن تحریریں

عقیلہ حق بنیں ہماری بزم کی رونق

ماہنامہ پاکیزہ کراچی



نگران اعلیٰ: معراج رسول

مدیرہ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: نجم انصار

معاون: آمنہ حلیم



رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ماڈل: صائمہ انصار
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زرسالانہ (اندرون ملک) 800 روپے...... جلد: 44 شمارہ: 02 مئی 2016ء

اداریہ

سلسلے وار ناول

منی ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

خصوصی مضامین

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com



ہر دوسرے گھر میں یہ مناظر شاید آپ نے بھی دیکھے ہوں گے کہ جب کوئی ناخوشگوار بات ہو رہی ہو تو وہاں موجود بچوں کو یہ کہہ کر ہٹا دیا جاتا ہے...... بچوں آپ باہر جائیں ہم کوئی ضروری بات کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ناخوشگوار حقیقتوں کو بچوں سے چھپانا چاہیے۔ ایسے لوگ مالی مسائل، اموات اور بیماری کو بچوں سے خفیہ رکھتے ہیں۔ خاندانی امور کے ماہرین کا یہ خیال ہے کہ یہ رویہ خوشگوار گھریلو زندگی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ ان ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ رویہ ایسے بچوں پر بالخصوص منفی اثرات مرتب کرتا ہے جو اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کو دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسے بچوں کے ذہنوں میں یہ احساس جڑ پکڑ لیتا ہے کہ بڑے انہیں اعتماد میں لینے کے قابل نہیں سمجھتے۔

ماہر نفسیات کی یہ رائے سب کی سمجھ میں آتی ہے کہ گھر میں ہونے والی کسی بھی متوقع بیماری یا موت کو بچوں سے ہرگز نہیں چھپانا چاہیے۔ کسی بھی گھر میں بیمار یا قریب المرگ انسان بچوں سے یقیناً محبت کرتا ہوگا اور اس گھر کے بچے یقیناً اس سے جذباتی تعلق بھی رکھتے ہوں گے ایسے عالم میں بچوں کو بیمار سے دور رکھنا ایک ظالمانہ حرکت ہوگی۔ وہ بچے جو اپنے گھر کے قریب المرگ عزیز کو چند دنوں یا چند گھنٹوں کی خوشیاں عطا کر سکتے تھے ایسے نازک مواقع پر انہیں دور کر دینا...... کیا بچے اس ظلم کو کبھی بھول سکتے ہیں...... (ہرگز نہیں) ہمارے نفسیات دان تو یہاں تک کہتے ہیں کہ گھر میں پیدا ہونے والے کسی بھی مالی بحران سے بچوں کو ضرور آگاہ کر دینا چاہیے...... مگر ہمارے گھرانوں میں ایسی باتوں کو بچوں سے چھپایا جاتا ہے...... اور آج مجھے آپ سے یہی کہنا ہے کہ آج کے ننھے، ننھے پودوں کو کل کو ایک مضبوط درخت بننا ہے تو انہیں گھر کے سرد و گرم حالات سے آگاہ کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اس سے ان میں مزید ذہنی بلوغت پیدا ہوگی...... اور ماشاء اللہ ہمارے بچوں میں تو ایسی شان ہے کہ اپنے بڑوں کو بھی سنبھال لیا کرتے ہیں۔ ہے ناں......!

مدیرہ
انجم انصار

دین کی باتیں

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دو کیا تم نے دیکھا ہے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تمہارے پاس قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا (اور) کسی کو (مدد کے لیے) پکارو گے اگر تم سچے ہو (تو ایسا ہی کرنا) (۴۰) بلکہ اسی کو پکارو گے اور جس کے لیے تم (اسے) پکارو گے اگر وہ چاہے گا تو (اسے) دور کر دے گا اور (اس وقت) تم جسے (اللہ کا) شریک کرتے ہو بھول جاؤ گے (۴۱) اور بے شک ہم نے تم سے پہلی امتوں کے پاس پیغمبر بھیجے پھر ہم نے انہیں تنگی اور بیماری کے ساتھ پکڑ لیا تاکہ وہ (الحاح و) زاری کریں (۴۲) پس جب ہمارا عذاب ان کے پاس آیا کیوں انہوں نے (گریہ و) زاری نہ کی ولیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور ان کے لیے شیطان نے جو کچھ وہ کرتے تھے اس کو زینت دے دی (۴۳) پھر جب وہ اس کو بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی ہے (تو) ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز سے جو انہیں دی گئی تھی خوش ہو گئے (تو) ہم نے انہیں ناگہاں گرفت کر لیا پس اس وقت وہ ناامید ہو گئے (۴۴) پس جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کا پیچھا کاٹ دیا گیا اور ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا ہے سارے جہان کا (۴۵) کہہ دو کہ تم نے کیا دیکھا ہے اگر اللہ تمہاری بصارت اور سماعت لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے (تو) اللہ کے سوا کون معبود ہے جو (پھر) تمہیں بصارت .... اور سماعت دے دیکھو ہم کس کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر (بھی) وہ اعراض کرتے ہیں (۴۶) کہہ دو مجھے بتادو کہ اگر تم پر بے خبری میں یا آشکارا اللہ کا عذاب آجائے کیا گنہگار لوگوں کے سوا (اور لوگ بھی) ہلاک کیے جائیں گے (۴۷)



(سورۃ انعام آیت نمبر ۴۰ تا ۴۷)

سیدنا قاسم ﷺ

صفاتی اسم مبارک۔

۲۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اس پر زور دیتے نظر آتے ہیں کہ کبھی کبھار تحفہ دینا ناکافی ہے۔ خیرات دینے کا عمل مستقل ذمے داری ہونی چاہیے اور ایک مومن کو اپنی ملکیت میں ایک ضرورت مند کو بھی حصہ دار بنانا چاہیے اسے ہیوبرٹ گریم (Hubert.grimme) کی کتاب جسے اپنے زمانے میں بہت اہمیت حاصل ہوئی۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے جس میں اس نے اس خیال کو فوقیت دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مذہبی مصلح کے بجائے سماجی مصلح سمجھنا چاہیے۔ گریم کے مطابق جو سماجی ناانصافیاں اس وقت مکہ میں رائج تھیں جہاں امیر تاجر غریبوں کو دباتے تھے اور انہیں ذلت و رسوائی میں مرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشتعل کردیا اور انہوں نے ایک بہترین اور جدید سماجی نظام قائم کیا۔ (ٹی۔ اینڈرے)

۳۔ حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختصر واقعات اور حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ کے متعلق ان اجمالی ارشادات کے مطالعہ سے مجھ پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور آپ ﷺ کے اخلاق کی عظمت وجلالت کا کس قدر بلند مقام تھا۔ اس کی کامیابی اشاعت کا سبب کوئی مادی طاقت ہرگز نہ تھی بلکہ اسلام کی فتح کا راز حضور ﷺ کا خلق عظیم تھا آپ ﷺ کے قلب مبارک میں یقین و ایمان کی لازوال دولت تھی اور یہی وہ گنج گراں مایہ تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حلقہ بگوشوں میں تقسیم کیا۔

(چوہدری چھوٹو رام، سابق وزیر ترقیات حکومت ہند)

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی ﷺ سے اقتباس

یادوں کی مالا

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

ساتواں باب



پُرعقیدت روحانی سفر کی حیرت انگیز رُوداد

یہ داستان جو میں رقم کررہی ہوں یہ کوئی عام داستان نہیں...... نہ ہی عام لوگوں کے لیے کشش کا باعث ہوگی۔ یہ داستانِ عشق ہے۔ اس عشق کی داستان جو اللہ کی کتاب سے کیا گیا۔

اس قرآن حکیم پر میں نے جو الفاظ اپنی طرف سے تحریر کیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے تو مجھ پر عجب کیفیت طاری رہی۔ ذہن پر ایک بوجھ سا محسوس ہوتا...... کسی بات کا محض لکھ دینا کافی نہیں ہوتا، یہ تو آسان ترین کام ہے کہ قلم چلا دیا مگر ذرا اس تحریر کی گہرائی میں جائیں یا میں خود سوچوں تو سب کچھ کھوکھلا سا لگتا ہے۔ کیا واقعی میری زندگی صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے ہے؟ کیا میرے تمام کام اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو رہے ہیں؟

اپنا محاسبہ کرنے بیٹھوں تو بات بنتی نظر نہیں آتی۔ میں تو ایک بہت گناہ گار، دنیا دار، بے بس، بے اختیار اور عام سی عورت ہوں۔ میں اس مقام پر کیونکر پہنچ سکتی ہوں جس کی جھلک ان الفاظ میں نظر آتی ہے۔

ہاں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 152 مجھے بے حد پسند ہے۔

''تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری مت کرو......''

اور یہ بات بالکل درست ہے، میں اسے ہر وقت یاد رکھتی ہوں، ہر خوشی میں، ہر غم میں، دن ہو یا

رات...... میں نے کبھی اس کو نہیں بھلایا اور میں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو مانا اور اس کا شکر ادا کیا۔ میں تقریباً 28 سال سے شکرانے کی نماز ادا کر رہی ہوں اور کبھی ناغہ نہیں کیا...... یہی تلقین اپنی اولاد کو بھی کی ہے اور دوسروں کے لیے بھی میرا یہی پیغام ہے۔ جس اللہ نے آپ کو بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ آپ اس کا شکر دو رکعت نماز پڑھ کر ضرور ادا کریں۔

ٹیلی ویژن کے ایک انٹرویو میں کمپیئر نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے اتنے قرآن حکیم لکھے تو آپ کو کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتا؟ یہ کیسا عجیب سوال تھا؟ میں تو سچ مچ اس ذمے داری تلے اپنے آپ کو دبا ہوا محسوس کرتی ہوں اور میں نے یہی کہا بھی کہ میں تو ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے دو دھاری تلوار پر چل رہی ہوں۔ ذرا سوچیے جو دن رات اللہ کی کتاب پڑھے یا پھر لکھے اس پر کتنی بڑی ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ اس کی ذات سے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو دوسروں کے لیے باعثِ تکلیف ہو۔ بہت سے لوگ لاعلمی کو غنیمت جانتے ہیں کہ محاسبے سے بچنے کی ایک یہ بھی صورت ہے لیکن جو سب کچھ جانتا ہے وہ کیونکر بچ سکے گا۔ میں ڈرتی ہوں، خوف زدہ رہتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گی۔ میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں، ایک عام انسان ہوں جس سے ہر لمحہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ کیا خبر میرا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت بڑا گناہ بن جائے۔ موت برحق ہے وہ آکر رہے گی۔ ہاں اس بات کا علم کسی کو نہیں ہوتا کہ وہ کب مرے گا اور کس سرزمین پر مرے گا، میں جانتی ہوں میری زندگی کی شام ہوگئی ہے۔ بس اب سورج غروب ہونے والا ہے۔ مجھے اپنے حصے کا دیا روشن کرنا ہے۔ دیے سے دیا جلتا ہے، حیات میں روشنی اسی طرح قائم و دائم رہتی ہے۔

ہماری یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم کا ایک شعر ہے جو مجھے بہت پسند ہے، وہ میں یہاں لکھ رہی ہوں۔ پھر آگے بات کروں گی۔

درد کی کائنات میں مجھ سے بھی روشنی رہی
ورنہ میری بساط کیا، ایک دیا بجھا ہوا

ہاں یہ شعر مجھے پسند تھا مگر میں اس کو سمجھ نہیں پاتی تھی۔ اکثر سوچتی کہ اگر ڈاکٹر صاحب مجھے کبھی ملیں تو میں ان سے پوچھوں بلکہ کہوں کہ درد کی کائنات میں تو صرف اندھیرا ہوتا ہے، تاریکی...... اس میں بھلا روشنی کا کیا تصور اور وہ بھی ایک بجھے ہوئے دیے سے؟

مگر پھر جیسے خود ہی اس شعر کے معنی، مطالب مجھ پر واضح ہوگئے۔ جب لوگوں نے میرے کام کو سراہا، میرے لیے اچھے الفاظ استعمال کیے، بہت سارے لوگوں کے علاوہ بطورِ خاص جناب حکیم سعید صاحب نے میرے کام کو ایک ''تاریخ ساز واقعہ'' کہا۔ میرے استاد ڈاکٹر احسن احمد واحدی نے میرے لکھے ہوئے نسخوں کو آرٹ کے نادر نمونے قرار دیا۔ مختلف پروگراموں میں جو میرے ساتھ کیے گئے...... علما حضرات نے اس کام کے حوالے سے مجھے خراجِ تحسین پیش کیا۔ تب میں نے ڈبڈباتی آنکھوں سے سوچا۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ میری کوئی حقیقت نہیں، بے اختیار، بے بس، گناہ گار اور دنیا دار خاتونِ خانہ۔ مجھے اپنی حقیقت کا خوب علم ہے، میں بہت جلد مٹی میں مل جاؤں گی۔ میں تو ایک بجھتا ہوا دیا ہوں۔ اس سے بہت زیادہ روشنی کی توقع رکھنا عبث ہے لیکن اگر اس بجھتے ہوئے دیے سے تھوڑی سی بھی روشنی نکلے اور وہ کائنات کے اندھیروں کو دور کرنے میں تھوڑی سی بھی مددگار ثابت ہو تو سمجھوں گی کہ میں اپنے مشن میں کامیاب رہی۔ اگر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم بجھے ہوئے دیے سے روشنی کی امید کر سکتے ہیں تو پھر ایک بجھتے ہوئے دیے سے بھی روشنی کی امید کی جاسکتی ہے۔ ایسی روشنی جو جہالت کے اندھیروں کو دور کر سکے۔ آپ سب اپنے، اپنے حصے کا چراغ روشن کریں، چراغ سے چراغ جلتا رہے گا۔ انشاءاللہ!

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے ذریعے اس کائنات میں روشنی بکھیر رہا ہے۔ اس جگہ میں صرف

ایک آیت کا ترجمہ لکھوں گی...... سورۂ صف (61) کی ایک آیت نمبر 8 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں۔ حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا۔ خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔''

میرا قلم چلتا ہے تو پھر رکتا نہیں، بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ جن دنوں میں یہ دسواں قرآن حکیم جسے میں اپنا شاہکار کہتی ہوں، لکھ رہی تھی، میرے علم میں یہ بات آئی کہ وہ قرآن حکیم جو کراچی یونیورسٹی میں رکھا ہوا ہے اور جسے میں نے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گفٹ کیا تھا، کی روشنائی اُڑ رہی ہے۔ الفاظ غائب ہو رہے ہیں۔ ایسا غالباً اس وجہ سے ہوا کہ اس میں غلطی سے کتابت کے لیے ایک ہلکے درجے کا مارکر استعمال کیا گیا۔ بس لاعلمی میں ہو گیا۔ دراصل اس سے قبل جتنے بھی قلم یا مارکر استعمال ہوئے تھے، وہ سب میرے شوہر لے کر آتے تھے اور ان کی عادت تھی کہ کبھی معمولی چیز نہیں خریدتے تھے۔ بہتر سے بہتر ہر چیز پسند کرتے اور خرید کر لاتے، مجھے کچھ تجربہ نہیں تھا...... گھر میں دو مارکر پڑے تھے۔ ان ہی سے لکھا پھر وہی منگوا لیے تھے۔ ہونے والی بات ہو چکی تھی، مجھے اس کا سدِباب کرنا تھا...... کچھ بھی ہو میں اس قرآن حکیم کو دوبارہ لکھوں گی اور اسے replace کروں گی لیکن چونکہ میں دسواں کلام پاک لکھ رہی تھی اس وجہ سے فوری طور پر اس کو لکھنا ممکن نہیں تھا۔ مگر میرے ذہن میں لاوا پکتا رہتا۔ میری راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ چنانچہ جوں ہی 10 اپریل کو دسواں کلام پاک مکمل ہوا، میں نے اسے جلد بندی کے لیے روانہ کیا اور آٹھواں کلام پاک دوبارہ لکھنے بیٹھ گئی۔ میں اسے آٹھواں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ یہ آٹھواں تھا جو مدھم ہو رہا تھا۔ میں نے وہی کاغذ، ڈیزائن اور سائز رکھا اور صرف 13 دن بعد 23 اپریل کو اسے دوبارہ لکھنا شروع کیا اور اب تو ویسے بھی تجربہ ہو چکا تھا۔ کیلی گرافی پین خریدے اور دن رات کی محنت سے پانچ ماہ سترہ دن کے اندر قرآن حکیم مکمل کیا۔ 10 اکتوبر 2007ء اور رمضان المبارک کی 27 تاریخ تھی۔ ۱۴۲۸ھ بروز بدھ۔ جلد بندی میں وقت لگتا ہے۔ بہت اہتمام سے باندھی جاتی ہے۔ اس میں اوپر لکھنے کے لیے جو سنہرا مواد بھرا جاتا ہے وہ امپورٹڈ استعمال ہوتا ہے جو صاحب میرے قرآن حکیم کی جلد بندی کرتے ہیں وہ خود بہت انوالوڈ ہو چکے ہیں، وہی کیا اور جو صاحب ڈیزائن کی فلم بناتے اور کاغذ پرنٹ کرتے ہیں وہ بھی یہ کام بہت مستعدی سے انجام دیتے ہیں اور ہر بار جب جلد باندھی جاتی ہے تو وہ پہلے سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ گیارھواں قرآن پاک ہے جو پچھلے دنوں مکمل ہوا اور اس کی بے حد حسین جلد بندی ہوئی۔ بالآخر میں نے اسے 24 جنوری 2008ء بروز جمعرات کراچی یونیورسٹی جا کر اس جگہ رحل پر اپنے ہاتھوں سے رکھا اور پرانا اٹھا کر گھر لے آئی۔ میری بھتیجی فوزیہ نے مجھ سے پہلے ہی مانگ رکھا تھا۔ چنانچہ اب وہ قرآن پاک فوزیہ کے پاس ہے۔ اس کے صرف چند صفحات کی روشنی مدھم ہوئی ہے باقی سب ٹھیک ہیں۔

ایک عجیب اتفاق ہے، آٹھواں قرآن پاک 24 جنوری 2005ء کو مکمل ہوا تھا جس دن مجھے فارمولا عطا ہوا تھا اور اب جبکہ میں نے دوبارہ اسی کو لکھا اور اسے یونیورسٹی لے گئی تو بھی یہی تاریخ تھی یعنی 24 جنوری 2008ء۔

1972ء سے لے کر آج تک میں نے جتنے بھی قرآن پاک لکھے اس کے دوران ایک عجیب تجربہ ہوا کہ ہر بار کوئی نہ کوئی غیر معمولی خواب نظر آیا۔ اس میں سے صرف دو خواب یہاں بیان کر رہی ہوں۔

میں نے عالمِ برزخ کو خواب میں دیکھا دراصل میری بڑی خواہش تھی کہ معلوم کروں کہ وہ کیسی دنیا ہوگی، کیا ماحول ہوگا، کیا حالات ہوں گے۔ چنانچہ میں نے خواب میں اس عالم کو بہت تفصیل

سے دیکھا۔ وہاں پر ایک جمِ غفیر تھا۔ ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے۔ خلقت ہی خلقت، روتے ہوئے، چیختے ہوئے، پریشان حال، اِدھر سے اُدھر بھاگتے ہوئے۔ اس جگہ بادلوں سے بنی ہوئی اونچی دیواریں ہیں اور بہت لمبے قد والے دربان ہیں۔ کچھ اس طرح کا ماحول اور سماں تھا کہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ میں اپنی ایک عزیزہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف آگے بڑھتی ہوں، بہت دور روشنیاں نظر آتی ہیں، ٹمٹماتی ہوئی، میں کہتی ہوں، دیکھو یہ جنت ہے، اس کے بعد میرے دماغ میں ایسی ٹھنڈک اترتی ہے کہ سوچتی ہوں کہ کبھی دنیا میں نہیں جاؤں گی، اتنا سکون اور اتنی ٹھنڈک جسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس کیفیت کا الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ بس یہ لمحاتی محسوسات تھے، یہ ٹھنڈک غائب ہوجاتی ہے اور پھر وہی فضا ہوتی ہے، ہر طرف پریشان حال لوگ، میں نے اپنی امی کو بھی دیکھا وہ ایک بستر پر آرام سے لیٹی ہیں، صحت مند حالت میں ہیں۔ (ان کو فالج ہوگیا تھا جس میں وہ آٹھ سال مبتلا رہیں) اور میرے بڑے بھائی ایک جگہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ ان کے سامنے انواع واقسام کے لذیذ کھانے رکھے ہیں۔ وہ بہت خوش ہیں۔

یہاں پر میں ایک بات لکھنا چاہوں گی کہ میری امی کو فالج ہوا تھا اور وہ بستر پر آٹھ سال رہیں۔ 1980 to 1988۔ اس دوران میرے بھائی اور بھابی نے ان کی ایسی خدمت کی اور اس طرح ان کا خیال رکھا کہ اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ وہ بہت صاف ستھری اور پھولوں میں بسی رہتی تھیں۔ یعنی پاؤڈر چھڑکا ہوا، بال بنے ہوئے، ان پر کوئی نرس مقرر نہیں تھی نہ گھر میں کوئی ملازم تھا۔ البتہ نیوی کی ملازمت کی وجہ سے رہائش کا عمدہ بندوبست تھا۔ اور علاج کی بہترین سہولیات میسر تھیں۔ ان کی نجاست صاف کرنا اور کپڑے دھونا یہ سارے کام یہ لوگ خود ہی انجام دیتے تھے۔ آٹھ سال تک وہ کہیں نہیں گئے۔ میری بھتیجی فوزیہ نے بھی اپنی دادی کی بہت خدمت

محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

آئے پہلی روشنی

درِ احمدؐ پہ جاؤں دل کا ہے ارماں میرے مولیٰ!
لگی دل کی بجھا دے کردے تو ساماں میرے مولیٰ!

دلِ بے تاب کہتا ہے کہ اب دیدار ہو جائے
محمد مصطفیٰؐ ہیں درد کا درماں میرے مولیٰ!

محمدؐ آئے پہلی روشنی چمکے نصیب اپنے
ہوا حاصل زمانے بھر کو یوں ایماں میرے مولیٰ!

اطاعت فرض ہے ہم پر خدا کی اور محمدؐ کی
یہی قرآن میں ہے آپ کا فرماں میرے مولیٰ!

میرے ہونٹوں پہ ہو صلی علیٰ صلی علیٰ ہر دم
میرے ہاتھوں میں ہو بس آپ کا قرآں میرے مولیٰ!

کلام: ذکیہ بلگرامی

لی۔ حالانکہ وہ اس وقت بچی تھی۔ بہرحال ذکر ہو رہا تھا خواب کا تو میں نے اپنے بھائی کو عالم برزخ میں جس طرح عیش و آرام میں دیکھا۔ یہ ان کا حق بنتا ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے اور جنت کمانے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں، یہ خواب بہت طویل تھا اور مکمل بھی۔

ایک اور خواب بیان کر رہی ہوں۔ یہ میں نے 1997ء میں دیکھا تھا اس وقت میرے بیٹے آصف کی شادی بسمہ سے طے ہو چکی تھی۔ بسمہ ڈاکٹر ہاشمی کی بیٹی ہے جو ہمارے ڈیپارٹمنٹ ہی میں پروفیسر تھے، ان

دنوں میں پی ایچ ڈی کررہی تھی۔

میں خواب میں دیکھتی ہوں کہ ایک چھوٹا سا گھر ہے۔ ایک کمرے میں پلنگ بچھا ہے، صاف سفید رنگ کی چادر بچھی ہے، میں اس پر بیٹھی ہوں، گرمی بہت ہے، میری ہونے والی بہو آتی ہے، کہتی ہے میں اے سی چلا دوں، گرمی بہت ہے۔ سامنے ہی ایک میز پر سفید میز پوش پڑا ہے اواس پر چھوٹا سا اے سی رکھا ہے۔ وہ کھول دیتی ہے، کمرا ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ میں اس سے کہتی ہوں پتا نہیں میرا وہ قرآن پاک کس حال میں ہے جو حکیم سعید صاحب نے لیا تھا۔ میری بہو اچانک وہ قرآن پاک لے آتی ہے۔ میں اسے کھول کر دیکھتی ہوں، ہر ہر لفظ پر ہیرے جواہرات ٹنکے ہیں۔ (سبحان اللہ) پورا صفحہ جو کھولا تو جگمگ کررہا تھا...... میں اس خواب کو کبھی نہیں بھلاسکتی اور بھی خواب ہیں مگر سب کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں...... میں نے اپنی زندگی کی کہانی جو تحریر کی ہے وہ قلم اور قرآن پاک کے حوالے سے ہے۔ اس میں ان گیارہ عدد قرآن پاک کا تذکرہ ہوچکا جو اب تک مکمل ہوئے۔ قلم کا سفر جاری ہے۔ میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھتی ہوں۔ افسانہ میں نے کافی عرصے سے نہیں لکھا لیکن کالم، مضامین، انشائیہ، انٹرویوز، رپورٹنگ وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ لیکن پچھلے دنوں میں نے ایک عدد ناول لکھا "تلاش" جو جلد ہی کسی نہ کسی ڈائجسٹ میں قسط وار شروع ہوجائے گا۔ میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ میری لکھنے کی رفتار بہت تیز ہے۔ سالوں کے کام مہینوں اور مہینوں کے کام دنوں میں کرتی ہوں۔ چنانچہ موجودہ لکھا گیا ناول تلاش میں نے پانچ ہفتوں میں مکمل کیا۔

قلم اور قرآن حکیم کی یہ داستان ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اسے ختم ہونا بھی نہیں چاہیے۔ جب تک زندگی باقی ہے، میرا قلم چلتا رہے گا، صرف اچھی بات لکھنے کے لیے۔ آپ سب میرے حق میں دعائے خیر کریں۔

جنوری 2009ء سے جولائی 2009ء تک شائع ہونے والی یہ مختصر آپ بیتی جو آپ پچھلے کئی ماہ سے پڑھ رہے ہیں 2008ء میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت تک چونکہ صرف گیارہ کلام پاک لکھے گئے تھے اسی وجہ سے ان ہی کا تذکرہ ہے۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ قلم اور قرآن حکیم کی یہ داستان ابھی ختم نہیں ہوئی اسے ختم ہونا بھی نہیں چاہیے جب تک زندگی باقی ہے میرا قلم چلتا رہے گا۔ صرف اچھی بات لکھنے کے لیے... چنانچہ اس کے بعد چھ عدد قرآن پاک اور لکھے گئے۔ اس دوران میری زندگی میں بے شمار اتار چڑھاؤ آئے بہت ساری باتیں انسان لکھ نہیں پاتا اور کچھ باتیں اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہوتی ہیں ان پر پردہ پڑا رہنا چاہیے۔ میں زیادہ لکھ نہیں سکتی اس دور کی بس مختصر داستان تحریر کررہی ہوں۔

2008ء کے شروع میں ساڑھے تین ماہ کے اندر ہی میں نے تین کتابیں لکھیں۔ تلاش، اگر ملنا نہیں، ہمدم اور یادوں کی مالا...... یہ سب قسط وار اور پھر کتابی صورت میں شائع بھی ہوچکی ہیں۔

تین اگست 2008ء کو میں اپنے بیٹے کاشف کے گھر کینیڈا گئی اور 17 اکتوبر کو واپس آئی۔ ان دنوں میری طبیعت خراب رہتی تھی مگر یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ آخر بیماری کیا ہے۔

اس دوران چونکہ میں اپنا بارھواں قرآن پاک لکھ رہی تھی اس وجہ سے اس کا کاغذ اور قلم اپنے ساتھ لے کر گئی تھی تاکہ قرآن پاک لکھنے کا ناغہ نہ ہو...... کینیڈا میں، میں نے تیسری منزل مکمل لکھی بس اتنا ہی کاغذ لے کر گئی تھی۔ واپس آئی تو مکمل میڈیکل چیک اپ کروایا۔ اکتوبر 2008ء کو مجھے پتا چلا کہ مجھے بریسٹ کینسر ہے۔ اور آپریشن بھی ہونا ہے۔ قدرتی طور پر میں پریشان تھی اور حد سے زیادہ طبیعت خراب ہوجانے کی وجہ بھی پتا چل گئی۔ اس وقت میرا آدھا قرآن پاک ہوا تھا اور ابھی آدھا باقی تھا۔ مجھے اس بات کی بے حد فکر تھی کہ میں یہ کلام پاک جلد از جلد مکمل کروں اگر نہ کرسکی تو پھر کون کرے گا؟

چنانچہ میں نے بہت زیادہ لکھنا شروع کردیا۔ حتیٰ

کہ ایک دن میں، میں ایک ربع بھی لکھ لیتی۔ میرے تین آپریشن ہوئے۔ ایک دسمبر 2008ء دوسرا جنوری 2009ء اور پھر آخری میجر آپریشن 17 فروری 2009ء کو ہوا۔ یہ ایک کامیاب آپریشن تھا۔ تاہم میرے جسم میں چار drains لگی ہوئی تھیں جن میں جسم سے قطرہ قطرہ bloody water نکل کر جمع ہوتا رہتا۔

بہت کوشش کے باوجود میں صرف 28 سپارے لکھ سکی تھی۔ اب فی الحال یہ کام رک گیا۔ دن رات اسی فکر میں گھلنے لگی کہ الٰہی یہ دو سپارے کیونکر لکھے جائیں گے۔ کیونکہ میں اپنے انجام سے بے خبر تھی۔ میں جانتی تھی کہ آپریشن کے بعد chaemotherapy اور radio therapy دی جاتی ہیں جس سے انسان کا حال خراب ہوجاتا ہے بال جھڑ جاتے ہیں وغیرہ ...... (ظاہر ہے یہ اس علاج میں دواؤں اور ٹریٹمنٹ کا ردِعمل ہوتا ہے) جب اسپتال سے گھر آئی تو میرے جسم میں دو drains لگی ہوئی تھیں۔ میں نے فوری طور پر قرآن پاک کو مکمل کرنے کا تہیہ کرلیا...... اور کسی نہ کسی طرح وضو کر کے لکھنے بیٹھ جاتی۔ میرے جسم سے دو جانب سے خون کے قطرے بوتل میں جمع ہوتے رہتے اور میں کتابت میں مشغول رہتی...... ہر دم لبوں پر ایک ہی دعا ہوتی کہ یا اللہ میں کیموتھراپی وغیرہ سے بچ جاؤں میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ میرا یہ قرآن پاک 20 مارچ، 22 ربیع الاول 2009ء کو مکمل ہوگیا۔ بوتل بھی ابھی لگی ہوئی تھی اب مجھے اللہ کی رحمت کا انتظار تھا۔ بوتل نکلنے کے بعد جب ٹیسٹ وغیرہ ہوئے تو پتا چلا کہ کینسر میرے جسم کے اندر پہنچا ہی نہیں تھا...... اس وجہ سے مجھے کسی قسم کی تھراپی نہیں دی جائے گی۔ (سبحان اللہ) میں حیران رہ گئی...... میری دعا قبول ہوگئی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا...... یہ قرآن حکیم کی برکت تھی۔ البتہ پانچ سال تک مجھے دوائیں کھانی تھیں۔ اب پانچ سال بھی پورے ہوگئے ہیں لیکن بہت ساری دوائیوں کے سائڈ افیکٹس ہوتے ہیں اس وجہ سے میں کمزور ہوگئی ہوں۔

آپریشن سے چند روز قبل میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک بڑا سا کمرا ہے جس میں مجھ سمیت بہت سی خواتین بند ہیں، اس کمرے کے سب دروازے بند ہیں، میں کہہ رہی ہوں کہ یہاں سے بچ کر نکل جانا ناممکن ہے۔ ہم سب کی موت یقینی ہے۔ تب ہی اچانک مجھے ایک جانب راستہ نظر آجاتا ہے۔ میں تیزی سے بھاگتی ہوں اور اس راستے سے باہر نکل جاتی ہوں، یہ خواب سچ ثابت ہوا میں کینسر سے بچ کر نکل آئی۔

میں 17 فروری 2009ء آپریشن کے سلسلے کے تاثرات لکھنا چاہ رہی ہوں۔ اگرچہ میں اس سلسلے میں بہت پریشان رہی تھی۔ آنسو بھی بہائے تھے...... مگر اس روز عجیب معاملہ ہوا۔ جب مجھے آپریشن کی میز پر لٹایا گیا تو اچانک میری تمام پریشانی دور ہوگئی۔ نہ جانے کیسے سارا خوف ایک انجانی خوشی میں تبدیل ہوگیا۔ میرے دل کو یہ یقین ہوگیا کہ آج میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضرور ملوں گی۔ اور جب یہ یقین راسخ ہوگیا تو ایک لازوال خوشی اور مسرت میرے اندر تک سموگئی۔ مجھے بے ہوش کردیا گیا۔ پانچ یا چھ گھنٹے کا آپریشن تھا۔ بے ہوشی کے دوران کیا دیکھتی ہوں کہ گھپ اندھیرا ہے اور اسی اندھیرے میں میرے بائیں جانب بہت بڑا سا اللہ لکھا ہوا ہے اور اسی کے نیچے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا ہے۔ ان دونوں ناموں سے اس قدر روشنی نکل رہی ہے کہ پورا ماحول جگ مگ کررہا ہے۔ روشنی میں بے شمار رنگ تھے اتنا خوب صورت منظر تھا کہ میں اسے تاحیات بھول نہ سکوں گی۔ ہاں ان دونوں ناموں کے پیچھے سے مجھے اپنے پوتے اسامہ کی شکل بھی نظر آئی جس کی عمر اس وقت 10 سال تھی...... (اس کی وجہ میں نہیں سمجھ پائی ہوں) جب کبھی نماز پڑھنے بیٹھتی ہوں اکثر اوقات وہی روشنیاں بکھیرتا اللہ کا نام سامنے آجاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

اعتبارِ وفا

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سُجھائی تک نہیں دیتی۔
ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔
مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غُنچے وہیں کھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصّہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں

قسط:21

''کیا بک رہا ہے؟'' شاہجہان بیگم نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ تپائی پر رکھا۔
''بک نہیں رہا شاہجہان بیگم...... حانی دادا کو دیکھا ہے میں نے اُدھر...... سچ کہہ رہا ہوں۔''
''اچھا......'' شاہجہان بیگم کے لہجے میں تمسخر در آیا اور وہ سنبھل چکی تھی۔
''ہاں...... جیسے پہلے دیکھا تھا۔''

''نہیں اللہ قسم سچ کہہ رہا ہوں، میں نے خود اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے دیکھا۔ بہت دیر تک دیکھتا رہا اور پھر تصدیق بھی کرلی......'' اور شاہجہان بیگم کا دل ایک بار پھر بے ہنگم انداز میں دھڑکنے لگا۔

''اچھا بیٹھ جا اِدھر اور آرام سے بتا کہاں دیکھا اور کس سے تصدیق کی۔'' اندر ہوتی بے ترتیب دھڑکنوں کے برعکس شاہجہان بیگم کا لہجہ نارمل تھا۔

''وہ...... اُدھر اسپتال میں دیکھا...... گاڑی سے اتر کر اندر جا رہا تھا۔ شاید کوئی عزیز بیمار ہے اس کا اور وہاں اس اسپتال میں داخل ہے اور وہ ہر روز وہاں جاتا ہے۔'' شیدا صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''اچھا تو اب اسپتال کے باہر دھرنا مار کر بیٹھ جائیں کہ وہ کب اسپتال آتا ہے۔ واہ کیا خبر لایا ہے تو!'' شاہجہان بیگم نے ایک طنزیہ سی نظر اس پر ڈالی۔

''توبہ ہے شاہجہان بیگم...... چھری تلے دم تو لینے دو...... پوری بات سن لو پھر تبصرہ کرنا۔'' شیدے کے لہجے



سے ناراضی جھلکنے لگی۔ شاہجہان خاموش ہی رہی لیکن اس کی سوالیہ نظریں شیدے کے چہرے پر تھیں۔ شیدے نے شاہجہان بیگم کی بے چینی کو محسوس کیا اور مدھم سا مسکرایا۔

''میں وہاں اسپتال کے گیٹ کے پاس جم کر کھڑا ہوگیا اور نظریں اندر سے باہر نکلنے والوں پر لگا دیں۔'' شیدے کو لمبی بات کرنے کی عادت تھی۔ شاہجہان کو کوفت ہو رہی تھی لیکن وہ زبان بند کیے اس کی بات سن رہی تھی۔

''کچھ دیر بعد وہ گیٹ سے نکل کر پارکنگ کی طرف جانے لگا تو میں اس کے پیچھے چل پڑا اور چند قدم چلنے کے بعد اسے آواز دی۔ ''حاتی دادا'' اور اس نے یک دم مڑ کر پیچھے دیکھا...... قسم سے شاہجہان بیگم اس نے مجھے پہچان لیا تھا لیکن فوراً ہی انجان بن کر پوچھنے لگا۔ ''آپ نے کسے بلایا ہے؟ میں نے بھی قریب جا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔''

''اب بک بھی چک، یہ لمبی داستان نہ سنا مجھے۔'' شاہجہان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا...... لیکن شیدا ابھی اس کے صبر کا امتحان لے رہا تھا۔ ایسا موقع تو کبھی کبھی ہی ملتا تھا اسے، ورنہ ظہورے کے سامنے اس کی دال نہیں گلتی تھی۔

''اور کیا...... حاتی دادا کیا پہچانا نہیں مجھے، میں شیدا ہوں...... شیدا لمبا تو بولا میں نے نہیں پہچانا۔ میرا نہیں خیال کہ آج سے پہلے کبھی میری ملاقات آپ سے ہوئی ہو......'' میں نے کہا چلو مجھے نہیں پہچانا تو کوئی بات نہیں میں بیچارہ نہ تین میں نہ تیرہ میں...... تمہیں شاہجہان بیگم تو یاد ہوگی ناں...... اُدھر شاہی محلے میں اس کے چوبارے پر آیا کرتے تھے تم...... تو کہنے لگا۔'' میں نہیں جانتا کسی شاہجہان بیگم کو اور نہ ہی اس کے چوبارے کو یہ کہہ کر وہ......''

''تیری کہانی ختم ہوئی ہو تو یہ بتا دے کہ اس کا اتا پتا معلوم کیا؟ کہاں رہتا ہے؟ میرا پیغام دیا؟'' شاہجہان بیگم نے اس کی بات کاٹی۔

''ایک تو تم شاہجہان بیگم پوری بات نہ سننا...... بیچ میں ٹوک دینا۔'' شیدے نے برا سا منہ بنایا۔

''اب کوئی تم سے پوچھے کہ جو شخص اپنے نام سے مکر رہا تھا وہ بھلا مجھے اپنا اتا پتا بتاتا۔ البتہ تمہارا پیغام دے دیا کہ شاہجہان بیگم کو تم سے کوئی ضروری کام آپڑا ہے۔ ڈھونڈتی پھر رہی ہے تجھے، دو گھڑی کے لیے ملنے آجاؤ...... گھر کا پتا بھی اچھی طرح سمجھا دیا...... ابھی دوبارہ سمجھانا چاہتا تھا کہ جھٹ سے گاڑی میں بیٹھ گیا اور بولا۔'' وہ نہ مجھے جانتا ہے نہ کسی شاہجہان بیگم کو ضرور مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اور شاہجہان بیگم نے سر پکڑ لیا۔

''پتا نہیں کس بندے کو حاتی دادا سمجھ لیا تو نے۔''

''قسم سے شاہجہان بیگم، شیدے کی نظر دھوکا نہیں کھاتی۔ تم اچھی طرح جانتی ہو، شیدا ایک بار کسی کو دیکھ لے تو سو سال بعد بھی پہچان لے...... تو کل میرے ساتھ چل کر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا اگر میں نے غلط کہا ہو تو جو چور کی سزا وہ میری۔''

''اچھا ابھی تو جا میرا دماغ نہ کھا، ایک وہ ظہورا کم دماغ کھا کر گیا ہے میرا۔''

شیدا بڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ٹھہر......'' شاہجہان کو یک دم خیال آیا کہ وہ اسپتال میں کیا کرنے گیا تھا۔

''تو وہاں اسپتال میں کیا کر رہا تھا؟''

''وہ میں......'' شیدا جاتے، جاتے رک گیا۔

''سنہری نے بھیجا تھا مجھے پروفیسر کے بیٹے کی خیریت معلوم کرنے۔''

''اوہ...... ہاں کیسا ہے وہ؟ سنہری نے بتایا تو تھا۔ کیا زیادہ چوٹیں آئی تھیں۔''

''پتا نہیں، میں اندر تو گیا ہی نہیں...... حاتی دادا کو جو دیکھ لیا تھا۔''

شیدا سر میں انگلیاں چلاتا ہوا چلا گیا تو شاہجہان نے پاس کھڑی موراں کو چائے کا کپ اٹھانے کا اشارہ کیا
''موراں، یہ چائے لے جا اور گرم کر کے لے آ...... اس کمبخت شیدے کی اسٹوری میں ٹھنڈی ہو گئی اور ہاں یہ سنہری، موتیا، بجو کہاں مری پڑی ہیں۔ انہیں بتایا نہیں میرے آنے کا گھنٹوں سے آئی بیٹھی ہوں...... ایک بھی نیچے نہ اتری۔''
''سنہری تو نہا رہی تھی اور تم جانو وہ ایک بار غسل خانے میں گھس جائے تو گھنٹے لگا کر نکلتی ہے اور موتیا سو رہی تھی۔ بیچاری موتیا کو تو بخار نے توڑ کر رکھ دیا ہے، دوائی کھا کر سوئی تھی۔ میں نے جگایا نہیں اور بجو تو پڑھ رہی تھی یہ موٹی سی کتاب...... اور تم نے خود ہی کہہ رکھا ہے کہ وہ اگر پڑھ رہی ہو تو اسے مت بلانا اور میں نے......''
''توبہ ہے موراں، تم سب لوگوں نے کیا آج پوری، پوری کہانیاں سنانی ہیں مجھے۔'' شاہجہان نے اس کی بات کاٹی۔ موراں نے چائے کا کپ اٹھالیا۔
''موراں......'' سنہری سیڑھیوں پر نمودار ہوئی۔
''اگر چائے فالتو ہو تو مجھے بھی تھوڑی سی دے دو۔'' اور پھر دو دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے اتر کر شاہجہان بیگم کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے دونوں رخساروں کو چوما۔
''چل ہٹ پرے......'' شاہجہان نے اسے پیچھے دھکیلا۔
''یہ جھوٹے لاڈ نہ دکھا صبح سے آئی بیٹھی ہوں اور توفیق نہیں ہوئی نیچے اترنے کی۔''
''اتنی گندی سندی بیٹھی تھی، تین دن کے میلے کپڑے...... سوچا نہا دھو کر صاف ستھری ہو کر اپنی اماں کا استقبال کروں۔'' وہ شاہجہان بیگم کے پاس ہی بیٹھ گئی۔
''اچانک ہی گئی ہو اور پھر اچانک ہی آ گئی ہو، موراں تو کہہ رہی تھی ہفتے دو ہفتے رہو گی۔'' سنہری نے اس کا پاندان کھول کر اس میں سے چھالیا اور میٹھی سونف نکال کر ہتھیلی پر رکھی اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر پھر پوچھا۔'' ویسے اماں یہ اچانک لاہور کیوں چلی گئی تھیں۔ کیا وہاں کی صورتِ حال دیکھنے گئی تھیں۔ بالکل پولیس کی طرح چھاپا مارا تم نے...... ویسے وہاں سب ٹھیک تو تھے ناں رادھا...... ریکھا، شمو......''
''توبہ ہے سنہری بریک تو لے ذرا...... سوال پر سوال کرتی چلی جا رہی ہے۔''
''تو تم باری، باری سب کا جواب دے دو ناں...... ویسے کیا ہم واپس لاہور جا رہے ہیں۔''
''کیا خبر جانا ہی پڑے۔'' شاہجہان بڑبڑائی لیکن سنہری نے اس کی بڑبڑاہٹ نہیں سنی۔ وہ بہت دھیان سے ہتھیلی پر رکھی چھالیا اور سونف میں سے سونف کے دانے اٹھا، اٹھا کر منہ میں ڈال رہی تھی۔
''میرے بعد کوئی آیا تو نہیں تھا؟'' شاہجہان کو یک دم ہی پوچھنے کا خیال آیا تھا۔
''کس نے آنا تھا اماں؟'' سنہری نے جواب دے کر باقی ماندہ ساری سونف اور چھالیا اکٹھی منہ میں ڈال لی تھی۔
''رستے بستے گھروں میں کوئی نہ کوئی آ ہی جاتا ہے۔ اس لیے پوچھا ہے۔''
''رستا بستا گھر......'' شاہجہان کی بات سن کر سنہری ہنس پڑی۔ عجیب تمسخر اڑاتی سی ہنسی تھی۔
''کیا ہے اماں؟ اے جیسوں کے بھی ''گھر'' ہوتے ہیں اماں...... گھر تو شریف کہلوانے والوں کے ہوتے ہیں۔''
''توبہ ہے سنہری تم سے تو کوئی بات کرنا محال ہے، بال کی کھال نکالتی ہو۔'' شاہجہان بلاوجہ جھنجلائی۔ اس کے ذہن میں وسوکا خیال آیا تھا جو اس کا پتا لیتا پھر رہا تھا۔'' جانے اتنے سالوں بعد کیا ہڑک اٹھی ہے اسے۔''
''کس نے آنا تھا اماں......؟'' سنہری بھی سنجیدہ ہو گئی۔
''ایک صاحبزادہ صاحب ہی تھے جنہیں ہر دوسرے تیسرے دن موتیا کی ہوک اٹھتی تھی اور ڈرائیور بھجواتے

تھے یا خود لینے چلے آتے تھے لیکن اب جب سے موتیا کو چھوڑ کر گئے ہیں ایک بار بھی جھانک کر نہیں دیکھا..... لگتا ہے چاؤ اتر گیا ہے..... ویسے کس نے آنا تھا اماں؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے شاہجہان کی طرف دیکھا لیکن وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''کیا سوچنے لگی ہو اماں کس نے آنا تھا آخر.....؟'' اس نے اپنی بات دُہرائی تو شاہجہان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کسی نے نہیں بس یونہی پوچھ لیا۔''

''اچھا.....'' سنہری نے آنکھیں مٹکائیں۔

''تم نے تو یونہی پوچھ لیا..... پر یاد آیا ایک بندہ آیا تو تھا۔''

''کون تھا؟ کیا نام بتایا تھا؟'' شاہجہان متجسس ہوئی۔

''وہی جس کا تمہیں انتظار تھا۔'' سنہری کو بھی چوہے بلی کا کھیل کھیلنے میں مزہ آتا تھا۔

''کس کا انتظار تھا مجھے؟'' شاہجہان جھنجلائی۔

''سجو کے باپ کا اور کس کا.....؟'' سنہری اٹھلائی اور شاہجہان کا دل دھک سے رہ گیا۔

''تجھے الہام ہوا ہے کیا؟''

''اب جو بھی تم سمجھو لیکن کیا غلط کہا ہے میں نے؟''

''سنہری.....'' شاہجہان نے اسے گھورا۔ ''تیری یہ فضول بک بک کی عادت زہر لگتی ہے مجھے اور یہ پہلیاں نہ بجھوا سیدھی طرح بتا کون آیا تھا؟''

''وہی تو آیا تھا، بابر نوید نام بتایا تھا اس نے۔'' سنہری نے شاہجہان کے تاثرات دیکھنے کے لیے ہنوز اسے دیکھا۔

''چل دفع کر اسے۔'' شاہجہان نے ہاتھ سے مکھی اڑائی۔ ''وہ کیوں ہونے لگا سجو کا باپ جھوٹا، فراڈیا، مکار۔''

''تو وہ نہیں تھا سجو کا باپ؟'' سنہری کا چہرہ اتر گیا اور آواز سے مایوسی جھلکنے لگی۔

''اتنا امیر لگتا تھا..... یہ بڑی سی گاڑی تھی، کہہ رہا تھا کہ بیس اکیس برسوں بعد شاہجہان سے ملنے آیا ہوں ایک کام ہے۔'' سنہری کی آواز مدھم پڑ گئی تھی جیسے خود کلامی کر رہی ہو۔

''میں نے سوچا تھا اپنی سجو عیش کرے گی بیگم صاحبہ بن کر رہے گی۔ گاڑیوں میں گھومے گی، کسی امیر آدمی سے اس کی شادی ہو جائے گی۔ معتبر ہو جائے گی اور کیا خبر اس کے طفیل ہمیں بھی عزت مل جائے۔''

''خواب کم دیکھا کر سنہری.....'' شاہجہان نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''اپنی قسمت میں تو بس خواب دیکھنا ہی لکھا ہے اماں۔'' سنہری کی چمکتی آنکھیں بجھ سی گئیں۔

''اچھا چل.....'' شاہجہان کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ موراں نے چائے کے دو کپ آ کر تپائی پر رکھے اور سنہری کی طرف دیکھا۔

''یہ اس سنہری کو کیا ہوا ہے۔ شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟''

''لو مجھے کیا ہونا ہے۔'' سنہری نے چائے کا کپ اٹھا لیا۔

''ذرا اوپر جا کر دیکھ آ موتیا جاگ گئی ہے یا نہیں.....'' شاہجہاں نے کہا۔

''ارے ہاں دیکھتی ہوں کب سے سو رہی ہے کہیں بخار پھر تو نہیں ہو گیا۔'' موراں سیڑھیوں کی طرف

بڑھ گئی۔

''موتیا بہت کمزور ہوگئی ہے۔ کچھ کھاتی پیتی ہی نہیں ہے۔ اب تم آئی ہو تو سمجھانا... ہماری تو کچھ سنتی ہی نہیں ہے۔'' سنہری نے شاہجہان کو بتایا۔

''ویسے اماں......'' وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکی۔ ''یہ ہماری موتیا کہیں عشق کا روگ تو نہیں لگا بیٹھی مجھے تو لگتا ہے صاحبزادہ صاحب سے دل لگا بیٹھی ہے۔ ایسی پیلی ہو رہی ہے۔'' سنہری زیادہ دیر تک خود پر ایک ہی موڈ طاری نہیں رکھتی تھی۔

''چل ہٹ پرے......'' شاہجہان نے اسے ہاتھوں سے پیچھے کیا۔ ''جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہے، موتیا اتنی کچی نہیں ہے تو ہوتی تو ضرور کوئی روگ لگا لیتی۔''

''ہائے کاش کوئی روگ لگ ہی جاتا مجھے۔'' سنہری کی آنکھیں پھر شرارت سے چمکنے لگی تھیں۔

''مجھے اور موتیا کو تو نہ لگا یہ روگ...... پر تیری شہزادی بجو کو جسے تو سات پردوں میں چھپا، چھپا کر رکھتی تھی۔ لگ گیا یہ روگ......''

''کیا بک رہی ہے؟'' شاہجہان بیگم اسے ہونقوں کی طرح تکنے لگی۔

''کیا صاحبزادہ صاحب؟'' اس کے حلق میں... جیسے گولا سا پھنس گیا اور اس نے کپ میں بچی ہوئی چائے ایک ہی گھونٹ میں حلق سے نیچے اتاری۔

''صاحبزادہ صاحب؟'' سنہری کے حلق سے قہقہہ برآمد ہوا۔ ''لگتا ہے اماں آج تو اپنے حواس میں نہیں ہے۔ بھلا کہاں صاحبزادہ صاحب اور کہاں ہماری بجو...... اب بجو کی نظر اتنی بھی کمزور نہیں۔''

سچ ہی تو کہہ رہی تھی سنہری وہ آج حواسوں میں نہیں تھی۔ ایک طرف صاحبزادہ صاحب کے مطالبے نے اس کا دماغ گھمار کھا تھا۔ دوسری طرف یہ بابر کمبخت پتا نہیں کیوں اسے کھوجتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا تھا۔

''خیر میری جوتی کو بھی پروا نہیں اس کی۔ کہہ دوں گی جو بھی اس وقت ذہن میں آیا......ایک تو خواہ مخواہ کی مصیبت ڈال دی سر پر اور اب باز پرس کرنے آرہا ہے......ارے بھئی ہمیں کیا پتا بھاگ گیا ہوگا کہیں۔''

''تجھے بتایا تو تھا اماں وہ پروفیسر کے بیٹے کا دوست......اپنے باپ کو بھیجنا چاہتا ہے بجو کے رشتے کے لیے اور تم تو پوری بات سنے بغیر لاہور بھاگ لیں۔''

''ہاں بتایا تو تھا پھر......؟'' شاہجہان نے پُرسوچ انداز میں سنہری کی طرف دیکھا۔

''پھر کیا اماں اپنی بجو بھی اس سے شادی کرنا چاہتی ہے، بلوا لے ناں اس کے باپ کو۔'' سنہری نے شاہجہان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تجھے کیا لگتا ہے سنہری، وہ نبھانے والا ہے یا بیچ راہ میں چھوڑ دے گا۔'' شاہجہان نے پوچھا۔

''قسم سے اماں چھوڑنے والا نہیں قول کا پکا لگتا ہے۔''

''اچھا تو پھر بجو کو بول، اسے کہہ دے، اپنے باپ کو لے کر کل ہی آجائے۔'' شاہجہان کو صاحبزادہ صاحب سے بچنے اور اپنا قول نبھانے کے لیے یہی راستہ نظر آیا تھا۔ بادلِ ناخواستہ ہی سہی سر پر یہ جو صاحبزادہ صاحب کی تلوار لٹک رہی ہے اس نے بجل کو رخصت کرنے کا سوچ لیا تھا......'' اب جیسا بھی ہوا، بھوکا، ننگا، شریف تو ہے ناں......بجو کا گھر بھی بس جائے گا......بقول ظہورے کے ہمارے کام کی تو رہی نہیں چار حرف پڑھ کر......اور وعدہ بھی پورا ہو جائے گا۔ کبھی جو زندگی میں اس سے سامنا ہوا تو کہہ سکوں گی تم نے جو کوٹھے والی پر اعتبار کیا تھا تو اس نے بھی تیرے اعتبار کی لاج رکھ لی۔''

''اور وہ جو تبل کو بڑی اداکارہ بنانے کا خواب دیکھا تھا اس نے۔'' دل میں جیسے کسی نے چٹکی بھری تھی۔'' یہ سنہری ہے ناں پوری اداکارہ۔'' اس نے خود کو تسلی دے کر سنہری کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور رخساروں پر لالی تھی۔

''سچ اماں......!'' اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر سنہری نے یک دم ہی اس کے رخساروں پر دائیں بائیں باری، باری بوسہ دیا اور خوشی سے گنگناتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

''راجا کی آئے گی بارات، رنگیلی ہوگی رات مگن میں ناچوں گی۔''

اس نے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور ایڑیوں پر گول، گول گھومتے ہوئے کھلکھلا... کر ہنسی......اور اتنے دنوں کی ٹینشن کے بعد شاہجہان کو اطمینان سا محسوس ہوا اور وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''دیکھوں تو یہ موراں اوپر ہی جا کر مر گئی کہیں موتیا کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو۔'' سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے سنہری کی طرف دیکھا جو اسی طرح ہاتھ پھیلائے گول، گول گھوم رہی تھی۔

''پارہ بھرا ہے کمبخت کے بدن میں۔'' شاہجہان کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

☆☆☆

''باس!'' ممتاز خان نے لاؤنج میں جھانکتے ہوئے ثمر حیات کو مخاطب کیا تو ثمر حیات نے جو نہ جانے کس سوچ میں گم تھا چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے ممتاز خان؟''

''مجھے دو تین گھنٹے کے لیے چھٹی چاہیے تھی باس...... اُدھر ناظم آباد میں ایک عزیز کی مزاج پرسی کے لیے جانا ہے۔''

''ٹھیک ہے چلے جاؤ لیکن جاتے ہوئے عظام کو ذرا میرے پاس بھیج دینا۔ شاید باہر لان میں ہوگا۔''

''لیکن عظام صاحب تو کہیں باہر چلے گئے ہیں۔''

''کہاں... کچھ بتا کر گیا ہے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے ممتاز خان کی طرف دیکھا۔

''نہیں کچھ نہیں بتایا...... چھوٹی گاڑی لے کر گئے ہیں۔'' ممتاز خان نے بتایا۔

''آخر کہاں گیا ہے؟ مجھے بھی بتا کر نہیں گیا۔'' اس نے جیسے خود کلامی کی۔

''وہ آپ کے بیڈروم کی طرف جا تو رہے تھے۔ میں کچن میں آیا تھا پانی لینے تو دیکھا تھا لیکن شاید آپ آرام کر رہے تھے ڈسٹرب نہیں کیا۔'' ممتاز خان نے خیال ظاہر کیا۔

''گارڈ ساتھ لے کر گیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، میں نے کہا بھی تھا لیکن انہوں نے منع کر دیا۔''

''ہوں، ٹھیک ہے تم جاؤ......'' ممتاز خان کی بات سن کر ثمر حیات نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

''دونوں گارڈ باہر ہی ہیں، میں نے انہیں گیٹ کا خیال رکھنے کو کہہ دیا ہے۔'' ممتاز خان نے بتایا تو ثمر حیات نے سر ہلا دیا۔ وہ یک دم ہی پریشان سا ہو گیا تھا کہ کتنی ہی بار اس نے عظام سے کہا تھا کہ کہیں بھی جانا ہو اکیلے مت جاؤ کم از کم ایک گارڈ کو ساتھ لے جایا کرو...... پتا نہیں سائیں مٹھا کے آدمی کہاں گھات لگا کر بیٹھے ہوں اور میرے پاس عظام کے سوا اور ہے ہی کیا......'' جب سے اس کی سائیں مٹھا سے ملاقات ہوئی تھی وہ عظام کے لیے یوں ہی پریشان رہتا تھا۔ اگر رواحہ کا حادثہ نہ ہوتا تو وہ اب تک عظام کے لیے کوئی نہ کوئی فیصلہ کر چکا ہوتا۔ وہ عظام کے لیے

خوفزدہ تھا گو ابھی اس کا خوف بے معنی تھا۔ کیونکہ سائیں مٹھا نہیں جانتا تھا کہ عظام کون ہے۔ اس نے عظام کو اسی خوف سے اب تک ہاسٹل میں رکھا تھا کہ سائیں مٹھا کو اس کے متعلق علم نہ ہو...... لیکن سائیں مٹھا نے اگر کبھی اس کے ٹھکانے کا پتا چلا لیا تو اس کے لیے یہ جان لینا کون سا مشکل ہوگا کہ عظام اس کا بیٹا ہے اور پھر...... ایک بار اس نے اسے اس کے خاندان سمیت ختم کرنے کی کوشش کی تھی پھر اب دوبارہ بھی تو وہ...... اس نے ایک جھرجھری سی لے کر سر جھٹکا۔

''میں یونہی پریشان ہو جاتا ہوں...... اب ایسا بھی کیا ہے کہ ایک ایم پی اے کے پاس مجھ پر نظر رکھنے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں ہو۔'' اس نے خود کو تسلی دی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا...... اسے ٹی وی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، نہ ہی ڈراموں سے، نہ ٹاک شوز سے، نہ خبروں سے۔ بلکہ اس کے پاس وقت ہی کہاں ہوتا تھا ٹی وی دیکھنے یا اخبار پڑھنے کے لیے لیکن اس وقت وہ فارغ تھا اور اسے جلیل خان کے فون کا انتظار تھا اور... وقت گزاری کے لیے اس نے ٹی وی آن کر لیا تھا۔ اسے جلیل خان سے حتمی بات کرنا تھی اور وہ رات سے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کا فون بند تھا۔ وہ دو دن قبل ہی لندن سے آیا تھا اور رواحہ کی وجہ سے ملنے نہیں جا سکا تھا اور نہ ہی اس نے فون کر کے اسے بلایا تھا۔ غالباً بالی اور سیمو سے اسے عظام کے دوست کے حادثے کی خبر مل گئی ہوگی...... لیکن اب جب وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا تو جلیل خان نے فون آف کر رکھا تھا۔ وہ اس زندگی کو خیرباد کہنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے جلیل خان سے حتمی بات کرنا تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ عظام کے پرویس کے فائنل پیپرز کے بعد وہ خانیوال منتقل ہو جائے گا اور عظام ہاسٹل میں رہ کر پنجاب یونیورسٹی سے اپنا ماسٹر مکمل کرلے گا۔ مائیگریشن کا یقیناً کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہوگا۔ آج سنڈے کی وجہ سے عظام دیر سے اٹھا تھا۔ اسے بھی رات دیر سے ہی نیند آئی تھی۔ وہ لوگ رواحہ کے گھر سے تقریباً بارہ بجے آئے تھے۔ رواحہ کو اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ اور وہ عظام کے ساتھ رواحہ کو دیکھنے گھر گیا تھا اور رواحہ کے والد نے انہیں روک لیا تھا۔ وہاں بہت اچھا وقت گزرا تھا۔ رواحہ کے شوخ اور برجستہ جملے اس کے والد کا بے تکلفانہ اور دوستانہ انداز وہ بہت متاثر ہوا تھا۔ یہ ایک مکمل گھر تھا اور بہت پرسکون اور خوشگوار ماحول تھا۔ وہ عظام کو یہ سب نہیں دے سکا تھا۔ شاید اسی وجہ سے رواحہ کے مقابلے میں عظام کچھ سنجیدہ سا تھا...... گھر آ کر بھی وہ کتنی ہی دیر تک عظام اور رواحہ کا موازنہ کرتا رہا تھا۔ رواحہ کی شوخی اور شرارت اسے اچھی لگ رہی تھی۔ ظفری کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد رواحہ کے والد بھی خوش اور مطمئن تھے اور رواحہ کے ساتھ ان کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ اس نے خود کو ٹٹولا تو اس کے اندر یہ زندگی مفقود تھی جو اس گھر کی فضا میں نظر آ رہی تھی۔ تب بے اختیار ہی وہ ان سے کہہ بیٹھا تھا۔

''پروفیسر صاحب، چلیں اپنے اصل کی طرف لوٹ چلیں۔ یہ شہر کراچی اگرچہ اپنے دامن میں بہت وسعت رکھتا ہے لیکن اتنے سال یہاں رہنے کے باوجود کبھی، کبھی اجنبی لگنے لگتا ہے۔ لاہور کے گلی کوچے بے طرح یاد آتے ہیں۔'' خدا بخش نے زور شور سے اس کی تائید کی تھی اور پروفیسر صاحب نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''چلیے تو جائیں ثمر حیات صاحب لیکن یہاں ہمارے جگر گوشے کے دل کے نازک معاملات......''

''بابا......!'' رواحہ نے انہیں گھورا تھا۔ اور ان کی بات سمجھ کر وہ ہنس دیا تھا۔

''اُدھر ہی نہیں اِدھر بھی کچھ نازک معاملات چل رہے ہیں...... لیکن انہیں سلجھانے کے بعد تو کچھ سوچا جا سکتا ہے ناں......؟''

''پاپا......'' اب کے عظام نے انہیں شاکی نظروں سے دیکھا تھا اور پھر وہ چاروں ہنس دیے تھے۔ اس طرح کے ایسے خالص گھریلو ماحول کو کتنے عرصے بعد وہ انجوائے کر رہا تھا۔ اتنا اچھا وقت گزار کر آنے کے باوجود بھی...

بہت بے کل اور بے چین تھا۔ اسے اماں، ابا اور اپنا پرانا گھر یاد آ رہا تھا۔ سو رات بھر سو نہیں پایا تھا۔ اس لیے ناشتا کرتے ہی وہ اٹھ کر اپنے بیڈروم میں کچھ دیر آرام کرنے کے لیے آ گیا تھا۔ شاید اس لیے عظام نے اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا اور بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ رواحہ کی طرف سے تو وہ رات کو ہی آئے تھے...... ہوسکتا ہے جواد کی طرف ہاسٹل چلا گیا ہو...... اس نے پاس پڑا فون اٹھا کر عظام کا نمبر ملایا۔

''کہاں ہو یار، بتا کر بھی نہیں گئے۔''

''بس پاپا ایک دوست کی کال آ گئی تھی، اسی کی طرف جا رہا ہوں''

''کون دوست......؟''

''پاپا وہ......'' وہ جھجکا۔''آ کر بات کرتا ہوں۔''

''کوچۂ جاناں کی طرف تو نہیں جا رہے؟'' وہ عظام سے اتنا بے تکلف تو نہیں تھا لیکن بے اختیار لبوں سے نکل گیا۔ شاید یہ رات رواحہ کے گھر کی پُرلطف محفل کا اثر تھا۔

''پاپا......'' دوسری طرف عظام جھینپ گیا۔

''او کے بجل بٹی کو میرا پیار کہنا...... اور ہاں کب ملوا رہے ہو مجھے اس سے یہ؟''

''اس سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ ویسے اس کی والدہ واپس آ گئی ہیں۔''

''او کے گڈ لک......!'' اس نے فون آف کر کے پاس ہی صوفے پر رکھا اور ریموٹ اٹھا کر چینل چینج کیا...... عجیب فضول سا پروگرام آ رہا تھا۔ اب ایک نیوز چینل تھا اور بریکنگ نیوز آ رہی تھی۔

''صوبائی اسمبلی کے ممبر سکندر سومرو جو کل رات گاڑی کے حادثے میں شدید زخمی ہو گئے تھے، آج صبح اسپتال میں زندگی کی بازی ہار گئے۔ مرحوم کا تعلق ملتان سے تھا۔ اور وہ سائیں مٹھا کے نام سے معروف تھے۔ آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ کل رات ملتان سے لاہور آتے ہوئے ان کی گاڑی مخالف سمت سے آنے والے ایک ٹرک سے ٹکرا گئی تھی۔ اور ان کی بیوی، بیٹا اور ڈرائیور موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے تھے۔ جبکہ سائیں مٹھا کو شدید زخمی حالت میں اسپتال پہنچایا گیا تھا۔'' وہ شاکڈ سا ٹی وی کی اسکرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جہاں اب اس کی گاڑی دکھائی جا رہی تھی۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' اس کے لبوں سے نکلا...... اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا...... کتنا صبر کیا تھا اس نے کیسے، کیسے روکا تھا خود کو، سمجھایا تھا جب اذیت حد سے بڑھتی تو جی چاہتا تھا کہ ریوالور اٹھا کر جائے اور ساری گولیاں اس کے سینے میں اتار دے جو اس کی فرحی کا قاتل تھا اور جو...... لیکن پھر اس کے قدموں میں زنجیریں پڑ جاتیں۔ فرحی کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا اور اس کی وہ ٹوٹی بکھری سی آواز کانوں میں گونجتی۔

''وعدہ کرو ثمر، تم میرا انتقام نہیں لو گے۔ تم نے زندہ رہنا ہے...... اپنے اور روحان کے لیے...... تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا روحان اکیلا رہ جائے گا۔''

''اور روحان......'' اس نے اپنا نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں تلے داب لیا۔

''تو مٹھا سائیں مرنے سے پہلے یقیناً تم نے بھی اس اذیت کو محسوس کیا ہو گا جو اپنے خاندان کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھ کر ہوتی ہے۔ وہ تمہارا اکلوتا بیٹا تھا شاید...... اور تمہاری بیوی...... تمہیں مرنے سے پہلے پتا تو چل گیا ہو گا......'' نیوز کاسٹر بتا رہا تھا کہ سکندر سومرو نے خود گاڑی سے اُن کی ڈیڈ باڈیز نکالی تھیں۔ اسے اپنے سینے سے ایک بوجھ سا سرکتا ہوا محسوس ہوا۔ کتنے برسوں سے یہ بوجھ سینے پر دھرا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں میں نمی سی پھیلتی محسوس ہوئی تھی۔ کتنے سالوں سے اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ اس نے اپنے

سارے آنسو منجمد کر کے اپنے اندر اتار لیے تھے اور اندر ان آنسوؤں سے آگ دہکتی تھی لیکن آج ان خشک آنکھوں میں نمی تھی اور آنسو باہر آنے کو بے تاب تھے۔
ٹی وی اسکرین پر دوبارہ وہی خبر...... دُہرائی جا رہی تھی...... خبر سنانے والے کا وہی سپاٹ سا انداز جیسے وہ کسی کی موت کی خبر نہ سنا رہا ہو کوئی سنسنی خیز روزنامچہ پڑھ رہا ہو...... اس نے ٹی وی آف کر دیا...... اس کی آنکھوں کے سامنے فرحی اور روحان کے چہرے آ رہے تھے۔ شدتِ کرب سے اس نے آنکھیں موندتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی...... اور ماضی کے کئی مناظر آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔
اس رات جب اس کا سائیں مٹھا اور اس کے بندوں سے ٹکراؤ ہوا تھا، اسی رات گھر واپس آنے پر اسے جلیل خان کی رہائی کی خوشخبری ملی تھی۔ صبح دس بجے اسے لینے جانا تھا اور اس نے اسی وقت فرحی کو فون کیا تھا۔
''فرحی ہماری سزا ختم ہوگئی ہے۔ خان بابا رہا ہو رہے ہیں...... اور میں دو تین روز تک واپس خانیوال آ رہا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے......''
فرحی بہت خوش ہوئی تھی۔
''اب ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے ثمر جس میں ماضی کا کوئی حوالہ نہیں ہوگا...... میں، تم، روحان، خان بابا اور زیتون خالہ...... ہم ایک مکمل خاندان اور سادہ سی زندگی......'' فرحی جذباتی ہو رہی تھی۔
وہ پوری رات اس نے آنے والی زندگی کا خواب دیکھتے گزاری تھی۔ وہ سائیں مٹھا اور اس کے بندوں سے ہونے والی لڑائی بھول گیا تھا۔ صبح وہ بہت جلدی اٹھا تھا اور دس بجے سے بہت پہلے جیل پہنچ گیا تھا۔ جلیل خان ٹھیک دس بجے باہر آیا تھا۔ گھر آنے کے فوراً بعد ناشتا کرتے ہوئے اس نے جلیل خان کو بتایا تھا۔'' فرحی نے خانیوال میں اسٹور کے لیے جگہ پسند کر رکھی ہے۔ یہ ایک اڑھائی مرلے کا ڈبل اسٹوری گھر ہے جسے ہم کچھ تبدیلیوں کے بعد اسٹور میں بدل دیں گے۔ ایک پورشن آپ سنبھالیں گے اور ایک میں...... فرحی نے ساری پلاننگ کر لی ہے۔''
''آہ...... اب جلیل خان دکانداری کرے گا۔'' اس نے قہقہہ لگایا تھا۔ ''لگتا ہے ایک قید سے رہا ہو کر دوسرے قید خانے میں چلا جاؤں گا...... یہ فرحی بیٹی نے بھی کس مصیبت میں ڈال دیا ہے...... بالکل اور طرح کا بندہ ہوں میں یار...... ایسا نہیں ہوسکتا فرحی مجھے ان کانٹوں میں نہ گھسیٹے...... پتا نہیں یہ شریفانہ زندگی مجھے راس بھی آئے یا نہیں......''
''آپ نے فرحی سے وعدہ کیا ہے خان بابا......'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ ''اور ابتدا میں ہر نیا کام مشکل لگتا ہے لیکن پھر سب کچھ آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔''
''کہتا تو، تو ٹھیک ہے شہزادے...... ہولے، ہولے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ فرحی بیٹی نے خوب جکڑا وعدے کی زنجیروں میں...... جلیل خان نے کبھی ماں کے آنسوؤں کی پروا نہیں کی تھی لیکن یہ جو بیٹیاں ہوتی ہیں ناں سیدھا دل پر ہاتھ رکھتی ہیں۔ دل کو اپنی مٹھی میں یوں لیتی ہیں کہ بندہ سانس بھی نہیں لے پاتا۔'' وہ پھر ہنسا تھا۔
''خیر اس زندگی کا بھی مزہ چکھتے ہیں۔ میری ماں بھی بہت لالچ دیتی تھی مجھے...... اچھے کام کر کے ثواب کمانے کا تم دو تین روز میں چلے جانا، مجھے تو دس پندرہ دن لگ جائیں گے یا کچھ زیادہ بھی ہوسکتے ہیں۔ سب کچھ سیٹل کرنے میں...... شیر خان ہے، گلا بابا ہے اور کئی دوسرے ان سب کو بھی تو کنارے لگانا ہے۔ سارے معاملات کلیئر کرنے ہیں اور وہ جنگل خان سے ڈیل ہوگئی تھی؟''
''ہاں خان بابا وہ تو سب کام ہوگیا تھا۔'' اس نے بتایا تھا۔
''اور شاہجہان بیگم وہ ابھی تک وحدت روڈ والے گھر میں ہے یا واپس اپنے ٹھکانے پر چلی گئی؟'' جلیل خان

نے پوچھا تھا۔

''نہیں، وہ تو کہہ رہی تھی واپس جانے کو لیکن رات جب میں اور شیر خان، بسمل خان سے مل کر واپس آ رہے تھے تو سائیں مٹھا سے ٹاکرا ہو گیا تھا۔'' اس نے تفصیل بتائی تو جلیل خان پریشان سا ہو گیا تھا۔

''یہ اچھا نہیں ہوا ثمر حیات تمہیں اس سے پنگا نہیں لینا چاہیے تھا۔ اب جبکہ تم نے اس زندگی کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو تمہیں خود کو ان جھمیلوں سے دور ہی رکھنا چاہیے۔'' جلیل خان نے نصیحت کی تھی۔

''وہ خود میرے راستے میں آیا تھا خان بابا......'' ان دنوں وہ بھی فرحی کی طرح اسے خان بابا کہنے لگا تھا۔

''شریف آدمی راستے میں آنے والوں کے ہاتھ نہیں توڑتے، وہ کترا کر گزر جاتے ہیں یا راستہ بدل لیتے ہیں، خیر۔'' وہ ہولے سے ہنسا تھا۔

''اب جو ہوا سو ہوا...... لیکن یہ لوگ ہیں بہت کینہ پرور...... میں ذاتی طور پر اس سائیں مٹھا کو تو نہیں جانتا لیکن اس کے باپ اور اس کے گرگوں سے واسطہ پڑ چکا ہے میرا...... جس سے ایک بار دشمنی ہو جائے قبر تک پیچھا کرتے ہیں اس کا...... خیر میں ذرا کچھ کام نمٹا لوں تو اس سے مل ملا کر معافی تلافی کر لیتے ہیں۔'' اور جلیل خان کی بات پر بے حد حیران ہو کر اس نے اسے دیکھا تھا، وہ اس طرح کا آدمی نہیں تھا کہ لوگوں سے معافی تلافی کرتا پھرے...... وہ تو۔

''میں بزدل نہیں ہوں حیاتے......'' اس نے اس کی حیرت بھانپ لی تھی۔ ''میں تمہارے اور فرحی کے لیے ڈرتا ہوں میری بیٹی نے خواب بنے اور میں جیل چلا گیا اور اب پھر...... نہیں، یار اپنے فائدے کے لیے تو لوگ گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں۔ ہم دو چار لفظ بول دیں گے تو ہمارا کیا بگڑ جائے گا۔ اس کی انا کی تسکین ہو جائے گی اور ہمیں بلاوجہ کی دشمنی سے نجات مل جائے گی۔''

اور جلیل خان کا یہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ صحیح کہتا تھا بیٹیوں کی محبت بندے کو کمزور کر رہتی ہے۔ جھکا دیتی ہے۔ اس جیسا جی دار شخص فرحی کی خوشی کی خاطر معافی مانگنے کو تیار تھا۔ اس کے لیے خوفزدہ تھا...... ڈر رہا تھا اور اس کا ڈر بے معنی نہیں تھا لیکن تب وہ نہیں جانتا تھا...... وہ تو خوشی سے سرشار جیسے اڑتا ہوا خانیوال پہنچا تھا۔ جلیل خان چونکہ آتے ہی بے حد مصروف ہو گیا تھا اس لیے وہ اکیلا ہی خانیوال آیا تھا۔ خانیوال میں گزرے یہ چند دن اس کی زندگی کے چند خوشگوار دنوں میں سے تھے۔ ریحان کے بعد وہ پہلی بار کھل کر ہنسے تھے۔ گھنٹوں مستقبل کے پلان بنائے تھے۔ پرانے دنوں کو یاد کیا تھا جب وہ اور فرحی چپکے، چپکے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ اپنے گورنمنٹ کالج کے ساتھیوں کو یاد کیا تھا۔ اور سوچا تھا کہ جب وہ اپنی اس نئی زندگی میں سیٹ ہو جائیں گے تو پھر اپنے ان ساتھیوں کو ڈھونڈیں گے اور مل بیٹھ کر ماضی کو زندہ کریں گے...... انہوں نے اسٹور کے لیے پسند کی جانے والی جگہ کا ایڈوانس بھی دے دیا تھا...... اور خانیوال میں ہی گھر بنانے کے لیے ایک پلاٹ پسند کیا تھا...... جلیل خان بہت مصروف تھا وہ وعدے کے باوجود فرحی سے ملنے نہیں آ سکا تھا تب فرحی نے خود ہی لاہور جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔

''خان بابا سے مل بھی لیں گے اور روحان کے لیے کچھ شاپنگ بھی کر لیں گے۔'' فرحی نے اس سے کہا تھا اور وہ خوش، خوش جلیل خان سے ملنے لاہور آئے تھے۔ جلیل خان، فرحی اور روحان سے مل کر بہت خوش ہوا تھا۔ وہ جو صرف ایک دن کے لیے گئے تھے جلیل خان کے اصرار پر ایک دن مزید رک گئے تھے۔ فرحی نے اپنے ہاتھوں سے جلیل خان کے لیے مٹن پلاؤ پکایا تھا اور ساتھ فیرنی بنائی تھی کیونکہ جلیل خان کو مٹن پلاؤ بہت پسند تھا، ایک بار اس نے بتایا تھا کہ اس کی ماں اس کے لیے کبھی، کبھی مٹن پلاؤ پکاتی تھی جو اسے بہت پسند تھا اور اس کے لیے مٹی کی ٹھوٹیوں (کٹوری) میں فیرنی ٹھنڈا کرنے کے لیے ڈال کر رکھتی تھی۔ وہ تھوڑے، تھوڑے پیسے بچاتی رہتی تھی اور جب

چاول اور گوشت خریدنے کے لیے پیسے جمع ہو جاتے تو پلاؤ پکاتی تھی...... وہ خود نہیں کھاتی تھی مجھے کھاتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتی اور ساتھ ہولے، ہولے دھیمے لہجے میں نصیحت بھی کرتی رہتی تھی۔

''پلاؤ کا لالچ دے کر وہ کڑی نصیحتیں کرتی تھی۔'' اس نے قہقہہ لگایا تھا وہ یونہی اپنی ماں کی یادوں کو قہقہوں میں بھلانے کی کوشش کرتا تھا۔

میز انواع واقسام کے کھانوں سے بھری ہوئی تھی لیکن اس نے صرف پلاؤ کھایا تھا۔

''بھئی میں تو صرف اپنی بیٹی کے ہاتھ کا پکا ہوا پلاؤ ہی کھاؤں گا۔''

یہ بہت یادگار دن تھا۔ جلیل خان نے اس روز اپنے ماضی کی بہت سی یادیں ان کے ساتھ شیئر کی تھیں۔ کھانے کے بعد وہ تو کچھ لوگوں سے ملنے چلا گیا تھا اور وہ روحان کو چڑیا گھر دکھانے کے لیے لے گئے تھے۔ پھر انہوں نے شاپنگ کی تھی۔ روحان کے لیے فرحی نے کئی قسم کے بلاکس خریدے تھے...... وہ خوب گھومے پھرے تھے کئی بار فرحی کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے اور کئی بار اس کا جی رونے کو چاہا تھا۔ یہ وہ شہر تھا جہاں انہوں نے آنکھ کھولی تھی۔ پلے بڑھے تھے۔ اس شہر کی کوئی گلی ان کے لیے انجان نہ تھی اور اسی شہر میں ان کا سب کچھ چھن گیا تھا، وہ لوگ اجنبی اور پرائے ہو گئے تھے جو کبھی اُن کے اپنے تھے۔ سارے شہر نے جیسے پتھر اٹھا لیے تھے...... وہ ان سارے جانے پہچانے راستوں پر روحان کے ساتھ گھومتے پھرے۔ وہ فرحی کو بانو بازار کی چاٹ کھلانے بھی لے گیا تھا اور انہوں نے اردو بازار سے ڈھیر ساری کتابیں بھی خریدی تھیں۔ مال روڈ پر فیروز سنز کے پاس سے بھی گزرے تھے اور گورنمنٹ کالج کو بھی دور سے دیکھا تھا۔ اور وہ بنا فرحی کے کچھ کہے فرحی کو اس کے گھر کے باہر بھی لے گیا تھا۔ وہ گھر جہاں اس کے ماں، باپ اب نہیں تھے۔ بھائی بھابی رہتے تھے۔ وہ گھر اسی شان وشوکت سے کھڑا تھا۔ اور اس کے ماتھے پر آج بھی حامد ولا کی نیم پلیٹ دھوپ میں چمک رہی تھی۔ زندگی میں کتنی تبدیلیاں آ گئی تھیں لیکن اس کا گولڈن رنگ اسی طرح دمک رہا تھا۔ فرحی نے کتنی ہی دیر تک حسرت سے اسے دیکھا تھا...... برسوں پہلے اس گھر کے دروازے اس کے لیے بند ہو گئے تھے۔ اس کا کتنا جی چاہا تھا کہ وہ گیٹ کھول کر جھانک کر دیکھے...... کیا لان میں اب بھی اس کا پسندیدہ جھولا تھا لیکن دل پر پتھر رکھے وہ وہاں سے پلٹ آئے خانیوال جانے کے بعد وہ صرف تین بار یہاں آئی تھی۔ جلیل خان سے ملنے پھر ریحان کا چیک اپ کروانے اور اب تیسری بار پھر جلیل خان سے ہی ملنے آئی تھی۔ وہ اس شہر میں آتے ہوئے لہولہان ہو جاتی۔ سارے زخموں کے ٹانکے کھل جاتے تھے۔

اس لیے تو اس نے ریحان کے علاج کے لیے راولپنڈی جانا پسند کیا تھا...... وہ اس شہر سے خوفزدہ تھی۔ کیا خبر کوئی جاننے والا مل جائے کوئی پہچان جائے اور اب بھی وہ جلیل خان سے ملنے آئی تھی۔ اسے پھر کبھی اس شہر میں نہیں آنا تھا۔ اور وہ نہیں جانتی تھی کہ واقعی وہ پھر کبھی اس شہر میں نہیں آئے گی۔ اسے یہاں سے ہی واپس چلے جانا تھا لیکن پھر ثمر حیات کے کہنے پر وہ روحان کو چڑیا گھر دکھانے اور شاپنگ کے لیے نکلے تھے اور پھر جیسے راستے اور گلیاں انہیں پکارنے لگی تھیں۔ اور وہ ان گلیوں، راہوں اور شاہراہوں پر ایک خواب کے سے عالم میں گھومتے پھرے تھے۔ اور جب مغرب کے بہت بعد وہ تھکے ہارے گھر پہنچے تو ایک نامعلوم سی اداسی نے انہیں لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ فرحی اسی وقت واپس جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ جلیل خان نے منع کیا اور اصرار بھی کیا تھا کہ وہ رات کو رک جائیں لیکن فرحی کو یک دم گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

''نہیں ثمر ابھی چلتے ہیں...... مجھے پتا نہیں کیوں لگ رہا ہے کہ ہم یہاں رک گئے تو یہ گھر ہمیں باندھ لے گا...... ہم یہاں سے نہیں جا سکیں گے۔ کبھی اس دلدل سے نکل نہیں پائیں گے۔''

اور ثمر حیات کا اپنا دل بھی بے حد بوجھل تھا۔ وہ خود اپنے دل کی کیفیت نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا

تھا جیسے کوئی دل میں بار، بار سوئیاں چبھوتا ہو...... عجیب سی بے کلی اور بے چینی تھی...... اور یوں جلیل خان کے روکنے کے باوجود وہ رات نو بجے کے قریب خانیوال کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ جلیل خان نے زبردستی شیر خان کو ساتھ بھیجا تھا۔

''رات کا وقت ہے شیر خان کو ساتھ لے جاؤ...... مجھے بھی تسلی رہے گی۔ صبح واپس آجائے گا...... بلکہ تم تھکے ہوئے ہو بہتر ہے کہ اسے ہی ڈرائیو کرنے دو۔'' وہ منع کرنا چاہتا تھا لیکن پھر جلیل خان کی دل آزاری کے خیال سے خاموش ہو گیا تھا۔ یوں بھی دن بھر کی تھکن اور اس نامعلوم اداسی اور بے کلی نے اسے نڈھال کر دیا تھا سو وہ پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا تھا اور گاڑی کی چابی شیر خان کے حوالے کر دی تھی۔ پچھلی سیٹ پر فرحی اور زیتون بانو تھیں۔ روحان بھی تھک کر زیتون بانو کی گود میں سو رہا تھا۔

وہ جب مین روڈ پر آئے تو انہیں خبر بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک گاڑی پچھلے موڑ سے نکل کر اُن کی گاڑی کے پیچھے لگ گئی تھی۔ وہ ایک ویران سڑک تھی اور رات کے اس پہر اس پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ دونوں اطراف گھنے درخت تھے جن کے سائے اندھیرے میں بڑے خوفناک لگ رہے تھے۔ وہ آنکھیں موندے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے تھا جب شیر خان نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

''کیا بات ہے شیر خان؟''

''مجھے شک ہے ایک گاڑی لاہور سے ہمارے پیچھے لگی ہے۔ ایک بار اس نے ہمیں اوورٹیک بھی کیا اور پھر آگے جا کر اس نے رفتار آہستہ کر لی اب ایک بار پھر وہ ہمیں اوورٹیک کر کے آگے نکل گئی ہے۔ مجھے شک ہے کہ اس گاڑی کو میں نے شام کے وقت بھی دیکھا تھا جب آپ لوگ گھوم پھر کر واپس آئے تھے۔''

''تمہارا وہم بھی ہو سکتا ہے شیر خان۔'' اس نے شیر خان کی بات سن کر کہا تھا اور غیر ارادی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا...... پیچھے دور تک سڑک خالی تھی۔ سامنے بھی کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔

''کہیں یہ سائیں مٹھا کے بندے نہ ہوں۔'' شیر خان کے لہجے میں تشویش تھی۔

''ہم یا وہ کسی جاسوسی کہانی کے کردار نہیں ہیں یار کہ وہ ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔ کیا رات کے اس پہر وہ ہمارے انتظار میں تھے یا گھر کی نگرانی کر رہے تھے کہ ہمارے پیچھے چل پڑے۔'' وہ ہولے سے ہنسا تھا۔

''اتفاق بھی ہو سکتا ہے باس...... اتفاقاً دیکھا ہو اور پیچھے لگ گئے ہوں۔'' شیر خان کچھ مضطرب سا ہو گیا تھا۔ غیر ارادی طور پر ایکسی لیریٹر پر اس کا دباؤ بڑھ گیا تھا۔

''اگر وہ پھر نظر آتی ہے تو میں اسے چیک کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''رہنے دو یار......'' اس نے پھر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔ لیکن پھر شیر خان نے کچھ دیر بعد ہی اچانک بریک پر پاؤں رکھا تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ بالکل سامنے ہی سڑک پر وہ گاڑی ترچھی ہو کر کھڑی تھی...... ابھی وہ صورتِ حال سمجھ بھی نہیں پایا تھا کہ شیر خان نے دروازہ ان لاک کیا اور اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتا ونڈ اسکرین کو توڑتی ہوئی کئی گولیاں آ کر سیدھی شیر خان کے سر اور بازو پر...... لگی تھیں وہ شاید گاڑی ترچھی کھڑی کر کے خود کہیں اندھیرے میں کھڑے تھے، شیر خان اسٹرینگ پر اوندھا گر گیا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس نے سر نیچے کر لیا تھا اور زیتون بانو اور فرحی کو نیچے ہونے کے لیے کہا تھا۔ اور خود پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا تھا اور اترنے سے پہلے ڈیش بورڈ سے اپنا ریوالور بھی اٹھا لیا تھا...... اب وہ گاڑی کی آڑ لے کر اندھیرے میں کھڑا تھا۔ کسی نے دروازہ کھول کر کہا تھا۔

''خانی دادا تو اللہ کو پیارا ہو گیا...... وہ دوسرا بندہ کہاں ہے۔ شاید نیچے اتر گیا ہے...... دیکھو اور اسے

بھون ڈالو۔''

یہ آواز اسے مانوس سی لگی تھی جیسے پہلے بھی سنی ہو...... بلاشبہ یہ آواز سائیں مٹھا کے اسی بندے کی تھی جس سے چند دن پہلے ٹکراؤ ہوا تھا۔

''عورت کو بھی گولی لگی ہے۔'' اس نے کسی کو بتایا تھا اور اس کا دل جیسے ڈوب کر ابھرا تھا اور نتائج کی پروا کیے بغیر اس۔ نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر فائر کیا تھا۔ گولی اندھیرے میں کھڑے شخص کے بالوں کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اس کے منہ سے گالیاں نکلی تھی...... اور ساتھ ہی گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔ وہ ایک دم نیچے بیٹھ گیا تھا اور بیٹھتے ہوئے اس نے دیکھا تھا زیتون بانو گروحان کو گود میں لیے درختوں کے جھنڈ کی طرف بھاگ رہی تھی۔ پتا نہیں کب وہ چپکے سے باہر نکلی تھی اور فرحی...... اس کا دل ڈوبا وہ دروازہ کھول کر فرحی کو دیکھنا چاہتا تھا کہ یک دم کسی نے درختوں کے جھنڈ کی طرف روشنی ڈالی تھی اور اس نے ایک شخص کو گن لہراتے ہوئے زیتون بانو کے پیچھے بھاگتے دیکھا تو فائر کیا...... گولی اس کی ٹانگ میں لگی تھی وہ لڑکھڑا کر گرا تھا۔ تب ہی کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکی تھیں۔ اس نے گرے ہوئے شخص کو اٹھ کر بھاگتے دیکھا اور پھر فرحی کی کراہ سن کر تیزی سے دروازے کھول کر اس نے فرحی کو آواز دی جو گہری گہری سانسیں لے رہی تھی اور خون تیزی کے ساتھ اس کی گردن اور جسم سے نکل رہا تھا۔

''فرحی، فرحی۔'' وہ دیوانہ وار اسے پکار رہا تھا جب آگے پیچھے دو جیپس آ کر رکی تھیں...... اور تین چار فوجی جوان جیپ سے اتر کر اس کی گاڑی کے گرد اکھٹے ہو گئے تھے۔

''کیا ہوا؟ کون لوگ تھے؟ ڈاکو تھے یا ذاتی دشمنی......'' کئی آوازیں بیک وقت آئی تھیں لیکن وہ تو فرحی کی بند آنکھوں اور تیزی سے سپید پڑتی رنگت کو دیکھ رہا تھا۔

''میں میجر دانیال ہوں۔'' ایک شخص نے اپنا تعارف کروایا تھا۔ ''یہ غالباً آپ کی......''

''میری وائف ہیں۔'' اس نے فرحی کا سر اپنی گود میں رکھا تھا۔

ایک نے شیر خان کو سیدھا کرتے ہوئے نبض چیک کی اور مایوسی سے سر ہلایا تھا۔

''آپ اپنی وائف کو لے کر فوراً کسی نزدیک ترین اسپتال پہنچنے کی کوشش کریں۔ شاید سروائیو کر جائیں۔ البتہ آپ کا ساتھی ختم ہو چکا ہے...... اس کی ڈیڈ باڈی بعد میں لے کر آتے ہیں۔'' میجر دانیال نے اسے کہنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو بھی ہدایات دی تھیں اور انہوں نے ابتدائی طبی امداد کے طور پر فرحی کا بہتا خون روکنے کی کوشش کی تھی۔

''وہ خالہ زیتون اُدھر بھاگی تھیں۔ پلیز مجھے ان کو بھی لینا ہے۔''

جیپ میں بیٹھنے سے پہلے اس نے میجر دانیال سے کہا۔

''اوکے...... ہم انہیں دیکھ لیتے ہیں...... آپ جلدی کریں۔ ہری اپ جوان۔'' میجر دانیال نے اپنی جیپ کے ڈرائیور سے کہا تھا... اور اسے تسلی دی تھی۔

''آپ بے فکر ہو کر جائیں۔ ہم انہیں ڈھونڈ کر لے آتے ہیں۔''

اور وہ ایک متشکر سی نظر میجر دانیال پر ڈال کر جیپ میں بیٹھ گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم جلیل خان کو کس نے اطلاع دی تھی اور اسے کیسے پتا چلا تھا لیکن صبح ہونے سے پہلے ہی جلیل خان پہنچ گیا تھا۔

''خان بابا!'' وہ اس کے گلے لگ گیا تھا۔

''فرحی کو دو گولیاں لگی ہیں، گردن میں اور پیٹ میں...... خان بابا فرحی کو بچالیں۔ اسے مت جانے دیں، روک لیں۔''

''مارنے اور بچانے والی ذات تو اللہ کی ہے ثمر حیات، تم بھی اللہ سے دعا کرو میں بھی کر رہا ہوں۔''

''خان بابا وہ شیر خان بھی چلا گیا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ''وہ کہہ رہے تھے کہ وہ نہیں بچا۔''

''ہاں۔'' جلیل خان کی آواز بھرّا گئی تھی۔ اس نے سر جھکا لیا تھا اس کی آنکھیں خوں رنگ ہو رہی تھیں۔ وہ اس کا بہت پرانا اور وفادار ساتھی تھا۔ بہت مخلص......

''اور روحان وہ......'' جلیل خان کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس نے جلیل خان کی بات کاٹی۔

''روحان کو خالہ زیتون اٹھا کر خوفزدہ ہو کر بھاگی تھی۔ میجر دانیال نے کہا تھا کہ وہ انہیں ڈھونڈ کر لے آئیں گے۔''

''ہاں۔'' جلیل خان نے اس کا بازو تھپتھپایا تھا۔ ''انہوں نے زیتون خالہ کو تلاش کر لیا ہے۔''

''تو کیا آپ نے انہیں گھر بھجوا دیا ہے۔ یہ ٹھیک کیا ہے آپ.... یہاں رہ کر کیا کریں گے۔ روحان کا کون خیال رکھے گا پھر...... میں تو فرحی کے ٹھیک ہونے تک یہاں رہوں گا۔ اتنے عرصے تک زیتون خالہ اور روحان آپ کے پاس ہی رہیں گے تو مجھے اطمینان رہے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' جلیل خان نے سر ہلایا تھا۔

''فرحی ٹھیک ہو جائے گی ناں خان بابا؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''انشاء اللہ!'' جلیل خان نے پھر اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔ فرحی سی سی یو میں تھی، اس کے جسم سے گولیاں تو نکال دی گئی تھیں لیکن اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی...... جلیل خان کو شیر خان کی میت لے کر جانا تھا لیکن وہ جلیل خان کے ساتھ نہیں جا سکتا تھا۔ جلیل خان کی طرح شیر خان نے بھی اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ وہ وہاں ہی سی سی یو میں بیٹھا اس کے لیے آنسو بہاتا رہا تھا...... جلیل خان بارہ بجے کے قریب شیر خان کی ڈیڈ باڈی ملتے ہی اسے تسلی دے کر چلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ لاہور سے گلا با اور جیدا بھی آئے ہوئے تھے۔

''گھبرانا مت ثمر حیات، جنازے کے فوراً بعد آ جاؤں گا۔'' اور حسب وعدہ وہ آ بھی گیا تھا۔ جلیل خان کی موجودگی سے اسے ڈھارس ملتی تھی۔ وہ کتنی بار پوچھتا کہ فرحی ٹھیک ہو جائے گی اور ہر بار جلیل خان اسے تسلی دیتا لیکن تین دن بعد وہ زندگی کی بازی ہار گئی تھی۔ مرنے سے کچھ دیر پہلے اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور وعدہ لیا تھا کہ وہ سائیں مٹھا سے اس کا انتقام نہیں لے گا کیونکہ اسے روحان کے لیے زندہ رہنا ہے اور اس نے وعدہ کر لیا تھا پھر وہ اس کی ڈیڈ باڈی لے کر خانیوال آئے تھے۔ گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ صحن میں محلے کی عورتیں جمع تھیں۔ اس نے زیتون خالہ کو دیکھنا چاہا تھا لیکن وہ اسے نظر نہیں آئی تھیں اور جلیل خان اسے باہر لے آئے تھے جہاں کچھ مرد حضرات بیٹھے تھے۔

''خان بابا، روحان کو بلوا دیجیے۔'' جلیل خان نے سر ہلایا تھا لیکن روحان کو اس کے پاس کوئی نہیں لایا تھا...... اور جب فرحی کو ریحان کے پہلو میں دفنا کر وہ واپس گھر آئے تھے تب بھی اسے روحان اور زیتون خالہ نظر نہیں آئی تھیں۔

''خان بابا، آپ نے زیتون خالہ اور روحان کو لاہور سے بلوایا کیوں نہیں، وہ آخری بار اپنی ماں کا چہرہ دیکھ لیتا اور زیتون خالہ بھی تو فرحی کی ماں جیسی تھیں۔'' اس نے شکوہ کیا تھا اور تب جلیل خان نے اسے وہ سفاک حقیقت بتائی تھی جس نے اسے ساکت کر دیا تھا۔ جلیل خان سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

''زیتون خالہ کی لاش تو درختوں کے پیچھے مل گئی تھی۔ اس کے سر کے پچھلے حصے میں گولی لگی تھی لیکن آرمی کے

بجوانوں کو تم نے روحان کے متعلق نہیں بتایا تھا اس لیے انہوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور زیتون بانو کی لاش لے کر چلے آئے۔ شاید روحان ڈر کر کہیں بھاگ کر آگے نکل گیا تھا۔ اِدھر اُدھر چھوٹی موٹی ''ڈھوکیں'' ہیں شاید اُدھر نکل گیا ہو۔ تم سے روحان کے متعلق معلوم ہوتے ہی میں نے بندوں کو دوڑا دیا تھا انہوں نے آس پاس کا سارا علاقہ چھان مارا لیکن کہیں سے کچھ پتا نہیں چلا...... میں خود بھی شیر خان اور زیتون کو دفنانے کے بعد وہاں گیا۔ اس جگہ کئی میل تک کوئی آبادی نہیں...... میں نے بھی نزدیکی گاؤں جا کر خود پتا کیا...... میرے بندوں نے بسوں اور ویگنوں کے ڈرائیورں سے بھی پوچھا۔''

جلیل خان تفصیل بتا رہا تھا اور وہ سر جھکائے ساکت بیٹھا تھا۔

''ہم نے سائیں مٹھا کے ایک بندے کو بھی قابو کیا اور روحان کے متعلق پوچھ گچھ کی ہے لیکن وہ روحان کے متعلق کچھ نہیں جانتے...... وہ تو آرمی کی جیپ آتے دیکھ کر فوراً بھاگ کر گاڑی میں سوار ہو گئے تھے۔ وہ کل تین بندے تھے، ایک ڈرائیو کر رہا تھا اور دو بندوں نے نیچے اتر کر تم لوگوں کو گھیرا تھا۔ زیتون بانو کے پیچھے جانے والے بندے نے بھاگتے ہوئے گولی چلائی تھی جو زیتون بانو کو لگی پھر وہ خود بھاگ کر گاڑی میں سوار ہو گیا تھا۔ مجھے لگتا ہے وہ سچ کہہ رہا ہے۔ انہیں روحان کے متعلق کچھ پتا نہیں...... لیکن وہ مل جائے گا انشاء اللہ ضرور مل جائے گا...... ثمر حیات۔'' جلیل خان جانے کتنی ہی دیر اسے جھنجوڑتا رہا تھا۔ تب اچانک ہی اس کا سکتہ ٹوٹا تھا اور اس کے حلق سے چیخ نکلی تھی۔

''نہیں'' پھر وہ دیوانوں کی طرح دیواروں سے سر پٹخنے لگا تھا۔ روتا، بال نوچتا، دیوار سے سر مارتا...... جلیل خان بار، بار اسے سینے سے لگاتا۔ بازوؤں میں بھینچتا لیکن نہ اس کی تڑپ میں کمی آتی تھی...... نہ رونے میں...... تب جلیل خان نے ڈاکٹر کو بلوا لیا تھا جس نے اسے نیند کا انجکشن لگا دیا تھا۔ جب انجکشن کا اثر ختم ہوتا وہ یونہی دیواروں سے سر پٹخ پٹخ کر روتا، چلاتا...... تیسرے دن وہ اسی عالم جنون میں گھر سے نکل پڑا تھا اور ویگنوں اور بسوں پر سفر کرتا وہ لاہور میں مٹھا سائیں کے ٹھکانے پر جا پہنچا تھا۔ لیکن وہاں جا کر اسے پتا چلا تھا کہ صرف ایک دن پہلے وہ انگلینڈ چلا گیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کے قدموں پر گر جائے گا، پاؤں پکڑ لے گا، منت کرے گا کہ اگر اس کا روحان اس کے پاس ہے تو اسے دے دے وہ ساری زندگی اس کا احسان مند رہے گا لیکن سائیں مٹھا جا چکا تھا۔ اس کے بنگلے میں صرف اس کے ملازم تھے جو نہیں جانتے تھے کہ وہ کب آئے گا...... وہ دلگرفتہ اور نڈھال سا فٹ پاتھ پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اسے کہاں جانا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ سڑک پر سے گزرتی گاڑیوں کو دیکھ کر بار، بار اسے خیال آتا تھا کہ وہ دوڑتا ہوا سڑک پر چلا جائے اور کوئی ایک گاڑی اسے کچلتی ہوئی گزر جائے اور پھر سب ختم ہو جائے یہ جو اذیت سے بدن کٹتا تھا اور اندر جیسے کوئی چھریاں مارتا تھا۔ سب تکلیفوں سے نجات مل جائے گی۔ سب عذاب ختم ہو جائیں گے لیکن کسی انجانی طاقت نے جیسے اسے فٹ پاتھ سے باندھ دیا تھا...... اگر روحان مل گیا...... وہ زندہ ہوا تو میرے بعد وہ اکیلا رہ جائے گا...... اور اگر فرحی نے وہاں پوچھ لیا کہ وہ روحان کو وہاں اکیلا کیوں چھوڑ آیا ہے تو وہ اسے کیا جواب دے گا...... وہ بہت دیر تک بیٹھا سڑک پر دوڑتی گاڑیوں کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر چل دیا تھا۔ کہاں؟ اسے خود معلوم نہیں تھا۔

بند آنکھوں کے پیچھے آنسو مچل رہے تھے کتنے سالوں بعد آج اس کی آنکھوں میں نمی اتری تھی۔ پاس پڑا فون کب سے بج رہا تھا وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور خالی، خالی نظروں سے اسے دیکھا لیکن اٹھایا نہیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جیسے زخموں کے ٹانکے کھل گئے تھے۔ اب وہ بلک، بلک کر رو رہا تھا۔ ماضی کی اذیت زندہ ہو گئی تھی اور وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا فون پھر بجنے لگا تھا...... اب کے وہ چونکا اور اس نے فون اٹھا لیا تھا۔ ایک ہاتھ

سے آنسو پونچھتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس نے فون آن کیا تھا۔
''تم فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے ثمر حیات؟'' جلیل خان کی ناراض سی آواز سنائی دی۔
''سوری بگ با......''
''کیا ہوا ثمر حیات، تم کچھ پریشان لگ رہے ہو تمہاری کئی مسڈ کالز بھی تھیں۔ میں رات ایرک اور ولسن کے ساتھ تھا کچھ دیر پہلے ہی آیا ہوں، کہو کیا بات ہے، عظام کا دوست اب ٹھیک ہے کیا!''
''جی بگ با، میں آپ سے ملنا چاہتا تھا اس لیے فون کر رہا تھا۔''
''ٹھیک ہے، میں نے رات آٹھ بجے ڈی ون میں میٹنگ رکھی ہے۔ کچھ مشورے کرنے ہیں اور......''
''لیکن بگ با مجھے اپنی ذاتی مسئلے پر بات کرنا تھی۔''
''ٹھیک ہے، میٹنگ کے بعد وہ بھی کرلیں گے۔ تم نے بتایا نہیں تم کیوں پریشان ہو، تمہاری آواز بھی بھاری ہو رہی ہے۔''
''کچھ نہیں بگ با بس ماضی یاد آ رہا تھا۔ فرحی اور روحان۔'' اس کی آواز بھرّا گئی تھی۔ آنسوؤں نے پھر یلغار کی تھی۔
''اسی لیے تو کہتا ہوں خود کو مصروف رکھا کرو...... یہ جو چند دنوں سے بالکل فارغ بیٹھے ہو ناں تو۔'' جلیل خان کے لہجے میں بے حد نرمی اور ملائمت تھی۔ ''خیر رات کو ملاقات ہوتی ہے تو تفصیل سے بات کریں گے۔''
''اگر میں ابھی آ جاؤں بگ با؟'' اس نے پوچھا۔
''اس وقت میں ڈی ٹو میں جا رہا ہوں وہاں ایرک کچھ مہمانوں کے ساتھ آنے والا ہے۔ پتا نہیں کب فارغ ہوتا ہوں تو پھر رات کو ہی ملاقات ہوگی، اللہ حافظ۔''
فون بند ہوگیا اور وہ فون صوفے پر رکھ کر کھڑا ہوگیا۔ عظام نے جلدی آنے کو کہا تھا۔ ''عظام کے آنے سے پہلے کچھ فریش ہو جاؤں ورنہ وہ پریشان ہو جائے گا۔'' اس نے اپنے گیلے رخساروں پر ہاتھ پھیرا اور لاؤنج سے نکل کر اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

ارتقاع، ڈاکٹر ایمن کی کلاس لے کر باہر نکلی تو کاریڈور میں کھڑی عالیہ نے اسے پکارا۔
''رتی......'' اس نے چونک کر عالیہ کی طرف دیکھا آج وہ بہت دنوں بعد یونیورسٹی آئی تھی لیکن اس نے کوئی کلاس اٹینڈ نہیں کی تھی۔ نہ وہ ڈاکٹر آصفی کی کلاس میں نظر آئی تھی اور نہ ہی سر لیاقت کی اور اب اس نے ڈاکٹر ایمن کی کلاس بھی اٹینڈ نہیں کی تھی۔ پتا نہیں کہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ ارتقاع نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی تھی اور قدم آگے بڑھا دیے۔ جس طرح اچانک اس نے ارتقاع سے قطع تعلق کیا تھا اس کی وجہ سے وہ دل ہی دل میں اس سے ناراض تھی۔
''رتی پلیز......'' وہ تیز تیز چلتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی۔ ''میں جانتی ہوں تم مجھ سے خفا ہو...... اور تمہیں خفا ہونا بھی چاہیے لیکن پلیز تھوڑی دیر کے لیے میری بات سن لو...... شاید آج کے بعد پھر کبھی ہماری ملاقات نہ ہو۔'' وہ اب اس کے ساتھ، ساتھ چل رہی تھی...... ارتقاع نے چونک کر اسے دیکھا وہ اس کی بہت اچھی دوست تھی...... اسکول کے زمانے سے ان کا ساتھ تھا لیکن اب اچانک ہی بغیر کسی وجہ کے وہ اس سے کترانے لگی تھی۔ وہ فون کرتی تو کال کاٹ دیتی...... وہ کم، کم یونیورسٹی آتی اور زیادہ وقت فائنل کی لڑکیوں کے ساتھ گزارتی۔ کلاس میں بھی اسے نظر انداز کر دیتی تھی۔ وہ اس کے اس رویّے سے بہت ہرٹ ہوئی تھی اور اب یہ عالیہ کیا کہہ رہی تھی کہ

شاید آج کے بعد پھر کبھی ملاقات نہ ہو۔ اس نے ذرا سا رخ موڑ کر اپنے دائیں طرف ساتھ، ساتھ چلتی عالیہ کی طرف دیکھا جو ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیوں، کیا تم یونیورسٹی چھوڑ رہی ہو؟''

''باہر چل کر آرام سے بات کرتے ہیں رتی بس تھوڑی دیر۔'' عالیہ نے التجا کی...... ارتفاع نے لمحہ بھر سوچا اور پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آ گئی۔ اکا دکا اسٹوڈنٹ اِدھر اُدھر بیٹھے پڑھ رہے تھے یا خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ایک نسبتاً خالی گوشے میں وہ دونوں بیٹھ گئی تھیں۔ اپنا شولڈر بیگ گود میں رکھتے ہوئے ارتفاع نے بغور اپنے سامنے بیٹھی عالیہ کی طرف دیکھا جو سر جھکائے گھاس کے تنکے نوچ رہی تھی، اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں لگتا تھا وہ رو کر آئی تھی۔

''کیا ہوا عالی تم یونیورسٹی کیوں چھوڑ رہی ہو...... گھر میں سب خیریت ہے ناں؟'' ساری ناراضی بھول کر اس نے پریشانی سے پوچھا۔

''میری شادی ہو رہی ہے رتی۔'' عالیہ نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''رئیلی...... کہاں کس سے؟'' وہ ایکسائٹڈ ہوئی۔

''حیدر آباد میں پھپھو کے بیٹے سفیان حیدر سے۔'' عالیہ نے دھیمی آواز میں بتایا۔

''سفیان حیدر۔'' ارتفاع نے دُہرایا ''لیکن تمہیں تو وہ بالکل بھی پسند نہیں تھا اور نہ ہی تم اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں۔''

''ہاں وہ مجھے پسند نہیں تھا۔'' وہ پھر گھاس توڑنے لگی تھی۔ ''کیونکہ میں کسی اور سے محبت کرتی تھی اور مجھے اسی سے شادی کرنا تھی۔''

''پھر اب ایسا کیا ہوگیا ہے کہ تم ایک ناپسندیدہ شخص سے شادی کرنے جارہی ہو۔''

''اس لیے کہ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی آپشن نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ سفیان جیسا ظرف کسی کے پاس نہیں ہے۔'' عالیہ کی بات پر ارتقاع اپنی حیرانی نہ چھپا سکی۔

''یہ کیسی بات کررہی ہو تم...... میں تمہاری بات بالکل بھی نہیں سمجھ پائی...... تم خوش شکل ہو...... ایجوکیٹڈ ہو...... ایک ویل آف فیملی سے تمہارا تعلق ہے۔ تمہارے لیے بھلا رشتوں کی کیا کمی ہے، تمہاری تو اپنی فیملی میں سے کئی لوگ انٹرسٹڈ تھے۔ لیکن تم خود ہی کسی سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں...... حالانکہ تمہارے ماموں زاد بھائی تو ہر لحاظ سے موزوں تھے اور خواہش مند بھی تھے۔''

''ہاں شاید اب بھی خواہش مند ہوں لیکن رتی ان میں سے کسی میں اتنا ظرف نہیں ہے کہ مجھے میری غلطیوں، خامیوں سمیت قبول کرلے...... اگر میں انہیں اپنے متعلق وہ سب کچھ بتادوں جو میں نے سفیان کو بتایا ہے تو وہ شاید مجھ سے کلام بھی نہ کریں۔ میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں لیکن سفیان نے کہا۔ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے بس یہ کافی ہے جو ہوا اسے بھول جاؤ، میں بھی بھول جاؤں گا۔ اپنے ہی اپنوں کو ڈھانپتے ہیں، تم میرے ماموں کی بیٹی ہو اور تمہاری عزت مجھے ہر شے سے بڑھ کر ہے۔ مما خوش نہیں ہیں، وہ پھپو اور پھپو کی فیملی کو پینڈو کہتی ہیں لیکن پپا خوش ہیں میرے فیصلے سے۔''

''ایسا کیا ہوا تمہارے ساتھ، کیا غلطی کی ہے تم نے؟'' ارتقاع نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''رتی......'' اس نے ایک گہری سانس لی۔

''ہم لڑکیاں بعض اوقات محبت میں اندھی ہوجاتی ہیں اور اتنا آگے نکل جاتی ہیں کہ سب کچھ گنوا بیٹھتی ہیں۔ کاش میں جانتی ہوتی کہ میرے قدم کس طرف اٹھ رہے ہیں، کاش میں بہت آگے جانے سے پہلے اپنے قدم روک لیتی۔ لیکن اس وقت تو میں اس کی محبت میں پاگل ہورہی تھی۔ مجھے اس کی غلط بات بھی صحیح لگتی تھی۔'' آنسو اس کی آنکھوں میں چمکے کچھ دیر سر جھکائے وہ آنسو پینے کی کوشش کرتی رہی۔

''اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں، ذکر تک نہیں کیا کہ تم کسی سے محبت کرنے لگی ہو۔'' اس نے بے اختیار گلہ کیا۔

''ہاں، وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہاں یونیورسٹی میں کسی کو ہمارے افیئر کا پتا چلے، ہم ہمیشہ باہر ہی ملتے تھے۔'' آنسو اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر رخساروں پر پھسل آئے۔

''عالی۔'' ارتقاع نے بے چین ہوکر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''بعض اوقات ہماری ذرا سی لغزش ہماری زندگی اجاڑ دیتی ہے رتی۔'' اس نے ارتقاع کے ہاتھوں سے ہاتھ چھڑا کر رخساروں پر بہتے آنسوؤں کو پونچھا۔

''کون تھا وہ عالی جس نے تمہیں دھوکا دیا۔'' ارتقاع بہت دکھ اور افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''پہلے روز یونیورسٹی میں اس نے مجھے فول بنایا تھا۔ وہ مجھے اچھا لگا تھا اور پھر ویلکم پارٹی پر اس نے مجھے گلاب کا پھول پیش کیا تھا اور میں اپنا دل ہار بیٹھی تھی۔''

''بھلا کس نے عالیہ کو ویلکم پارٹی پر گلاب کا پھول پیش کیا تھا۔'' ارتقاع نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی اور پھر جیسے یاد آنے پر چونکی تھی۔

''ظفر......''

''ہاں ظفری...... مجھے اس سے محبت ہوگئی تھی...... ایسی محبت جو سب کچھ بھلا دے۔ پتا نہیں ہم لڑکیاں محبت کے معاملے میں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہیں۔''

''لیکن وہ تو بہت کرپٹ ہے، دھوکے باز تم نہیں جانتیں اس نے میرے ساتھ۔'' وہ بولتے، بولتے یک دم رک گئی۔ رداحہ نے اسے منع کیا تھا وہ اس واقعے کے متعلق کسی سے بات نہ کرے۔

''میں جانتی ہوں۔'' عالیہ نے بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

''تم کیسے جانتی ہو؟'' اس نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کیا ظفری نے تمہیں بتایا؟'' عالیہ کی آنکھوں میں بہت تیزی سے پانی اکٹھا ہوا تھا اور رخسار بھیگتے چلے گئے تھے۔

''مجھے تم سے معافی مانگنی تھی رتی...... پلیز مجھے معاف کردو۔''

''کیسی معافی...... کیا، کیا ہے تم نے عالی، تمہیں کیا ہوگیا ہے کیسی باتیں کررہی ہو۔'' ارتقاع حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ بہت برا کیا، پہلے میں اپنی محبت سے مجبور ہوئی اور پھر بلیک میل ہوئی۔ اس نے کہا اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ میرے پورے خاندان اور یونیورسٹی میں میری ایسی تصاویر تقسیم کردے گا کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ میں نے تو کبھی کوئی تصاویر نہیں بنوائی تھیں۔ نہ ہی مجھے اس کا علم تھا کہ اس نے کب میری تصاویر لیں پھر بھی میں ڈر گئی تھی' میں نے پڑھ رکھا تھا کہ آج کل کسی جسم کے ساتھ کوئی چہرہ کیمرا ٹرک کے ذریعے آسانی سے جوڑا جاسکتا ہے۔ تم تو جانتی ہو ناں پپا تھوڑے سخت ہیں، مما کی طرح لبرل نہیں ہیں۔ وہ تو مجھے یونیورسٹی بھی بھیجنا نہیں چاہتے تھے اگر ایسی کوئی تصاویر انہیں ملتیں تو وہ تو مر ہی جاتے اور بھائی کبھی سر اٹھا کر نہ جی سکتے۔ کون میری بات کا یقین کرتا کہ وہ میری تصاویر نہیں ہیں، بس خود غرض ہوگئی تھی۔ میں نے صرف اپنا سوچا تمہارا نہیں...... ظفری نے کہا تھا تمہیں اس کے گھر لے آؤں، میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔ ظفری نے کسی کو ٹریٹ نہیں دی تھی۔ وہ تو صرف تمہیں۔'' اب وہ زاروقطار رو رہی تھی اور ارتقاع مبہوت سی بیٹھی اس کی بات سن رہی تھی۔

''میں تم سے نظر نہیں ملاسکتی تھی، اس لیے تمہارا سامنا کرنے سے کترا رہی تھی...... ظفری کے فارم پر جانے کے لیے بھی اس کے اصرار پر ہی میں نے تمہیں تیار کیا تھا۔'' اس نے روتے، روتے ہاتھ جوڑ دیے۔ ''رتی پلیز مجھے معاف کردو۔''

''او کے یار...... اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس کے شر سے بچالیا۔'' ارتقاع نے اس کے جڑے ہاتھ کھولے۔

''ناؤ ریلیکس عالی...... اتنی ٹینس نہ ہو، دیکھو وہ لڑکیاں ہماری طرف دیکھ رہی ہیں، مت روؤ پلیز۔'' اس نے کچھ فاصلے پر بیٹھی لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا جو ادھر ہی دیکھ رہی تھیں۔ عالیہ نے دوپٹے کے پلو سے اپنا چہرہ اچھی طرح صاف کیا۔

''کوئی شخص اتنا بھی منتقم مزاج ہوسکتا ہے مجھے یقین نہیں آتا عالی۔ محض کئی سال پہلے مارا جانے والا تھپڑ......''

''نہیں' تم نے ظفری کو تھپڑ نہیں مارا تھا رتی، وہ تو نہ جانے کون تھا...... یہ تو اس سے یونہی میں نے ایک بار ذکر کردیا تھا کہ کیسے چاند رات کو تم نے ایک لڑکے کو تھپڑ مارا تھا۔'' عالیہ نے اس کی بات کاٹی...... ارتقاع نے سر ہلایا۔

''اور اگر وہ تمہاری سسرال پہنچ گیا تو؟'' ارتقاع نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں' وہ ایسا نہیں کرے گا۔'' عالیہ نے یقین سے کہا۔

''تم اتنے یقین سے یہ کیسے کہہ سکتی ہو عالی۔ ایسے شخص سے کچھ بھی امید نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ تم اپنے پپا سے بات کرو، تھوڑے بہت خفا ضرور ہوں گے لیکن پھر معاملہ سنبھال لیں گے۔'' ارتقاع، عالیہ کے لیے پریشان ہوگئی تھی۔

''اس نے مجھ سے معذرت کرلی ہے اور اس کے پاس کوئی تصاویر نہیں ہیں، اس نے مجھے یوں ہی ڈرا دیا تھا۔''

''اور تم نے اس کی بات کا یقین کرلیا عالی!'' ارتفاع کو اس کے یقین پر حیرت تھی۔

''یہ کوئی فلمی اسٹوری نہیں ہے کہ کوئی غنڈہ لمحوں میں شریف آدمی بن گیا۔ تبدیلی کے عمل میں تو وقت لگتا ہے۔''

''میں نہیں جانتی لیکن وہ بدل گیا ہے۔ اس کے چہرے پر شرمندگی جھلکتی تھی۔'' عالیہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''اچھا...... اگر وہ اتنا ہی شرمندہ تھا تو تم سے شادی کیوں نہیں کرلیتا۔ محبت کا کھیل کھیلا تھا تمہارے ساتھ۔'' ارتفاع کے لہجے میں تلخی تھی۔

''اس کا نکاح اس کی پھپھو کی بیٹی سے ہو چکا ہے اور اس کی بہن اس کی پھپھو کی بہو ہے۔ ان کے ہاں ایسے ہی وٹے سٹے کی شادیاں ہوتی ہیں۔''

''جب وہ تم سے محبت کا ڈراما کررہا تھا تو تب اسے اس کا علم نہیں تھا۔ عالی تم اب بھی اس سے محبت کرتی ہو اور اسے مارجن دے رہی ہو لیکن مجھے اس پر اعتبار نہیں ہے...... پلیز ہوشیار رہنا اس سے اور کبھی اس سے رابطہ مت رکھنا۔'' اس کے لہجے میں ہنوز تلخی تھی۔

عالیہ نے جھکا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں اس کی وکالت نہیں کررہی رتی۔ میرے دل نے اس کی بات پر یقین کرلیا جب وہ مجھ سے بات کررہا تھا تو مجھے اس کی آنکھوں میں سچ نظر آیا تھا۔ وہ فطرتاً برا نہیں ہے بس۔''

''اچھا......'' ارتفاع طنزیہ ہنسی۔ ''وہ فطرتاً برا نہیں ہے میرے ساتھ اچھا کرنے جارہا تھا۔ میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا بھلا۔''

''اسے تم سے کوئی دشمنی نہیں تھی وہ تمہارے گھر کا ہی کوئی فرد تھا جو تمہیں برباد کرنا چاہتا تھا اور اس نے ظفری سے۔''

''کیا بک رہی ہو عالی...... بھلا میرے گھر کا کوئی فرد کیوں مجھے برباد کرنا چاہے گا۔'' وہ یک دم بھڑکی تھی۔ ''جھوٹ بولا ہے اس نے تم سے۔''

''شاید لیکن اس نے مجھے یہی کہا تھا جب میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ کیوں تمہارے پیچھے پڑ گیا ہے تو اس نے کہا تھا کہ تمہارے گھر کا ہی کوئی فرد ایسا چاہتا ہے کہ ایک دو روز تم گھر سے باہر رہو وہ تمہیں اور کوئی نقصان نہیں پہنچاتا بس دو روز تک تمہیں روکے رکھتا...... فارم ہاؤس میں بھی کسی بہانے وہ تمہیں وہاں ہی بند کرا تے۔''

''واٹ آنان سینس...... میرے گھر میں ہے ہی کون۔ کون پاپا، افنان، میں اور ماما...... نو نیوز......'' وہ شولڈر بیگ اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔

''بھلا ان میں سے کون مجھے بدنام کرنا چاہے گا...... پاپا اور افنان مجھ پر جان چھڑکتے ہیں اور ماما......'' یک دم وہ ٹھٹکی۔ ''کیا ماما...... کیا وہ ایسا کرسکتی ہیں، آخر کو سوتیلی ماں ہیں لیکن کیا وہ اتنی گر سکتی ہیں۔'' اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ ''ہاں شاید کر بھی سکتی ہیں'' اس کے دل میں ایک لمحے کے لیے آیا اور اس نے رات کی گفتگو یاد کی...... رواحہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی ماما سے اس کے متعلق بات کرلے تاکہ جب اس کے بابا آئیں تو اس کے ماما، پاپا کو پتا ہو کہ اس میں اس کی پسند بھی ہے۔ وہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچیں اور رات ماما اس کے کمرے میں آئیں تو انہوں نے خود ہی رواحہ کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

''تمہارا انکل اس فیلو اب کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے ماما۔'' اس نے حیران ہو کر ایمل کو دیکھا تھا جو رواحہ کا حال پوچھنے کے بعد روم چیئر پر بیٹھ گئی تھیں۔ ایمل بہت کم اس کے کمرے میں آتی تھی۔ جب کبھی اس کی طبیعت خراب ہوتی تھی لیکن آج وہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی بیٹھ گئی تھی۔

''ماما کیا آپ کو کچھ بات کرنی ہے۔'' اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں...... '' وہ چونکی تھیں۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، دورانِ تعلیم میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے جب بھی کسی نے تمہارے رشتے کی بات کی میں نے ٹال دیا لیکن اب ہمدانی صاحب نے اپنے بھانجے کے لیے ممی سے بات کی ہے۔''

''تو...... '' اس نے بھویں اچکائی تھیں۔

''یہ رشتہ ہر لحاظ سے بہترین ہے ارفی...... ہمدانی صاحب چاہتے ہیں کہ بھلے منگنی، شادی تمہاری ایجوکیشن ختم ہونے کے بعد ہوتی رہے لیکن اقرار، انکار جو بھی ہو ہم ابھی کر دیں کیونکہ ان کی نظر میں ایک دو اور رشتے بھی ہیں اور انکار کی صورت میں وہ اُدھر بات چیت کر سکتے ہیں۔''

''تو کرلیں اُدھر، مجھے ہمدانی صاحب کے بھانجے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' بابر کے بے جا لاڈ نے اسے اچھا خاصا خودسر اور منہ پھٹ بنا دیا تھا۔

ایمل نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

''بیٹا مل لینے میں کیا حرج ہے، بابر کہہ رہے تھے لاہور جانے کو...... اس ویک اینڈ پر چلے جائیں گے۔ تمہیں اچھا لگے، پسند ہو تو......'' ایمل کا لہجہ نرم تھا لیکن اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

''مجھے نہیں کرنی ہمدانی صاحب کے بھانجے سے شادی اور نہ ہی کسی اور سے۔''

''کیوں......؟'' ایمل کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''اس لیے کہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔'' اس نے سوچا تھا کہ رواحہ کے متعلق بات کرنے کا اس سے اچھا موقع اور نہیں ملے گا۔

''کون ہے وہ......؟'' ایمل اب بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''رواحہ......'' اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ ''میں اس سے محبت کرتی ہوں اور مجھے اس کے علاوہ کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کرنی۔''

''دیکھو بیٹا...... یہ محبت وحبت سب کتابی باتیں ہیں، محض پسندیدگی اور لگاؤ کو لڑکیاں محبت سمجھ لیتی ہیں۔ لڑکے سنجیدہ نہیں ہوتے ارفی وہ محض وقت گزاری اور......'' ایمل اسے سمجھانا چاہتی تھی لیکن اس نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''رواحہ ایسا لڑکا نہیں ہے ماما...... بہت سلجھا ہوا اور اچھا لڑکا ہے۔ اس کے بابا کالج میں پڑھاتے ہیں، پروفیسر ہیں...... بہت نائس اور شفیق انسان ہیں۔'' رواحہ کے ذکر سے اس کی آنکھوں میں قندیلیں سی جل اٹھی تھیں۔ ایمل کچھ دیر کے لیے کھوسی گئی تھی لیکن پھر جب اس نے ارتفاع کی طرف دیکھا تو اس کی پیشانی پر لکیریں پڑی تھیں۔

''تمہارے پاپا کسی پروفیسر کے بیٹے سے ہرگز تمہاری شادی نہیں کریں گے اس لیے تم رواحہ کا خیال ذہن سے نکال دو۔'' پہلی بار اس نے ایمل کے لہجے میں سختی سی محسوس کی تھی...... اور بھڑک اٹھی تھی۔

''رواحہ ایک پروفیسر کا بیٹا ہے، وہ اگر ایک مزدور کا بیٹا بھی ہو تب بھی مجھے اسی سے شادی کرنی ہے۔ رہی پاپا کی بات تو میں جانتی ہوں کہ انہیں اعتراض نہیں ہوگا، وہ ہمیشہ میری خوشی پر خوش ہوتے ہیں، آپ اپنی بات کریں۔

آپ چاہتی ہیں کہ میری شادی ہمدانی صاحب کے بھانجے سے ہو یقیناً ممی کا اور آپ کا کوئی مفاد وابستہ ہوگا اس سے آخر وہ نانا کے......''

''رتی......'' عالیہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی تھی اور اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ہوسکتا ہے ظفری نے مجھ سے جھوٹ بولا ہو لیکن اس نے مجھ سے ایسا ہی کہا تھا۔ لیوانٹ یقیناً جھوٹ ہی کہا ہوگا۔ تمہیں تنگ کرنے کا کوئی جواز دینا تھا ناں اس نے۔'' اس نے بہت زخمی نظروں سے عالیہ کی طرف دیکھا۔

''ہوسکتا ہے وہ سچ ہی کہہ رہا ہو۔'' اپنی بات کر کے وہ رکی نہیں تھی اور شولڈر بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے تیز، تیز چلنے لگی۔ اندر ایک ہی آواز آرہی تھی...... ''ماما...... ماما کیا وہ اتنی گر سکتی ہیں۔ اتنی گھٹیا حرکت کر سکتی ہیں، شاید نہیں...... شاید ہاں...... سنڈریلا کی اسٹیپ مدر نے بھی تو......'' وہ ہونٹ بھینچے تیز، تیز چل رہی تھی۔ اندر آتش فشاں ابل رہا تھا۔ عالیہ بھی اس کے ساتھ، ساتھ چل رہی تھی۔

''کیا تم، باقی کی کلاسز اٹینڈ نہیں کرو گی؟''

''نہیں......'' اس کے لہجے میں عجیب طرح کی سختی تھی۔

''رتی تم نے مجھے معاف کر دیا ہے ناں...... میری شادی پر آؤ گی ناں۔'' اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا تھا۔ تب ہی سامنے سے آتے فائنل کے ایک لڑکے نے اسے روکا۔

''تم نے سنا ظفری کے چچا سکندر سومرو اُن کی بیوی، بیٹا گاڑی کے حادثے میں جاں بحق ہوگئے ہیں۔'' عالیہ رک کر تفصیل پوچھنے لگی تھی۔ ارتفاع کے قدم لمحہ بھر کے لیے رکے تھے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ عالیہ کو وہاں ہی باتیں کرتا چھوڑ کر اسی تیزی کے ساتھ پارکنگ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''اگر پاپا کو پتا چلے کہ ماما نے میرے ساتھ ایسا کیا ہے تو وہ تو انہیں کھڑے، کھڑے گھر سے نکال دیں۔ لیکن ماما، ظفری کو کیسے جانتی ہیں اور پھر ماما کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے کہ وہ ماما کے کہنے پر مجھے برباد کرنا چاہتا تھا۔'' ایک لمحے کے لیے اس کے ذہن میں آیا تھا۔ ''ہوسکتا ہے ظفری نے جھوٹ بولا ہو عالیہ سے...... لیکن اسے بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ ضرور ماما نے ہی میرے خلاف کوئی سازش کی ہوگی...... مجھے پاپا کی نظروں میں گرانے کے لیے......'' اس کے ساتھ خرابی یہ تھی کہ اسے اپنے اندازوں کے صحیح ہونے کا سو فی صد یقین ہوتا تھا اور وہ فوراً ہی اپنے اندازوں پر یقین کی مہر ثبت کر دیتی تھی جیسا کہ اسے یقین تھا کہ ایمل اس کی سگی ماں نہیں ہے اور افنان کی کوئی بھی دلیل کوئی بھی بات اسے قائل نہیں کر سکی تھی۔ اگرچہ وہ خاموش ہوگئی تھی لیکن آج وہ ضرور ایمل سے باز پرس کرے گی کہ اگر وہ اس کی سگی بیٹی ہوتی تو کیا وہ تب بھی اسے برباد کرنے کی سازش کرتیں...... وہ آندھی طوفان کی طرح گاڑی اڑاتی گھر پہنچی تھی۔ دو دفعہ تو چالان ہوتے، ہوتے بچا تھا۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے ہونٹ بھینچے جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو ایمل فون پر بات کر رہی تھی...... ایک نفرت بھری نظر ایمل پر ڈال کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ ایمل کہہ رہی تھی۔

''ہمارا پروگرام تو تھا آنے کا لیکن پھر بابر مصروف ہوگئے ہیں کچھ...... ابھی بات کرتی ہوں بابر سے...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں...... آپ پریشان لگ رہی ہیں۔'' دوسری طرف سے ممی نے کچھ کہا تھا...... ایمل نے جواب دیا تھا۔ ''جی ممی، ظاہر ہے سب ہی آئیں گے بابر کہہ رہے تھے افی اور ارتفاع بھی دو دن کی رخصت لے لیں گے۔''

''مجھے نہیں جانا، آپ کی ممی کے گھر......'' اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے کسی قدر بدتمیزی سے کہا تو ایمل نے مڑ کر ناراض سی نظر اس پر ڈالی اور پھر فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''اچھا ممی خدا حافظ...... ! بابر سے بات کر کے آپ کو بتاتی ہوں۔'' ریسیور کریڈل پر رکھ کر اس نے ارتفاع کی طرف دیکھا جس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے جیسے آگ نکل رہی تھی۔

''کیا ہوا ارفی بیٹے، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری ہے'' چند لمحے پہلے اس کا بدتمیزی سے بولنا بھول کر ایمل نے اس کے قریب جا کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

''اُف... کس قدر ڈرامہ باز ہے یہ عورت...... ایک طرف مجھے برباد کرنے کی سازش اور دوسری طرف یہ لگاوٹ......'' ارتقاع نے اپنے بازو پر رکھا اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

ایمل حیرت زدہ سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔''

''یہ کیا بدتمیزی ہے ارفی، ماں سے بات کرنے کا یہ طریقہ ہے۔'' ایمل حیرت کے جھٹکے سے باہر آئی۔

''ماں......'' ریلنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ تلخی سے ہنسی۔ ''نہیں ہیں آپ میری ماں......'' اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

''آواز نیچی رکھو ارفی اور مت بھولو کہ کس سے بات کر رہی ہو۔ ماں ہوں میں تمہاری۔''

''مت دھوکا دیں خود کو اور مجھے۔'' ارتقاع نے تنفر سے اسے دیکھا۔

''میری ماں تو کیا آپ سرے سے ماں کہلانے کی ہی مستحق نہیں ہیں، مائیں بیٹیوں کی زندگی برباد کرنے کی سازشیں نہیں کرتیں۔ اگر آپ کی اصلی شکل انی اور پاپا دیکھ لیں تو نفرت کرنے لگیں آپ سے اور پاپا تو ایک لمحے کے لیے برداشت نہیں کریں آپ کو اس گھر میں۔'' وہ اسی طرح ریلنگ پر ہاتھ رکھے تنفر سے اسے دیکھ کر بولے جا رہی تھی۔

''ارفی......'' ایمل کے لبوں سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی تھی۔ ''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا ہے؟''

''کاش دماغ ہی خراب ہوتا میرا۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''اور یہ جھوٹ ہوتا لیکن یہ بہت بھیانک سچ ہے کہ آپ نے ظفری کے ساتھ مل کر مجھے ذلیل کرنے کی سازش کی۔ وہ تو اللہ نے مجھے بچا لیا۔''

''یہ کیا بکواس ہے ارتقاع...... میں کسی ظفری کو نہیں جانتی۔'' ایمل کی آواز بھی بلند تھی اور اوپر سیڑھی پر کھڑے بابر نے ایمل کی پوری بات سنی تھی اور تیزی سے نیچے آیا تھا۔

''کیا ہوا بھئی، یہ ماں، بیٹی کیوں تلواریں سونتیں کھڑی ہیں۔''

''پاپا'' ارتقاع روتے ہوئے اس کے ساتھ لگ گئی۔

''ارے...... ارے روتے نہیں گڑیا، میری جان بابر نے اس کے سر پر پیار کیا۔

''پاپا......'' ایمل نے روتے ہوئے اسے بتایا۔ ''ظفری مجھے بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا تھا اور ایسا وہ ہمارے گھر کے کسی فرد کے کہنے پر کرنا چاہتا تھا اور گھر کا وہ فرد ماما کے علاوہ بھلا اور کون ہو سکتا ہے۔'' ایمل ہکا بکا سی کھڑی اس کی بات سن رہی تھی۔

''او کے...... او کے ریلیکس......'' بابر نے اس کا بازو تھپتھپایا۔ ''ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں، بھلا تمہاری ماما ایسا کیسے کر سکتی ہیں۔''

''کیوں نہیں کر سکتیں...... سوتیلی ماں کچھ بھی کر سکتی ہے۔''

''میں تمہاری سوتیلی ماں نہیں ہوں، سگی ماں ہوں۔'' ایمل اسے سیڑھیوں پر چڑھتے دیکھ کر چیخی تھی۔

''جاؤ شاباش بیٹا اپنے کمرے میں جاؤ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ۔'' بابر نے ارتقاع سے کہا اور پھر ایمل کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

''بتائیں اسے بابر کہ میں اس کی سگی ماں ہوں اب حقیقت بتا دیں اسے...... آج سچ کہہ دیں۔'' ایمل نے روتے

ہوئے اس کا بازو جھنجوڑا۔

''وہ مجھ پر الزام لگا رہی ہے کہہ رہی ہے کہ میں اسے برباد کرنا چاہتی ہوں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس کی ماں ہوں، سگی ماں اور صرف اس کی خاطر میں نے...... اسے باپ کی شفقت دینے کے لیے شادی کی آپ سے۔'' وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکی لیکن بابر نے اسے روک لیا اور اپنے بازو کے گھیرے میں لیے اسے صوفے تک لایا۔

''بیٹھو...... بیٹھ جاؤ، آرام سے، سکون سے بات کرتے ہیں۔''

''نہیں، مجھے جانے دیں۔ اسے حقیقت بتانے دیں کہ میں اس کی سگی ماں ہوں، میں نے جنم دیا ہے اسے۔''

''ٹھیک ہے، بتا دیتے ہیں، بتا دیں گے پہلے تم ریلیکس ہو جاؤ۔'' اس نے اس کے کندھوں پر ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے اسے صوفے پر بٹھایا اور نازو کو آواز دے کر پانی لانے کو کہا۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے...... اور دل ہی دل میں دانت پیسے...... اس ظفری کو بھلا کیا ضرورت تھی۔ کچھ بتانے یا اعترافِ گناہ کرنے کی تھینک گاڈ کہ اس نے میرا نام نہیں لیا۔ پتا نہیں اچانک ہی کیوں اسے شریف بننے کا دورہ پڑا ہے۔ ظفری سے اس کی ملاقات یہاں کراچی میں ہی دو سال پہلے ایک بزنس پارٹی میں ہوئی تھی۔ عمروں میں بہت فرق ہونے کے باوجود دونوں میں دوستی ہو گئی تھی۔ بابر کے پاس یہ ہنر تھا کہ وہ چھوٹے بڑے ہر ایک سے فوراً بے تکلف ہو جاتا تھا اور اسے اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا۔ ان دو سالوں میں ظفری کے فارم ہاؤس میں ہونے والی کئی پارٹیوں میں شریک ہوا تھا۔ کئی بار اس کے ساتھ شکار پر گیا تھا۔ اس دوستی میں ظفری کی نسبت بابر کا زیادہ ہاتھ تھا، وہ جانتا تھا کہ ظفری جیسے لوگوں سے تعلق رکھنے میں فائدے ہی ہیں...... اور ظفری تو تھا ہی یاروں کا یار...... بابر نے ارتقاع کو بگاڑنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی...... لیکن ہر ممکن آزادی دینے کے باوجود نتیجہ اس کے حسبِ منشا نہیں نکلا تھا۔ بس یہ ہوا تھا کہ وہ کچھ خود سر اور ضدی ہو گئی تھی اس کے علاوہ اس کے کردار میں کہیں کوئی خرابی نہ تھی...... جب اسے پتا چلا تھا کہ ظفری...... اس کا یونیورسٹی فیلو ہے تو اس کے چالاک ذہن میں ایک منصوبہ آیا تھا...... وہ ارتقاع اور ایمل کو زندہ درگور کر دینا چاہتا تھا۔ دو تین روز ارتقاع گھر سے غائب رہتی تو دونوں جیتے جی مر جاتیں...... اور افنان جو ابھی اس پر جان چھڑکتا تھا اس سے نفرت کرنے لگتا...... افنان اس کا بیٹا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ وہ مدثر حسن کی بیٹی سے اتنی ہی نفرت کرے جتنی وہ کرتا ہے۔ اس نے اچھی طرح غور کرنے کے بعد ظفری سے بات کی تھی۔ وہ جانتا تھا ظفری خود بھی کوئی پارسا نہیں ہے۔ وہ اس سے وجہ پوچھے بغیر اس کی مدد کرنے کو تیار ہو جاتا تاہم اس نے اسے بتایا تھا کہ ارتقاع اس کی بیوی کے پہلے شوہر سے ہے اور اس نے اسے زندگی میں ایسی زک پہنچائی تھی کہ وہ اس کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ آج تک انتقام کی آگ اس کے سینے میں جلتی ہے۔ بس دو تین روز تک اسے اپنے فارم یا گھر میں بند رکھے اور پھر آزاد کر دے۔ ظفری نے زیادہ کرید نہیں کی تھی اور حامی بھر لی تھی۔ لیکن چند دن پہلے ظفری نے اس سے معذرت کر لی تھی اور کہا تھا کہ وہ لڑکی سے انتقام لینے کے بجائے اس کے باپ کو تلاش کرے وہ ہر قسم کی مدد کے لیے تیار ہے...... اور وہ ظفری کو یہ بھی نہیں بتا سکا تھا کہ اس نے ایک دوسرا آپشن بھی رکھا ہوا تھا۔ اور دو بار کی ناکامی کے بعد اس نے دوسرے آپشن پر کام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''پانی......'' نازو پانی لے آئی تھی...... اس نے نازو کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر خود ایمل کے ہونٹوں سے لگایا لیکن ایمل نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر چند گھونٹ بھر کر گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔

''پتا نہیں کون اس کے ذہن میں یہ زہر بھر رہا ہے لیکن اب مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوگا۔''

''میں اسے سب کچھ بتا دوں گا۔''

''اب وہ بچی نہیں، کچھ نہیں ہوگا اسے۔ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔ ہرٹ ہوگی لیکن سنبھل جائے گی۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' بابر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔

''اب وقت آگیا ہے کہ اسے سب معلوم ہو جانا چاہیے۔''

''فون کس کا تھا؟'' اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی اور کامیاب بھی ہو گیا۔

''ممی کا...... بہت اداس ہو رہی تھیں تنہائی...... اکیلا پن...... ہم بھی اتنے دور ہیں۔'' ایمل اداس ہو گئی تھی۔ ''آپ نے کہا بھی تھا...... دو تین دنوں کے لیے سب چلیں گے۔ لیکن......''

''ہاں یار میں کچھ مصروف ہو گیا تھا اِدھر اب افنان کے ٹیسٹ چل رہے ہیں، رتی اور افنان کو چھوڑ کر ہم دونوں کل ہی چلتے ہیں، میں اپنی اور تمہاری سیٹ کب کروا دیتا ہوں۔'' ایمل کا ہاتھ اب بھی بابر کے ہاتھ میں تھا۔

''افنان کے ٹیسٹ ہو رہے ہیں تو ارتی کو ساتھ لے چلتے ہیں ...'' پتا نہیں کیوں ایمل، ارتقاع کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی۔

''نہیں ایما اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ اسے رہنے دو، میں افنان کو تاکید کر دوں گا کہ کالج سے آنے کے بعد گھر پر ہی رہے...... آ کر اس سے بات کریں گے تب تک اس کا موڈ بھی ٹھیک ہو جائے گا، ممی سے بھی مشورہ کر لینا کہ کیسے بات کرنی ہے۔ بلکہ ہم دو تین روز رہ کر ممی کو بھی ساتھ ہی لے آئیں گے۔ زیادہ نہیں تو ہفتے دو ہفتے کے لیے۔ سوری ایما میں اپنے بزنس میں مسلسل ہونے والے نقصان کی وجہ سے اتنا پریشان تھا کہ ممی کی طرف سے غافل ہو گیا تھا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔''

بابر نے کہا تو ایمل نے متشکر نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ بابر نے کبھی اسے مایوس نہیں کیا تھا ممی پتا نہیں کیوں اس کے متعلق کچھ مشکوک تھیں۔ کچھ عرصے سے کبھی، کبھی اس کا رویہ کچھ کھردرا سا ہو جاتا تھا لیکن اس نے ہمیشہ ایمل اور ارتقاع کا خیال رکھا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' ایمل نے بابر کی کسی بات پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

''واپس آ کر آپ ہی بات کر لیجیے گا۔ آپ پر بہت ٹرسٹ کرتی ہے۔ آپ کی بات سنے گی بھی اور سمجھے گی بھی۔''

''اوکے اب رونا نہیں بالکل اور رتی کو ڈسٹرب کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور افنان سے بھی کچھ مت کہنا۔'' بابر کھڑا ہو گیا۔ ''مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ واپسی پر سیٹیں بک کروا دوں گا۔ تم تیاری کر لینا شام کی ہی کسی فلائٹ سے نکل جائیں گے۔''

ایمل نے سر ہلایا وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ بابر اس کا رخسار تھپتھپاتا ہوا لاؤنج سے نکل گیا...... اور گاڑی میں بیٹھتے ہی وسیم کا نمبر ملایا۔

''کہاں ہو وسیم...... اوہ اچھا کراچی پہنچ گئے ہو گڈ...... اب وقت آگیا ہے کام کا...... کل یونیورسٹی سے واپسی پر...... بہت احتیاط سے کام کرنا ہے۔ غلطی کی گنجائش نہیں ہے، میں اور ایمل کل صبح لاہور جا رہے ہیں، میری عدم موجودگی میں یہ کام ہو جانا چاہیے۔ تم نے وہی کرنا ہے جو میں نے تمہیں سمجھایا ہے۔''

''اور اگر اس نے لفٹ نہ دی۔''

''دے گی، میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں بس تمہاری ایکٹنگ جاندار ہونی چاہیے...... اور ہر اگر کا ایک متبادل بھی ہوتا ہے، تمہارے پاس ہمیشہ دوسرا آپشن ہونا چاہیے۔ تم وہاں ہی ٹھہرے ہوئے ہو ناں بہتر ہے کہ تھکاوٹ اتار کر ایک بار شاہجہان سے ملاقات کر لو۔'' بابر نے فون آف کر دیا تھا کیونکہ اسے اب شاہجہان کی طرف جانا تھا جو لاہور سے آچکی تھی، ایک لمحے کے لیے اسے خیال آیا تھا کہ ارتقاع کے ساتھ ایسا کر کے اسے کیا فائدہ ہوگا۔

کرنل، حامد نے پراپرٹی ارتقاع کے نام کی تھی اس لیے وہ ارتقاع سے مختار نامے پر دستخط کروا چکا تھا اور اس کی فروخت کے لیے ایک پراپرٹی ڈیلر سے اس کی بات بھی چل رہی تھی۔ پھر وہ ارتقاع کے ساتھ ایسا کیوں کرنا چاہتا تھا۔ اس

کے پاس اس کیوں کا جواب نہیں تھا۔ مدثر اور ایمل کے بیٹے کو پہلے ہی وہ شاہجہان کے پاس بھجوا چکا تھا اور اب بیٹی بھی...... اس نے ہولے سے سر جھٹکا...... اور اس کے لبوں پر ایک پُراسرار سی مسکراہٹ بکھر گئی...... اور وہ گاڑی گیٹ سے باہر نکال لے گیا۔

☆☆☆

''تم اتنی بے یقین کیوں ہو سجل......؟'' عظام پارک میں سجل کے سامنے کھڑا تھا اور وہ بینچ پر بیٹھی تھی۔ اس کی لانبی پلکوں میں موتی اٹکے ہوئے تھے جو ہولے سے لرزتیں تو موتی رخساروں پر لڑھک آتے۔ عظام بے چین سا ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا سجل تم خاموش کیوں ہو، میرا اعتبار کرو سجل، میں زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔''

ثمر حیات جلد از جلد سجل کی والدہ سے ملنا چاہتا تھا۔

اس لیے عظام نے اسے فون کر کے شاہجہان کے متعلق معلوم کیا تو سجل نے بتایا کہ اماں تو آگئی ہیں لیکن وہ اس سے ملنا چاہتی ہے۔

''زہے نصیب...... کہو تو ابھی آجاؤں......'' وہ شوخ ہوا تھا۔ ''یوں بھی ملنے کو بہت جی چاہ رہا ہے۔''

''نہیں ابھی نہیں، میں صبح فون کر کے بتاؤں گی۔'' اور ناشتا کر کے جوں ہی وہ اٹھا تھا اس کا فون آگیا تھا کہ وہ پارک میں اس کا انتظار کر رہی ہے اور وہ فوراً ہی گھر سے نکل آیا تھا اور اب وہ پارک میں اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کی پلکوں پر موتی اٹکے ہوئے تھے اور وہ بہت بے چین اور مضطرب سی کبھی انگلیاں مسلتی کبھی ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر لیتی۔

''کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے؟'' اس نے پوچھا تھا لیکن وہ یونہی خاموش بیٹھی رہی تھی۔

''تمہارے ذہن میں کیا ہے سجل...... کھل کر بات کرو...... اپنے وہم، شکوک مجھ سے ڈسکس کرو، میں کوشش کروں گا کہ تمہیں مطمئن کر سکوں۔''

وہ اس کے سامنے درخت کے ایک جھکے تنے پر بیٹھ گیا تھا۔ سورج کی سنہری کرنیں درختوں سے چھن، چھن کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ عظام کی نگاہیں اس کے چہرے کی طرف اٹھیں اور پھر جھکنا بھول گئیں۔ کئی لمحے یوں ہی گزر گئے۔ اس کی نگاہوں کی حدت سے گھبرا کر سجل نے اپنی جھکی پلکیں اٹھائیں اور پھر جھکا لیں۔

''کہو سجل کیا کہنا چاہتی ہو۔ بولو پلیز جو بھی کہنا ہے کہو...... جب سے آیا ہوں خود ہی اندازے لگا رہا ہوں لیکن خدارا کوئی ایسی بات مت کہنا جو......'' عظام نے پریشان سا ہو کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ اور اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔ اس کے اور سجل کے درمیان کوئی عہد و پیمان تو نہیں ہوئے تھے۔ ہاں اس کے دل نے اس کی چاہ ضرور کی تھی اور سجل نے خود ہی دستِ طلب دراز کر دیا تھا۔

''میں...... مجھے آپ سے معذرت کرنا تھی۔''

''کس بات کی؟'' عظام کی خوشنما آنکھوں میں حیرت تھی۔

''میں نے آپ سے ایک ایسا تعلق جوڑنے کی درخواست کی جس کی آپ کو خواہش نہ تھی۔''

سنہری کے منع کرنے کے باوجود وہ عظام سے بات کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

''ہم انسان بہت خود غرض ہوتے ہیں...... میں بھی خود غرض ہو گئی تھی...... میں نے بھی اپنی غرض پوری کرنا چاہی اور آپ کے سامنے دامن پھیلا دیا۔ آپ ہمدردی اور مروت میں ایسا وعدہ کر بیٹھے جسے نبھانا آسان نہیں ہے، مجھے یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا تھا کہ آپ کی نرم دلی سے فائدہ اٹھاؤں۔ میں آپ کو اس وعدے سے آج آزاد کرتی ہوں۔''

''کیسی بات کر رہی ہو سجل...... میں نے تم سے ہمدردی نہیں کی...... میں نے شاید تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ تم میرا

خواب تھیں...... میں تو حیران تھا اور ابھی تک حیران ہوں کہ کیا خوابوں کی تعبیریں یوں بھی مل جایا کرتی ہیں۔'' اس نے سجل کو بے حد محبت سے دیکھا۔

''کچھ خواب، بہت خوش رنگ، خوشنما اور خوب صورت ہوتے ہیں لیکن ان کی تعبیریں بہت بھیانک ہوتی ہیں...... سیاہ اندھیری راتوں جیسی...... نہ میرا بیک گراؤنڈ قابلِ تعریف ہے اور نہ میری ذات میں کچھ ایسا ہے جو باعثِ فخر ہو...... میرا ساتھ آپ کے لیے باعثِ ندامت ہوگا...... میں نے آپ کو آزمائش میں ڈالا اس کے لیے معافی چاہتی ہوں۔'' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''سجل......'' عظام نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''مت کہو ایسا...... تم نے مجھے بالکل بھی آزمائش میں نہیں ڈالا میرا یقین کرو...... تم میری طلب ہو...... خواہش ہو، میں نے تم سے کوئی ہمدردی نہیں کی ہے۔ ہمدردی کے رشتے بہت کمزور اور بودے ہوتے ہیں، میرا رشتہ وقتی نہیں ہے، کمزور نہیں ہے، یہ ہمدردی کا رشتہ نہیں ہے، محبت کا رشتہ ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں، میری روح میں سما چکی ہو تم۔''

''مجھ جیسا بیک گراؤنڈ رکھنے والی لڑکی سے کوئی احمق، نادان، کم فہم ہی رشتہ جوڑ سکتا ہے۔'' وہ ابھی تک خود ترسی کی سی کیفیت میں تھی۔ ''میں نے بہت سوچا اور مجھے لگا آپ جیسے اچھے انسان کے ساتھ یہ زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔''

''اور میں...... مجھے لگتا ہے کہ مجھے اس کے لیے سجدۂ شکر ادا کرنا چاہیے بلکہ مجھ پر واجب ہوگیا۔'' اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہوگئی۔

''آپ سمجھ نہیں رہے ہیں، آپ اتنے احمق تو نہیں لگتے مجھے۔'' وہ جھنجلائی۔

''تم مجھے احمق، نادان، کم فہم کچھ بھی سمجھ لو سجل لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہیں کبھی مایوس نہیں کروں گا۔ ایک مضبوط بندھن میں بندھنے کے بعد یہ محبت جو میں تم سے کرتا ہوں مزید بڑھے گی اور نکھرے گی...... تم مجھ پر اعتماد کرو گی تو زندگی بہت خوب صورت ہوجائے گی۔'' عظام نے وارفتگی سے اسے دیکھا۔

''اور آپ...... کیا آپ بھی مجھ پر اعتبار کریں گے۔ زندگی کا حسن تو باہمی اعتماد سے ہی نکھرتا ہے۔ اور آپ کیا ایک ایسی لڑکی پر اعتبار کرسکیں گے جسے اپنے باپ کا نام تک نہیں معلوم...... میری ولدیت کے خانے میں جس ظہورے کا نام لکھا ہے وہ میرا باپ نہیں ہے۔'' آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں ستاروں کی طرح چمکے......

''یہ بات تم مجھے بتا چکی ہو سجل اور میں نے دل کی پوری رضامندی کے ساتھ تمہاری طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔ محبت میں اس سب سے کچھ فرق نہیں پڑتا...... یوں آنسو بہا کر میرا امتحان مت لو...... اگر میں کوئی گستاخی کر بیٹھا تو تم خفا ہوجاؤ گی۔'' اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

سجل نے تیزی سے اپنے آنسو پونچھے اور بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

''آپ کو تو فرق نہیں پڑتا پر کیا آپ کے پاپا کو بھی نہیں پڑتا؟'' اس کے لہجے سے خدشے اور خوف جھلکتا تھا۔

''میرے پاپا دنیا کے سب سے زیادہ اچھے پاپا ہیں اور انہیں میری رضا اور خوشی کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر ہے۔'' مسکراہٹ نے دھیرے سے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ اور وہ مبہوت سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''اگر تسلی ہوگئی ہو تو پاپا کو بھیج دوں؟'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی اور سجل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنی پلکیں گرالیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شرمگیں سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اب وہ حسن وحیا کے اس امتزاج کو مبہوت ہو کر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کی تپش سے گھبرا کر وہ کھڑی ہوگئی۔

''کیا آج شام پاپا کو بھیج دوں؟''

''اماں سے پوچھ کر فون کردوں گی، کیا خبر انہیں کہیں جانا ہو۔''

''زیادہ انتظار نہ کروانا سجل، پاپا اپنی ہونے والی بہو سے ملنے کو بے تاب ہو رہے ہیں، وہ صرف میری خاطر آئے ہیں ابھی، باہر اُن کے کئی کام ادھورے پڑے ہیں، سب کچھ وائنڈ اپ کر کے اب وہ یہاں ہی پاکستان میں سیٹل ہو جائیں گے۔'' عظام بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

''کہاں کس شہر میں سیٹل ہوں گے وہ؟''

''جہاں میری زندگی رہنا پسند کرے وہاں ہی سیٹل ہو جائیں گے۔'' عظام کی شوخ نظریں اس کی طرف اٹھیں تو اس کے رخساروں پر بکھری لالی گہری ہوئی۔

''مجھے لاہور اچھا لگتا ہے۔''

''تو لاہور ہی میں ڈیرا ڈال لیں گے۔'' عظام نے دلچسپی سے اسے دیکھا کچھ دیر پہلے والا اضطراب اب اس کے چہرے سے نہیں جھلکتا تھا۔ وہ دونوں ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے پارک کے خارجی دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ دونوں کے دل یکساں رفتار سے دھڑک رہے تھے۔

''مجھ سے کبھی بدگمان مت ہونا سجل...... میں تمہارے ساتھ عمر بھر کے لیے رشتہ جوڑنے جا رہا ہوں۔'' عظام نے ایک بار پھر اسے یقین دہانی کروائی۔

سجل کی پلکیں ایک بار پھر نم ہونے لگیں۔

''پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اس رشتے کی بنیاد رکھنا...... اپنے آپ کو کبھی کمتر مت سمجھنا۔ تم میرے دل کی ملکہ ہو اور ہمیشہ میرے دل پر راج کرو گی...... تم نہیں جانتیں تم میرے شب و روز پر قابض ہو چکی ہو...... میرے دن اور رات میری صبحیں اور شامیں تم سب پر حکومت کر رہی ہو۔'' کم گو سے عظام کے پاس جانے کہاں سے اتنے لفظ آ گئے تھے۔ وہ خود سوچ رہا تھا۔ رواحہ اگر سنتا تو مارے حیرت کے بے ہوش ہو جاتا۔ عظام کے دل میں رواحہ کا خیال آیا تو مسکراہٹ نے پھر ایک بار اس کے لبوں کو چھوا۔ بہت زیادہ بولنے والا رواحہ بھی ارتقاع کے سامنے گنگ ہو جاتا تھا۔

''ابھی تم چھوٹی ہو، بہت معصوم ہو۔''

''میں بیس سال کی ہونے والی ہوں۔'' سجل نے پلکیں جھپک کر آنسوؤں کو باہر نکلنے سے روکا۔

''اگر تمہاری اماں کو جلدی نہ ہوتی تو میں تم سے کہتا تم...... بی اے کر لو، میچور ہو جاؤ...... میں بھی اپنی تعلیم مکمل کر لوں لیکن ان حالات میں تو جی چاہتا ہے کہ کل ہی مولوی پکڑ کر لے آؤں اور تمہیں اس دنیا سے دور لے جاؤں جہاں کسی بخاری صاحب اور کسی صاحبزادہ صاحب کی گندی نظریں تم پر نہ پڑیں۔''

''میں اب بھی میچور ہوں...... سنہری سے زیادہ......'' اس نے ناراض سی نظر عظام پر ڈالی اور عظام کا جی اس پر فدا ہو جانے کو چاہا۔

''ایسی نظروں سے مت دیکھو سجل، ورنہ میں تو یہیں ڈھیر ہو جاؤں گا۔'' ذرا سا رک کر اس نے وارفتگی سے سجل کو دیکھا۔ بارِ حیا سے سجل کی نظریں جھک گئیں۔

''سنہری صحیح ہی تو کہتی ہے کہ میں بہت خوش قسمت ہوں، اماں نے ناچنے گانے سے دور رکھا اس ماحول میں رہ کر بساط بھر پڑھایا اور اب یہ شہزادوں کی سی آن بان والا مجھ سے ایک مضبوط تعلق جوڑنے جا رہا ہے۔'' اس نے چور نظروں سے عظام کی طرف دیکھا اور پھر سے اپنی طرف دیکھتے پا کر نظریں جھکا لیں اور تیز، تیز چلنے لگی۔

☆☆☆

خدا بخش کو اپنے لیے چائے بنانے کا کہہ کر وہ رواحہ کے بیڈ روم میں آئے تو وہ سو رہا تھا۔ ناشتے کے بعد وہ گھر پر ہوتے تو دس ساڑھے دس بجے چائے ضرور پیتے تھے...... آج چھٹی کا دن تھا اور وہ گھر پر ہی تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ

رواحہ کے ساتھ گپ شپ لگاتے وہ چائے پینے لگے...... کچھ دیر وہ رواحہ کے بیڈ کے پاس کھڑے اسے دیکھتے رہے جھک کر اس کا کمبل درست کیا اور پاس پڑی روم چیئر پر بیٹھ گئے۔ ان کا جی چاہا وہ اس کے ماتھے پر بکھرے سلکی بالوں کو پیچھے کر دیں لیکن اس کی نیند ڈسٹرب ہونے کے خیال سے انہوں نے خود کو روک لیا۔ وقت کتنی جلدی گزر جاتا ہے۔ برسوں پہلے اس ننھے بچے کو کراچی لاتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے کہ کیا تنہا کسی عورت کے بغیر وہ اسے پال لیں گے اور آج وہی ننھا بچہ ایک بھرپور جوان تھا۔ وہ ایک بار پھر محبت پاش نظروں سے اسے دیکھنے لگے اور اس کی طرف دیکھتے، دیکھتے منظر بدل گیا تھا۔ وہ رات کے اڑھائی بجے ویران روڈ کے کنارے کھڑے اس چھوٹے سے بچے کو دیکھ رہے تھے جو سہا ہوا تھا اور بار، بار پیچھے مڑ کر اس پگڈنڈی کی طرف دیکھتا تھا جو اس کے پیچھے شاید کہیں کسی آبادی کی طرف جاتی تھی اس کے رخساروں پر آنسوؤں کے نشان تھے۔ چہرہ ستا ہوا اور آنکھوں میں خوف اور وحشت تھی۔ وہ بے اختیار زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے تھے اور اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا...... آپ کون ہو؟ آپ کے ماما، بابا کدھر ہیں؟''

''ماما، بابا...... اماں۔'' بچے کے منہ سے بے ربط سے لفظ نکلے تھے۔ پیچھے جنگل میں کہیں کوئی گیدڑ چیخے تھے۔ وہ سہم کر یک دم ہی اُن سے لپٹ گیا تھا۔ انہوں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا اور وہ سہا ہوا سا بے جان سا ہو کر اُن کے بازوؤں میں سما گیا تھا۔ وہ اڑھائی تین سال کا ہوگا۔

''شاید اپنے والدین سے بچھڑ گیا ہے۔'' انہوں نے مڑ کر خدا بخش سے کہا تھا۔

''پتا نہیں انسان کا بچہ ہے یا......'' اور خدا بخش کی بات پر وہ ہنس دیے تھے۔

''اتنا چھوٹا بچہ خود بہت دور سے نہیں آسکتا خدا بخش...... آس پاس سے پتا کرتے ہیں کیا خبر اس کے والدین اسے ڈھونڈ رہے ہوں۔''

''یہاں آس پاس تو کسی آبادی کا نشان نہیں ہے۔'' خدا بخش صحیح کہہ رہا تھا۔ دائیں بائیں کچے راستے جا رہے تھے۔

''کیا خبر کسی بس ویگن سے اترا ہو اور بچھڑ گیا ہو۔'' خدا بخش نے خیال ظاہر کیا۔

انہیں خدا بخش کے اس خیال سے اتفاق تھا لیکن پھر بھی اس کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے آس پاس اس کے والدین کو ڈھونڈنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگر خدا بخش کا اندازہ صحیح بھی تھا کہ وہ کسی بس سے والدین کی نظر بچا کر اتر گیا ہوگا تو وہ یقیناً اس کی گم شدگی کا احساس ہوتے ہی واپس اسے ڈھونڈنے آئیں گے۔ بچہ ان کی گردن میں بازو ڈالے بری طرح ان سے چمٹا ہوا تھا۔ اس نے بلونیکر کے ساتھ ریڈ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے پاؤں میں قیمتی جاگرز تھے۔ انہیں خدا بخش کا خیال صحیح لگا کہ وہ کسی بس یا ویگن سے ہی نیچے اترا ہوگا اس کا لباس بتا رہا تھا کہ وہ کسی دیہات کا بچہ نہیں ہے۔ پھر بھی انہوں نے دونوں اطراف میں دو میل تک ضرور دیکھا تھا۔ دائیں، بائیں بنے کچے راستوں پر بھی کافی آگے تک گئے تھے لیکن کوئی ذی روح نہیں تھا...... آخری راتوں کا چاند تھا۔ آگے بڑھنے پر اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ کچے راستوں کے اطراف گھنے درختوں کی بہتات تھی۔ تب انہوں نے اسے اپنے ساتھ ہی لے جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ خدا بخش کی بے چینی بھی محسوس کر رہے تھے۔

''خدا بخش ابھی لاہور چلتے ہیں، کل دن کی روشنی میں آکر پتا کر لیتے ہیں۔''

خدا بخش نے سر ہلاتے ہوئے بچہ اُن کی گود سے لے لیا۔

''یہ بہت دور سے آرہا ہے صاحب اس کا جسم بہت گرم ہے اور یہ نڈھال ہو رہا ہے۔''

وہ سر ہلا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ گاہے گاہے پیچھے مڑ کر دیکھتے وہ آنکھیں بند کیے نڈھال سا خدا بخش کی گود میں لیٹا ہوا تھا۔ ''جانے کس کا جگر گوشہ ہے اور اس کے والدین کا کیا حال ہوگا۔'' ان کا دل......

بے حد گداز ہو رہا تھا۔ گھر آ کر خدا بخش نے نیم گرم پانی سے اس کا ہاتھ منہ دھلایا...... اور جب جاگرز اتارے تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس کے ننھے، ننھے پاؤں بے حد سوجے ہوئے تھے۔ یقیناً بچہ اپنی طاقت اور ہمت سے زیادہ چلا تھا۔ خدا بخش نے اسے گرم دودھ بہ مشکل پلایا تھا۔

"کیا کھائے گا میرا بیٹا؟" انہوں نے اسے اپنے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کتنی بار محبت سے پوچھا تھا لیکن وہ ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا تھا۔ خدا بخش اس کے لیے فرنچ ٹوسٹ بنا کر لے آیا لیکن اس نے ایک نوالہ تک نہیں لیا۔

"آپ کا نام؟"

"روحا......" اس نے اپنی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

"پاپا نام۔"

"پاپا، ماما قلی...... اماں تین۔"

باقی کے نام اس نے خود ہی بتا ڈالے تھے۔ وہ پورا جملہ نہیں بولتا تھا حالانکہ اتنی عمر کے بچوں کو انہوں نے پورے، پورے جملے بولتے دیکھا تھا" شاید خوفزدہ ہے ڈرا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کا ڈر ختم ہو تو کچھ بتائے...... شہر کا نام...... کوئی جگہ کچھ تو بتائے۔" انہوں نے اسے بیڈ پر لٹا دیا۔

"اب سو جاؤ، صبح پاپا کے پاس جائیں گے۔" انہوں نے اس کے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیریں اس کی خوشنما آنکھیں انہیں کچھ مانوس سی لگیں۔ اور وہ محبت سے اسے دیکھنے لگے تھے۔ اور وہ جواب تک ضبط کیے ہوئے تھا چیخ، چیخ کر رونے لگا تھا۔ اور اس کی زبان سے ماما، پاپا نکل رہا تھا۔

"ماما پاس......" وہ مچل رہا تھا انہوں نے اسے گود میں لے لیا اس کے رخساروں اور ماتھے پر بے اختیار بوسے دیے...... تسلی بھرے کئی جملے بولے اور وہ روتے، روتے یونہی اُن کی گود میں سو گیا تھا۔ سوتے میں بھی اس کی سسکیاں نکل جاتی تھیں۔ اس کے چہرے پر خوف تھا اور کبھی وہ سسک اٹھتا اور بے قراری سے اماں، ماما پکارتا تھا۔ اس کے پاس لیٹے۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے، پھیرتے جانے وہ خود بھی کب سو گئے تھے۔ صبح وہ اس کے رونے کی آواز پر اٹھے تھے۔ وہ بیڈ پر بیٹھا آنکھیں رگڑ، رگڑ کر رو رہا تھا۔ انہوں نے اسے بہلایا، پیار کیا لیکن اب جو اس نے رونا شروع کیا تھا تو چپ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"ماما پاس...... اماں پاس......" وہ ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھا۔ تب ناشتا کر کے اسے اور خدا بخش کو ساتھ لے کر وہ گھر سے نکل گئے تھے۔ اور ایک بار پھر آس پاس کسی آبادی کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ آتی جاتی ایک دو بسوں کو بھی روک کر اُن کے ڈرائیور سے پوچھا تھا اور پھر گاڑی اس کچے راستے کی طرف موڑ دی تھی جدھر سے وہ بچہ آیا تھا۔ کافی آگے جا کر ایک پیپل کے درخت کے نیچے انہیں ایک شخص نظر آیا۔ جو لوہے کی ایک پرانی سی زنگ آلود سی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا تعارف کروایا کہ وہ نائی ہے اور یہاں لوگوں کی حجامت بناتا ہے۔ دور چند ایک کچے گھر نظر آ رہے تھے۔ شاید یہ کوئی چھوٹی سی ڈھوک (گاؤں) تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ کسی بچے کی گم شدگی سے لاعلم ہے۔ کوئی بچہ گاؤں سے غائب ہوتا تو اسے پہلے خبر ہوتی۔

"اگر کوئی کسی بچے کو ڈھونڈتا ہوا آئے تو اسے یہ نمبر دے دینا۔" انہوں نے اپنا فون نمبر اسے دے کر تاکید کی تھی۔ وہ نمبر سنبھال کر رکھے اور بچہ ڈھونڈنے والے کو بتا دے کہ بچہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔

لاہور واپس آتے ہی انہوں نے سب سے پہلے ایک اخبار میں اشتہار لکھوایا تھا...... پھر ریڈیو پر اعلان کروانے کا انتظام کیا...... ان دنوں شام کے وقت گم شدہ بچوں کے متعلق ریڈیو سے اعلان ہوتا تھا۔

(جاری ہے)



گھڑی کی ٹک ٹک

شبینہ گل

زیتون کے تیل کی بوتل سے ذرا سا تیل اس نے اپنی ہتھیلی پر انڈیلا اور ماں کی ٹانگوں پر ملنے لگا...... اس کے بھاری مردانہ ہاتھ گو سخت تھے لیکن مالش کرتے وقت یوں لگتا گویا نرم و نازک نسوانی ہاتھ ہوں یا شاید ماں کی ٹانگوں کو دبانے اور مالش کرنے میں شامل محبت اس کے لمس میں نرمی بھر دیتی تھی۔ واجدہ بی بی روح کی گہرائیوں تک اس نرمی کو محسوس کرتی اور سارے دکھ درد ہوا میں تحلیل ہوتے محسوس ہوتے...... اس سے اس کے دل کی گہرائیوں سے جو دعائیں نکلتی تھیں وہ ٹیلی پیتھی کی لہروں کے مانند مصعب کے روم، روم میں سکون بن کے سرایت کر جاتی تھیں۔

''اب بس کردے، تھک جائے گا۔'' یہ روز کا

جملہ تھا...... اوراس کے جواب میں مصعب کی پیار بھری خفگی کی نگاہ بھی معمول کا حصہ تھی۔ پھر وہی منظر روز دُہرایا جاتا، وہ بے بسی بھری محبت یا محبت بھری بے بسی سے مسکرا دیتی اور اس کی مسکان بیٹھے بیٹھائے مصعب کو جنت کی بشارت دے دیتی۔

ٹانگوں کی اچھی طرح مالش کر کے اس نے ماں کو گرم چادر اوڑھائی اور پھر اس کی آستینیں چڑھانے لگا۔ وہ پھر مسکرائی۔ اسی نرم لمس کے ساتھ بازوؤں کی مالش کی پھر ننھے بچے کی طرح ماں کے کندھوں کے گرد شال لپیٹی اور سر کے بال کھولنے لگا۔ وہ پھر معمول کی طرح چڑ کر بولی۔

''مجھے آج تک تیری یہ پٹھی (الٹی) منطق سمجھ نہیں آئی۔ سر سے شروع کر کے پیر تک جانے کے بجائے تو پیروں سے شروع کر کے سر پہ لا کے ختم کرتا ہے۔'' وہ زور سے ہنس دیا پھر ماہر مالشی کی طرح چمپی کرتے ہوئے بولا۔

''چلو کیا یاد کرو گی ماں، آج بتا ہی دیتا ہوں۔''

ماں نے گردن گھما کر پہلے اسے ایک مصنوعی گھوری دی پھر سیدھی بیٹھ کر ہمہ تن گوش ہوگئی۔

''سارا دن سارے جسم اور کام کا بوجھ یہ ٹانگیں اٹھاتی ہیں اس لیے رات کو کام کاج ختم کرنے کے بعد سب سے زیادہ ٹانگیں ہی دکھتی ہیں۔ پھر دوسرے نمبر پر بازو تھکتے ہیں، سر کی باری آخر میں اس لیے آتی ہے کہ جسم کی تھکن اتار کے نیند لینی ہوتی ہے۔ ایسے میں سر پر تیل کی مالش پہلے کرو تو کیا زبردست نیند آتی ہے۔ اب اگر میں سر کی مالش پہلے کر دوں تو تم پہلے ہی سو جاؤ گی۔ باقی مالش کرنے نہیں دو گی ناں، آئی سمجھ۔''

بولتے، بولتے اس نے ماں کے کندھے پر سے جھانک کر دیکھا تو ماں کی آنکھیں محبتوں اور شفقتوں کے بحرِ بیکراں لیے ہوئے تھیں۔ اس نے نرمی سے بال سلجھا کر ڈھیلی چوٹی گوندھی تو واجدہ بی بی نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر سامنے بٹھالیا۔

''اور سارا دن تیری راہ دیکھ، دیکھ کر جو آنکھیں تھک جاتی ہیں ان کا کیا؟'' وہ اپنی محنت کش ماں کا دیوانہ بیٹا تھا۔ لاجواب بھلا کیسے ہو جاتا۔ دونوں ہاتھوں میں ماں کا چہرہ تھام کر ان خوب صورت آنکھوں کو باری، باری چوم لیا۔

''یہ ہوا آپ کی آنکھوں کی تھکن کا سامان۔''

اس خوش بخت عورت کو بھلا اور چاہیے بھی کیا تھا پھر...... ان عقیدت سے چومی گئی آنکھوں کو اس نے کھولا نہیں اور تکیے پر سر رکھ دیا۔ مصعب بتی بجھا کر دروازہ اچھی طرح بند کر کے باہر آ گیا۔

☆☆☆

''ہیپی لیبر ڈے نتاشا!'' کہتے ہی شائنہ نے زوردار قہقہہ مارا۔ ''ہاں، ہاں یار دن بہت مزے میں گزر رہا ہے، چلو شام کو ملیں گے کلب میں۔''

وہ فیشن میگزین کے صفحے پلٹتی لاؤنج کے صوفہ کم بیڈ پر نیم دراز تھی، چھٹی والے دن بھی سولہ سنگار سے لبریز، کچھ ہی فاصلے پر اس کا شوہر زاویار امیرانہ مشغلے میں لگا ہوا تھا۔ بائیں ہاتھ میں تازہ جوس کا گلاس تھامے دائیں ہاتھ سے مسلسل چینلز چینج کر کے ریموٹ کی شامت بلا رکھی تھی۔

''اوہ نہیں سویٹی، خدا وہ دن نہ لائے جب مجھے کام کاج کرنا پڑیں، یہ میڈز کس مرض کی دوا ہیں، اتنا پیسہ دیتے ہیں انہیں تو کیا یکم مئی کو چھٹی دے کر اپنی چھٹی غارت کرلیں۔'' پھر قہقہہ۔

''اوہ تو ڈونٹ بی سلی نتاشا، تم کوئی این جی او کھول لو پھر یہ کام کر لینا۔'' شائنہ از حد بے حسی اور تفاخر سے ملے جلے انداز لیے اپنی دوست سے محوِ گفتگو تھی۔ اس کے الفاظ و انداز میں اپنے نوکروں کے لیے ہمیشہ ہی تحقیر کا عنصر غالب رہتا تھا۔ شائنہ کی گفتگو کے دوران زاویار کے چہرے پر بھی مغرورانہ مسکراہٹ اس کے بیوی سے متفق ہونے کی دلیل تھی۔ جوس کا گلاس خالی کر کے اس نے اب سگریٹ سلگا لیا تھا...... بڑے لوگوں کی مصروفیات بھی کس قدر چھوٹی ہوتی ہیں، ابھی ابھی اس نے ایک فیکٹری ورکر کی کال ''بزی ہوں'' کہہ کر کاٹی تھی

اور پھر جس نخوت سے موبائل آف کر کے صوفے پر پھینکا تھا واجدہ بی بی محض دیکھ کر رہ گئی تھی۔

وہ روز ہی یہاں کام کرتے ہوئے ان امیر زادوں کی جگر چھلنی کر دینے والی ہزاروں باتیں سنتی اور اس کا اختیار بس اتنا ہی تھا، غریب کا واحد اثاثہ اس کی بے بسی اور لاچاری ہی ہوتی ہے جسے وہ تن پر کپڑوں کے ساتھ ہی لپیٹ لیتا ہے۔ اور اختیار والوں کو تحقیر کا موقع مل جاتا ہے۔ غریب کی تو خودداری بھی امیروں کی اجازت کی محتاج ہوتی ہے۔

شائنہ کے بچوں کو بھرپور طریقے سے چھٹی انجوائے کرتا دیکھ کر اس کا دھیان بھٹک، بھٹک کر اپنے پانچ سالہ مصعب کی طرف جاتا تھا جسے بنگلے کے اندر آنے کی اجازت نہیں تھی سو چھٹی والے دن وہ گیٹ کے باہر ہی گرین بیلٹ پر اسے ہزار نصیحتوں کا چولا پہنا کر چوکیدار کی حفاظت میں بٹھا آتی تھی۔ واجدہ بی بی کو اس گھر میں کام کرتے چار سال ہو گئے تھے لیکن وہ آج تک اس گھر کے مکینوں کی فرعونیت کی عادی نہ ہو پائی تھی کیونکہ اسے یہاں محض اس کی مجبوری کھینچ لائی تھی، ورنہ متوسط طبقے کے مناسب نوکری والے عبدالقادر کے سنگ رخصت ہوتے وقت اس کے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک روز اسے گھر، گھر کام ڈھونڈنے والی ماسی بننا پڑ جائے گا۔ جاب سے واپسی پر موٹر بائیک کے جان لیوا ایکسیڈنٹ نے جب اس کے سر سے سائبان کھینچا تب مصعب محض ایک سال کا تھا اور ابھی اس نے چلنا بھی نہیں سیکھا تھا۔ ماں، باپ پہلے ہی مر چکے تھے پھر تو میکا، سسرال سب برابر ہو گئے۔ سب نے یکساں بے رخی برتی تو اپنے ہوئے پرائے کی مثل سمجھ میں آگئی۔ گھر کرائے کا تھا، وہ کرایہ کہاں سے بھرتی، جمع پونجی ہاتھ سے ریت کے مانند نکلنے لگی تو پڑوس کی صفیہ بی نے اسے اپنے گھر کی چھت پر بنا فالتو کمرا خالی کر کے دے دیا۔ ساتھ چھوٹا سا غسل خانہ بھی تھا۔ صفیہ بی نے اس کا درد یوں سمجھا کہ ان کی اپنی بیٹی رضیہ کی قسمت ایک نکھٹو مرد کے ساتھ پھوٹی تو وہ میاں

خوشبو تو اب دور گئی

جس نے کبھی الفاظ سے نہ کی تھیں غداریاں
آج وہ احساس سے کر رہا ہے مکاریاں

زندوں کو جینے نہیں دیتے ہیں لوگ
اور موت پر بھی کرتے ہیں فنکاریاں

خوشبو تو اب دور گئی کسی اور دیس
گلوں میں تو بھڑک رہی ہیں چنگاریاں

ہم درویش اپنی کٹیا میں ہی مست اچھے
ہمیں راس نہیں آتی شہرت کی خواریاں

سعدیؔ! اجالوں کی تلاش اب ممکن کیسے
جگنو کو ہیں اڑنے میں بہت دشواریاں

شاعرہ: نجل سعدیؔ آرائیں، گولارچی

سمیت ماں کے در پر آپڑی تھی۔ واجدہ بی بی کے ساتھ نیکی کر کے صفیہ بی نے گویا یہ سوچا کہ اس نیکی کے صدقے اللہ اس کی بیٹی کی مشکل آسان کرے جو شائنہ کے بنگلے پر صفائی ستھرائی کا کام کرنے پر مجبور ہو گئی تھی پھر اس نے واجدہ بی بی کو بھی کام دلوا دیا اور یوں پلک جھپکتے میں واجدہ بی بی متوسط طبقے کے ٹائٹل سے محروم ہو کر نچلے طبقے کی فرد بن گئی۔

شائنہ اور زاویار لاکھ بد دماغ اور مغرور سہی لیکن تنخواہ اچھی دیتے تھے۔ اس کے علاوہ رمضان کا راشن اور دونوں عیدوں کے جوڑے بھی دیا کرتے تھے...... کبھی، کبھی اس کے علاوہ بھی عنایات ہو جایا کرتی تھیں۔ یوں وہ کم کھا اور زیادہ بچا کر پائی، پائی جوڑنے لگی تا کہ مصعب کی تعلیم ممکن ہو سکے۔

غریبوں کے بچے بچپن میں ہی جوان ہو جاتے ہیں، اس کا مصعب بھی محض سات برس کی عمر میں اس لمحے جوان ہو گیا جب اس نے پہلی بار کام کاج سے

سخت ہوئے ماں کے ہاتھ تھام کر ایک عزم سے کہا۔

''دعا کرو ماں میں جلدی بڑا ہو جاؤں۔ پھر تم کو کام نہیں کرنے دوں گا، تمہیں پلنگ پہ بٹھا کے کھلاؤں گا۔'' اور واجدہ بی بی اپنے معصوم بیٹے کی قبل از وقت جوانی پہ اس رات تکیہ بھگوتی رہی۔

☆☆☆

دس برس کی عمر میں مصعب ایک موٹر ورکشاپ پر چھوٹا بن کر بڑے، بڑے کام کرنے لگ گیا۔ اب واجدہ بی بی روز رات کو اس کے ننھے، ننھے ہاتھوں کی کالک رگڑ رگڑ دھوتی اور تیل کی مالش کرتی کہ اس کے ہاتھوں کی نرمی ختم نہ ہو...... لیکن وہ نرمی پھر بھی تیزی سے ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اب اس کا تکیہ روز ہی بھیگا رہتا تھا۔ محنت اور لگن انسان کو تیزی سے عروج پر لے جاتی ہیں، جب اس نے میٹرک کیا تو ورکشاپ کے مالک نے اسے چھوٹے کے عہدے سے مکینک کے عہدے پر ترقی دے دی۔ ماں، کے بھیگے تکیے پر اب گیلی روئی سے بدنما پھولوں جیسے داغ نمایاں ہو گئے تھے۔ اس نے دیکھا تو صاف غلاف چڑھا کر وہ داغ چھپا دیے...... وہ نہ یہ داغ مٹا سکتا تھا نہ یہ داغ بننے کی وجہ ختم کر سکتا تھا.... فی الحال وہ صرف نت نئے غلاف چڑھا کر ماں کے آنسوؤں پر پردہ ڈال سکتا تھا۔ اس کی منزل ابھی بہت دور تھی۔ لیکن جب.... بھی وہ تھکنے لگتا تو تکیے کے بدنما گیلے پھول یاد آ جاتے اور وہ اس کے جنون کو بڑھانے میں مدد دیتے، وہ پھر سے اٹھ کھڑا ہوتا۔

میٹرک کے بعد اس نے کالج جانے کے بجائے پرائیویٹ پڑھائی مکمل کرنے کا سوچا اور داخلہ بھجوا کر کورس خرید لیا۔ اب وہ صبح میں ورکشاپ جاتا، شام میں پرائمری کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا اور رات میں اپنا کورس پڑھتا۔ واجدہ بی بی اس کی کمائی کا دھیلا بھی خرچ نہ کرتی۔ وہ اس کے ان کہے خوابوں سے واقف تھی۔ انٹر اچھے نمبروں سے پاس کیا تو اسے ایک اکیڈمی میں جاب مل گئی۔ اب معاوضہ بھی اچھا ہو گیا۔ ورکشاپ کا مالک اب جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے اپنی ورکشاپ کو ماڈرن طرز دینا چاہ رہا تھا۔ شیشے کی دکان، مہنگی مشینری، کار واش ایریا، ایک ٹک شاپ...... وہ اپنی ورکشاپ کو بزنس کے جدید طریقوں پہ سیٹ کر رہا تھا اور یہ تمام ورکرز کے لیے خوش آئند تھا۔ مصعب کو اس نے سپروائزر کی پوسٹ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

بی اے کرتے ہی یہاں وہ سپروائزر لگا تو اکیڈمی مالکان نے بھی اسے انچارج بنا دیا۔ ساتھ وہ کچھ مالدار گھرانوں میں بھی ٹیوشنز دینے لگا تو اس نے قسطوں پر موٹر سائیکل خرید لی۔ اب وہ ماں سے کہتا۔

''ماں اب یہ کام چھوڑ دو اب میں بہت کما لیتا ہوں، ہم دو کے لیے کافی ہے۔''

''ہم دو کیوں، ابھی تو تیری شادی بھی کرنی ہے، جب تک تو شادی کے لیے پیسہ نہیں جوڑ لیتا، کوئی کرائے کا گھر نہیں لے لیتا تب تک مجھے بھی کام کرنے دے۔ ابھی ہمت ہے، جب تیری بیوی آ جائے گی، کام کاج سنبھالے گی تب میں آرام سے بیٹھ جاؤں گی۔'' ماں ہنس کر کہتی تو وہ بھی جھینپ کر ہنس پڑتا۔

اس کا ایم اے مکمل ہوا تو اس نے ایک نسبتاً اچھے علاقے میں گھر کرائے پر لے لیا۔ نیچے تین کمرے باتھ روم، کچن، لاؤنج ڈرائنگ، ڈائننگ اور اوپر چھت پر بھی دو کمرے برآمدہ کچن اور باتھ روم بنا ہوا تھا۔ اپنا سامان اوپر شفٹ کر کے نیچے اس نے اکیڈمی کا سیٹ اپ بنا دیا۔ اپنی ساری جمع پونجی لگا دی اور پھر جس دن اکیڈمی کا افتتاح تھا اس دن اس نے ماں کا کام چھوڑوا دیا.... اکیڈمی اور ورکشاپ مالکان کو بلایا، باقاعدہ تقریب رکھی اور ماں سے فیتہ کٹوایا۔ وہ فیتہ کاٹتے ہی پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

اکیڈمی اور ورکشاپ دونوں کے مالکان نے نیک خواہشات کے ساتھ، ساتھ بھاری رقم بطور تحفہ اسے دی جو اس نے بے حد پس و پیش کے بعد رکھ لی۔ دونوں اس کی محنتوں کے قدر دان تھے سو اس کا استعفیٰ بخوشی قبول کیا اور ہمیشہ ساتھ دیتے رہنے کا وعدہ بھی کیا۔ تھوڑی سی

آزمائش کے بعد وہ ربِ کائنات ایسا بھر بھر کے نوازتا ہے کہ سنبھالنا محال ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ......!

☆☆☆

سمجھ نہیں آتی کہ جن کے پاس ماں کی دعا ہو انہیں پیر و مرشد کی ضرورت کیونکر پڑ جاتی ہے۔ مصعب کے لیے پیر بھی اس کی ماں اور مرشد بھی...... جب وہ کام چھوڑ کر گھر بیٹھی تب اندازہ ہوا کہ ہڈیاں اور جوڑ کس قدر کمزور پڑ گئے ہیں اور بس اسی دن سے اس نے ماں کا بالکل اسی طرح خیال کرنا شروع کر دیا جیسے وہ بچپن میں اس کا کرتی تھی۔

''اب بس کر دے شادی کب کرے گا۔'' وہ ہر دوسرے دن چھلا جاتی۔

''نیا، نیا کاروبار ہے ماں ذرا سیٹ ہونے دو بس صرف دو سال مجھے دے دو۔ پھر انکار نہیں کروں گا، پکا وعدہ...... یہ دو سال ہم ماں بیٹا صرف ایک دوسرے کے ساتھ گزاریں گے۔ تم نے میری خاطر جوانی تیاگ دی، میں صرف دو سال صبر نہیں کر سکتا کیا؟'' اور اس کی آنکھیں بھر آتیں لیکن اب آنسو بہتے نہیں تھے۔ صرف آنکھوں کی کٹوریوں میں ہی جھلملاتے تھے۔

صفیہ بی سے وہ دونوں اب بھی ملتے تھے، ان کے نکھٹو داماد نے مصعب کو اپنی نگاہوں کے سامنے ترقی کرتا دیکھا تو احساس جاگا۔ تب اس نے انہیں اپنی اکیڈمی کا چوکیدار بنالیا۔ صفیہ بی اور رضیہ شکر گزار رہتیں لیکن ان کے برسوں کے احسانات کا یہ بدلہ بے حد معمولی تھا۔

☆☆☆

سال بھر میں حالات نے یوں پلٹا کھایا کہ اسے خود بھی یقین نہیں آتا اس کی اکیڈمی نے تیزی سے ترقی کی اور اسے سال کے اندر، اندر ایک بڑا بنگلا کرائے پر لینا پڑا۔ زندگی نے اگر اس سے بارہ، پندرہ برس مشقتیں لی تھیں تو ایک ہی سال میں اتنا سکھ بخشا تھا کہ وہ ماں، بیٹا سارے دلدر بھول گئے تھے۔ مصعب نے ماں کے لیے ایک نوکرانی کا انتظام کر دیا تھا۔ وہ خود صرف کھانا پکاتی تھی باقی سب کام نوکرانی کے سر پر کھڑے ہو کرواتی لیکن اپنا گزرا وقت لمحہ بھر کو بھی فراموش نہیں کرتی تھی۔ اس لیے اپنی نوکرانی آسیہ سے اس کا رویہ بے حد مشفقانہ ہوتا تھا۔

اس روز بھی ناشتے کے بعد وہ آسیہ کو کام سمجھا کر لاؤنج میں آئی تو مصعب کو فرصت سے پیر پسارے ٹی وی دیکھتے پایا۔

''ارے آج اکیڈمی بند ہے کیا؟''

''چھٹی ہے ماں، یکم مئی ہے ناں آج، لیبر ڈے۔'' اور صوفے پر کشن کی ترتیب درست کرتی واجدہ بی بی جھکی کی جھکی رہ گئی۔

''ہیپی لیبر ڈے خناشا۔'' دور کہیں ایک شوخ سی آواز گونجی اور بازگشت بنتی فضا میں پھیل گئی۔ وہ کشن وہیں پھینک کر مصعب کو حیران چھوڑے تیر کی سی تیزی سے باہر نکلی اور کچن کی تفصیلی صفائی کرتی آسیہ کے پاس آ کر رک گئی۔ آسیہ نے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھولی سانسیں، سرخ چہرہ......

''آسیہ پتر تو گھر جا، چھٹی کر۔'' مسالوں کے ڈبوں پر کپڑا پھیرتی آسیہ کا ہاتھ رکا اور سینے پر جا پڑا۔

''کیا ہوا بی بی، سب خیریت ہے؟'' وہ بری طرح گھبرا گئی۔

''ہاں پتر سب خیریت ہے، آج یومِ مزدور ہے مجھے یاد نہیں تھا۔ تیرا میاں اور بچے گھر پر ہوں گے، تو گھر جا۔''

آسیہ اپنی مالکن کے بھولپن پر ہنس دیتی لیکن اس کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

وہ ان آنسوؤں کا پس منظر تو نہیں جانتی تھی لیکن اپنی مالکن کی نرم دلی سے بخوبی واقف تھی۔ شاذ ہوتے ہیں ایسے لوگ جو اپنا کڑا وقت یوں یاد رکھتے ہیں کہ اس کی روشنی میں دوسروں کو نفع پہنچانے کا سوچتے ہیں اور واجدہ بی بی وہی گوہر تھی۔

ناولٹ

پتھر کا آدمی

مدیحہ شاہد

وہ ایک شاپنگ مال کے پارکنگ ایریا میں اپنی سفید مہران کے قریب کھڑا گاڑی لاک کر رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے گاڑی کے دروازے کے کی ہول میں چابی گھما رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں سن گلاسز تھے...... جنہیں اس نے بڑی بے پروائی سے پہنا...... گاڑی لاک کر کے وہ مڑا اور کی چین جینز کی دائیں جیب میں اڑس لی۔ وہ اینٹرنس کی جانب چلتے ہوئے دفعتاً رک گیا۔

بلو جینز اور بلیک شرٹ میں ملبوس، چھ فٹ سے


READING
Section

نکلتا قد، چمکدار اور روشن آنکھیں اور انداز میں بے نیازی...... بلاشبہ وہ اس وقت پارکنگ میں موجود تمام لوگوں میں ممتاز لگ رہا تھا۔

اس نے سامنے کی طرف دیکھا جہاں ایک لڑکی حواس باختگی کے عالم میں اسے وہیں رکنے کا اشارہ کررہی تھی۔ وہ حیران ہوا کہ بھلا یہ کون اجنبی لڑکی تھی اس نے رخ موڑ کر اپنی گاڑی کی طرف دیکھا کہ کہیں اس سے پارکنگ میں تو کوئی غلطی نہیں ہوگئی مگر گاڑی تو بالکل ٹھیک پارک ہوئی تھی۔

لڑکی کے ایک ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھا، دوسرے ہاتھ سے اپنے بال پیچھے کرتی وہ تیزی سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید حیرانی تھی اور پریشانی بھی......لڑکی کی نظریں کبھی اس کی طرف تو کبھی اس کی گاڑی کی طرف اٹھتیں......وہ اسے دیکھ کر بری طرح ٹھٹک گیا۔ ایک حواس باختہ، اجنبی، حیران پریشان سی لڑکی...... وہ بری طرح چونک ہی تو گیا تھا۔

''جی محترمہ! آپ نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا؟'' لڑکی کے قریب آنے پر اس نے شائستگی سے پوچھا۔

''یہ......یہ گاڑی......؟'' حواس باختہ لڑکی کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے......اس کے چہرے پر گزرے زمانوں جیسی تھکن تھی۔ اس نے چہرہ موڑ کر گاڑی کی سمت دیکھا۔

''میری گاڑی ہے۔'' شہرام نے جیسے لڑکی کو یقین دلایا۔

''آپ کی گاڑی ہے یہ؟'' انگلی سے گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لڑکی نے بے یقینی سے کہا اس کی آنکھیں گہری ہوتی شام جیسی اداس تھیں۔

شہرام کو محسوس ہوا جیسے وہ لڑکی کسی ذہنی دباؤ کا شکار ہے اس نے بغور اس لڑکی کو دیکھا......حلیے سے تو وہ خاصی معقول لڑکی لگتی تھی اور خاصی خوب صورت بھی تھی۔ اس نے سرخ اور فیروزی امتزاج کا کرتہ اور چوڑی دار پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ چنری کا دوپٹا اس کے لباس کو مزید نکھار رہا تھا۔ سیدھے سیاہ بال کمر تک آرہے تھے۔ چہرے پر کوئی میک اپ نہیں تھا اور اسے میک اپ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

''محترمہ! لگتا ہے کہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' شہرام نے گلا کھنکھار کر قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں ...... مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ یہ آپ کی گاڑی نہیں ہوسکتی۔'' لڑکی نے غائب دماغی کے عالم میں گاڑی کا نمبر دُہرایا۔ شہرام بھونچکا رہ گیا۔ اسے اس اجنبی لڑکی پر شدید غصہ آیا۔ یہ شاید شہرام سے فری ہونے کا کوئی بہانہ تھا۔ اسے ایسے بہت سے تجربات ہو چکے تھے۔ لڑکیاں اس سے فرینک ہونے کے عجیب و غریب بہانے بنایا کرتی تھیں۔ وہ ایسی ہی دلکش شخصیت کا مالک تھا۔

''محترمہ! میرے پاس آپ کی ان بے سروپا باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے...... اب میں چلتا ہوں، مجھے دیر ہورہی ہے۔'' وہ کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ کر بیزاری سے بولا۔ وہ ان لڑکوں میں سے نہیں تھا جو لڑکیوں کا بلاوجہ فری ہونا پسند کرتے ہیں۔

''نہیں......پلیز رکیے، میری بات تو سنیں۔'' وہ یک دم شہرام کے سامنے آگئی۔ اس کی آنکھوں میں شدید اضطراب تھا......چہرے پر ریت اڑتے صحراؤں جیسی ویرانی تھی......اس کی پلکیں اوس میں بھیگی کلیوں کی طرح نم ہوگئی تھیں۔

''محترمہ آپ کون ہیں، میں آپ کو بالکل نہیں جانتا ہوں...... میں سمجھ نہیں پارہا کہ آپ کی ان باتوں کا کیا مقصد ہے...... یہ گاڑی میری نہیں تو کیا آپ کی ہے؟'' شہرام کے لہجے کی شائستگی یک دم غائب ہوگئی......وہ قدرے ترشی سے بولا۔

''جی...... یہ گاڑی میری تھی۔'' لڑکی نے اپنے آنسو پونچھے......ٹوٹے آئینوں جیسا کرچی، کرچی لہجہ شہرام کو بری طرح چونکا گیا۔

وہ عجیب صورتِ حال سے دوچار تھا۔ اس جم غفیر والے شاپنگ مال کے باہر ایک حسین لڑکی اس کے

قریب کھڑی رو رہی تھی۔ کوئی جاننے والا مل جاتا تو لینے کے دینے پڑ جاتے۔ وہ اس پل کو کوسنے لگا جب یہاں رکا تھا۔ شاید وہ کوئی سائیکو قسم کی لڑکی تھی۔

''دیکھیے بی بی، میں نہیں جانتا کہ آپ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ مگر یہ گاڑی میں نے اپنے دوست احمر شہزاد سے خریدی ہے۔ میرے پاس سب کاغذات ہیں، آپ اس طرح ری ایکٹ نہ کریں...... یہ ایک پبلک پلیس ہے۔ لوگ آ جا رہے ہیں کچھ تو خیال کریں۔'' شہرام نے لہجہ ہموار رکھا مگر اس میں محسوس کی جانے والی تلخی تھی۔ اتنی محنت اور حلال کی کمائی سے خریدی گئی یہ گاڑی شہرام کا ایک قیمتی اثاثہ تھی۔ وہ دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں ڈالے بیزار کھڑا تھا۔

''میں تو کسی احمر شہزاد کو نہیں جانتی۔ یہ گاڑی میری تھی، میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' اس کی آواز زرد موسم جیسی افسردہ تھی۔ اس نے رخ موڑ کر اپنی آنکھیں صاف کیں۔ شہرام کو اب محسوس ہوا کہ لڑکی کی آواز کس قدر خوب صورت اور مترنم ہے۔ بانسری کے سُروں جیسی دل کھینچ لینے والی آواز......

''اوہ...... کہیں یہ گاڑی چوری تو نہیں ہو گئی تھی۔ مگر میرے پاس تو سب پیپرز ہیں۔'' شہرام کو خیال آیا۔

''آپ نے یہ گاڑی کتنے کی لی؟'' لڑکی کی سوئی گاڑی پر ہی اٹکی تھی۔

''چار لاکھ کی......'' شہرام نے بے ساختہ بتایا۔

''میں آپ کو چودہ لاکھ دوں گی، کیا آپ یہ گاڑی مجھے دے دیں گے؟'' لڑکی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

شہرام جیسے سانس لینا ہی بھول گیا۔ چند لمحے تو اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ لڑکی نے کیا کہا ہے اور اب اسے کیا کہنا چاہیے۔ یہ اس لڑکی کی سادگی تھی یا حد سے بڑھا ہوا احمقانہ پن...... وہ سمجھ نہیں پایا۔ پارکنگ ایریا میں اچانک ملنے والی ایک اجنبی لڑکی نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔

''بتائیں......؟'' لڑکی نے اصرار کیا۔

''محترمہ! چار لاکھ کی اس سیکنڈ ہینڈ مہران کو آپ چودہ لاکھ میں کیوں خریدنا چاہتی ہیں؟ چودہ لاکھ میں تو آپ بہت اچھی گاڑی خرید سکتی ہیں۔'' شہرام کے دل میں آیا کہ یہ بھی کہہ دے کہ محترمہ ذرا عقل سے کام لیں۔

لڑکی کے اگلے جملے نے شہرام کو حیرت کا اگلا جھٹکا دیا۔

''اگر میرے پاس چودہ کروڑ بھی ہوتے تو وہ بھی اس گاڑی کے بدلے آپ کو دے دیتی۔''

شہرام ہکا بکا رہ گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ لڑکی ضرور کسی ذہنی عارضے میں مبتلا ہے۔ ورنہ ایسی باتیں کوئی ذی ہوش انسان نہیں کر سکتا۔ اب وہ مزید اس لڑکی کو کیا بتاتا کہ یہ کیسی کھٹارا گاڑی ہے اور وہ اسے خرید کر پچھتا رہا ہے، اس کے خاندان کا ہر فرد ابھی تک یہی کہتا پھر رہا ہے کہ اس نے یہ گاڑی خاصی مہنگی خرید لی۔ آئے دن اس گاڑی میں کوئی نہ کوئی مسئلہ رہتا تھا۔

''او کے...... میں آپ کو سوچ کر بتاؤں گا۔'' شہرام نے ہتھیار ڈال دیے۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وعدے کے بغیر یہ لڑکی اسے یہاں سے ہلنے بھی نہیں دے گی۔

''سچ؟ آپ سچ کہہ رہے ہیں؟ او کے...... آپ مجھے اپنا موبائل نمبر دے دیں، میں آپ سے فون کر کے پوچھ لوں گی۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو گئی...... اس کی نم آنکھیں یک دم چمکنے لگیں۔

شہرام نے بادلِ ناخواستہ اسے موبائل نمبر دیا۔ لڑکی نے اسی لمحے اپنے موبائل میں نمبر فیڈ کر کے شہرام کو مس کال دے کر نمبر کے درست ہونے کا یقین بھی کر لیا۔ شہرام کو لگا کہ لڑکی اتنی بھی بے وقوف نہیں ہے۔

لڑکی دھیرے سے چلتے ہوئے گاڑی کے قریب آئی پیار سے گاڑی کی سطح پر ہاتھ پھیرا جیسے وہ گاڑی کوئی بہت قیمتی چیز ہو...... شہرام بغور اس کی حرکات و سکنات نوٹ کر رہا تھا۔

''او کے محترمہ...... میں پہلے ہی بہت لیٹ ہو چکا ہوں، اب مجھے اجازت دیں......'' شہرام نے جان

چھڑاتے ہوئے کہا۔

''جی ٹھیک ہے...... آپ کا بہت شکریہ...... میں کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔'' وہ بے انتہا ممنون نظر آنے لگی۔

شہرام نے دل میں سوچا کہ پتا نہیں کس چیز کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔ کوئی عجیب ہی لڑکی ہے، وہ موقع غنیمت جان کر فوراً مال کے انٹرنس کی طرف چلا گیا۔ جہاں کافی رش تھا۔ سیل کا سیزن تھا۔ وہ خواتین اور بچوں کو راستہ دیتا سائڈ پر ہو گیا۔ دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے اس نے یونہی سڑک کی طرف دیکھا۔ سڑک کے کنارے وہ اجنبی لڑکی ایک رکشے میں بیٹھ رہی تھی۔ شہرام اندر جانا بھول گیا۔ اسے کھڑے، کھڑے چودہ لاکھ کی آفر کرنے والی لڑکی ایک معمولی سے رکشے میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے سڑک پر جمی رہ گئیں۔ رکشا سڑک پر تیزی سے دوڑنے لگا۔ شہرام نہ چاہتے ہوئے بھی اس اجنبی لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ لڑکی تھی یا کوئی پہیلی' وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔ واقعی زندگی میں کچھ اتفاقات بہت عجیب ہوتے ہیں۔ ناقابلِ یقین، ناقابلِ فہم......

☆☆☆

شہرام اور احمر لان میں بنفشی پھولوں کی کیاری کے پاس بیٹھے تھے۔ دونوں کی کرسیوں کے درمیان چھوٹی سی میز دھری تھی جس پر کافی کے دو مگ اور فرنچ فرائز سے بھری پلیٹ رکھی تھی۔

''یہ اچانک تم نے میرے گھر پر کیسے چھاپا مارا؟'' احمر نے چپس کھاتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یہ گاڑی تم نے کس سے خریدی تھی؟ کب لی تھی؟ کن لوگوں سے لی؟''

''کون سی بھئی......؟'' احمر نے عجیب طرح سے پوچھا۔

''یہی سفید مہران...... جو میں نے تم سے خریدی تھی؟'' شہرام نے کافی پیتے ہوئے کہا۔ احمر کا پلیٹ میں سے چپس اٹھاتا ہاتھ رک گیا۔ اسے اس سوال کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ نہ جانے کیوں وہ کنفیوز سا نظر آنے لگا۔

''کیوں؟'' احمر محتاط ہوا۔ اس نے پُراسرار نظروں سے شہرام کو دیکھا۔ شہرام نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں احمر کی آنکھوں کی پُراسراریت پڑھ لی تھی۔

''میں یونہی پوچھ رہا ہوں، آج مال میں ایک اجنبی لڑکی ملی تھی۔ میری گاڑی کو دیکھ کر چونک گئی، کہنے لگی کہ یہ اصل میں اس کی گاڑی ہے۔ میں نے بہ مشکل سمجھایا کہ محترمہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے مگر محترمہ کی سمجھ میں میری بات نہیں آئی۔'' احمر بری طرح چونکا تھا اس کے پورے وجود میں اضطراب پھیل گیا۔

''کون؟ کون لڑکی تھی؟ کیا نام تھا؟'' اس نے بوکھلا کر بڑی بے چینی سے پوچھا۔ شہرام کو اس کی بے چینی اور چونکنے پر حیرت ہوئی۔ اسے لگا کہیں نہ کہیں تو گڑبڑ ضرور تھی۔

''نام کا تو مجھے پتا نہیں...... وہ لڑکی سرِراہ ملی تھی۔ نہ میں نے اس کا نام پوچھا اور نہ اس نے میرا...... مگر تم نے یہ گاڑی لی کس سے......؟ مجھے تو یہ بتاؤ۔'' شہرام نے احمر کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ احمر نے نظریں چرالیں، وہ اب کونے میں لگے منی پلانٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شہرام نے اس کا اضطراب محسوس کرلیا۔

''آں...... مجھے نام یاد نہیں...... پتا نہیں کیا بھلا سا نام تھا...... تمہیں تو پتا ہے کہ میرا شوروم ہے اور لوگ سیکنڈ ہینڈ گاڑیاں بیچتے اور خریدتے رہتے ہیں......'' احمر نے لولا لنگڑا سا بہانہ بنایا۔

''تو پتا کر کے بتا دینا۔ اس شخص کا نام آسانی سے پتا کیا جا سکتا ہے۔'' شہرام نے اصرار کیا۔

''ہاں میں...... ضرور معلوم کر کے تمہیں بتا دوں گا۔'' احمر کو یہ وعدہ کرنا ہی پڑا۔ شہرام کافی کا مگ ہاتھوں میں تھامے کافی پی رہا تھا۔ احمر نے کافی کے مگ کو ہاتھ لگایا اور نہ دوبارہ فرائز کی پلیٹ کو...... اس کے چہرے پر گہری سوچ تھی۔

''ویسے تو مجھے تو بہت عجیب لگا جب اس...... لڑکی

نے مجھے راستے میں روک لیا اور گاڑی کی انکوائری کرنے لگی۔'' شہرام نے کافی پیتے ہوئے احمر کو بغور دیکھا۔

''ہاں...... ویسے بہت عجیب سی بات ہے۔'' احمر نے اس کی طرف نہیں دیکھا...... وہ منی پلانٹ کے سبز پتوں کو دیکھ رہا تھا۔

''نہ جانے کون لڑکی تھی!'' شہرام زیرِ لب بولا۔

''پتا نہیں...... کون ہو سکتی ہے۔'' احمر کے لہجے میں جلتی بجھتی پہیلیاں جھلک رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر اک پُراسراری تحریر تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس تحریر کو شہرام نے پڑھ لیا ہے۔

☆☆☆

تیمور آفندی جب سے کلب سے آیا تھا مسلسل علیزہ منصور کے بارے میں سوچ جارہا تھا...... وہ علیزہ منصور کو اتنے برسوں کے بعد دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ تو بالکل ہی بدل گئی تھی۔ وہ تو علیزہ منصور کو کبھی نہ پہچان پاتا اگر اس کا دوست آصف اس سے علیزہ کا تعارف نہ کرواتا...... علیزہ منصور اس کی اسکول فیلو تھی۔ یہ بارہ سال پہلے کی بات ہے اور بارہ سال انسان کو بدلنے کے لیے بہت ہوتے ہیں۔ اسے بارہ سال پہلے کا وقت یاد آیا۔ وہ بیٹھے، بیٹھے اپنے اسکول کے زمانے میں پہنچ گیا۔ جب صرف اس نے ہی نہیں بلکہ کبھی کسی نے بھی علیزہ منصور کو اہمیت نہیں دی تھی۔

علیزہ کلاس کی ایک ایوریج اسٹوڈنٹ تھی، وہ کلاس کے ان بچوں میں سے تھی جو ہر وقت ٹیچر کی ڈانٹ کھاتے رہتے ہیں اور پھر دیکھنے میں بھی وہ بس ایویں سی تھی۔ تیل لگے بالوں کی کس کر چوٹی باندھے رکھتی۔ اس کے چہرے پر بالوں کا ہلکا، ہلکا رواں بھی تھا جو اسے بدصورت بنائے رکھتا۔ حالانکہ اس کے چہرے کے خدوخال اچھے تھے مگر چہرے پر بالوں کا ہلکا رواں اور موٹی آئی بروز دیکھنے والے پر برا اثر ڈالتے۔ نہ تو وہ بہت زیادہ لائق تھی اور نہ ہی خوب صورت...... اس لیے کلاس کا کوئی بھی لڑکا اسے قابلِ توجہ نہ سمجھتا۔ کلاس میں اس سے بہت خوب صورت، لائق فائق اور قابل لڑکیاں تھیں جن کی موجودگی میں علیزہ منصور جیسی معمولی لڑکی کو بھلا کون پوچھتا...... اور وہ بڑی روتو ٹائپ لڑکی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر رونے لگ جاتی۔ لوگ اس کا مذاق اڑایا کرتے...... یہ وہ وقت تھا جب موبائل اور کیبل نئے، نئے روشناس ہوئے تھے۔ زمانہ بدل رہا تھا۔ میٹرک میں لڑکوں اور لڑکیوں کے سیکرٹ افیئرز بھی چلنے لگے تھے...... تیمور کا افیئر کلاس کی سب سے لائق اور خوب صورت لڑکی ثمنیٰ کے ساتھ تھا۔ ایسے میں اسے علیزہ منصور جیسی لڑکی کہاں یاد رہتی۔ یہ تو وہ آج کلب میں ایک لڑکی سے بری طرح متاثر ہوگیا...... جینز اور ٹاپ پہنے، لمبے بالوں والی حسین اور اسٹائلش سی لڑکی نے اسے متجسس کردیا تھا۔ ہائی ہیل کی سینڈل پہنے وہ بے نیازی سے اپنی سہیلیوں کے ساتھ چلتی جارہی تھی۔ تیمور اس کے پیچھے کیفے ٹیریا تک گیا اور اس کے سامنے والی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ علیزہ نے ایک بار بھی تیمور کی سمت نہیں دیکھا۔ تیمور کو یہ بے نیازی بہت کھلی۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی لڑکی تیمور جیسے وجیہہ اور شاندار بندے کو نظر انداز کردے اور ایسا تو کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ تیمور نے بار، بار اسے دیکھا۔ ہلکے مہارت سے کیے گئے میک اپ نے اس کا حسن دوآتشہ کردیا تھا۔ اس کا بے حد متناسب سراپا کسی کی بھی توجہ یونہی کھینچ سکتا تھا۔ تیمور اسے دیکھ کر مسمرائز ہوگیا اور وہیں اس کے اسکول کا پرانا دوست آصف بھی آگیا۔ اسی نے بتایا کہ یہ سامنے بیٹھی لڑکی ان کی اسکول کلاس فیلو علیزہ منصور ہے۔ تیمور حیران رہ گیا۔ وہ علیزہ منصور جسے کبھی کسی نے کسی قابل ہی نہیں جانا تھا وہ علیزہ آج کس قدر خوب صورت دوشیزہ کے روپ میں تھی...... اس کے چہرے سے بالوں کا رواں غائب ہوچکا تھا۔ موٹی، موٹی آئی بروز اب نہایت خوب صورت تراش کے ساتھ بھلی لگ رہی تھیں۔ بالوں کی کس کر بنائی گئی چوٹی کی جگہ لمبے سیاہ چمکدار بال تھے...... بارہ سال بہت ہوتے ہیں...... انسان بدل جایا کرتے ہیں۔ اور بارہ سالوں نے علیزہ منصور کو بھی بدل دیا تھا۔

وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ باہر نکلی تو تیمور بھی اس کے پیچھے گیا اور تیمور کو حیرت کا مزید ایک اور جھٹکا لگا جب اس نے علیزہ کو مرسیڈیز میں جاتے دیکھا...... وہ ساکت کھڑا رہ گیا۔ آصف نے بتایا کہ علیزہ کے پاپا کا بہت بڑا بزنس ہے۔ بارہ سال پہلے ان کی صرف چند دکانیں تھیں۔ پھر علیزہ کے پاپا اور بڑے بھائی نے کاروبار کو پھیلا دیا۔ اب ان کے پلازے ملک کے سارے بڑے شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور علیزہ مشہور ومعروف بزنس مین منصور بلڈرز والوں کی بیٹی ہے۔ حال ہی میں امریکا سے پڑھ کر آئی ہے۔

تیمور کو پچھتاوا ہوا کہ اسکول میں اس نے فضول ترین لڑکیوں سے دوستیاں کیوں کی تھیں...... اسے تو بس علیزہ سے ہی دوستی کرنی چاہیے تھی۔ کاش وہ ہیرے کو پہچان پاتا مگر وہ دل کا جوہری نہیں تھا۔

اب اس کے پاس وقت بھی تھا اور موقع بھی...... وہ علیزہ سے دوستی کر سکتا تھا۔ اس کی زندگی میں کئی لڑکیاں آئی تھیں مگر وہ کبھی کسی سے اتنا متاثر نہیں ہوا تھا۔ تیمور کو جو چیز متاثر کرتی تھی وہ صرف علیزہ منصور میں ہی تھی۔

☆☆☆

شہرام چادر اوڑھے کروٹ لیے سو رہا تھا۔ کمرے میں اے سی کی خنکی کم ہو رہی تھی۔ لائٹ گئے آدھا گھنٹا ہو گیا تھا۔ اور یہ وقت ایسا ہوتا ہے جب گہری نیند بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ یو پی ایس خراب تھا سو اب اگلا ایک گھنٹا بھی نیند نے برباد ہی ہونا تھا۔ شہرام نے مندی مندی آنکھیں کھول کر چادر ہٹائی۔ کروٹ بدلی کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے کہنی کے بل اٹھ کر ذرا دور پڑا موبائل اٹھایا۔ بیزاری سے اسکرین پر نظر آتا انجان نمبر دیکھا اور موبائل کان سے لگا لیا۔

''ہیلو......'' وہ بیزار آواز میں بولا۔

''ہیلو ...... آپ وہی بات کر رہے ہیں ناں کار والے۔'' اس نے سیکنڈ میں اس لڑکی کی آواز پہچان لی۔ اسے خود پر بے اختیار غصہ آیا کہ بھلا کیا ضرورت تھی اس انجان نمبر سے آئی کال ریسیو کرنے کی۔

''جی محترمہ!'' اس نے جمائی روکتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا سوچا آپ نے! وہ کار مجھے دیں گے؟'' بلا کی سادگی تھی۔ شہرام نے اپنی کنپٹیاں دبائیں۔ وہ شدید بیزار ہوا۔

''محترمہ! ایسا ہے کہ میری مدر شہر سے باہر گئی ہوئی ہیں۔ وہ آجائیں گی تو میں اُن سے مشورہ کرلوں گا۔'' اس نے سوچ کر بہانہ بنایا۔

''اوہ تو وہ کب آئیں گی؟'' دوسری طرف نہایت بے چینی سے پوچھا گیا۔

''دس دن تک آجائیں گی۔'' شہرام نے بہانہ بنا کر اسے ٹالا۔

''اوکے پھر میں آپ کو دس دن بعد کال کرلوں گی۔'' اس نے کچھ مایوسی سے کہا۔

''جی، میں آپ کو خود ہی فون کر کے بتادوں گا۔'' شہرام بے ساختہ بولا۔

اس کے لہجے میں ہلکی سی رکھائی تھی۔

''آپ نے احمر شہزاد صاحب سے پوچھا کہ انہوں نے یہ گاڑی کس سے لی تھی؟'' اسے کوئی خیال آیا تو فوراً پوچھنے لگی۔ شہرام تذبذب میں پڑ گیا۔

''جی محترمہ، میں نے اس سے پوچھا تھا مگر اسے اس شخص کا نام یاد نہیں...... پتا کر کے بتادے گا۔ دراصل احمر کا گاڑیوں کا شوروم ہے۔ ہر ہفتے کئی گاڑیوں کی سیل ہوتی ہے اس لیے ہر گاڑی کے بیچنے اور خریدنے والے کو یاد رکھنا ناممکن ہے۔'' شہرام نے سنجیدگی سے بتایا۔

لڑکی کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ آئی تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو آنکھوں کو نم کر دیتی ہے۔

''میں اس شخص کا نام جانتی ہوں مگر خیر...... رہنے دیں، ان باتوں میں اب کچھ نہیں رکھا......'' اس نے کھوئے، کھوئے انداز میں کہا۔

شہرام کو اس کی باتیں عجیب سی لگیں۔

''اوکے محترمہ...... میں آپ کو بتادوں گا۔'' وہ

اب فون بند کرنے کے موڈ میں تھا۔
''میرا نام رامین ہے، رامین اسد۔'' اس نے... پُراعتماد انداز میں اپنا نام بتایا۔
''او کے مس رامین......'' شہرام نے سپاٹ انداز میں جیسے اجازت چاہی۔
''آپ نہیں جانتے کہ وہ گاڑی میرے لیے کتنی قیمتی ہے۔'' رامین نے ایک بار پھر جیسے اسے یاد دلایا۔
''جی مجھے اندازہ ہوگیا ہے......'' اس نے جان چھڑائی۔
''مجھے آپ کا نام پوچھنا تو یاد ہی نہیں رہا۔'' رامین کو احساس ہوا کہ اس کا نام تو پوچھا ہی نہیں۔
''بڑی جلدی خیال آگیا محترمہ کو۔'' شہرام نے دل میں سوچا۔
''مجھ ناچیز کو شہرام خان کہتے ہیں۔'' اس نے سپاٹ انداز میں روکھا پھیکا سا تعارف کروایا۔
''او کے مسٹر شہرام...... میں آپ کی امی کے آنے کا انتظار کروں گی۔'' اس نے بڑی آس سے کہا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ محترم کو فون بند کرنے کی جلدی ہے۔
''او کے محترمہ!'' شہرام نے کہتے ہوئے فون بند کردیا اور شکر پڑھا۔
''نہ جانے مسٹر شہرام مجھے وہ کار دیں گے یا نہیں۔'' رامین نے موبائل ایک طرف رکھتے ہوئے سوچا۔ ہاسٹل کا یہ کمرا اسے سخت ناپسند تھا مگر زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان پسند ناپسند کے چکر سے نکل آتا ہے۔ اب جو بھی ہاتھ میں تھا وہی غنیمت تھا۔ زندگی بڑے، بڑے امتحان لیتی ہے۔ ایسے کہ انسان نے کبھی خواب میں بھی سوچا نہیں ہوتا۔ رامین نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ ہاسٹل کا یہ چھوٹا سا کمرا...... جس کی دیواروں سے چونا گرتا رہتا تھا، اس کی پناہ گاہ تھا۔ جن کا کوئی نہیں ہوتا وہ لوگ بھی تو زندہ رہتے ہیں۔ وہ خود کو تسلیاں دیتی...... ایک طرف اس کا بیڈ اور دوسری طرف اس کی روم میٹ کا بیڈ تھا۔ دیوار کے ساتھ دو کرسیاں اور ایک الماری رکھی تھی جو اس کی اور اس کی روم میٹ کی مشترکہ الماری تھی۔ بس یہی اس کمرے کی کل کائنات تھی۔ رامین کا دل یہاں کیسے لگ سکتا تھا، اکثر انسان کو وہیں رہنا پڑتا ہے جہاں اس کا دل نہیں لگتا۔ رامین کو تو بس ویک اینڈ کا انتظار رہتا...... وہ گن، گن کر دن گزارتی۔ ویک اینڈ پر وہ اپنا بڑا سا ہینڈ بیگ بھر کر ہاسٹل سے چلی جاتی۔ کسی کو نہیں پتا تھا کہ وہ ہر ویک اینڈ کہاں گزارتی ہے...... ہاسٹل کی لڑکیوں کو وہ ایک پُراسراری لڑکی لگتی تھی۔ انسان کیوں پراسرار بن جاتے ہیں، یہ کبھی کوئی جاننے کی کوشش نہیں کرتا۔

اس نے ہسٹری میں ماسٹرز کر رکھا تھا اور وہ ایک اچھے ادارے میں اچھی جاب پر تھی۔ صبح سے شام جاب پر رہتی۔ پھر ہاسٹل واپس آکر کچھ دیر آرام کرتی اور پھر شام ڈھلے ایک اکیڈمی میں پڑھانے چلی جاتی۔ ویک اینڈ پر جانے کے علاوہ اس کی اور کوئی مصروفیت نہیں تھی۔

رامین نے اپنی زندگی تو ضایع کردی تھی، اب باقی کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ انسان کو اپنی آدھی زندگی ضائع کرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ یہ زندگی تو یونہی بیکار گزر گئی۔ رامین اب بقیہ زندگی میں کچھ کرنا چاہتی تھی۔ اس کے چند خواب تھے۔

اس نے ہاسٹل میں کسی کو دوست نہیں بنایا۔ دوستیاں بڑی قربانی مانگتی ہیں۔ دوستوں کو رازوں میں شریک کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ کسی کو بھی اپنے رازوں میں شریک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دنیا کا کیا بھروسا...... کب کہاں کوئی دغا دے جائے۔ لوگ تو دوسروں کی کمزوریوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں جو زندگی وہ گزار کر آئی تھی۔ اس نے رامین کو محتاط بنادیا تھا۔ وہ دنیا کے بھیانک رنگ دیکھ چکی تھی وہ اپنی ذات میں اِک تنہا لڑکی تھی۔

رامین اسد زندگی کا ہاتھ تھامے پُرخار راستوں سے گزرتی چلی گئی۔ وہ کسی کو کیا بتاتی کہ اس نے کیسے، کیسے آگ کے دریا پار کیے تھے۔ اس نے سب رازوں

کو اپنے سینے میں دفن کرلیا۔ وہ ماضی کو بھول کرنئی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ وہ دن رات کسی کے لیے دعائیں کرتی، سجدے کرتی اور جس کے لیے وہ دن رات دعائیں کرتی رہتی...... اسے اسی کا انتظار تھا۔

☆☆☆

آصف سے ساری معلومات لینے کے بعد اگلی شام تیمور خوب تیار ہوکر کلب گیا اور خوش قسمتی کہ علیزہ اسے ٹینس کورٹ میں اکیلی نظر آگئی۔ اس نے بلو جینز اور وائٹ ٹاپ پہنا ہوا تھا۔ بالوں کی اونچی پونی بنائے وہ ٹینس کورٹ کے سائڈ پر نصب بینچ پر تنہا بیٹھی تھی۔ اس کے قریب ہی ریکٹ اور ٹینس بال پڑی تھی۔ اس کے چہرے پر نیچرل میک اپ تھا۔ آنکھوں میں ہیزل گرین لینس زمرد کی طرح چمک رہے تھے۔

اس پر نظر پڑتے ہی تیمور کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ علیزہ کا اسٹائل، خود کو مین ٹین رکھنے کا اندازہ خوب صورتی، تمکنت اور اس کی مرسیڈیز۔ علیزہ میں وہ سب کچھ تھا جو کسی بھی لڑکے کو آسانی سے متاثر کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

تیمور کافی ہمت کرتا اس کے پاس آیا۔ اس کے چہرے پر بڑی دلنشیں سی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ وہ بہت بولڈ لڑکا تھا مگر آج وہ قدرے نروس تھا۔ نہ جانے علیزہ کیسا ری ایکشن شو کرے۔ وہ ان لڑکیوں سے بہت مختلف تھی جن سے تیمور کی دوستی رہی تھی۔

''ہیلو مس علیزہ منصور! آپ نے مجھے پہچانا؟'' اس نے علیزہ کے پاس آتے ہوئے خوش دلی سے مسکرا کر کہا۔

علیزہ نے چونک کر انجان نظروں سے تیمور کی سمت دیکھا، اس کی نظروں میں پہچان کا کوئی رنگ نہیں تھا۔ وہ تیمور کے یوں اچانک آجانے پر حیران نظر آرہی تھی۔

''سوری...... میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' علیزہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔ سبز آنکھوں میں اجنبیت تھی۔

تیمور کی مسکراہٹ پھیکی پڑگئی مگر اس نے دل کو تسلی دی۔

''وقت بھی تو بہت گزر چکا ہے۔ ہم اسکول میں کلاس فیلوز تھے...... ہم نے میٹرک اکٹھے ہی کیا تھا۔'' تیمور نے اسکول کا نام اور سیشن بتایا۔

''اوہ اچھا، مجھے بالکل یاد نہیں۔'' علیزہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ انداز میں ایسی بے پروائی تھی جس نے تیمور کی انا پر ضرب لگائی۔ سبز آنکھیں سدا بہار پیڑوں کی طرح اپنے اندر کتنے ہی راز چھپائے ہوئے تھیں۔

''میں تیمور آفندی ویسے تو میں کلاس کا بڑا نمایاں اسٹوڈنٹ ہوا کرتا تھا۔ نہ جانے آپ کو کیوں یاد نہیں۔ اینی ویز...... آپ کو اتنے سالوں بعد دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔'' تیمور نے خوش اخلاقی کی انتہا کردی۔

''آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا؟'' علیزہ نے تیکھے انداز میں پوچھا۔ سبز آنکھوں سے پھوٹتی روشنی تیمور کے دل کو منور کیے جارہی تھی۔

''میری میموری بہت اچھی ہے۔ مجھے اپنے سب کلاس فیلوز مع ان کے پورے ناموں کے یاد ہیں۔'' تیمور کے لہجے میں بلا کی مٹھاس تھی۔

''لیکن میری میموری (یادداشت) اتنی اچھی نہیں ہے۔ مجھے آپ بالکل یاد نہیں۔'' علیزہ نے... بے نیازی سے کہا۔

تیمور چاروں شانے چت ہوگیا۔ یوں جیسے کھڑے، کھڑے زمین پر ڈھے گیا ہو۔

''انسانی فطرت ہے، انسان پرانے لوگوں کو، پرانی باتوں کو وقت گزرنے کے ساتھ بھولتا جاتا ہے۔ نو پرابلم، آپ تو مجھے یاد ہیں ناں۔'' تیمور نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اب کے پہلی بار علیزہ مسکرائی۔ سرخ پھولوں کی طرح خوب صورت سی مسکراہٹ تیمور کے دل کو ڈھارس سی بندھی۔

''اوہ ہاں...... تیمور آفندی...... کہیں آپ وہ تو نہیں جس نے میری دوست ثمینہ سے زبردست افیئر چلایا تھا اور پرنسپل نے اسکول سے نکالنے کی دھمکی بھی دی تھی۔'' اسے جیسے اچانک کچھ یاد آیا تھا اور یاد آتے

ہی لہجہ شرارت سے بھر گیا۔

تیمور بغلیں جھانکنے لگا۔ پیشانی پسینے سے تر ہوگئی۔ اس کے ماضی کا ایک نہایت فضول سا واقعہ، اس لڑکی کی یادداشت میں کوئی اچھی بات نہیں آئی...... تیمور نے اپنا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے یاد آ گیا...... بالکل تیمور آفندی......'' وہ ہنسی...... دھنک رنگ چوڑیوں کی جلترنگ جیسی ہنسی پر تیمور مسکرا بھی نہ سکا...... اس حمیٰ کی بچی کی وجہ سے اب وہ اور کتنی بار ذلیل ہوگا۔

تیمور نے اپنے حواس بحال کیے، شرٹ کا کالر ٹھیک کیا اور نظریں اٹھا کر علیزہ کو اعتماد سے دیکھا۔

''ٹین ایج میں ایسے بہت سے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔'' وہ خود کو بروقت سنبھال کر بولا۔ اس نے اپنے چہرے کو بشاش ہی رکھا۔

''مگر میری ٹین ایج میں...... میرے ساتھ تو کبھی کوئی ایسا واقعہ نہیں پیش آیا۔'' اس نے تیمور کو لاجواب کر دیا۔

''آپ اگر آپ کو تیمور آفندی یاد آ ہی گیا ہے تو کیوں نہ ایک کپ کافی ہو جائے......'' تیمور بات بدلتے ہوئے دلنشیں انداز میں مسکرایا۔

''میں کافی نہیں، اورنج جوس لوں گی۔'' علیزہ مسکرائی۔ سبز آنکھوں نے زمرد کی خوب صورتی کو مات دے دی تھی۔ تیمور کو اس کی رضامندی نے بے حد خوشی دی۔

''اوکے، مائی اولڈ کلاس فیلو۔'' تیمور سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھکا۔ علیزہ اپنا ریکٹ اور بال اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔ تیمور کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی۔

☆☆☆

شہرام حیرت سے گنگ اپنی جگہ بیٹھا تھا۔ کتنے دنوں سے وہ احمر سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر احمر تو ایسا غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ ...... اور شہرام کو احمر کا یہ گریز بری طرح کھٹک رہا تھا۔ احمر کا موبائل بند مل رہا تھا اور جب رنگ جاتی تو وہ فون ریسیو ہی نہیں کرتا۔ شہرام کئی بار اس کے گھر بھی گیا مگر وہ گھر پر موجود ہی نہیں ہوتا۔ شہرام کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ احمر اس سے کیوں چھپ رہا ہے۔ اس نے احمر سے صرف یہی تو پوچھا تھا کہ اس نے یہ سفید مہران آخر کس سے خریدی تھی مگر نہ جانے کیوں احمر اس شخص کا نام نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ رامین کسی حد تک درست تھی۔ کسی نے اس کے ساتھ فراڈ کر کے یہ گاڑی اس سے لی تھی اور کاغذات بھی دھوکے سے بنوا لیے ہوں گے۔ شہرام جتنا سوچ رہا تھا اتنا ہی الجھ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار رامین کو فون کیا۔ رامین کے لیے شہرام کی کال بڑی غیر متوقع تھی۔ اس کے خیال میں تو ابھی شہرام کی امی کی واپسی میں کچھ دن تھے۔

''ہیلو......'' رامین نے فون اٹھایا۔

''ہیلو...... مس رامین، کیسی ہیں آپ؟'' شہرام نے ازراہ اخلاق پوچھا۔

''جی میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کی مدر واپس آ گئیں؟ آپ نے گاڑی کے بارے میں فیصلہ کر لیا؟'' وہ یک دم ایکسائٹڈ ہوگئی۔ یا تو وہ کوئی بہت ہی سادہ لڑکی تھی یا نہایت بے وقوف...... یا پھر سائیکو۔

''جی......'' شہرام نے گہری سانس کھینچی۔ ''میں یہ گاڑی آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ اب ایک لڑکی سے کیا بحث کرتا۔

''اوہ تھینک یو...... تھینک یو مسٹر شہرام، آپ نے میرے دل کی ایک بڑی خواہش پوری کر دی۔'' رامین خوشی سے سرشار ہوگئی۔ ہاسٹل کا بے رنگ، وحشت زدہ کمرا اسے یک دم اچھا لگنے لگا۔

''جی ...... آپ کسی بھی ٹائم آ جائیے گا۔ میں ساری کارروائی مکمل کر دوں گا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا وہ اس گاڑی کے ساتھ رامین کی بھرپور جذباتی وابستگی محسوس کر چکا تھا۔

''مگر ایک پرابلم ہے۔'' رامین کی آواز مدھم ہوگئی۔

"اب کیا پرابلم ہے، اب گاڑی دے تو رہا ہوں۔" شہرام کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی بیزاری آگئی۔ عجیب ہی لڑکی تھی، کسی طرح مطمئن ہی نہیں ہوتی تھی۔

"میں آپ سے یہ گاڑی خرید لوں گی مگر آپ اسے اپنے پاس ہی رکھیے گا جب مجھے ضرورت ہوگی تو آپ سے گاڑی لے جاؤں گی۔ مگر یہ آپ کے پاس سیف رہے گی، یوں بھی اس علاقے کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" شہرام بالکل نہیں سمجھا۔

"مطلب یہ کہ یہ گاڑی تو میں خرید لوں گی مگر میں ہاسٹل میں رہتی ہوں، گاڑی اپنے پاس نہیں رکھ سکتی۔ مجھے تو خود بہ مشکل ایک کمرا ملا ہے۔ گاڑی کہاں رکھوں گی۔ آپ اسے اپنے پاس رکھ لیجیے جب میرا دل چاہے گا تو میں آکر گاڑی لے جایا کروں گی اور پھر وہیں واپس چھوڑ دوں گی۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی اور یہ سادگی شہرام کو بے حد بری لگی۔ شہرام کو لگا کہ رامین کا دماغ چل گیا ہے۔ اسے اس کی بے وقوفی پر شدید غصہ آیا۔ ایسا بھی کیا احمقانہ پن......

"دیکھیے مس رامین، میں کسی کی گاڑی کی ذمے داری نہیں لے سکتا اور یہ کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔" وہ فوراً اسے ٹوک کر بولا۔

"یہ مناسب ہوسکتا ہے اگر آپ......" رامین اسے قائل کرنے کی کوشش کرنے لگی کہ اس نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"بالکل نہیں...... میں دوسروں کی چیزیں اپنے پاس رکھنے کا عادی نہیں ہوں، اگر آپ کا کچھ ایسا ارادہ ہے تو میری طرف سے ابھی سے ہی معذرت ہے۔" وہ اس کی بات پر سختی سے بولا۔ رامین عجیب خبطی سی لڑکی تھی مگر وہ تو عقل رکھتا تھا۔

"اچھا...... پھر آپ یہ گاڑی کسی اور کو نہ دیجیے گا۔ میں جلد اپنا گھر لے لوں گی پھر آپ سے یہ گاڑی بھی خرید لوں گی۔"

شہرام کو رامین پر اب غصے زیادہ ترس آیا۔ اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ رامین ہاسٹل میں رہتی تھی۔ رکشے پر آتی جاتی تھی اور خواب تھے گھر اور گاڑی لینے کے...... شاید وہ خوابوں میں رہنے والی لڑکی تھی۔

"اوکے۔" وہ ترحم سے گویا ہوا اسے رامین سے بے حد ہمدردی محسوس ہوئی۔

"ویسے آپ کا اپنا گھر کہاں ہے مس رامین؟" اس نے یونہی پوچھا۔

"گھر......" رامین کہیں کھو سی گئی۔ یہ سوال تھا جس نے اسے لاجواب کر دیا...... یہ سوال تھا...... یا پتھر...... جو اس کی روح پر برسا تھا۔

"میرا کوئی گھر نہیں۔" اس کی آواز پر اداسی غالب آگئی اس نے جانے کیسے یہ جملے ادا کیے۔

شہرام بے اختیار ٹھٹکا۔

"پھر بھی...... کوئی تو گھر ہوگا آپ کا؟ آپ کے والدین، بہن بھائی، رشتے دار......" شہرام کو تجسس نے آگھیرا۔

"ہاں۔" اس نے ایک سرد آہ بھری...... "ایک میرا بھی گھر تھا، میرا اپنا پھر ابو بینک کے مقروض ہوگئے...... ان کا کاروبار ڈوب گیا تھا۔ انہیں بینک کا قرض ادا کرنا تھا وہ بھی مع سود، ہمارا گھر بک گیا۔ تبھی قرض اور سود ادا ہوا۔ ہم لوگ کرائے کے گھر میں آگئے۔ پھر امی، ابو آگے، پیچھے دنیا سے چلے گئے، میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں، میں ہاسٹل شفٹ ہوگئی۔ یہ گاڑی میرے ابو کی تھی۔ میرے مرحوم ابو کی نشانی جو انہوں نے اپنی وصیت میں میرے نام کر دی تھی۔" رامین نے افسردگی سے بتایا، اس کی آواز میں جاڑوں کے موسم کی سی ویرانی تھی۔

"تو آپ سے یہ گاڑی پھر کس نے لی؟" شہرام نے کچھ حیرانی سے پوچھا۔

"تھے...... کوئی فراڈ اور سنگ دل رشتے دار...... انہوں نے دھوکے سے یہ گاڑی مجھ سے ہتھیالی، مجھ سے زبردستی سائن کروالیے...... میں اکیلی تھی، ان

لوگوں کا مقابلہ نہیں کر پائی ۔ میں مہینوں ان کی قید میں رہی صرف گاڑی ہی نہیں، ان دھوکے کے بازو لوگوں نے میری سب چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں۔'' رامین آزردہ ہوگئی۔ آواز اور آنکھیں دونوں نم ہوگئیں۔

شہرام کو یہ سب سن کر بہت افسوس ہوا۔ دنیا میں کیسے، کیسے لوگ پائے جاتے ہیں ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی کے ساتھ اتنی زیادتی...... وہ افسوس سے سوچ کر رہ گیا۔

''آپ کے ساتھ انتہائی ناانصافی ہوئی رامین...... مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ حیرت ہے...... لوگ کس قدر خود غرض اور سفاک ہوتے ہیں۔'' وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔

''یہاں تو ہر جگہ ایسی بہت سی کہانیاں بکھری پڑی ہیں، جہاں ظالم طاقتور اور مظلوم مجبور ہوتے ہیں۔'' شہرام کو محسوس ہوا کہ وہ رو رہی ہے اسے حقیقتاً بہت افسوس ہوا۔

''تو آپ نے چودہ لاکھ کی آفر کیا مجھے امپریس کرنے کے لیے تھی؟'' شہرام نے ماحول کا تناؤ ختم کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''نہیں...... میں سیریس تھی۔'' اس کے لہجے میں یقین تھا۔

''آپ کا سب اثاثہ تو رشتے دار لے گئے۔ مجھے یقین ہے اگر آپ مجھے چودہ لاکھ کا چیک دیتیں تو وہ چیک باؤنس ہو جاتا اور میں ایک خاتون کو تو جیل نہیں بھجوا سکتا تھا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ اس نے بلا ارادہ کوشش کی کہ رامین اگر رو بھی رہی ہے تو وہ کسی طرح مسکرا دے۔

''میرے ابو نے ایک پلاٹ میرے نام پر لیا تھا، اس کے کاغذات ان کے ایک وفادار دوست وکیل کے پاس تھے اور ان دھوکے باز لوگوں کو پلاٹ کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ ہمارا گھر بک گیا تھا مگر ابو نے پلاٹ نہیں بیچا۔ شاید ان کی چھٹی حس نے انہیں خبردار کر دیا تھا ورنہ آج میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ میں نے سوچا کہ پلاٹ تو بیچنا ہی ہے......

مجھے اپنا گھر لینا ہے تو اس میں سے کچھ رقم آپ کو دے کر وہ گاڑی واپس لے لوں گی۔''

''ہوں......'' شہرام گہری سوچ میں پڑ گیا۔

''زندگی انسان سے ایسے امتحان لیتی ہے جن کے وہ قابل بھی نہیں ہوتا، زندگی کے کئی روپ ہوتے ہیں، خوب صورت، بدصورت، شاندار، بدحال اور سفاک۔'' وہ کسی ٹہنی پر تنہا بیٹھی، موسم بہار کی آمد کا انتظار کرتی بلبل کی طرح آزردہ تھی۔ وہ سامنے کی دیوار پر سے چونا گرتے دیکھ رہی تھی۔

''مگر کوئی بھی روپ زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہتا۔ زندگی تنوع کا نام ہے۔ یہ روپ بدلتی رہتی ہے جب اچھا باقی نہیں رہا تو برا وقت بھی باقی نہیں رہے گا۔ آپ بہت بہادر لڑکی ہیں رامین، آپ حوصلہ رکھیں ایک

نہ ایک دن وقت آپ کا بھی ہوگا۔'' شہرام نے رسانیت سے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ وہ رامین کی غائب دماغی اور ڈپریشن کا پس منظر سمجھ گیا تھا۔

''حوصلہ رکھنا اور صبر کرنا دنیا کے مشکل ترین کام ہیں۔'' اس کی آواز میں گلاب کے کانٹوں جیسی چبھن تھی۔ شہرام خاموش ہوگیا۔ بعض دفعہ تسلیاں، دلاسے بے معنی ہوجاتے ہیں۔

''میں نے آپ کا کافی وقت لیا۔ اب میں فون رکھتی ہوں...... خدا حافظ......'' رامین نے مدھم آواز میں کہا۔ شہرام نے بھی خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

''تو کیا احمر، رامین کے ان فراڈ رشتے داروں کو جانتا ہے؟ اور کیا انہی لوگوں سے احمر نے رامین کی گاڑی خریدی؟ شاید رامین کے وہ دھوکے باز رشتے دار کوئی کرمنلز ہیں...... اور احمر ان سے خوفزدہ ہے بھی مجھے ان کے بارے میں نہیں بتا رہا۔'' شہرام سوچتا رہا۔ ''کیسے ظالم اور بے حس لوگ ہیں، ایک یتیم اور تنہا لڑکی کا سب کچھ ہڑپ کر گئے...... توبہ......'' اسے سخت افسوس ہوا۔

اب اسے احمر سے ملنا تھا...... شاید وہ رامین کے لیے کچھ کر سکے وہ ایسا انسانی ہمدردی کے تحت سوچ رہا تھا۔ وہ لڑکی جو ایک گھر کا خواب دیکھتی تھی۔ جس نے اپنوں کے دھوکے کا زہر پیا تھا...... شاید وہ رامین کے لیے کچھ اچھا کر سکے...... یہ شہرام کا اچھا اور نیک دل ہی تھا جو وہ ایسا سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

تیمور اور علیزہ کی ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھ گیا۔ وہ دونوں اکثر کلب میں اکٹھے ہوتے۔ ٹینس کھیلتے اور اکثر رات کو موبائل پر باتیں بھی کرتے...... تیمور کو علیزہ کے ساتھ زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی...... اسے یقین تھا کہ ایک دن علیزہ بھی اس کی محبت میں بری طرح گرفتار ہوجائے گی۔ ممی کے ساتھ اس کا افیئر کئی سال تک چلا تھا۔ تقریباً پانچ چھ سال اور اس عرصے میں وہ دونوں بہت قریب آگئے تھے۔ پھر ممی امریکا چلی گئی اور قصہ ختم ہوگیا۔

تیمور کو ایسی لڑکی کی تلاش تھی جسے دیکھ کر اس کا دل کہے...... کہ اس کے ساتھ وقت نہیں...... زندگی گزاروں...... اور ایسی لڑکی صرف اور صرف علیزہ منصور تھی۔

''تم نے آج مجھے ٹینس کا تیسرا میچ بھی ہرا دیا۔'' علیزہ نے مسکرا کر ریکٹ گھماتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں کلب کے ٹینس کورٹ میں بیٹھے تھے۔

''حالانکہ میں نے بہت کوشش کی کہ تم سے ہار جاؤں۔'' تیمور نے علیزہ کو شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اس کی نظروں میں ایک واضح پیغام تھا۔

''اچھا واقعی......؟'' علیزہ حیران نظر آنے لگی۔ اس نے پرس کی پاکٹ سے ٹشو پیپر نکال کر اپنا چہرہ صاف کیا۔

''ہاں، میں کبھی کسی لڑکی سے نہیں ہارا مگر اب دل کرتا ہے کہ تم سے ہار جاؤں۔'' تیمور کی آنکھیں لو دے رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں روپہلے جذبات تھے۔ علیزہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔

''کیوں ہنس رہی ہو؟'' تیمور نے اچنبھے سے پوچھا۔

''میں نے تمہیں کوئی لطیفہ تو نہیں سنایا۔'' تیمور نے علیزہ کو حیرت سے دیکھا...... بھلا اس میں ہنسنے والی کیا بات تھی۔

''تیمور تم نہیں بدلے...... اور خبردار...... میرے ساتھ فلرٹ کرنے کا سوچا بھی تو...... اور پلیز میرے ساتھ اپنے پرانے ڈائیلاگ نہ بولا کرو۔'' علیزہ نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

''کم آن علیزہ......'' تیمور نے بے ساختہ کہا۔ ''میں لڑکیوں سے فلرٹ نہیں کرتا تھا۔ لڑکیاں خود میرے پیچھے پڑ جاتی تھیں اور کچھ تو زبردستی گلے پڑ جاتیں کہ مشکل سے جان چھڑانی پڑتی۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

''اینی ویز...... میں تمہیں وارن کر رہی ہوں، ہم پرانے کلاس فیلوز ہیں اور اچھے دوست بھی ہیں۔ تم مجھ

سے کہیں زیادہ اچھا ٹینس کھیلتے ہو، اچھی گفتگو کرتے ہو، تمہاری کمپنی اچھی ہے لیکن مجھ سے فلرٹ کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔'' علیزہ نے اعتماد سے تیمور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ اب وہ ہیئر بینڈ اتار کر اپنے بال ٹھیک کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک واضح تنبیہ تھی۔

''تمہارے ساتھ فلرٹ نہیں کروں گا، بے فکر رہو۔'' تیمور نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔ اس کی آواز جذبات کی شدت سے بھاری ہوگئی تھی۔

''اچھا..... تو پھر..'' علیزہ نے بے ساختہ تیمور کو دیکھا۔

''ارے تم تو کوئین ہو..... میں وہی کروں گا جو تم کہو گی، میں تو ایک معمولی سا پیادہ ہوں۔'' وہ فدا ہو جانے والے انداز میں مسکرا کر بولا۔

''تم اتنے سیدھے ہو نہیں جتنے سیدھے بن رہے ہو۔'' علیزہ نے اسے گھورا وہ اس سے کچھ اور سننے کی متمنی تھی۔

''ارے میں تو بڑا سیدھا سادہ سا بندہ ہوں، لوگوں نے یونہی مجھے بدنام کیا ہوا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ اعتماد سے بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں علیزہ کو ایک واضح پیغام دے رہی تھیں مگر شاید علیزہ اس معاملے میں اتنی تجربہ کار نہیں تھی۔

''میں آج رات تمہیں کال کروں گا۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ اس کی آواز میں وارفتگی تھی۔

''آج رات تو میرے گھر پر مہمان ہیں۔'' علیزہ نے بے نیازی سے اپنے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

''ساری رات تمہیں کال کرتا رہوں گا..... صبح تک..... جب میں مہمانوں سے زیادہ اہم لگنے لگوں تو میری کال ریسیو کرلینا۔'' اس کا لہجہ جذبات سے بوجھل تھا۔ آنکھوں میں جگنو چمک رہے تھے۔

''ارے تم تو پاگل ہو.....'' علیزہ نے حیرت سے اس کے ڈائیلاگ سنے۔

''پہلے نہیں تھا..... مگر اب ہو گیا ہوں۔'' تیمور نے بے ساختہ کہا۔ اس کی نظریں علیزہ کے حسین چہرے پر ٹک گئیں۔

علیزہ نے مسکراہٹ دبا کر تیمور کو دیکھا اور اپنا ریکٹ اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔

☆☆☆

شہرام کی امی پیرالائزڈ تھیں..... اور شہرام نے اچھا اور نیک بیٹا بننے کی پوری کوشش کر ڈالی۔ امی کا خیال رکھنے کے لیے ایک عورت سارا دن ان کے ساتھ رہتی۔ وہ چلنے پھرنے سے معذور تھیں، شہرام آفس سے آنے کے بعد زیادہ تر وقت ان کے پاس بیٹھتا، ان کا تکیہ ٹھیک کرتا، ان کے پیروں پر چادر ڈالتا، انہیں اخبار پڑھ کر سناتا، ان کے پاؤں دباتا، وہ گھنٹوں انہیں یونہی دیکھتا رہتا۔ اس کی زندگی بہت سادہ تھی۔ آفس، گھر، ماں کی خدمت..... زندگی سہل انداز میں گزر رہی تھی اور یوں ہی سہل گزرتی رہتی اگر رامین اسد اس کی گاڑی نہ دیکھ لیتی۔ اسے آفس کے کام سے دوسرے شہروں میں بھی جانا پڑتا تھا۔ وہ اپنی ذمے داریاں بڑے احسن طریقے سے نبھا رہا تھا۔

وہ اسپتال سے امی کی رپورٹس لے کر آرہا تھا کہ اس کی نظر سڑک کنارے، فٹ پاتھ پر کھڑی رامین پر پڑی، بے اختیار ہی اس نے بریک لگائے۔ رامین نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اس کے ہاتھ میں دواؤں کا لفافہ تھا۔ شاید وہ بیمار تھی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ شہرام نے ساتھ والی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ رامین کی طبیعت اس قدر بوجھل تھی اور سر چکرا رہا تھا کہ وہ شہرام کو منع نہ کرسکی۔ تھکے، تھکے نڈھال انداز میں چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے چکراتے سر کو تھاما۔ وہ حسرت سے گاڑی کی ایک، ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے نرمی سے دروازے پر ہاتھ پھیرا، کبھی یہ گاڑی اس کی ہوا کرتی تھی۔ زندگی کا اچھا وقت اس نے اس گاڑی کے ساتھ گزارہ تھا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے مس رامین؟''

شہرام نے اسے تشویش سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ رامین کی آنکھوں میں ادھورے خوابوں جیسا خالی پن تھا۔

''جی...... بس...... بہتر ہوں۔'' وہ اب ڈش بورڈ کے کناروں پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔ اس کے لہجے میں زرد موسم کی ویرانی تھی۔

''آپ یہاں...... اسپتال میں؟'' شہرام نے اس کی محویت محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی...... سائیکاٹرسٹ کے پاس یہاں اکثر آتی ہوں۔'' اس نے نحیف سی آواز میں بتایا۔ وہ نہ جانے کیوں نڈھال تھی۔

''اوہ...... آئی سی......'' شہرام نے گہری سانس لی اور اچٹتی سی نظر رامین پر ڈالی۔

''مس رامین! جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا...... اب آپ اپنے فیوچر کے بارے میں سوچیں۔ یہ ٹینشن، ڈپریشن چھوڑ دیں۔ زندگی میں اچھے برے دن آتے رہتے ہیں۔'' اس نے رامین کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔ رامین واقعی کسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا تھی اور پہلی بار اسے اپنے کسی اندازے کے درست ہونے پر افسوس ہوا۔

''پتا نہیں...... ہمارے پاس ویسا ہی کیوں ہوتا ہے جو ہم نہیں چاہتے۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔ اس نے لحہ بھر کے لیے شہرام کو دیکھا۔ اس کی نظریں کسی خاموش محبت کی طرح غمگین اور گہری تھیں۔

شہرام کو رامین سے ہمدردی تھی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر اسے افسوس ہوا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ رامین نے اسے ہاسٹل کا ایڈریس بتایا۔ اس نے گاڑی اسی راستے پر ڈال دی جبھی اس کا موبائل بجنے لگا۔ موبائل اسکرین پر چمکتا ہوا نمبر دیکھ کر اس نے تیزی سے کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''ہیلو گڑیا باجی! کیسی ہیں آپ؟'' وہ آہستہ آواز میں بولی۔ دوسری طرف سے نہ جانے کیا کہا گیا، وہ بغور سن رہی تھی۔

''جی، جی ہاں...... وہ مجھے گاڑی دینے کے لیے تیار ہیں، میری ان سے بات ہوگئی ہے۔'' وہ آہستہ آواز میں فون پر بات کر رہی تھی۔ شہرام نے سرسری سا اسے دیکھا۔ وہ فون پر محو تھی۔

''جی...... میں ضرور آپ کے ہاں چکر لگاؤں گی...... بس لاہور سے اسلام آباد جانا ہی نہیں ہوتا اور ویک اینڈ کی مصروفیت کا تو آپ کو پتا ہی ہے۔ اور جاب سے چھٹی بھی تو نہیں ملتی۔'' وہ باتوں میں مصروف تھی۔ شہرام سامنے دیکھتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''گڑیا باجی، آپ کا بہت، بہت شکریہ کہ آپ نے میرے لیے اتنا کچھ کیا اور اتنا سب کر رہی ہیں۔ آپ کے بھیجے گئے سوٹ بھی مل گئے۔ بہت اچھے اور خوب صورت ہیں مگر آپ نے اتنے مہنگے سوٹ کیوں لے لیے؟'' اس کی مدھم آواز میں بے حد ممنونیت تھی۔ ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ وہ مدھم آواز میں کی جانے والی اس کی گفتگو بھی بغور سن رہا تھا۔

''مجھے ان لوگوں سے کسی اچھائی کی امید نہیں ہے۔ گاڑی تو مجھے شہرام صاحب سے مل ہی جائے گی اور کسی چیز کا دکھ نہیں، بس میری امی کے زیور......'' اس کی آواز نم ہوگئی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں باتیں کر رہی تھی۔ شہرام نے افسوس سے یہ سب سنا۔

''گڑیا باجی! یہ کیسے ممکن ہے، وہ لوگ بہت ظالم ہیں، وہ میری کوئی بھی چیز واپس نہیں کریں گے۔'' اس کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی یا شاید حقیقت پسندی......

''جی ٹھیک ہے، آپ ایک کوشش کر لیں۔'' اس نے سرد آہ بھر کر کہا۔

اور پھر چند مزید باتوں کے بعد فون بند ہوگیا۔ رامین بہت دلگرفتہ تھی۔ وہ شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

''آپ کی کسی عزیزہ کا فون تھا؟'' شہرام نے یونہی پوچھا۔

''جی......'' مختصر جواب آیا۔

''اور جن لوگوں نے دھوکے سے آپ کی سب چیزیں لے لیں وہ کس حوالے سے آپ کے رشتے دار

لگتے تھے۔ ددھیالی یا ننھیالی؟'' شہرام کے سوال نے رامین کو بری طرح چونکا دیا۔ اس کے چہرے پر زرد دوپہر اتر آئی۔ ہاتھوں میں واضح کپکپاہٹ تھی۔

''ننھیالی رشتے دار تھے۔ امی کے کزن کی فیملی تھی۔'' اس نے مدھم آواز میں بتایا۔ شہرام نے اس کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا۔

''حیرت ہے کہ دنیا میں کیا، کیا ہو رہا ہے۔ لوگوں کا خون سفید ہو گیا ہے۔'' وہ تاسف سے بولا۔ رامین خاموشی سے شیشے کے باہر دیکھتی رہی۔

''رامین، آپ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ دوائیوں کا پیچھا چھوڑ دیں۔ خوش رہا کریں، زندگی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہت خوب صورت تحفہ ہے جو صرف ایک بار ہی ملتا ہے۔ آپ کو کسی بھی وقت، کوئی بھی کام ہو تو مجھے بتائیے گا۔ میں آپ کی ہر طرح سے مدد کروں گا۔ دنیا میں سب لوگ برے نہیں ہوتے۔ آج بھی دنیا میں انسانیت موجود ہے تبھی تو دنیا قائم ہے۔'' شہرام نے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

رامین کا ہاسٹل آ گیا تھا...... وہ اپنا پرس سنبھالتی اتر گئی، شہرام بھی ازراہِ اخلاق اتر آیا۔ بدحال، پرانی، بوسیدہ سی عمارت رامین کا ہاسٹل تھا۔

''آپ کہیں تو میں کسی اچھے ہاسٹل کا پتا کرتا ہوں...... یہ تو آثارِ قدیمہ کی کوئی عمارت لگتی ہے۔'' شہرام نے رامین کی مدد کے خیال سے کہا۔

''میں یہاں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں مہنگے ہاسٹل افورڈ نہیں کر سکتی......ضروریات تو یہاں بھی پوری ہو رہی ہیں۔'' اس کا لہجہ سادہ مگر افسردہ تھا۔ وہ ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ شکریہ کہہ کر چلی گئی۔ شہرام گاڑی میں آ بیٹھا۔

''بیچاری لڑکی......اس کا نفسیاتی علاج بھی چل رہا ہے۔'' شہرام نے افسوس سے سوچتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی اور گاڑی آگے بڑھائی۔

☆☆☆

علیزہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ کانوں میں ہینڈ فری لگا ہوا تھا اور تیمور سے فون پر بات کر رہی تھی۔ تیمور بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

''دو دن بالکل نہیں سویا۔ مسلسل تمہیں فون کرتا رہا مگر تم نے تو میرا فون سننے کی زحمت گوارا ہی نہیں کی۔'' تیمور کے لہجے میں شدید بے قراری تھی۔ اس نے شکوہ کناں انداز میں کہا۔ بھلا آج تک کب کسی لڑکی نے تیمور آفندی کو اگنور کیا تھا۔ لڑکیاں اسے فون کرتی رہتیں۔ اس نے ہمیشہ آسمان کی طرح زندگی گزاری تھی اور آج وہ آسمان، زمین بن گیا تھا۔

''میرے کزنز آئے ہوئے تھے۔ بہت بزی تھی......تم بتاؤ، کیوں فون کرتے رہے، کیا کوئی خاص کام تھا؟'' علیزہ نے بے نیازی کی انتہا کر دی۔ وہ بے پروائی سے اپنے ناخنوں کو دیکھنے لگی جن پر بہت خوب صورت آرٹ ورک کیا ہوا تھا۔ تیمور اپنی جگہ سن رہ گیا۔ یہاں اس کی جان پر بنی تھی اور وہاں علیزہ کو کوئی پروا ہی نہیں تھی۔ محبت انسان کو کتنا عاجز بنا دیتی ہے، آسمان جیسے لوگ زمین بن جاتے ہیں۔ محبت انسان کے غرور کو توڑ دیتی ہے، انا کو مات دے دیتی ہے۔

''آہ......خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک۔'' تیمور نے بڑی دلسوزی سے یہ مصرعہ پڑھا۔

''اتنی اداس شاعری کیوں یاد آ رہی ہے؟'' علیزہ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''علیزہ، میں سیریس ہوں جب سے تمہیں دیکھا ہے نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے۔ نہ دن کو چین ہے نہ رات کو قرار......بس ہر وقت نظروں کے سامنے تمہارا چہرہ ہی رہتا ہے۔ دل چاہتا ہے ہر گھڑی، ہر لمحہ بس تمہیں ہی دیکھتا رہوں، تم سے باتیں کرتا رہوں۔ میری زندگی میں کئی لڑکیاں آئیں مگر مجھے کبھی کسی نے اتنا متاثر نہیں کیا۔'' تیمور کا لہجہ محبتوں سے چور تھا۔

علیزہ بہت زور سے ہنسی۔ اس کی ہنسی میں ایسی آنچ تھی جسے تیمور نے بری طرح محسوس کیا۔

''کیوں ہنس رہی ہو؟'' تیمور نے اچنبھے سے

پوچھا۔ اس کے خیال میں تو علیزہ کو کچھ اور کہنا چاہیے تھا۔
''یہ تو مجھے پتا ہے کہ تمہاری زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئیں اور موسموں کی طرح گزر گئیں۔'' علیزہ نے جلتے بھڑکتے الاؤ جیسے سلگتے لہجے میں کہا۔ اس نے طنز کیا تھا یا کچھ جتایا تھا۔ تیمور اندازہ نہیں کر سکا۔
''مگر مجھے کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی علیزہ......''
تیمور نے بہت محبت سے جیسے اسے یقین دلایا۔
علیزہ کی ہنسی قہقہے میں تبدیل ہوگئی۔
تیمور سن بیٹھا رہا۔ بھلا اس میں ہنسنے والی کیا بات تھی۔ اظہار محبت کا تو بیڑا غرق ہی ہوگیا تھا۔ وہ بدمزہ سا ہوا۔
''تمہیں اتنی ہنسی کیوں آرہی ہے؟'' تیمور نے بے بسی سے پوچھا ایسے موقع پر تو لڑکیاں شرمایا کرتی ہیں مگر علیزہ کا ردِعمل بہت مختلف تھا۔
''جو لڑکا اتنے سال میری سہیلی کا بوائے فرینڈ رہا اسے مجھ سے محبت ہوگئی...... واہ کیا عجیب بات ہے۔'' علیزہ محظوظ ہوئی۔ انداز میں طنز بھی تھا اور گہری کاٹ بھی...... تیمور نے بے بسی سے گہری سانس لی۔
''دمنی اور دیگر لڑکیاں میرا ماضی تھیں ایسا ماضی جسے میں کب کا بھلا چکا ہوں۔ تم میرا حال ہو اور میں حال میں بہت خوش ہوں...... میں حال میں جیتا ہوں، ماضی میں نہیں......'' تیمور سنجیدہ ہوگیا۔
''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اور لڑکیوں کی طرح مجھ سے فلرٹ کرنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔'' علیزہ کے لہجے میں کانٹوں کی سی چبھن تھی۔
''نہیں علیزہ...... تم تو میری محبت ہو...... تم سے فلرٹ کرنے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔'' تیمور نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔
''یہی بات سب لڑکیوں سے کہتے ہوگے؟'' علیزہ نے مسکرا کر بات ٹالی۔
''کسی لڑکی سے کبھی ایسا نہیں کہا۔ یقین کرو، تم پہلی لڑکی ہو جو سیدھا... میرے دل میں اتر گئی۔'' اس نے علیزہ کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

''تیمور، میں اور لڑکیوں کی طرح بے وقوف نہیں ہوں سمجھے تم۔'' علیزہ نے سرد لہجے میں جتایا۔
تیمور نے اپنا سر تھام لیا۔ علیزہ حیرت انگیز لڑکی تھی۔ وہ اتنے واضح اظہار پر شرمائی نہ گھبرائی جیسے اسے تیمور کی بات پر یقین ہی نہیں ہو۔
''اب کیسے یقین دلاؤں تمہیں؟'' وہ علیزہ کو دیکھتے ہوئے بے بسی سے بولا۔
''اگر ممکن ہوتا تو تمہیں اپنا دل چیر کے دکھاتا۔'' وہ جذباتی ہوگیا...... کاش کہ علیزہ اس کے ماضی سے واقف نہ ہوتی۔
''مجھ سے شادی کرو گے؟'' علیزہ نے اعتماد سے بلا جھجک سوال کیا۔
الفاظ تھے یا بم...... وہ ساکت رہ گیا۔ اسے زبردست جھٹکا سا لگا تھا۔ اتنا واضح اظہار...... کوشش کے باوجود وہ کچھ نہ بول سکا۔ علیزہ کے انداز میں کوئی جھجک نہیں تھی وہ شاکڈ ہی تو رہ گیا تھا۔
''تم نے جواب نہیں دیا؟'' علیزہ نے بلا جھجک کہا۔
تیمور حیرت سے گنگ تھا۔ علیزہ کبھی اتنی بولڈ لڑکی نہیں رہی تھی۔ اسکول میں بات، بات پر رونے دھونے والی ڈرپوک اور عام سی لڑکی، آج ایک مغرور، پُراعتماد اور خودشناس لڑکی تھی۔ وہ الفاظ ہی ڈھونڈتا رہا اور علیزہ نے اسے پرپوز بھی کر ڈالا۔
''ہاں، علیزہ، میں تم سے شادی کروں گا۔'' اس نے اپنا لہجہ پُراعتماد بنانے کی کوشش کی۔ علیزہ نے اچانک ایسا کیوں کہا تھا۔ اس کے پاس اس بات کا جواب نہیں تھا۔ شاید ایلیٹ کلاس کی لڑکیاں اظہار میں ایسی ہی بے باک ہوتی ہیں۔
''اچھا...... رئیلی...... پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔'' علیزہ کی آواز میں چونکا دینے والی خوشی تھی۔ اس کے چہرے پر چاندنی جیسی مسکراہٹ آئی تھی۔
تیمور نے علیزہ کی مسکراتی آواز کو سن کر اطمینان محسوس کیا...... جس کام کو وہ بے حد مشکل سمجھتا تھا وہ اتنی

آسانی سے ہو گیا تھا۔
علیزہ واقعی بہت خاص لڑکی تھی اور اس کا اندازہ تیمور کو آنے والے دنوں میں ہونے والا تھا۔

☆☆☆

وہ امی کے کمرے میں آیا تو وہ ٹی وی پر کوئی ڈراما دیکھنے میں مصروف تھیں۔ آپا چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھی تھیں۔ ان کے شوہر نے حال ہی میں دوسری شادی کی تھی۔ تیمور کے مسائل بڑھ رہے تھے۔
''آؤ تیمور...... آج گھر پر کیسے نظر آ رہے ہو؟'' امی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
''آپ سے بہت ضروری بات کرنے آیا ہوں۔'' تیمور سنجیدگی سے کہتا بیڈ کے قریب آیا۔ امی نے اپنے پیر سمیٹ کر اسے بیٹھنے کی جگہ دی۔
''ہاں کہو، کیا بات ہے۔'' امی نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز کم کرتے ہوئے کہا۔
''امی...... میں ایک لڑکی کو بہت پسند کرتا ہوں، میری اسکول فیلو تھی۔ اس کا نام علیزہ منصور ہے......'' تیمور نے بات شروع کی امی کا ماتھا ٹھنکا کونے میں بیٹھی آپا بھی چونک کر دیکھنے لگیں۔
''ارے اسکول فیلو اور پھر کالج میں تو وہ تھی تمہاری...... کیا بھلا سا نام تھا......؟'' امی سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔
''دحمنیٰ ......'' آپا کو یاد آیا۔ حمنیٰ کے بارے میں سب کی یادداشت غضب کی تھی۔
''ایک تو میں حمنیٰ کے ذکر سے تنگ آ گیا ہوں۔ ارے وہ تو کب کی امریکا چلی گئی۔'' تیمور نے بیزاری سے کہا۔ آخر کب تک وہ حمنیٰ کے طعنے سنتا رہے گا۔
''امی علیزہ بہت بڑے بزنس مین کی بیٹی ہے، امریکا سے پڑھ کر آئی ہے۔ بہت سالوں بعد میری اس سے کلب میں ملاقات ہوئی ہے۔ وہ اپنی ذاتی مرسیڈیز میں آتی جاتی ہے۔ دولت تو ان کے گھر کی لونڈی ہے، اس کے پاپا منصور بلڈرز کے چیئر مین ہیں۔ سارے ملک میں ان کے پلازے چل رہے ہیں اور علیزہ نے مجھ سے خود شادی کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔''
تیمور نے ماں کو بتایا۔ امی اور آپا خوش ہو گئیں۔ دونوں نے مسکراتی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔
''اچھا! تو پھر ہم کب چلیں ان کے گھر؟'' امی تو فوراً ایکسائٹڈ ہو گئیں۔ ایسی بہو تو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔
''علیزہ خود بتائے گی، امی وہ بہت بڑے لوگ ہیں، یوں سمجھ لیں کہ خوش قسمتی خود ہمارے دروازے پر دستک دینے آئی ہے۔'' تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''ہاں دیکھو، گھر میں کتنی پریشانیاں ہیں...... سویرا کے شوہر نے دوسری شادی کر لی اور وہ میکے آ گئی۔ تم نے اپنا کاروبار شروع کیا مگر گھاٹا ہو گیا۔ اب بھی کبھی کاروبار چلتا ہے تو کبھی نہیں چلتا۔ ہمیں ایسی ہی بہو کی ضرورت تھی۔'' امی کے دل پر سے جیسے کوئی بوجھ اتر گیا تھا۔
''امی، بڑے گھر کی لڑکیاں بہت اچھی ہوتی ہیں، اپنے کام سے کام رکھتی ہیں۔ انہوں نے کسی چیز کی کمی نہیں دیکھی ہوتی اس لیے ان میں چھچھورا پن نہیں ہوتا۔'' آپا نے کہا وہ تو علیزہ کو دیکھے بغیر ہی اس سے متاثر ہو گئی تھیں۔
''تو اور کیا! تیمور تم علیزہ سے پوچھ کر بتا دینا۔ ہم تو اس کے گھر جانے کے لیے بے چین ہیں۔'' امی نے خوشی اور اطمینان بھرے انداز میں کہا۔
''ٹھیک ہے امی، میں علیزہ سے پوچھ کر بتا دوں گا۔'' تیمور مسکرایا۔ اس کا سر فخر سے اونچا ہو گیا۔ سب کے چہروں پر خوشی تھی۔

☆☆☆

شہرام، احمر کے یوں غائب ہونے پر فکرمند تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ آخر احمر اس سے کیوں بھاگ رہا ہے۔ احمر کو آخر کیا خوف تھا۔ اسی تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے باقی دوستوں سے احمر کے متعلق پوچھا۔ ایک دوست سے معلوم ہوا کہ احمر سیر و تفریح کے لیے مری ہو گیا ہوا ہے۔ شہرام نے یہ اطلاع سنی تو

عجیب سی کیفیات کا شکار ہوگیا کہ احمر اس سے بچنے کے لیے شہر سے چلا گیا اور انہی دنوں شہرام کو بھی دفتر کے کسی کام سے مری جانا پڑ گیا تھا۔ شہرام اسی صبح مری کے لیے نکلا۔

حیرت انگیز طور پر شہرام نے بس میں بیٹھے ہوئے اپنی سیٹ سے کئی سیٹیں آگے بیٹھی رامین کو دیکھا۔ رامین بھی اسے ایک نظر دیکھ چکی تھی مگر اس نے اسے نظر انداز کر دیا۔ شہرام کو حیرت ہوئی۔

احمر مری میں تھا، رامین مری جا رہی تھی اور شہرام بھی مری جا رہا تھا۔ یہ کیسے عجیب اتفاقات تھے۔ وہ سارے راستے یہی سوچتا رہا۔ رامین نے مڑ کر اسے نہیں دیکھا۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی۔ شہرام نے ایک دوست سے اس ہوٹل کا پتا کروا لیا تھا جہاں احمر ٹھہرا ہوا تھا۔ احمر کے پاس ضرور ایسا کچھ تھا جو اسے خوفزدہ کیے ہوئے تھا اور رامین شاید سیر کرنے مری جا رہی ہے سر پھری سی لڑکی ہے کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی ہے۔ لمبا راستہ سوچوں میں گزر گیا۔

بس منزل پر پہنچی تو سب مسافر اپنے، اپنے سامان کی فکر میں پڑ گئے۔ شہرام نیچے اترا۔ رش میں اِدھر اُدھر دیکھا مگر رامین کہیں نظر نہیں آئی اور تھوڑی دیر بعد جب رش کم ہوا تو اسے محسوس ہوا کہ رامین وہاں سے چلی گئی ہے۔ نہ جانے اسے کس بات کی جلدی تھی۔ کاندھے پر بیگ لٹکائے وہ ہوٹل کی طرف چلا۔ وہاں ایک کمرا بک کروایا۔ سامان رکھا اور باہر نکل آیا۔ یہی ہوٹل تھا جہاں احمر ٹھہرا ہوا تھا۔

احمر اسے گیٹ سے اندر آتا دکھائی دیا۔ احمر کی نظر شہرام پر پڑی تو وہ بری طرح ٹھٹک گیا۔ اسے اس جگہ اس وقت شہرام کو دیکھنے کی قطعاً امید نہیں تھی۔ اس کے قدم گویا زمین نے جکڑ لیے۔ شہرام اس کی حیرت سے محظوظ ہوا۔

''اوہ تم یہاں......؟ کیسا عجیب اتفاق ہے۔''

شہرام کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بڑی جتاتی ہوئی نظروں سے احمر کو دیکھا۔ احمر شاکڈ کھڑا رہا۔ کیا شہرام اس کے پیچھے یہاں تک آیا تھا۔

''ہاں بس چند دنوں کے لیے سیر و تفریح کرنے آیا ہوں...... تم سناؤ...... یہاں کیسے؟'' احمر نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''آفس کے کام سے آیا ہوں۔'' شہرام کی آنکھیں جنوری کی خنک شام جیسی سرد تھیں۔

''ہر جگہ تمہارا پتا کیا ہے، تمہارے گھر جاتا رہا، تمہیں فون کرتا رہا مگر تم تو یوں غائب ہوئے جیسے کوئی چوری کی ہو؟'' شہرام نے برف لہجے میں جتاتے ہوئے کہا۔ احمر نے نظریں چرا لیں۔

''میں شہر میں نہیں تھا۔ کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ وہاں سگنلز پرابلم تھا پھر یہاں آ گیا۔ سوری تمہیں رنگ بیک نہیں کر سکا۔'' احمر نے خود کو سنبھال کر بات بنائی۔

''تو اچھا ہوا، یہاں مل گئے۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' شہرام نے اسے دیکھتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''بالکل...... ہم تفصیل سے بات کریں گے۔ میں ابھی نتھیا گلی سے آ رہا ہوں، سخت تھکا ہوا ہوں...... ہم کل بات کریں گے۔'' احمر نے نرمی سے معذرت کر لی...... دوسرے معنوں میں خوب صورتی سے جان چھڑائی۔

شہرام اسے دیکھتا رہ گیا۔ یہ احمر اس احمر سے کتنا مختلف تھا جسے وہ بچپن سے جانتا تھا۔ نہ جانے احمر کب اور کیسے بدل گیا، اسے کیوں نہ پتا چلا۔ احمر تیز، تیز قدم اٹھاتا اندر چلا گیا۔ شہرام گیٹ کے قریب کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

یہ صبح سیپ میں بند موتی کی طرح خوب صورت اور حسین تھی۔ شہرام تھکن کے باوجود سویرے ہی اٹھ گیا۔ وہ ناشتے کے بعد بالکونی میں کھڑا ہو گیا، اس کے بعد ہوٹل سے باہر آ گیا اور یونہی واک کرتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ اس کا ہوٹل مال روڈ سے ہٹ کر تھا۔ مری کی

اونچی نیچی سڑکیں بندے کو جیسے خود سے چلاتی ہیں۔ ڈھلان کی طرف جانا ہوتو پاؤں خود بخود چلنے لگتے ہیں اور اونچائی پر جانا ہو تو کنارے لگی ریلنگ سہارے کا کام دیتی ہیں۔ مری کی درختوں سے بھری پہاڑیاں اپنے دامن میں چھوٹے بڑے کھپریل کے مکانوں کو لیے ایک خوب صورت نظارہ پیش کررہی تھیں۔ وہ سر اٹھائے قدرت کی صناعی دیکھتا دور تک نکل آیا۔ پہاڑی علاقوں میں اور وہ بھی گرمیوں میں صبح بہت جلد ہو جاتی ہے اس کی میٹنگ دوپہر میں تھی۔ سو اس کے پاس اچھا خاصا وقت تھا۔ وہ اکیلا تھا اس نے سوچا کیوں نہ کشمیر پوائنٹ کا چکر لگا لیا جائے یوں وہ اپنی دُھن میں چلتا چلا گیا۔ راستے میں کہیں بھٹے بھونتے بچے اس کے پیچھے پڑ جاتے کہیں کوئی بچہ انجیر کے پتوں پر چند انجیر لیے اس کے قریب آجاتا کہیں نشانے باز تو کہیں وزن کی مشین لیے بوڑھے...... ان سب نظاروں سے وہ لطف اندوز ہوتا چلا جارہا تھا سورج جب ادپر وادی پر پڑتا تو ایک عجیب عکس منعکس ہوتا اور لگتا قوس قزح کے رنگ سورج کی کرنوں میں بھر گئے ہوں۔

ابھی وہ قدرت کی صناعی سے محظوظ ہوتا چلا جارہا تھا کہ ایک طرف نسبتاً ایک چوڑے گھاس کے قطعے پر خوب صورتی سے نصب بنچوں میں سے ایک پر اسے رامین بیٹھی نظر آئی۔ سیاحوں کو لبھانے کے لیے انتظامیہ نے جگہ، جگہ اس طرح کے چھوٹے، چھوٹے پارکس بنا دیے ہیں کہ تفریح کی غرض سے آنے والے فوٹو گرافی بھی کرلیں اور چلتے، چلتے تھک جانے کے باعث کچھ دیر ستا بھی لیں۔

نتھیا گلی کی خوب صورت وادی سدا بہار درختوں اور جنگلی سفید پھولوں سے بجی ہوئی تھی۔ کہیں پہاڑوں کے دامن میں جھرنوں کا ترنم دل کھینچتا تو کہیں جنگلی پھولوں کے گرد چکراتی تتلیاں نظروں کو باندھ دیتی۔ حدِ نظر تک نم، نم سبز گھاس۔ وہ ایک شوخ دُھن پر سیٹی بجاتا چلا جارہا تھا کہ اچانک اس کے قدموں کو بریک لگ گئے۔ وہ یک دم رک گیا۔ حیرت سے سامنے کی طرف دیکھا۔ آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا رہا پھر اپنی بصارت پر یقین کرلیا۔ پھولدار پودوں کے قریب نصب بنچ پر رامین بیٹھی تھی...... ہاں رامین ہی تھی۔ ایپل گرین شیفون کے سوٹ میں ملبوس وہ دنیا جہان سے بے خبر نظر آرہی تھی۔ اس کے چمکیلے سیاہ بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ اس کے قریب ہی اس کا بڑا سا ہینڈ بیگ رکھا تھا۔

شہرام سڑک سے اس سبزے پر اترا اور قدم اٹھاتا رامین کی سمت آنے لگا۔

''ہیلو مس رامین!'' اس نے خوش دلی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ بلو جینز اور لائٹ پنک ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ دائیں کلائی پر گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے سفید جوگرز مٹی سے داغدار ہو رہے تھے مگر اسے پروا نہیں تھی۔ وہ موسم اور یہ وقت انجوائے کررہا تھا۔

''ہیلو......'' رامین کی آواز مدھم تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ حزن تھا۔ آنکھوں میں نمی تھی اور یہ نمی اس کی آنکھوں کو مزید خوب صورت بنارہی تھی۔ پہلی نظر ہی میں وہ بے حد اپ سیٹ نظر آئی۔

''ہم ایک ہی بس میں آئے ہیں مگر آپ سے بات ہی نہیں ہوسکی۔'' وہ یونہی بات کرنے کی غرض سے بولا۔

''سفر میں بھلا کیا بات چیت ہوسکتی ہے۔'' اس نے کھوئے، کھوئے انداز میں کہا۔ اور جھکی نظریں اٹھا کر شہرام کو دیکھا۔ اس کی نظریں کسی اداس غزل کی طرح افسردہ تھیں۔

شہرام کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ تھی۔ اس کا دراز قد نمایاں لگ رہا تھا۔ چہرے پر تازہ شیو کی نیلاہٹیں تھیں۔ روشن سیاہ آنکھوں میں بے حد نرمی تھی۔ بلاشبہ وہ بے حد ہینڈسم اور اسمارٹ بندہ تھا۔

''یہ بھی ہے، آپ سن 60ء کی دکھی ہیروئن کی طرح اداس کیوں بیٹھی ہیں؟ کیا کسی نے آپ کا والٹ چرا لیا ہے؟'' شہرام نے شگفتہ انداز میں مسکرا کر کہا۔ ہر بار یہ لڑکی اسے دکھی اور پریشان ہی نظر آئی تھی۔

''نہیں...... بس ایسے ہی......'' وہ غائب دماغی سے سامنے درختوں میں چھپے پرندوں کو دیکھنے لگی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" شہرام کا وہاں بیٹھنے کا ارادہ نہیں تھا مگر رامین کو اداس دیکھ کر وہ بلا ارادہ ہی وہیں بینچ پر بیٹھ گیا۔

"کیسا رہا آپ کا ٹرپ؟" اس نے رامین کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

"بہت اچھا......" مدھم آواز میں جواب آیا۔

رامین کا لباس بہت خوب صورت تھا۔ چہرے پر ہلکا ہلکا میک اپ بھی کیا ہوا تھا یوں جیسے کہیں جانے کو کسی سے ملنے کو تیار ہو۔ اس کے آنچل کا ایک کونا زمین کو چھو رہا تھا۔

"غالباً آپ کہیں جا رہی ہیں؟" شہرام اس کی غائب دماغی اور اداسی محسوس کر رہا تھا۔

"جی...... کسی سے ملنے جانا ہے مجھے...... وقت رک سا گیا ہے...... آگے ہی نہیں بڑھ رہا۔" اس کی آواز ڈوبتے ستاروں جیسی اداس تھی۔

"اتنی صبح آپ کو کس سے ملنے جانا ہے؟" شہرام کو وہ بے حد پُراسرار لگی۔

"کوئی بہت اپنا یہاں رہتا ہے۔" پہیلیوں والا جواب آیا۔

"او آئی سی......" شہرام نے گہری سانس لے کر کہا۔ سامنے بیٹھی لڑکی ایک پہیلی تھی جسے باوجود کوشش کے وہ حل نہیں کر پایا تھا۔

"دل تو میرا یہیں رہتا ہے۔ انہی وادیوں میں...... بس خالی وجود لے کر واپس جاتی ہوں۔" کھویا ہوا، شکستہ، ٹوٹا ہوا لہجہ اور نم آواز شہرام کی آنکھوں میں تحیر ابھرا۔

"آپ رو رہی ہیں؟" شہرام نے اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھ کر اچنبھے سے پوچھا۔ رامین نے رخ موڑ کر اپنی آنکھیں صاف کیں، شہرام کو بہت افسوس ہوا۔ زمانے کی ستائی ہوئی ایک دکھی لڑکی...... جو زندگی سے جدوجہد میں مصروف تھی۔

"رامین! آپ کیوں رو رہی ہیں؟ رونے والی آخر کیا بات ہے مجھے بتائیں پلیز۔" شہرام نے بے حد ہمدردی سے کہا۔ وہ اس کے یوں رونے سے قدرے بے چین ہو گیا تھا۔

"آپ نہیں سمجھیں گے۔" رامین نے شہرام کی طرف دیکھتے ہوئے بھیگی آواز میں کہا۔

بھیگے رخسار، نم پلکیں اور آنکھوں میں چمکتا پانی...... اور بس یہی ایک پل تھا...... یہی لمحہ...... جب شہرام خان کا دل بدل گیا...... رامین نے ہوا سے اڑتے سیاہ بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کیا۔

شعاعیں بکھیرتی خوب صورت اور اجلی صبح، بادلوں سے ڈھکا آسمان، سرسبز درختوں میں چھپے پرندوں کی چہچہاہٹ، پھولوں کی گود میں بیٹھی رنگین اور نازک تتلیاں، درختوں کے گرد دوڑتی بھاگتی گلہریاں اور سنگی بینچ پر بیٹھی اِک اداس اور روتی ہوئی لڑکی...... جس کے حسین چہرے پر آنسوؤں کی نمی تھی اور جس کی مومی انگلیاں اپنے آنسو چن رہی تھیں۔

زندگی میں کتنے سال، کتنے مہینے، کتنے دن اور کتنے لمحے آتے ہیں۔ مگر ساری زندگی میں کچھ پل ایسے آتے ہیں جو بہت قیمتی ہوتے ہیں...... اور جو سالوں پر بھاری ہوتے ہیں، جن کا جادو ساری زندگی قائم رہتا ہے۔ شہرام خان کی زندگی کا یہ ایسا ہی قیمتی لمحہ تھا۔

مری کی یہ سرسبز وادی اسے دنیا کی حسین ترین جگہ لگی۔ یہ ایک لمحہ جس نے شہرام کے دل کو بدل دیا تھا...... وہ اس لمحے پر حیران بیٹھا رہ گیا۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ یک دم دل کیسے بدل جاتے ہیں۔ وہ اپنی بدلتی کیفیات اور محسوسات پر دم بخود رہ گیا...... وہ تو اس لڑکی سے بیزار رہا کرتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اس کے ذہن میں ہمیشہ کسی نہ کسی حوالے سے موجود رہتی تھی اور آج یہ لڑکی اس کے دل میں سما گئی تھی۔ وہ اس اچانک حادثے پر انگشت بدنداں رہ گیا۔ سب لفظ گم ہو گئے، سب دلیلیں گونگی ہو گئیں۔ اس کا دل چاہا وہ رامین کے چہرے کو بار بار دیکھتا رہے۔ اس کے سب آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چن لے۔ شہرام نے غیر ارادی طور پر رامین کے دوپٹے کا پلو اٹھایا جو زمین کو

چھوڑ رہا تھا۔ شہرام نے اٹھ کر جانا چاہا مگر وہ ہل بھی نہیں سکا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہیں دیا وہ جھکنا نہیں چاہتا تھا مگر جھک گیا تھا زندگی میں ہمیں بہت سے سرپرائز ملتے ہیں، کچھ اچھے ہوتے ہیں کچھ برے...... اور کچھ انسان کو ہلا دیتے ہیں۔

''کبھی کبھی زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔'' رامین نے دلگرفتگی سے کہا۔ وہ سامنے درختوں سے الجھی سورج کی کرنوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کسی ادھوری کہانی جیسا خالی پن تھا۔

وہ سن بیٹھا سنتا رہا۔ رامین اسے ورڈزورتھ کی نظموں کا کوئی کردار لگی اور وہ جیسے دریائے ٹیمز کے کنارے بینچ پر بیٹھا شعر کہہ رہا ہو۔

''اتنی مشکل کہ انسان کو موت آسان لگتی ہے۔'' وہ افسردہ تھی یا کتھارسس کا کوئی سلسلہ تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اسے لگا دنیا کا حسین ترین چہرہ یہی تو ہے یہی وہ چہرہ ہے جس کی تعریف میں شاعروں نے دیوان کے دیوان بھر رکھے ہیں۔

''ایسی باتیں نہ کریں رامین...... زندگی چیلنجز کا نام ہے۔ آپ اتنی اپ سیٹ کیوں ہیں۔ مجھے بتائیں، ہوسکتا ہے کہ میں آپ کی کچھ مدد کرسکوں...... مجھے اپنا دوست سمجھیں...... اپنی ذات کے خول سے باہر نکلیں۔'' شہرام نے اپنائیت اور نرمی سے کہا۔

رامین نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ تھا۔ وہ گل بکاؤلی کی کہانیوں کی حسین اور خوب صورت شہزادی لگ رہی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے درخت کی شاخ پر بیٹھی چڑیاں دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر خزاں کے موسم کی ویرانی اتر آئی تھی۔ کتنے ہی پل خاموشی سے گزر گئے۔

''رامین! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کا یہاں کون رہتا ہے؟'' شہرام نے اس کی خاموشی کو بری طرح محسوس کیا۔ وہ اس کے چہرے پر سے نظریں نہیں ہٹا سکا تھا۔

''آپ مائنڈ نہ کیجیے گا شہرام...... مگر میں اپنے پرسنلز کسی سے شیئر نہیں کرتی، دوستوں سے بھی نہیں......'' نرم لہجہ مگر سخت الفاظ...... شہرام نے اصرار نہیں کیا۔

''مگر آپ کو زندگی میں کبھی میری ہیلپ کی ضرورت پڑے تو مجھے ضرور بتایئے گا۔'' اس نے رامین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''میں چلتی ہوں، مجھے ایک جگہ ضروری جانا ہے۔'' رامین نے خود کو کمپوز کیا۔ اپنا آنچل ٹھیک کیا اور ہینڈ بیگ کندھے پر لٹکا لیا۔ اس نے شہرام کی بات کو اہمیت ہی نہیں دی۔

''میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں بے پناہ خلوص اور فکرمندی تھی۔ رامین نے شہرام کے بدلے ہوئے انداز کو محسوس کرلیا۔ اس کی آنکھیں کسی منجمد جھیل کی طرح سرد ہوگئیں۔

''جی نہیں شکریہ...... میں چلی جاؤں گی۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا لہجہ برف زاروں جیسا سرد اور خنک ہوگیا۔ شہرام بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

''مگر آپ کو جانا کس طرف ہے؟'' شہرام متجسس ہوگیا۔

''مجھے جہاں بھی جانا ہے...... میں چلی جاؤں گی۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہتی آگے کی طرف جانے لگی۔ شہرام اس کے عجیب وغریب رویے پر دم بخود رہ گیا۔ اسے کوئی خیال آیا تو دو دو قدم پھلانگتا ہوا اس کے قریب آیا۔

''رامین...... میری بات سنیں......'' اس نے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

''پلیز اب آپ میرا پیچھا نہ کریں۔'' وہ مڑے بغیر بولی۔ شاید وہ شہرام سے جان چھڑانا چاہ رہی تھی۔ شہرام اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔

''میں تو بڑا شریف آدمی ہوں، لڑکیوں کا پیچھا نہیں کیا کرتا...... یہ تو بتادیں کہ آپ کہاں ٹھہری ہوئی

ہیں؟'' شہرام نے اس کی بات پر ٹپٹا کر جیسے اپنی صفائی دی۔ وہ رامین سے چند قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا۔ رامین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ شہرام اس کے عجیب وغریب رویے کو سمجھ نہیں پایا۔

''میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کہیں اجنبی جگہ پر آپ کو کوئی مشکل نہ پیش آئے۔'' شہرام نے فکرمندی سے کہا۔

''یہ اجنبی جگہ نہیں ہے۔ میں ہر ویک اینڈ پر یہاں آتی ہوں۔'' اس نے مڑے بغیر کچھ سرد مہری سے کہا۔

''لیکن آپ میری بات تو سنیں۔'' وہ کچھ الجھ کر بولا۔

''آپ یہیں رک جائیں۔'' رامین نے دبے دبے تحکم بھرے لہجے میں کہا اور ہاتھ اٹھا کر شہرام کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ شہرام بے اختیار ٹھہر گیا۔

رامین اسے وہیں روک کر آگے بڑھ گئی اور درختوں کے جھنڈ کے پیچھے غائب ہو گئی۔ یہاں سے کئی راستے آگے پیچھے اوپر نیچے جاتے تھے۔ شہرام حیرت زدہ وہیں کھڑا رہ گیا۔ وہ رامین کے رویے کو قطعی سمجھ نہیں پایا تھا۔ کیسی عجیب وغریب سی لڑکی تھی۔

''آہ شہرام میاں...... کیا بنے گا تمہارا۔'' وہ حیرانی کے عالم میں چلتا ہوا واپس سڑک پر آ گیا۔

''اُدھر احمر، اِدھر رامین...... دونوں کے سراغ ہی نہیں مل پا رہے تھے۔'' یہ سب کیا ہو رہا تھا اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ رامین کی باتیں، احساسات، کیفیات سب عجیب تھیں۔

''نہ جانے یہاں اس کا کون رہتا ہے۔ مگر جو بھی ہے، وہ اس سے بہت کلوز ہے، کون ہو سکتا ہے...... کسی سینی ٹوریم میں زیرِ علاج کوئی نانی، دادی، خالہ، پھوپی یا شاید ماموں، چاچا، تایا، دادا، نانا یا کوئی اور اپنا...... یا یہاں اس کے کوئی رشتے دار رہتے ہوں گے...... یا ہو سکتا ہے، اس کی طرح کی کوئی دکھی سہیلی یہاں رہتی ہو، ان وادیوں میں رہنے والی کوئی پہاڑی لڑکی......''

وہ سوچوں میں غرق چلتا جا رہا تھا۔ ''یا شاید......'' اگلے خیال نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے...... ''یا شاید کوئی ایسا جسے وہ چاہتی ہو...... شاید وہ کسی سے محبت کرتی ہے۔'' شہرام کے دل میں درد سا اٹھا۔ اس کے قدم سست ہو گئے، اسے لگا جیسے صبح کے اجالوں پر تاریکی پھیل رہی ہے۔

''اگر ایسا ہے تو رامین کو خوش ہونا چاہیے۔ وہ رو کیوں رہی تھی۔ شاید یہ محبت یک طرفہ ہو...... مگر یک طرفہ کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ اتنی دور سے ہر ویک اینڈ پر یہاں آتی ہے۔ لاہور سے ہر ہفتے مری، انسان یونہی تو نہیں آ سکتا ناں...... اور اس نے خوب صورت سا لباس پہنا ہوا تھا۔ میک اپ بھی کیا ہوا تھا۔ اسے کہیں ضروری جانا تھا تو کیا وہ اپنے محبوب سے ملنے جا رہی تھی...... مگر اس کے آنسو......'' شہرام الجھے ذہن کے ساتھ سوچتا جا رہا تھا۔ اس کے دل کی زمین پر اندھیری رات اتر آئی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کی روح کو گرہن لگ رہا ہے۔

''مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ایسی بات نہ ہو پھر رامین ہاسٹل میں کیوں رہتی ہے۔ اس کی شادی ہو جانی چاہیے۔ ممکن ہے کوئی اور بات ہو......'' اس نے خود کو تاویلیں دیں، تسلی دی۔

''یا...... کہیں کسی سینی ٹوریم میں اس کا محبوب تو زیرِ علاج نہیں...... رامین کو بھی ایک بیمار آدمی ہی ملا تھا محبت کرنے کے لیے۔'' اس نے مایوسی سے سوچا۔

نہ جانے کیسے وہ ہوٹل واپس پہنچا...... اب اسے میٹنگ کے لیے تیار ہونا تھا۔ رامین کے آنسو اب اس کے دل پر گر رہے تھے...... ''زندگی کی خوشیوں پر رامین کا بھی تو حق ہے۔ آخر کب تک وہ ان آنسوؤں کے ساتھ جیے گی۔'' اس نے سوچ لیا...... کہ وہ رامین کو اس کی خوشیاں لوٹانے میں ضرور مدد کرے گا...... چاہے خود اس کا اپنا دل آنسو بن جائے، اسے منظور تھا اس نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ آفس کی میٹنگ اٹینڈ کی اور واپس ہوٹل آ گیا۔

چندا کا شیری

شیریں حیدر



"یہ کیا پکا ہے اماں؟" اس نے پلیٹ میں پڑے ترکاری کے سالن کو کرید کر جاننے کی کوشش میں ناکام ہو کر سوال کیا۔

"سبزی ہے بیٹی!" بتول کا جواب مختصر تھا۔

"کون سی سبزی؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"توری ہے......" بتول نے مسکرا کر کہا۔ "چکھ کر تو دیکھو، کیسی مزے کی بنی ہے، میں نے خاص طور پر تمہارے لیے ساتھ ہری چٹنی بھی بنائی ہے۔" بتول کے لہجے میں فخر تھا، وہ شاید چندا کی طرف سے داد کی منتظر تھی مگر اس کے سوالوں نے اسے گڑبڑا دیا۔

"توری ہے یا توری کے چھلکے اماں؟" اس نے ابرو اچکائے۔ "اس گھر میں سبزی کون سے دن پکی ہے، جب بھی ہوا چھلکے ہی پکے، تمہارے مالکوں کو اگر ان کی ضرورت ہوتی اماں تو شاید یہ چھلکے بھی ہمارے نصیب میں

نہ ہوتے......'' چندا نے غصے سے کہا۔

''ہر پھل اور سبزی کی اصل طاقت اس کے چھلکے میں ہی تو ہوتی ہے......'' اس نے ایک عجیب سی توجیح دی جو چندا کو ہضم ہونے والی نہ تھی۔

''اگر اصل طاقت اس میں ہوتی تو یہ امیر لوگ چھلکے ہی کھاتے اماں، پھلوں اور سبزیوں کو جانوروں کو ڈال دیتے، ہمارے جیسوں کے منہ تک تب بھی نہ پہنچنے دیتے۔''

''چلو اللہ کا شکر ادا کر کے کھانا کھاؤ......'' بتول نے اسے بہلایا۔

''یہ سالن بھی تم ہی لے لو اماں۔'' اس نے اپنی پلیٹ سرکا کر بتول کے آگے کر دی اور خود چٹنی کے ساتھ بے دلی سے نوالے لگانے لگی۔

''جو ہمارے نصیب میں ہے، اسے شکر کر کے کھا لیا کرو چندا!'' بتول کا دل بجھ گیا تھا، کتنے ارمانوں سے اس نے محنت کر کے توری کے چھلکے پکائے تھے، مالکوں کی سبزی بناتے ہوئے وہ چھلکے اکٹھے کرتی رہتی اور اُن سے پوچھ کر چھلکے اپنے کوارٹر میں لے کر آتی تھی، اسے ان کے ہاں سے ایک کاغذ کا فالتو ٹکڑا بھی بے پوچھے اٹھانے کی عادت نہ تھی۔ مالکن نے پوچھا کہ وہ چھلکے کیا کرے گی تو اس نے کہا تھا کہ مرغیوں کو ڈالے گی، دو مرغیاں بھی تھیں مگر اس کے پاس کہاں سکت تھی کہ وہ چھلکے انہیں بھی ڈال دیتی۔ چند دن پہلے ہی اس نے کریلوں کے چھلکے بھی پکائے تھے تو چندا نے خاموشی سے کھا لیے تھے، جانتی تھی کہ ایسی مہنگی سبزیاں وہ کہاں خرید سکتے تھے۔

جس گھر کے کوارٹر میں وہ دونوں ماں بیٹی رہتی تھیں، کبھی یہاں چندا کا باپ کریم، مالی تھا۔ ماں باپ نے اس کا بیاہ کیا تو اس کے گھر میں اتنے نفوس کی موجودگی میں جگہ تنگ پڑ گئی، ماں کے کہنے پر ہی وہ بتول کو اپنے ساتھ شہر لے آیا، کریم کی اپنی تنخواہ چار ہزار تھی اور ساتھ کوارٹر کا ایک کمرا تھا، جس کے ساتھ غسل خانہ تھا اور برآمدے میں فائبر گلاس کا چھپا بنوا کر اسے مالکوں نے چولہا چوکی رکھوا دیا، گزارہ چلنے لگا، تنخواہ کم تھی مگر مراعات تھیں بجلی، پانی اور گیس کی سہولیات میسر تھیں مگر ان کا بل نہیں دینا پڑتا تھا۔

تنخواہ کی رقم سے سبزی بھاجی آ جاتی، کبھی کبھار بڑے گوشت کی عیاشی کر لی جاتی، کبھی پاؤ بھر مرغی کا گوشت آ جاتا تھا، مالکوں کی اترن مل جاتی تو دونوں میاں بیوی کو کپڑے بنانے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔

کبھی عید تہوار پر یا یونہی خوش ہو کر مالک کچھ دے دیتے تو اسے برے وقت کے لیے محفوظ کر لیا جاتا، سالوں انہیں اپنے گاؤں جانے کا وقت نہ ملتا تھا۔ شادی کے چھ سال کے بعد اللہ نے ان کی مراد پوری کی اور چندا...... جس کا نام انہوں نے مہر النسا رکھا مگر پیار سے رکھا نام ہی اس کی پہچان بن گیا۔ چندا کی پیدائش پر اس کے دادا، دادی اور نانا، نانی کے اصرار پر وہ گاؤں گئے تھے، وہاں وہ دونوں اندھوں میں کانے راجے لگ رہے تھے۔ چندا کی تائیاں اور پھوپیاں تو اس کے والدین کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ وہاں سے لوٹے تو سوائے تن کے کپڑوں کے ان کے پاس کچھ نہ بچا تھا، ان کے فالتو کپڑے، کریم کی گھڑی، اس کا موبائل فون اور جو کچھ ممکن ہوا ان لوگوں نے ہتھیا لیا، دونوں بڑے بوجھل دل سے لوٹے، جانتے تھے کہ ان کے ''ٹھاٹ باٹ'' دیکھ کر وہ جل گئے تھے۔

جانے کیسی کسی کی نظر لگی یا بد دعا کہ لان میں کام کرتے ہوئے کریم کو نور کے تڑکے سانپ نے ڈس لیا، بتول ناشتا بنا کر اس کا انتظار کرتی رہی مگر جب تک گھر میں کسی اور کو خبر ہوتی...... بہت دیر ہو چکی تھی، مالکوں نے سارے انتظامات کیے اور بتول کو کچھ رقم ہمراہ کر کے اس کے گاؤں میت کے ساتھ پہنچا دیا۔ دو دن میں ہی وہ ساری رقم خرچ ہو گئی اور بتول اپنی بیٹی کے دودھ تک کو ترسنے لگی، اس گھر میں دودھ دینے والی بھینس تھی مگر اس کا دودھ یا تو بیچا جاتا تھا یا اس گھر کے لوگ پیتے تھے، اسے دن بھر میں ایک کپ دودھ ملتا تو وہ اس میں اتنا ہی پانی ملا کر دو وقت اپنی بیٹی کو پلا لیتی تھی۔ اسے ان لوگوں کے رویوں نے جلد ہی بتا دیا کہ اگر اس گھر میں کریم کی جگہ نہ تھی تو کریم کے مرنے کے بعد تو اس کی جگہ بالکل نہیں ہے۔

بیٹا ہوتا تو شاید اور حالات ہوتے مگر اس کی بیٹی کو

اس کے دادا دادی بھی نہ پوچھتے تھے، مجبوراً وہ اپنے میکے چلی گئی مگر وہاں دل اور گھر اور بھی تنگ تھا، جس بوجھ سے چند سال پہلے بہ مشکل نجات حاصل کی تھی، اسے دوبارہ ڈھونے کو کوئی تیار نہ تھا۔ عدت پوری ہوئی تو اسے بھائیوں اور بھابیوں نے عقد ثانی کا مشورہ دیا، ماں باپ رہے نہ تھے جو کوئی آسرا ہوتا، اس لیے ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے اپنے بھائی کے گھر سے اس فون نمبر پر رابطہ کیا جو اس کی مالکن نے روانہ ہوتے وقت اسے دیا تھا اور کہا تھا کہ کوئی مسئلہ ہوا تو ان سے رابطہ کرے۔

☆☆☆

اگلے ہی روز وہ بھائی کے گھر سے صرف اپنی بیٹی کو ساتھ لیے واپس اسی کوارٹر میں آ گئی جو اس کے شوہر کی ملازمت کے باعث اسے ملا تھا، شام کو وہ مالکن کے سامنے پیش ہوئی۔

''واپس کیوں آ گئیں بتول؟'' مالکن نے سوال کیا۔

''وہ جی چندا کا دل ہی نہیں لگتا کہیں اور..... رو، رو کر نڈھال ہو جاتی تھی، یوں بھی ہمارے گاؤں کا ماحول ابھی سو سال پہلے کے دیہات جیسا ہے، میں چندا کو پڑھانا چاہتی ہوں اور ہمارے گاؤں میں لڑکوں کے لیے تو اسکول ہے مگر لڑکیوں کے لیے کوئی نہیں۔'' اس نے سوچا ہوا جواب دیا، جس طرح کے حالات سے وہ نکل کر آئی تھی، اپنوں کے رویوں کی جو بدصورتی وہ دیکھ کر آئی تھی، اسے اپنی زبان پر نہ لائی، اسے لگا کہ وہ اپنا پیٹ ننگا کر کے انہیں دکھا دے گی، کسی کے سامنے اپنے دکھڑے بیان کرنے کا کیا فائدہ۔

''کیا چاہتی ہو اب؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو اسی کوارٹر میں ٹکی رہوں گی اور اس کے عوض جو کام آپ کہیں گی وہ کر دیا کروں گی۔'' اس نے ہولے سے کہا۔

''ہوں!'' مالکن نے کہا۔ ''کوارٹر کے عوض تو نہیں.....'' وہ رکیں۔ ''اب جو مالی ہم نے رکھا ہے وہ چند گھنٹوں کے لیے آتا ہے، اس لیے کوارٹر تو یوں بھی خالی ہی ہے، تم یوں کرو کہ گھر کے کام کر دیا کرنا، ہر کام کے عوض دو ہزار، جو کام باقی مائیوں سے کرواتی ہوں، انہیں فارغ کر دوں گی۔''

''ارے نہیں مالکن.....'' اس نے فوراً کہا۔ ''میں کسی کے رزق پر لات نہیں مارنا چاہتی، آپ انہیں رہنے دیں، کوئی اور کام ہوا تو میں کر دیا کروں گی یا میں اور گھروں میں کام ڈھونڈ لوں گی، آپ کی یہ بڑی عنایت ہے کہ آپ کوارٹر مجھے دے رہی ہیں، جو بھی کام ہوا آپ بتا دیا کریں، میں کسی تنخواہ کے بغیر آپ کے گھر کا کام کر دیا کروں گی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں بتول..... کسی کے رزق پر لات نہیں پڑنے والی، ان عورتوں نے کئی گھروں کے کام اٹھائے ہوتے ہیں اور کہیں بھی ڈھنگ سے کام نہیں کرتیں، نہ ان کے آنے کا کوئی وقت ہے نہ جانے کا، نہ چھٹی کا کوئی کوٹا مقرر ہے نہ بہانوں سے رقمیں بٹورنے کا.....'' مالکن نے فوراً کہا۔ ''تم اس بات کی فکر نہ کرو، ان کے پاس بہت کام ہوتا ہے، ایک گھر سے چھوڑتی ہیں تو دس گھروں سے ان کو پیش کش ہو جاتی ہے۔''

''پھر بھی!'' بتول جھجکی۔ ''وہ مجھے بددعا نہ دیں۔''

''پاگل ہو گئی ہو تم بتول.....'' وہ ہنسیں۔ ''مجھے بتاؤ تمہیں کوئی اور اعتراض تو نہیں یا میری طرف سے تنخواہ کی پیش کش کم ہے؟''

''ارے نہیں مالکن..... میں تو آپ کے پاؤں دھو، دھو کر پیوں تو بھی کم ہے۔'' اس نے احسان مندی سے کہا، اسے تو اس گھر کے کوارٹر میں پناہ مل رہی تھی، اتنا ہی کافی لگ رہا تھا، اپنوں کے دلوں میں جگہ تھی نہ گھروں میں تو یوں جوان عورت اور چھوٹی سی بچی کا ساتھ کہاں جاتی بھلا۔

☆☆☆

یوں وہ مفت میں کام کرنے کو تیار تھی، اسے شاید اندازہ ہی نہ تھا کہ پیٹ کی ضرورتیں کیا ہوتی ہیں، چند دن میں ہی اسے لگا کہ اس کوارٹر کی چھت کا آسرا اس کے لیے کتنی بڑی نعمت تھا۔ اس نے پہلے کپڑے دھونے اور برتن دھونے کا کام کرنا شروع کیا، اپنا کام انتہائی

مستعدی اور دیانتداری سے کرتی اور وقت پر کام پر پہنچتی، اپنے کام سے کام رکھتی، کوئی بے جا مطالبہ کرتی نہ چھٹی کرتی تھی، جمعے کے دن وہ کام پر نہیں جاتی تھی، اس روز اسے اپنی عبادات کا خیال ہوتا تھا مگر کوئی ایسی ضرورت پڑ جاتی تو اسے جمعے کو بھی بلالیا جاتا تھا، اسے کون سا دور جانا ہوتا تھا، کبھی کوئی مہمان آ جاتا تھا تو برتن دھونا پڑ جاتے تھے، بس اس کے علاوہ اسے جمعے کو فارغ دن مل جاتا تھا، اس دن وہ چندا کو بھرپور وقت اور توجہ دیتی تھی۔

چندا کے حوالے سے اس کے دل میں کئی خواب جگہ لینے لگے تھے تو اس نے اڑوس پڑوس کے ایک دو گھروں میں کام کار کا سوچا مگر دو ہی دن میں اس کے دل کی بے چینی نے اسے منع کر دیا، مالکن کے گھر پر تو اسے یہ بے فکری ہوتی تھی کہ کوارٹر چند قدم کے فاصلے پر ہے اور وہ باورچی خانے میں ہوتی تو کوارٹر کے کھلے دروازے سے اسے چندا نظر آتی رہتی تھی، موسم اچھا ہوتا تو چندا وہیں باہر کھیل رہی ہوتی تھی اور اس کی توجہ کا مرکز رہتی تھی۔

”بتول تم نے اور گھروں میں کام دیکھنا شروع کر دیا ہے؟“ مالکن کے سوال پر وہ گڑبڑا گئی۔

”وہ......وہ...... اصل میں چندا بڑی ہو رہی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب اسے اسکول بھیجنا ہوگا، میں نے سوچا کہ کچھ اور رقم بن جایا کرے گی۔“ اس وقت وہ چار ہزار کما رہی تھی اور اس میں بڑی تنگدستی سے گزارہ ہوتا تھا۔

”ارے تم پریشان کیوں ہو گئیں، اس میں کوئی حرج نہیں، میں نے کوئی تمہاری سرزنش کو تھوڑا ہی پوچھا ہے، میں تو خود کافی دنوں سے تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی، اگر تم استری کا کام سنبھال لو، صفائی کا بھی اور سبزی ترکاری بنانے کا تو میں تمہیں دس ہزار روپے ماہانہ دے دیا کروں گی......“ بتول کی تو خوشی سے چیخ ہی نکل جاتی جو وہ خود پر قابو نہ پالیتی تو۔ اتنی رقم تو اس کے کتنے ہی خوابوں ... کو تعبیر دے سکتی تھی۔ وہ تنگدستی میں گزارہ کر کے اپنی چندا کے لیے یہ رقم جمع کرتی رہتی تو اسے پڑھا بھی سکتی تھی اور اس کی شادی بھی کر سکتی تھی۔

سبزی بھاجی کے کام سے اسے یہ بھی فائدہ ہو گیا کہ وہ چھلکے اپنے کوارٹر میں لے جاتی تھی، چندا کے لیے اس نے دو مرغیاں پال رکھی تھیں، اپنی بیٹی کو وہ دودھ اور انڈوں سے محروم نہیں ہونے دیتی تھی، روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی کے ہاتھوں گزارہ مشکل ہوتا جا رہا تھا، پانچ ہزار وہ خرچے کے لیے رکھتی تھی اور پانچ ہزار مالکن کے پاس جمع کروا دیتی تھی، اس خرچے کے پانچ ہزار میں سے بھی وہ کچھ نہ کچھ بچانے کی کوشش کرتی تھی۔ کبھی کبھار گھر میں پارٹی وغیرہ ہوتی اور کوئی بچا ہوا سالن مل جاتا تو ماں بیٹی کے لیے گویا عید ہو جاتی تھی، رقم جوڑ، جوڑ کر اس نے چھوٹا سا پرانا فریج بھی لے لیا تھا اور ٹی وی بھی۔ اپنی بیٹی کو وہ کسی حسرت میں مبتلا نہ ہونے دینا چاہتی تھی...... اس کے لیے وہ سستے مگر نئے کپڑے لیتی اور حسب استطاعت اسے کھلونے بھی لے کر دیتی تھی۔

اپنی صحت کی پروا کرتی نہ اپنی تھکاوٹ کی اور وہ بیل کی طرح دن بھر کام کار میں جتی رہتی، اپنے گھر کے کام کرنا مشکل ہو جاتا تھا، چندا اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کی تھکاوٹ چن لیتی تھی، اس کی پیاری، پیاری باتیں اسے دنیا کی ہر پریشانی سے دور کر دیتی تھیں۔

☆☆☆

وقت کا پنچھی محو پرواز رہا اور وہ دن بھی آ گیا جب اسے چندا کو سکول میں داخل کروانا تھا، چندا کے لیے پہلا مسئلہ اس نئی دنیا میں اپنے اندرونی خوف پر قابو پانا تھا اور دوسرا اہم مسئلہ تھا کہ اسے چندا کے سوا کسی اور نام سے پہچانا جائے۔ ڈری سہمی چندا، ماں کی حوصلہ افزائی سے جلد ہی نئے ماحول میں رچنے لگی، کوشش کر کے بتول نے اسے مہر النسا کہنا شروع کیا تو اس نے ماں کو منع کر دیا۔

”آپ مجھے چندا ہی کہا کرو اماں، مجھے اچھا لگتا ہے!“

”مگر اس طرح تمہیں اسکول میں اپنا نام یاد رکھنے میں آسانی ہوگی۔“

”میرا نام مجھے ویسے بھی یاد ہو جائے گا، بس میں آپ کے لیے چندا ہی رہوں گی، یہ نام مجھے ابا نے دیا تھا اور مجھے اچھا لگتا ہے!“

جوں، جوں اسے سمجھ اور شعور آنے لگا وہ اپنے

حالات سے باغی ہونے لگی، اسے علم تھا کہ اس کی ماں اسے بڑی مشقت سے پال رہی تھی اور اس کی خاطر اپنا پیٹ بھی کاٹتی تھی مگر اسے اختلاف تھا کہ محنت کرنے والے غربت میں کیوں رہتے ہیں۔ اس کا ذہن جوں، جوں سوچنے کے قابل ہورہا تھا اسے الجھن ہونا شروع ہو گئی تھی کہ اللہ نے اسے کیوں ان چیزوں سے محروم رکھا تھا جو اس جیسی دوسری لڑکیوں کو میسر تھیں۔ آٹھویں جماعت تک پہنچ کر اس کا ذہن اس کی عمر کی باقی لڑکیوں سے بہت میچور تھا۔ وہ لڑکیوں کی باتیں سن، سن کر حیران ہوتی تھی، کم صورت لڑکیوں کو خود سے مالی طور پر بہتر پاتی تو سوچتی کہ اسے صورت اچھی نہ ملتی مگر سب کچھ میسر ہوتا جس کی حسرت میں وہ دن رات مبتلا رہتی تھی۔

میٹرک تک پہنچتے، پہنچتے انہی سب سکھیوں سہیلیوں اور ہم جماعتوں کے رنگ ڈھنگ بدل گئے، ان کے ہاتھوں میں موبائل فون ہوتے اور ان میں بیلنس وہ ڈلواتے جنہیں اُن کے ساتھ دن رات باتیں کرنا ہوتی تھیں، ان کا دل پڑھائی کے علاوہ ہر کام میں لگتا تھا۔ ان کی گفتگو کے موضوعات...... ان کے دوست تھے، ان کے چاہنے والے، ان کے باپوں کے دوستوں کے بیٹے، ان کی ماؤں کی سہیلیوں کے بیٹے، ان کے پڑوسی، کزنز، انٹرنیٹ پر پروان چڑھنے والی دوستیاں اور وہ جنہیں انہوں نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا، فقط فون پر آواز سنی تھی۔ وہ سن اور دیکھ کر حیران ہوتی، اس نے ایسا کب سوچا تھا، اسے تو کسی کی محبت عمر بھر میسر نہ ہوتی کہ اس کے پاس کچھ نہ تھا، نہ پیسہ، نہ خاندان کا فخر، نہ ٹیلی فون، نہ ویسے لباس اور میک اپ کا سلیقہ اور سب سے بڑھ کر...... پڑھائی کے علاوہ کچھ اور کرنے کی اجازت!

میٹرک کر کے فارغ ہوئی تو دماغ انوکھے خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔ ماں تو اس کے لیے دائیں بائیں نظر دوڑانے لگی، اس کی اٹھان دیکھ کر اور اس کی باتیں سن کر خوف زدہ ہوگئی تھی۔ اس کے باغی خیالات اسے پریشان کر دیتے تھے، کاش وہ اپنی چاند صورت بیٹی کے قدموں میں دنیا کی ہر نعمت ڈھیر کر دینے کی صلاحیت کی حامل ہوتی۔ سولہ برس کا طویل عرصہ بیت گیا تھا، بتول کی کل کائنات اس کی چندا ہی تھی، اس نے پلٹ کر گاؤں کی طرف نہیں دیکھا جہاں وہ اپنوں کی کج ادائیوں کا شکار ہوئی تھی، اب اس کے لیے جو کچھ تھا اس کی بیٹی ہی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کے پاس اس وقت نو دس لاکھ کی رقم جمع ہو چکی ہوتی مگر وقت کے ساتھ، ساتھ اس کی بیٹی کی خواہشات اور ضرورتیں بڑھتی رہی تھیں اس لیے وہ... بہ مشکل چار لاکھ ہی جمع کر پائی تھی، وہ بھی اگر وہ چندا کو بتا دیتی تو وہ اسے فوراً کچھ نہ کچھ مصرف اس رقم کا بتا دیتی۔ عمر کے ساتھ، ساتھ اس کی ہمت کم ہوتی جارہی تھی مگر پھر بھی وہ پوری جانفشانی کے ساتھ اس گھر سے اپنی وفاداری نبھا رہی تھی۔ اس کی تنخواہ میں بھی وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا تھا، کئی ملازمین کے برابر کام وہ تن تنہا کرتی تھی اور ایماندار اس قدر کہ بسا اوقات وہ اپنا پورا گھر اس کے حوالے کر کے کئی، کئی دنوں کے لیے ملک سے باہر بھی چلی جاتے۔ مالکن کے تینوں بیٹے حصولِ تعلیم کے لیے ملک سے باہر تھے اور مالک اور مالکن انہیں ملنے کے لیے سال میں ایک دو دفعہ ضرور جاتے تھے۔

☆☆☆

اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں، ایسا گھر، ایسی چیزیں، اس نے فقط فلموں اور ڈراموں میں دیکھی تھیں، اس روز اماں کی طبیعت کچھ ناساز تھی، اسے علم تھا کہ مالک اور مالکن ملک سے باہر گئے ہوئے تھے اور اماں کو اس طرح معمول کا کام نہ تھا مگر ان کی عادت تھی اس لیے وہ ایک بار گھر کو کھول کر ہوا لگواتیں، پردے دن کو کھولتیں اور رات کو بند کرتیں، باورچی خانے کی صفائی اپنے ہاتھوں سے کرتیں۔ اس روز بھی اماں حسبِ معمول اپنے کام پر تھیں، اس نے سوچا کہ انہیں آرام کرنے کو کہے، اس گھر کا اس سے قبل اس نے فقط باورچی خانہ ہی دیکھا تھا یا کبھی ٹی وی لاؤنج مگر اس روز اماں کو ڈھونڈتے ہوئے وہ کئی کمروں کے اندر جھانکتی جارہی تھی اور اس پر حیرت کے کئی در وا ہو رہے تھے۔

''اماں!'' ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اس نے

آواز دی اور ساتھ ہی خوفزدہ ہو کر پلٹی تو خود پر ہنس پڑی، سامنے کی دیوار پر نصب ایک نوجوان کی دیواری سائز کی تصویر نے اسے ڈرا دیا تھا، اتنی خوب صورت اور زندہ سی تصویر اس نے اس سے قبل کہاں دیکھی تھی، نوجوان کی آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ...... اسے کبھی بھولنے والی نہ تھی۔ ''کہاں ہیں اماں؟''

''اِدھر ہوں چندا......'' اماں کی آواز کی سمت وہ لپکی، اماں مالکن کے کمرے کی صفائی کر رہی تھیں۔

''کیوں خود کو تھکا رہی ہیں اماں، ابھی تو اُن کے آنے میں بہت دن ہیں......''

''مالک اور مالکن بہت صفائی پسند ہیں بیٹا...... اور یوں بھی وہ یہاں ہوں یا نہ ہوں، مجھے تو اپنے سارے کاموں کی تنخواہ ملتی رہتی ہے ناں، نہ کپڑے دھلنا ہوتے ہیں نہ استری، نہ برتن دھلتے ہیں نہ کھانا پکتا ہے...... مگر میری تنخواہ کی کوئی کٹوتی نہیں ہوتی، صفائی کا کام تو میں ان کی عدم موجودگی میں کر سکتی ہوں ناں، گھر کو ہر وقت شیشے کی طرح صاف ہونا چاہیے......'' بتول بول رہی تھی اور ساتھ، ساتھ کھڑکی میں کپڑا لگا رہی تھی اور اس کی باتوں سے بے نیاز...... چندا اس وسیع بیڈ کے کنارے پر ٹکی، اس حیرت کدے کو دیکھ رہی تھی، اس کمرے میں بھی تو ایک عورت ہی رہتی تھی ناں، اس کی ماں جیسی، اس کی ماں کیوں محروم تھی ان سب نعمتوں سے، وہ صرف ان چیزوں کو صاف کر سکتی تھی، استعمال نہیں......

اس نے نرم گدے پر اپنا ہاتھ پھیرا، اس کا گداز مزید محسوس کرنے کو اس نے اپنے وجود کو سر کا کر نصف تک کر لیا، نیم دراز...... گدے میں دھنستی ہوئی۔ ''ارے واہ!'' اس کے اندر سے آواز نکلی تو بتول نے چونک کر دیکھا۔

''پاگل ہوئی ہے کیا چندا......'' اس نے اسے گھر کا۔ ''اٹھ جلدی، یوں مالکوں کے بستر پر نہیں بیٹھتے۔''

''کیوں اماں؟'' اس نے لطیف سے احساس کو اپنے اندر اترتے ہوئے محسوس کیا۔

''یہ بد دیانتی ہے......'' بتول نے آگے بڑھ کر اسے اٹھانے کو کھینچا مگر اس کے وجود میں ایسی سکت کہاں تھی، چندا خود ہی سرک کر کنارے کی طرف آئی اور اٹھ گئی۔

''اس میں بد دیانتی کی کیا بات ہے اماں؟'' اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

''مالک ہم پر اعتبار کرتے ہیں، ان کے اعتبار کو ٹھیس پہنچانا بد دیانتی ہے بیٹا!'' ماں کے اس فرمان پر وہ دانت پیس کر رہ گئی۔

''اماں گھر چلو اب......'' اس نے جھنجلا کر کہا۔ ''میرا ہری چٹنی کے ساتھ پکوڑے کھانے کو دل کر رہا ہے۔''

''تم چلو، چل کر آلو کاٹو، میں آ جاتی ہوں۔'' بتول نے پیار سے کہا۔ ''دروازے کھڑکیاں بند کر کے اور تالے لگا کر آتی ہوں!''

''اماں یہ ساتھ والا کمرا کس کا ہے؟'' اس نے ماں سے پوچھا۔

''ساتھ والا کون سا کمرا؟'' بتول نے بے نیازی سے پوچھا۔ ''اس طرف مہمانوں کا کمرا ہے اور دوسری طرف شیری صاحب کا۔'' ماں نے مالکن کے بڑے بیٹے شہریار کا نام لیا۔

''وہ جس کمرے میں لال پردے ہیں اماں؟''

''وہ شیری صاحب کا کمرا ہے......'' بتول نے فوراً کہا۔ ''مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''یونہی...... وہاں چلی گئی تھی میں پہلے غلطی سے!'' کہہ کر وہ پلٹی۔ ''چلتی ہوں اماں، اب جلدی سے آ جانا!'' ماں کو کہہ کر وہ نکلی اور دوبارہ اسی کمرے کی طرف چل دی۔

کمرے کا دروازہ کھولا، اسے اب اندازہ ہوا کہ اندر اندھیرا تھا مگر دروازہ نصف کے قریب کھلتے ہی خود بخود اندر بتی جل گئی تھی، دیوار گیر مسکراتی ہوئی تصویر کو دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرا دی تھی، آگے بڑھ کر اس نے تصویر کو چھو کر محسوس کیا، اپنی لانبی مخروطی انگلیوں کی پوروں سے اس کے لبوں کو چھوا، اس کے اندر تک گدگدی ہوئی، اس کے ابروؤں میں اپنی انگلیوں سے جیسے کنگھی کی، اس کے گالوں پر، بالوں پر...... وہ یوں اس تصویر کو چھو رہی تھی جیسے وہ اس کے کسی بہت پیارے کی تصویر ہو۔

خواب کی طرح چلتی ہوئی وہ کمرے میں پھرنے لگی، جو وہ اس کا کمرا ہوتا تو...... کیوں نہیں ہوسکتا وہ کمرا اس کا؟ اس کا ذہن الجھنے لگا۔ وہ سنگار میز کے آئینے کے سامنے تھی، اپنے چہرے کو ہاتھ پھیر کو محسوس کیا۔ ''وہ کیوں نہیں ایسے کمرے کی مکین، کیا کمی ہے اس میں؟'' ایک بوتل اٹھا کر اس نے خود پر پرفیوم سپرے کیا، مردانہ پرفیوم کی مہک نے اسے انوکھا احساس بخشا تھا، اسے اپنے گرد کسی کی موجودگی محسوس ہونے لگی تھی! ''یہ بد دیانتی ہے!'' اس نے خود کو گھر کا اور بوتل واپس اپنی جگہ پر رکھ دی...... بیڈ کی پائنتی کی طرف بیٹھ کر اس نے اپنا ہاتھ سفید شفاف بستر پر پھیرا۔

اس کے دل میں خواہش مچلنے لگی کہ وہ اس بستر پر لیٹے مگر ماں کی ڈانٹ کے ڈر سے وہ چونک گئی اور ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی، بے دلی سے اس کمرے سے نکلی، پلٹ کر دیکھا...... شرارت سے مسکراتی دو آنکھیں، وہ بے ساختہ مسکرائی، اسے لگا وہ لب وا ہوئے تھے اور اس کے کانوں نے کوئی سرگوشی سنی تھی۔ ''اللہ حافظ!'' اس نے ہولے سے کہا اور نکل کر اپنے کوارٹر کی طرف چلی، اس کے دل سے اب پکوڑے کھانے کی خواہش ختم ہوچکی تھی، کوارٹر میں واپس لوٹ کر وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی، بتول لوٹ کر آئی تو وہ کوئی فلم لگا کر دیکھ رہی تھی۔

''آلو کاٹ لیے تھے چندا؟'' اس نے آواز لگائی۔

''نہیں اماں ...... میرا دل نہیں چاہ رہا اب پکوڑے کھانے کو!''

''ارے ابھی تو تم کہہ رہی تھیں، دس منٹ پہلے!''

''بس اماں آپ آرام کرو، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' بتول کو اپنی بیٹی پر بے حد پیار آیا، کیا ہوا جو اس نے آلو نہیں کاٹے تھے، اگلے بیس منٹ میں گرما گرم پکوڑوں کی پلیٹ، ہری چٹنی کے ساتھ اس کے سامنے رکھی تھی۔

☆☆☆

''اماں آپ اسے ہلکا نہ لو......'' چندا نے بتول سے کہا۔ ''کسی ڈاکٹر کو دکھا لو، روز یوں بخار ہو جاتا ہے اور اوپر سے آپ آرام بھی نہیں کرتیں۔''

''ٹھیک ہو جائے گا بیٹا، یہ ڈاکٹروں کے پاس جانے سے تو بھلا چنگا آدمی بیمار ہو جاتا ہے، خواہ مخواہ میں بے شمار دوائیں دے، دے گا۔''

''اماں ڈاکٹر کو کوئی شوق ہے خواہ مخواہ میں دوائیں دینے کا؟'' وہ ہنسی۔ ''یوں کہو کہ تھوڑے پیسے خرچ ہو جاتے ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں......'' بتول نے عذر تراشا۔ ''جو میں ایسی بیمار ہوتی تو خود ہی نہ چلی جاتی ڈاکٹر کے پاس......'' جانتی تھی کہ چندا اس کے پیچھے پڑ گئی تو اسے ڈاکٹر کے پاس بھیج کر ہی دم لے گی اور نہ، نہ کرتے بھی چار پانچ سو کی دوائیں آ جائیں گی، ڈاکٹر کی فیس علیحدہ اور جو اس نے کوئی خون، پیشاب کا ٹسٹ لکھ دیا...... ہزار کا نوٹ تو چند منٹوں میں خرچ ہو جائے گا، ملک کے لاکھوں غرباء خصوصاً خواتین کی طرح بتول نے اپنی صحت کا خیال رکھنے کے بجائے اپنی رقم بچانے کو ترجیح دی تھی، سرکاری اسپتال میں چلی جاتی جو اسے انتظار کرنے سے کوفت نہ ہوتی اور انتظار کے بعد باری آ جاتی تو ڈاکٹر نہ ملتا اور ڈاکٹر مل جاتا تو دوائیں ناپید......

''ابھی آپ آرام کریں اماں!'' چندا نے ماں کو دودھ پتی کی پیالی پکڑائی جو اس پر احسانِ عظیم کرتے ہوئے اس نے خود بنائی تھی۔

''دودھ پتی کیوں بنائی تم نے چندا...... میں نے تمہارے پینے کے لیے ایک گلاس دودھ رکھا تھا بیٹا!''

''اماں آپ بیمار ہیں اور آپ کو بہتر خوراک کی ضرورت ہے کیونکہ آپ کام بھی اتنا کرتی ہیں۔''

''نہیں بیٹا...... تمہاری عمر ہے کھانے پینے کی!'' بتول دودھ پتی پیتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ ''یوں کرو کہ دوسرا مگ لے آؤ، دونوں ماں بیٹی آدھا، آدھا کپ پی لیتی ہیں۔''

''اماں...... میرا جی نہیں چاہ رہا، آپ پئیں پلیز!'' اس نے زبردستی کپ ماں کے منہ سے لگایا، جسے دودھ پتی کا وہ کپ عیاشی لگ رہا تھا، شاید کریم کی زندگی میں

اس نے کبھی دودھ پتی پی ہوگی کیونکہ کریم کو دودھ پتی پسند تھی...... کریم کی یاد آتے ہی اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے، اس نے منہ پھیر کر چندا سے ان آنکھوں میں چمکتے ستاروں کو چھپایا۔

اگلی صبح طلوع ہوئی تو بتول بخار سے پھنک رہی تھی...... چندا نے پڑوس میں کسی کو کہہ کر رکشا منگوایا اور زبردستی اماں کو رکشے میں ڈال کر ڈاکٹر کے پاس چلی، بتول دل ہی دل میں ہونے والے ممکنہ ''نقصان'' کا تخمینہ لگانے لگی مگر شکر ہوا کہ ڈاکٹر نے موسمی بخار قرار دیا، کوئی ٹسٹ نہ کروایا، البتہ دواؤں پر بھی کافی رقم خرچ ہو گئی، چندا نے بچ جانے والی رقم سے ماں کے لیے واپسی پر کچھ پھل لے لیے، وہ منع کرتی رہ گئی مگر چندا کے ہاتھ میں رقم ہو اور بچ جائے...... یہ ممکن نہ تھا۔

دوا کھا کر بتول کو غنودگی سی ہونے لگی، اس نے چندا کو پکارا۔

''کیا بات ہے اماں؟''

''بیٹا مجھے تھام کر لے چلو، مالکن کے کمروں کے دروازے کھولوں تو کچھ ہوا پھر جائے...... دھوپ کے لیے پردے ہٹاؤں۔''

''یہ سب اتنا ضروری نہیں ہے اماں، سب سے اہم آپ کی اپنی صحت ہے۔'' چندا نے سخت لہجے میں کہا۔ ''کیوں آپ اپنا خیال نہیں کرتیں؟''

''میں کون سا کوئی کام کر رہی ہوں...... صرف دروازے ہی تو کھولنا ہیں۔''

''آپ سو جائیں...... جب آپ ٹھیک ہوں گی تو دروازے بھی کھل جائیں گے۔''

''مجھے جانے کیوں نیند آ رہی ہے؟'' بتول بڑبڑائی۔ ''شاید دوا میں نیند کی گولیاں ہیں......''

''اچھا آپ سو جائیں......'' اس نے ماں کو لٹا کر اس پر ذرا موٹا سا کھیس اوڑھایا۔

''تم چابیاں لے کر ان کے دروازے کھول کر پردے ہٹا آئیں بیٹا......'' سوتے، سوتے بھی وہ بڑبڑا رہی تھی۔ اماں کے گہری نیند میں جاتے ہی اسے احساس ہوا کہ اماں بہت فکر کر رہی تھیں، اس نے چابیاں اٹھائیں، ایک دفعہ اماں کو آواز دی، وہ گہری نیند میں تھیں، کسمسائی تک نہیں، دوپٹا اچھی طرح اوڑھ کر وہ کوارٹر سے نکلی، باورچی خانے کی طرف سے تالا کھول کر وہ اندر داخل ہوئی۔ سب چابیوں پر چھوٹے، چھوٹے اسٹکر لگے ہوئے تھے، اماں پڑھی لکھی نہ تھیں مگر انہیں ویسے ہی ہر چابی کی پہچان تھی۔ اس جادوئی محل نما گھر میں وہ یوں پھر رہی تھی جیسے ونڈر لینڈ میں ایلس آ گئی ہو، کئی چیزوں کو چھو کر اس نے ان کی خوب صورتی کو محسوس کرنے کی کوشش کی...... لاؤنج کے پردے ہٹاتے ہی سارے میں دھوپ کا راج ہو گیا اور ہر چیز واضح نظر آنے لگی۔

صوفوں پر بیٹھ کر اس نے ان کی نرمی اور گداز کو محسوس کیا...... اپنے گھر کے ٹی وی سے چھ گنا بڑے ٹی وی کو چلا کر دیکھا، اتنی بڑی تصویر۔ جیسے سینما ہو...... اس نے حقیقی زندگی میں سینما کہاں دیکھا تھا، سینما کا تصور بھی اس نے فلموں سے ہی لیا تھا، جب کسی فلم میں ہیرو اور ہیروئین سینما میں جاتے ہیں۔ اس نے چینل بدل کر کوئی اچھا پروگرام لگانے کی کوشش کی تو اسے سمجھ میں ہی نہ آیا، بالآخر اس نے اسے بند کیا اور باقی کمروں کی طرف بڑھی، مالکن کے کمرے میں اس کے بیڈ پر بیٹھنے کی خواہش کو اس نے بہ مشکل دل میں دبایا، اماں نے کہا تھا کہ مالکن کے کمرے میں اس کے استعمال کی کسی چیز کو بلا وجہ ہاتھ لگانا بھی بد دیانتی ہے، بعد میں اماں نے کئی اور چیزوں کی وضاحت بھی کی وہ اماں کی دور اندیشی پر دل ہی دل میں ہنسی بھی...... وہ بھلا کیوں سوچے گی کہ وہ مالکن کی جگہ پر ہوتی تو، اسے تو خود مالکن بننے کا شوق تھا، کسی کی جگہ پر نہیں، اپنی جگہ پر...... اور اماں کے مالک! اس کے منہ سے ہنسی نکل گئی، گنجے اور چھوٹے قد کے!

اس کا من تو ساتھ مانگتا تھا کسی انوکھے سے ساتھی کا! شیری جیسا...... اس کی یاد دل میں آتے ہی اس کے قدم خواہ مخواہ اس کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

''ویسے اماں نے مالکن کے بیٹے کے کمرے کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا تھا۔'' وہ مسکرائی، دروازہ نصف کھلتے ہی

اندر روشنی ہو گئی اور اس کا مسکراتا ہوا چہرہ اسے بھی مسکرانے پر مجبور کر گیا۔ اس نے قریب جا کر اس کے ایک، ایک نقش کو چھوا، اس کا دل چاہا کہ اس وجود کو حقیقت میں بھی چھو کر دیکھے......

کمرے کی ہر چیز اس کی ماں کے ہاتھوں کی محنت کی مرہونِ منت تھی صاف ستھری تھی، وہ سنگار میز کے پاس کھڑی ہوئی، کسی پرفیوم کو اٹھا کر خود پر چھڑکنے کی خواہش پر قابو نہ پا سکی۔ پھر وہ بیڈ کی طرف آئی اور خود کو اس پر دراز ہونے سے نہ روک سکی...... اسے لگا کہ کوئی اور بھی اس کمرے میں موجود تھا، ابھی تو اس نے اس گھر کا دروازہ خود کھولا تھا، کوئی اور کیسے اندر آ سکتا ہے، چوکیدار بھی گیٹ پر ہوتا ہے...... مگر یہ چوکیدار کیونکر ہو سکتا تھا، اس کے وجود سے ایسی خوشبو کہاں اٹھ سکتی تھی بھلا...... وہ خود کو مسحور ہوتا ہوا محسوس کر رہی تھی، اسے کسی کا لمس محسوس ہوا پھر کسی کا ہاتھ...... اس نے کوئی مزاحمت نہ کی، شیری کی خوشبو کو وہ بخوبی پہچان سکتی تھی۔

☆☆☆

اماں کو ڈاکٹر نے مکمل آرام کا کہا تھا اور یوں بھی چندا گھر پر ہوتی تھی تو اماں کو کوئی پریشانی نہ تھی، اماں کے کہے بغیر ہی وہ مالکن کے گھر کے دروازے کھولنے چلی جاتی تھی۔ ”اماں دیر ہو جائے تو پریشان نہ ہونا!“ جاتے ہوئے وہ کہتی۔ ”میں کچھ صفائی کا کام بھی کر دوں گی...... اور ہاں...... فکر نہ کرنا، مالکن کے کمرے کی کسی چیز کو چھو کر بھی نہ دیکھوں گی۔“ بتول مسکرا دیتی، اسے معلوم تھا کہ اس کی بیٹی اس گھر کی چیزوں کو دیکھنے کے شوق میں چلی جاتی ہے، یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اس نے کہا ہے تو مالکن کے کمرے کی کسی چیز کو نہیں چھوئے گی۔ چھ دن بتول نے خوب آرام کیا، چندا صبح کھڑکیاں، دروازے کھول کر پردے ہٹانے جاتی اور شام کو دوبارہ وہاں جانے کو بے چین ہوتی۔

بتول بیٹی کے دل کی حسرتوں کو جانتی تھی، اس کے شکوے بھی سنتی رہتی تھی، اس لیے اسے جانے دیتی کہ وہ ان چیزوں کو غور سے دیکھنا اور چھونا چاہتی ہے تو دیکھ لے، چھو لے، اس کے چھونے سے کسی چیز کا کیا نقصان ہو جائے گا، اس کے سادہ دل کو علم نہ تھا کہ کچی عمروں کی لڑکیوں کے دلوں میں جب کوئی سپنا بس جاتا ہے...... کسی کے ہاتھ اس کے کورے دل کو چھو لیتے ہیں، کسی کی خوشبو جب اس کا وجود معطر کر دیتی ہے، کسی کا لمس جب اسے اپنے وجود پر ہر وقت چاہیے ہوتا ہے تو وہ کہیں کی نہیں رہتیں......

یہی چندا کے ساتھ ہوا تھا، شیری کی ہو کر وہ کہیں کی نہ رہی تھی، اس کے اپنے وجود سے شیری کی خوشبو آنے لگی، اس نے شیری کی بڑی تصویر سے اس کی تصویر کھینچ کر اپنے موبائل میں محفوظ کر لی تھی۔ مالکن واپس آئیں اور اماں اپنے معمول پر واپس گئیں تو اس کا کالج شروع ہو چکا تھا۔ کالج میں اساتذہ کے علاوہ سب اسے چندا ہی کے نام سے جانتے تھے، اب وہ کوری سلیٹ جیسی چندا نہ رہی تھی، اس کے انداز بدل گئے تھے، اسے کسی کی محبت نے سیراب کر دیا تھا۔ اب اس کے پاس بھی ہم جولیوں کو سنانے کے لیے کہانیوں کے انبار تھے...... محبت کی داستانیں تھیں اور محبوب کی بے تابیوں کے قصے، موبائل میں محفوظ وہ تصویر جسے دیکھ کر اس کی ہم جولیاں آہیں بھرتیں کہ واقعی وہ ایسے شخص سے چاہے جانے کے قابل تھی، اس کی غربت کو اب کوئی نہیں جانتا تھا کیونکہ وہ اماں سے بار، بار مطالبہ کر کے رقوم بٹورتی اور اپنا حلیہ ایسا رکھتی کہ سب کو اس پر رشک آتا یا حسد محسوس ہوتا۔ اس کے یونیفارم کی قمیص جو ہمیشہ ڈھیلی ڈھالی رہی تھی اب وہ کمر کے گرد تنگ ہو گئی تھی۔ اب اس کو اپنا آپ سنوارنا خوب آ گیا تھا۔

☆☆☆

”شیری صاحب آ رہے ہیں ناں!“ اس روز اس نے اماں سے روزانہ دیر سے گھر لوٹنے کی وجہ پوچھی تو اماں نے بتایا۔

”تو کیا ہوا...... آپ کیوں دیر سے آتی ہیں، ابھی تو وہ آئے ہی نہیں؟“ اس کا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔

”ہو سکتا ہے کہ فراز صاحب بھی آ جائیں......“

اماں نے مسرت سے کہا۔

''اچھا تو پھر تیسرے کو بھی بلا لیں..... کیا نام ہے اس کا؟'' چندا نے چڑ کر کہا۔

''تیسرے کا نام سرمد ہے.....'' اماں ہنسیں۔

''تمہیں اس کا نام کیسے بھول گیا، اس سے تو تم بچپن میں بہت زیادہ کھیلتی تھیں..... اور یاد ہے شیری صاحب سے تم کس قدر ڈرتی تھیں؟'' شیری کے نام نے اس کے دل میں چٹکی لی۔

''ہوں!'' اس نے کھوئے، کھوئے لہجے میں کہا۔

''اب تو نہیں ڈرتی، اب تو مجھے اس کی بانہوں میں جو سکون ملتا ہے اس کا کوئی موازنہ نہیں کسی چیز کے ساتھ۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

''مالکن چاہتی ہیں کہ اب شیری صاحب کی شادی کر دی جائے.....''

''اچھا!'' چندا کا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔

''آج کل مالکن لڑکیاں دیکھ رہی ہیں تو ظاہر ہے کہ لڑکیوں والے بھی مالکن کا گھر بار دیکھنے کو آتے ہیں، اس لیے کام کا بوجھ بڑھ گیا ہے۔''

''مالکن لڑکیاں کیوں دیکھ رہی ہیں اماں؟'' اس نے کھوئے، کھوئے لہجے میں کہا۔

''ظاہر ہے کہ شیری صاحب کا بیاہ کرنا ہے تو کسی لڑکی کے ساتھ ہی کرنا ہوگا ناں.....'' اماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''بغیر دیکھے بیاہ کر لیں گی کیا وہ اپنے بیٹے کا؟''

''اس کا مطلب ہے کہ اس نے مالکن کو نہیں بتایا؟'' اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ سن کر بتول حیران رہ گئی۔

''کس نے کیا نہیں بتایا مالکن کو؟'' اماں نے اسے جھنجوڑا۔

''وہ.....'' وہ چونکی۔ ''آپ کہہ رہی تھیں ناں سرمد کے بارے میں..... تو کیا اس نے نہیں بتایا مالکن کو کہ وہ آ رہا ہے کہ نہیں؟'' اس نے بودی سی بات بنائی۔

''ہاں..... سرمد صاحب کا کوئی مسئلہ ہے، ممکن ہے کہ وہ شادی پر نہ آ سکیں۔'' اماں اس گھر کے ہر فرد کا نام احترام سے لیتی تھیں۔

''تو کیا شیری سے میرا بیاہ ہوگا تو پھر بھی اماں اسے شیری صاحب ہی کہیں گی؟'' اس نے اماں کی طرف دیکھ کر سوچا اور مسکرا دی۔

''ارے تم کیوں اکیلی ہی مسکرائے جا رہی ہو؟'' اماں نے اسے گھورا، اس کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی، اب اماں کو کیا بتاتی۔

☆☆☆

''ابھی تک تم نے اپنی ماں سے بات کیوں نہیں کی؟'' بتول کی سوتے میں آنکھ کھلی تھی اور اس کی سماعت سے یہ آواز ٹکرائی تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، اس نے کروٹ بدلے بغیر کان پوری طرح چندا کی طرف لگا دیے۔

''اونہوں..... میں تمہارے سوا کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' چندا کی آواز واضح تھی۔ اب بتول سے صبر نہ ہو سکا، اس نے آہستگی سے کروٹ بدلی، چندا اپنے پلنگ پر ہی تھی اور ماں کی طرف اس کی کمر تھی، اسی لیے اس کی آواز مدھم تھی۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ فون پر کسی سے بات کر رہی ہے۔'' بتول نے سوچا، وہ بصد کوشش آواز پیدا کیے بغیر اٹھی، چندا کی بڑبڑاہٹ جاری تھی، بتول کے اٹھنے سے جو آواز پیدا ہوئی تھی وہ چندا کو شاید نہیں پہنچی تھی کیونکہ وہ اپنی دھن میں اسی طرح محو گفتگو تھی۔

''چندا.....'' بتول نے ہولے سے پکارا مگر جواب نہ آیا۔ ''چندا!'' کوئی جواب نہ آیا، بتول سمجھ گئی کہ وہ سو رہی ہے، اس کا فون اس کے سرہانے دھرا تھا۔ ''سوتے میں بول رہی ہے کملی!''

وہ واپس اپنے پلنگ پر آ گئی، دل کی گہرائیوں سے سکون سے سانس لی، اسے اندازہ ہوا کہ وہ فلمیں اور ڈرامے دیکھ، دیکھ کر ایسی باتیں کرنا سیکھ گئی ہے۔ یہ عمر ہوتی ہی ایسی خطرناک ہے، اس کا دل اندیشوں سے بھر گیا تھا، چند لمحوں میں اس نے کیا سے کیا سوچ لیا تھا، پہلے اسے لگا کہ کمرے میں کوئی تھا پھر لگا کہ وہ فون پر کسی

سے باتیں کر رہی تھی جبکہ اصل میں وہ خواب میں بڑبڑا رہی تھی۔" جلد ہی اسے اپنے گھر کا کر دوں، خدا کرے صبیحہ آپا کوئی ڈھنگ کا رشتہ لے آئے تو میں اپنے فرض سے فارغ ہو کر فکروں سے آزاد ہو جاؤں......"

"یہ فلمیں ڈرامے ذرا کم دیکھا کر چندا اور اپنی پڑھائی پر دھیان دے...... اگلے مہینے امتحان ہیں تیرے!" صبح ناشتے پر بیٹھے ہوئے بتول نے اسے سرزنش کی۔

"کون سے ڈرامے فلمیں دیکھتی ہوں میں اماں؟" اس نے ماں کو دوبدو جواب دیا۔" اتنے پدے سے ٹی وی پر کیا مزہ آتا ہے کوئی فلم یا ڈراما دیکھنے کا!" اس نے چشم تصور میں اس بڑے سے سینما نما ٹی وی کو دیکھا، کبھی وہ بھی اس بڑے سے لاؤنج میں بیٹھ کر سب کے ساتھ کافی یا چائے پیتے ہوئے، اس بڑے سے ٹی وی پر ڈرامے دیکھا کرے گی، اس نے مسکرا کر سوچا۔

"ایک تو یہ جو تم بات بے بات مسکرانے لگی ہو......"

"تو کیا بات بے بات رونا شروع کر دوں اماں؟" وہ بھی چڑ گئی۔" پھر آپ خوش رہیں گی!"

"خیر مانگو اللہ سے......" بتول ہول گئی، بیٹی کا لہجہ اسے خوفزدہ کرنے لگا۔" رونے کیوں لگو تم بات بے بات؟"

"دل تو یہی چاہتا ہے اماں......" اس نے ہنکارا بھرا۔" ہمارے پاس ہے ہی کیا جس پر ہم خوش ہوں، غربت، بیچارگی، بے بسی......"

"ہر وقت ناشکری کی باتیں کرنا ٹھیک نہیں بیٹا!" بتول نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کی، اس کی بیٹی کا لہجہ اسے اجنبی سا لگا تھا، وہ اب سادہ سی چندا نہ رہی تھی، جانے کیا، کیا الا بلا سیکھ رہی تھی وقت کے ساتھ، جانے کیسی سہیلیاں مل گئی تھیں اسے۔

"جا رہی ہوں میں اماں!" اس نے چائے کا آدھا کپ بے پیے چھوڑ دیا۔

"چائے تو پیتی جاؤ......"

"ویگن والا اتنی دیر انتظار نہیں کرتا اماں!" تیز، تیز قدموں سے وہ گھر سے نکلی، ڈرائیو وے پر اسے معمول سے زیادہ گاڑیاں نظر آئیں، ان گاڑیوں کو وہ ہر روز حسرت سے دیکھ کر جاتی تھی...... مگر اب اس کا انتظار طویل ہونے والا نہیں تھا، جلد ہی وہ ان گاڑیوں کی مالکن بن جاتی، جس گاڑی میں چاہے بیٹھ کر کالج جاتی......" مگر کالج کیوں؟" وہ سوچ کر خود ہی ہنسی۔" شیری کے ساتھ بیاہ کر کے مجھے کالج کیوں جانا ہوگا بھلا؟" وہ تیز قدموں سے چل رہی تھی۔" پھر تو میں ان کے ساتھ خوب گھوما کروں گی، ہم ملک سے باہر جائیں گے...... ہوٹلوں میں کھانے کھایا کریں گے، فلمیں دیکھا کریں گے......" مستقبل کی پلاننگ کرتے، کرتے ویگن کا اسٹاپ آ گیا تھا، اس روز اسے وہ ویگن اور بھی بری لگ رہی تھی، اس میں بیٹھی ہوئی باقی لڑکیوں سے بو بھی آ رہی تھی۔

کالج سے لوٹی تو گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا اور اماں گھر پر نہ تھیں...... اس روز تو جمعہ تھا، یقیناً کوئی مہمان آ گئے ہوں گے، وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اماں آ گئیں۔

"چندا بیٹا جلدی سے یونیفارم تبدیل کر کے اندر آ جاؤ، میری کچھ مدد کر دو، مہمان آئے ہیں اور خانساماں نہیں ہے تو مالکن نے مجھے کھانا بنانے کو کہا ہے...... تم میری کچھ مدد کر دو!"

"میں بہت تھکی ہوئی ہوں اماں!" اس نے عذر تراشا۔

"جلدی کر بیٹا......" بتول نے جلدی سے کہا۔ "بہانے تراشنا بند کرو...... شیری صاحب اتنے عرصے کے بعد آئے ہیں۔" اماں کہہ کر واپسی کو پلٹیں اور اس کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے، اس کا شیری آیا تھا، وہ غسل خانے کی طرف لپکی، اچھی طرح صابن لگا کر ہاتھ منہ دھوئے...... آئینے میں اپنا جائزہ لیا، اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

"بتایا کیوں نہیں تم نے کہ آج آ رہے ہو......" وہ ہنسی۔" تم نے تو کہا تھا کہ سب سے پہلے مجھے بتاؤ گے...... مجھے ملو گے...... کہاں گئیں وہ ساری بے تابیوں کی داستانیں تمہاری؟ دل تڑپ رہا ہے تمہارے بغیر میری جان! کیا وہ سب جھوٹی باتیں تھیں؟" اپنی دانست

میری ماں............عاشقہ مسعود

ہماری ماں بھی ممتاز مفتی کی ماں کی طرح کہیں جانے سے آٹھ دن پہلے ریلوے اسٹیشن پہنچنے والی......صبح چھ بجے سے ڈیوٹی شروع......کس نے کتنے بجے اٹھنا ہے؟ صرف اٹھایا نہیں......سب کو بھیج کر واپسی کا انتظار شروع۔ پانچ منٹ کی دیر ہو تو وقت کانٹوں پر گزرتا۔ منصور خیریت سے پہنچ جائے......چارج گئے پنکی کا فون کیوں نہیں آیا......سعدی کے پیپر ہیں، نوفل بیمار ہے۔ صدف دوستوں کے ساتھ باہر گئی ہے......سارا وقت بچوں کے آنے جانے، خیر خیریت کے نوافل پہلے پورے نہیں ہوتے تھے کہ مزید مان لیتیں......صبح تین بجے سے رات نو بجے تک یہی کام......میں اکثر چھیڑنے کے لیے کہتی......''ہاں جی اگر آپ مسلمان نہ ہوتیں تو دن بھر کیا کرتیں......'' اذان سے پندرہ منٹ پہلے اس طرح تیار ہوتیں جیسے نماز کا وقت ختم ہونے کو ہے......باوضو جائے نماز سیدھا کر کے ہائی الرٹ اگر کبھی ان کے الرٹ ہونے سے پہلے اذان ہو جاتی تو ہم سب امی کو چھیڑتے۔ ''بے بے مولوی جیت گیا۔'' ان کی اپنی زندگی کو دیکھا جائے تو ''سکھ روگ'' خاندان کی متمول خاتون، افسر شوہر، ساس، نند ندارد......نوکر، چاکر......بہت چھوٹی تھیں جب ان کی ماں فوت ہو گئیں۔ میاں جی نے کہا اس سے کام نہیں کروانا......انہوں نے تو بیٹوں، بہوؤں سے کہا تھا مگر کاتب تقدیر نے بھی لکھ لیا۔ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ماں کو ادب کی دنیا کا باسی دیکھا۔ حور، زیب النساء سے لے کر ہر رسالہ پہلے شمارے سے ہمارے ہاں آتا۔ معیاری ہوتا تو عمر بھر کا ساتھ خواتین کے ہی نہیں بلکہ اردو، سیارہ ڈائجسٹ جاسوسی، سسپنس ڈائجسٹ وغیرہ سب ناول لزادبی کتب، سفرنامے، شاعری، صبح کا اخبار نہ آئے تو بے چینی سے پورچ کے چکر کاٹتیں۔ یہاں تک کہ کاغذ کا لفافہ بھی کھول کر ذوق شوق سے پڑھتیں......معیاری گانوں کی دلدادہ......صوفیانہ کلام، کلاسک اور پرانے ہی نہیں اچھے نئے گانے بھی بہت شوق سے سنتیں۔ آخری پسندیدہ گانا۔ ''اے دل سنبھل جا ذرا پھر محبت کرنے چلا'' تھا۔ عورتوں کے مخصوص شوق زیور، کپڑے شاپنگ سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ چار سے پانچواں سوٹ سل جاتا تو پہلے والے نکال دیتیں۔ بچے زیادہ کپڑے

میں اس نے اپنا سب سے بہترین لان کا جوڑا پہنا، تیار ہوئی اور اماں کی مدد کو چل دی، اماں کو تو امید ہی نہ تھی کہ وہ یوں تیار ہو کر آ جائے گی، جس طریقے سے اس نے جواب دیا تھا اس سے تو وہ مایوس ہی ہو گئی تھی۔

''سب کچھ تیار ہے ناں بتول؟'' مالکن کچن میں آئیں۔ ''ارے یہ چندا کتنی بڑی ہو گئی ہے۔'' مالکن کی اتنی سی توجہ سے چندا حیا سے لال ہو گئی۔

''اچھا ہے کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے، اب انہیں کسی اور کو دیکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی، کاش یہ مجھے شیری کی نظر سے دیکھیں......''

''سب تیار ہے مالکن......'' بتول نے کہا، چندا کے حوالے سے جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

''کہیں رشتے وشتے کی بات کی اس کی کہ نہیں ...... جوان ہو گئی ہے بیٹی تمہاری۔'' ان کے سوال سے چندا کو یقین ہو گیا کہ وہ اسے اسی نظر سے دیکھ رہی ہیں جس کی اس نے خواہش کی تھی۔

''میں نے کہا ہوا ہے کچھ لوگوں کو......'' بتول نے سرسری سی بات کی۔ ''آپ چلیں مالکن، میں کھانا لگاتی ہوں، مہمان آپ کے بغیر بیٹھے ہیں۔'' بتول نے کہا۔

''ارے وہ لوگ باہر نکلے ہیں لان دیکھنے کے لیے۔'' انہوں نے کہا۔ ''اور ہم سب چاہتے ہیں کہ شیری اور ماہم کو کچھ وقت کے لیے تخلیہ دیا جائے۔'' مسکرا کر انہوں نے کہا اور باہر لان کی طرف چل دیں، بتول اپنے کام میں مگن تھی، چندا نے کچھ برتن اٹھائے اور ڈائننگ روم کی طرف چلی، اس کی آنکھیں شیری کو دیکھنے کو ترس رہی تھیں مگر ڈائننگ روم سے اسے جو زاویہ نظر آیا اس میں ایک پیاری سی لڑکی کا مسکراتا ہوا چہرہ تھا اور اس کے ہاتھ شیری کے ہاتھوں میں تھے جس کی کمر اس کی طرف تھی۔ چھن سے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تھی، اس نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا، سب کچھ ٹھیک تھا، یہ چھناکے کی آواز اس کے اندر سے آئی تھی۔ برتن میز پر رکھ کر وہ مڑی، باورچی خانے میں بتول اسی طرح مصروف تھی۔

''میرے سر میں درد ہے اماں!'' اس نے بہ مشکل آنسو پلکوں پر روک کے۔ ''میں جا رہی ہوں، جا کر آرام

لے آتے اور اصرار کرتے تو رکھ لیتیں، بہانہ یہ کلر پسند نہیں...... اسی کلر کا سلا ہوا سوٹ ہے۔ یوں ان کے پاس ہمیشہ دینے دلانے کے لیے کپڑے ہوتے۔ اگر کوئی زبردستی سلوا دیتا تو سلا ہوا سوٹ نیا ہینگر پر لٹکا رہتا...... بعد میں کسی کام والی کو مل جاتا۔ کھانے کی کسی چیز کو شوق سے نہ کھاتیں...... بہت زیور بنوایا اور اسی طرح ضرورت مند رشتے داروں میں تقسیم بھی کیا...... جب فوت ہوئیں تو ایک چھلا تک پاس نہیں تھا۔ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا اپنی باجیوں (کزنز) کو اپنے ساتھ پایا اور امی نے ان سب کو ہم سب بہن بھائیوں سے بہت زیادہ چاہا اور جانا، کبھی کوئی مسئلہ ہوتا تو ان کا ووٹ ہمیشہ اپنے بچوں کے مخالف ہوتا۔ بچوں کے بجائے بہو اور دامادوں کی ماں تھیں۔ میں اکثر کہتی اماں کاش ہماری بھی کوئی ماں ہوتی۔ آپ سارے جگ کی ماں ہیں سوائے ہمارے۔ ہمیشہ دوسروں کی فکروں میں غلطاں...... سب کو نہ صرف پالا، پڑھایا، شادیاں کیں بلکہ آخر تک میکے کا مان دیا۔ ایک مرتبہ میری ایک کزن ایک کتاب تہجد کا نور لائیں میں نے کتاب تو خاص پڑھی نہیں لیکن تہجد کا نور دیکھا ضرور ماں کے چہرے پر مرنے کے بعد...... کافی عرصے سے برائے نام کھاتیں، دو گھونٹ دودھ یا جوس تین چار دن بعد آدھی روٹی...... اس لیے ایک دم بہت بوڑھی لگنے لگیں۔ صدف چھیڑتی "امی آپ میری ماں نہیں نانی لگتی ہیں۔" وقتِ آخر نہلانے کفن پہنانے کے بعد دیکھا تو سب جھریاں غائب فریش اسکن جیسے کسی رائٹر نے اپنی ماں کے بارے میں لکھا تھا۔ آخری ہفتے نظر کا پرابلم ہوگیا۔ بہت پریشانی تھی۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ قرآن پاک کا ناغہ ہوا۔ کہتی تھیں اگر پڑھ نہیں سکتی تو زندہ رہنے کا کیا فائدہ......

ماں کیا ہے یہ تب جانا
جب میں ماں بنی
ماں کیا تھی یہ اب جانا
جب ماں نہیں رہی

☆☆☆

کروں گی۔" بھاگتی ہوئی وہ وہاں سے نکلی۔

"مجھے تو پہلے ہی حیرت تھی کہ تم آ کس طرح گئیں...... ست لڑکی۔" بتول بڑبڑائی۔

چندا اپنے کوارٹر میں آ کر پلنگ پر اوندھے منہ گر کر سسکیوں سے رونے لگی، جانے کتنی ہی دیر اس طرح گزر گئی، اسے اپنے بالوں میں کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا، اور مانوس سی خوشبو سارے میں پھیل گئی۔

"جاؤ میں نہیں بولتی تم سے۔" اس نے ناز سے کہا مگر اس کے گرد بانہوں کا حلقہ تنگ ہو گیا تھا۔ "دم گھٹ جائے گا میرا...... کیا کرتے ہو؟" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس نے اس کے کان میں کوئی سرگوشی کی تھی۔

"ہاں جناب، محبت کے ڈرامے ہمارے ساتھ اور شادی ماہم بی بی کے ساتھ...... مجھ سے برداشت نہیں ہوا تمہیں اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھے ہوئے دیکھنا! بند کرو مجھے گدگدی کرنا، چڑ ہے مجھے دنیا کی ہر اس لڑکی سے جو تمہیں دیکھے بھی شیری......" وہ مکمل خود سپردگی کے عالم میں تھی۔

"مر جاؤں گی میں تمہارے بنا!"

☆☆☆

بتول، بیٹی کے انداز دیکھ کر تفکر میں پڑ جاتی، اسے جانے کیا ہوتا جا رہا تھا، اس کی صحت گرنے لگی تھی۔ عجیب عجیب خیالات بتول کو ستاتے، کئی بار اس نے باتوں باتوں میں چندا سے کچھ جاننا چاہا مگر وہ ہنس کر ٹال دیتی مگر سوتے میں اس کی بڑبڑاہٹیں بتول کو اور ہی داستانیں سناتیں، اس سے پہلے کہ کوئی اور گل کھلیں، اسے کچھ جلد ہی کرنا ہوگا، مالکن، شیری صاحب کی شادی سے فارغ ہو جائیں تو وہ چندا کے بیاہ کا سوچے۔ چند دن کے بعد اس نے چندا سے بات کی تو وہ بدک گئی مگر بتول اس کی کہاں سننے والی تھی، اب اس نے اسے کسی کھونٹے سے باندھنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔

"مجھے کچھ دن چاہئیں اماں......" اس نے احتجاج کیا۔

"کس چیز کے لیے دن چاہئیں؟" بتول نے ابرو اچکائے۔

"وہ ابھی میں...... ابھی میں پڑھ رہی ہوں۔" اس

نے جواز پیش کیا۔
''میں کون سا کل بیاہ کر رہی ہوں تمہارا۔'' بتول نے اسے گھر کا۔ ''بس میں نے صبیحہ آپا سے کہہ رکھا ہے، اسی ہفتے وہ ایک بیلی کو لے کر آ رہی ہیں، دودھ دہی کا کاروبار ہے اس کے بیٹے کا! ایک ہی ایک بیٹا ہے، انتہا کا شریف، بالکل اپنے نام جیسا۔ صبیحہ بتا رہی تھی کہ سب لوگ اسے بھولا کہتے ہیں۔'' بتول نے چندا کو بتایا جس کا منہ بدمزہ ہو رہا تھا۔
''خدا کے لیے اماں، مجھے نہیں کرنا کسی بھولے بھالے سے شادی۔'' چندا نے منہ بنا کر کہا۔
''فضول باتیں مت کرو چندا، آج میری آنکھیں بند ہو گئیں تو تمہارا کیا ہوگا؟''
''مجھے تو لگتا ہے اماں کہ آپ اپنی آنکھیں بند کر کے ہی مجھے کسی کنویں میں پھینکنے کا ارادہ کیے ہوئے ہیں۔'' وہ چڑ گئی۔
''اللہ نہ کرے...... بس اپنی زندگی میں یہ چھوٹی سی خوشی دیکھنا چاہتی ہوں بیٹا!'' اسے جذباتی بلیک میل کرنے کو اماں کا یہی فقرہ حتمی ہوتا تھا۔ وہ خاموش رہی، اسے شیری سے بات کرنا ہوگی، جلد از جلد کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتا ہے، کیا فیصلہ کرے گا اور کب اپنی ماں سے بات کرے گا، اسی رات اسے وہ موقع مل گیا تھا اور شیری نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے ضرور اپنائے گا اور وہ اس کے سوا کسی اور کا تصور بھی اپنی جیون ساتھی کے طور پر نہیں کر سکتا...... چندا تو خوشی سے اس سے لپٹ گئی اور وہ اس کے اس انداز پر نثار ہو گیا۔
☆☆☆
دلہن بن کر چندا پر کیسا انوکھا روپ آیا تھا، بتول نے اپنے محدود وسائل کے باوجود بیٹی کے لیے سب کچھ بنا لیا تھا، سارے بوجھ تو مالکن نے خود اٹھا لیے تھے، انہی کے اصرار پر اسے اس کے عروسی جوڑے بنانا پڑے تھے اور نہ زیورات اور ماں کی دعاؤں کے سائے میں رخصت ہو کر وہ حجلۂ عروسی میں سر نیہوڑائے بیٹھی تھی۔
اس کمرے میں شیری کے پرفیوم کی مسحور کن مہک پھیلی ہوئی تھی، کمرے کے باہر شور اور قہقہوں کی آوازوں سے اس کے دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہونے لگیں، وہ ہمہ تن گوش ہو گئی اور کمرے کا دروازہ بند ہوا تو وہ اپنے قریب آتے قدموں کی آوازیں سننے لگی۔ ایک، ایک قدم وہ گن رہی تھی، وہ اس کے کس قدر قریب بیٹھ گیا تھا، اس نے اپنا سر اور بھی جھکا لیا، اس کا ہاتھ اس نے تھاما تو اسے خود اندازہ ہوا کہ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا، اس کے ملائم ہاتھ کی مخروطی انگلی میں اس نے انگوٹھی پہنا کر اس پر اپنے پیار کی مہر ثبت کی...... ''اب چہرہ دکھا دیں!'' اس کے ہاتھ اس کا گھونگٹ اٹھا رہے تھے...... اس نے آنکھیں جھکا لیں، سر اور بھی جھک گیا۔ ''سبحان اللہ!''
''شیری!'' بےخودی کے عالم میں اس کے لبوں سے نکلا۔
''کتنا پیارا لگا ہے تمہارے ان خوب صورت لبوں سے میرا نام!''
''آج تک کسی نے مجھے اتنی محبت سے نہیں پکارا...... کچھ ایسے بھولا کہا ہر کسی نے کہ مجھے اپنا اصل نام ...... شریف بھی بھول گیا تھا مگر اس نام کو شیری بنا کر تم نے کیا سے کیا بنا دیا ہے......'' دودھ دہی کی بُو...... شیری کے پرفیوم کی خوشبو پر حاوی ہو رہی تھی جسے چرانا جرم سہی مگر اس سے رہا نہ گیا تھا، شیری کے کمرے سے شروع ہونے والا سپنا، شیری کے اس پرفیوم کے ساتھ وہ جب چاہتی خود پر شیری کی ہم سری طاری کر لیتی، شیری اس کی اولین محبت تھا جس محبت کا کوئی مجسم وجود ہی نہ تھا، شیری کی شادی کے بعد تک بھی اس کا سپنا نہ ٹوٹا تھا، جو ٹوٹا تو اس رات......
مگر اس نے اس سپنے کو ٹوٹنے کب دینا تھا، خود فراموشی کے مرض کا شکار چندا......
اللہ کا شکر تھا کہ اس کے شوہر کا نام شریف نکل آیا تھا جو واقعی اتنا بھولا تھا کہ عمر بھر اس زعم میں رہتا کہ چندا اس سے بہت محبت کرتی ہے، وہ کبھی جان نہ پاتا کہ چندا کا شیری وہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے!



ناولٹ

پھانس

ثریا انجم

ایک ہنگامہ خیز شام پرفسوں رات میں ڈھل چکی تھی۔ ہر جانب ایک گہری خاموشی طاری تھی۔ تھوڑے، تھوڑے وقفے سے کوئی ہلکی سی آہٹ ابھرتی بھی تھی تو لمحوں میں ہر طرف چھائے گہرے سناٹے میں گم ہو جاتی۔ رابعہ نفیس نے ایک گہری سانس لے کر اپنے تھکن سے چور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ انہیں ایسا لگا جیسے برسوں کا بوجھ ان کے وجود سے یکلخت رخصت ہو گیا ہو اور وہ ہلکی پھلکی ہو کر فضا میں تیر رہی ہیں۔ سالوں سے جو



گھٹن انہیں جکڑے ہوئے تھی وہ اب دور ہو چکی تھی اور انہیں اپنے پور، پور میں ایک آزادی کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنی اس کیفیت پر وہ خود ہی مسکرا دیں۔ بستر کی چادر درست کر کے انہوں نے تکیہ جگہ پر رکھا اور جوڑے میں لپٹے گھنے بالوں سے پن نکال کر سائڈ ٹیبل پر رکھ دیے اور ایک بار پھر لمبی سانس لے کر آہستگی سے سر تکیے پر رکھ دیا اور طمانیت سے آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆

''رابعہ بیگم نے بی اے کر لیا۔'' بظاہر یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی مگر چونکہ ان کے خاندان میں لڑکیوں کے تعلیم حاصل کرنے کا رواج بہت کم تھا لہٰذا ان کے بی اے کرنے کو بہت اہم جانا گیا...... شروع، شروع میں خاندان والوں نے اعتراض بھی کیا مگر وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں تو ماں باپ اور بھائیوں کی لاڈلی بھی بہت تھیں لہٰذا میٹرک کرنے کے بعد جب انہوں نے پڑھنے کی ضد کی تو گھر والے ان کی ضد کے آگے ہار گئے اور انہوں نے گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا۔ صبح بڑے بھائی موٹر سائیکل پر کالج چھوڑ آتے اور واپسی پر چھوٹا بھائی لینے آجاتا۔ دادی نے کالج میں داخلے سے پہلے ہی شرط عائد کر دی تھی کہ جتنا چاہے پڑھے مگر امورِ خانہ داری کی تربیت بھی ساتھ، ساتھ ہونا لازمی ہے۔ اماں خود بھی ساس کے خیالات سے مکمل طور پر متفق تھیں لہٰذا کھانا پکانے سے لے کر کپڑوں کی سلائی، کڑھائی اور سوئٹر کی بنائی تک انہوں نے ہر کام میں رابعہ کو ماہر کر دیا تھا۔

گندمی رنگت، گھنی سیاہ پلکوں سے سجی براؤن آنکھیں، خوب صورت مسکراہٹ جو پل بھر میں سارے چہرے کو روشن کر دیتی اور دراز قامت کے ساتھ سلیقہ مندی...... اکیس برس کی عمر میں رابعہ ایک ایسے تراشتے ہوئے ہیرے کی مثال بن گئی تھیں جس کی جگمگاہٹ خاندان اور خاندان سے باہر کے لوگوں کو محسوس ہوئی تو کئی ہاتھ اس ہیرے کے حصول کے لیے آگے بڑھ آئے مگر قرعۂ فال نفیس احمد کے نام نکلا جو نہ تو غیر تھے نہ ہی قریبی عزیز بس دور پرے کی رشتے داری تھی۔ یوں یہ رشتہ انتہائی روایتی انداز میں طے پایا۔ دولہا اور دلہن کے والدین نے اپنے، اپنے طور پر لڑکا اور لڑکی کو پسند کرنے کے بعد ہامی بھر لی۔ تمام معاملات باہمی مشوروں کے بعد طے کیے گئے اور شادی کی تاریخ کا فیصلہ ہو گیا۔

☆☆☆

شادی کے قریب آتے دنوں میں اماں نے رابعہ کو وہی نصیحتیں کی تھیں جو شاید برسوں پہلے ان کی ماں نے انہیں کی ہوں گی اور جن کا حاصل کچھ یوں تھا کہ اب اسے ماں، باپ اور بھائیوں کی محبت کو بھلا کر دوسرے گھر جانا ہے اور وہی گھر اس کا اصل اور آخری گھر ہوگا جہاں اسے اپنی ذات کو تج کے وہاں اپنے رہنے والے ہر فرد کی خوشی کا خیال رکھنا ہوگا اور شوہر کی ہر بات پر اس طرح بغیر کوئی سوال کیے عمل کرنا ہوگا جیسے محکوم اپنے حاکم کے حکم پر کرتا ہے۔ اسی طرح وہ ایک کامیاب اور عزت دار زندگی گزار سکے گی۔ رابعہ یہ ساری نصیحتیں بڑی سعادت مندی سے سنتی رہی۔ ان کی پہلے سے بیاہی سہیلیوں نے بھی ان سے کچھ دلفریب باتیں کی تھیں ایک ایسی خوب صورت دنیا کی سیر کروائی تھی جہاں صرف ان کی حکومت ہوتی تھی، انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ نفیس احمد ان کی من موہنی صورت دیکھتے ہی ان کے دیوانے ہو جائیں گے۔ رابعہ کا وجود اُن کے لیے دنیا بھر میں سب سے زیادہ اہم ہوگا اور وہ اس کی ناز برداری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے، اُن باتوں کو سن کر رابعہ نے سوچ رکھا تھا کہ جب نفیس احمد اس کو ایسی بے اندازہ محبت دیں گے تو بدلے میں وہ بھی وہ سب کچھ کر لیں گی جو بقول اماں کے ایک اچھی بیوی اور سعادت مند بہو کا فرض ہوتا ہے۔

☆☆☆

''دنیا میں میرے لیے اماں سے بڑھ کر نہ کوئی ہے اور نہ ہوگا۔ ان کو کوئی تکلیف پہنچے یا کوئی انہیں پریشان کرے یہ میں برداشت نہیں کر سکتا اور مینو میں تو

میری جان ہے اس کی آنکھ میں آنسو آئیں یا اس کی دل شکنی ہو یہ مجھے کسی حال گوارا نہیں لہٰذا آپ میرا خیال رکھیں نہ رکھیں مگر اماں اور مینو کا بہت خیال رکھیے گا۔‘‘

رسمی سلام اور منہ دکھائی کے کنگن پہنانے کے بعد نفیس احمد نے جو پہلی بات نئی نویلی دلہن سے کہی اسے سن کر اس کا خوشبوؤں اور رنگین خیالات میں ڈوبا وجود لمحہ بھر میں برف کا مجسمہ بن گیا۔ اس نے اپنی جھکی پلکیں اٹھا کر اس ہستی پر پہلی نظر ڈالی جس کے ساتھ اسے اپنی زندگی کی خوشیاں اور دکھ بانٹنے تھے اور جس کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ وہ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ، ساتھ انتہائی خوش اخلاق اور خوش مزاج بھی ہے مگر اس وقت تو ان کی بات سن کر رابعہ کے دل میں کانٹے سے اگ آئے تھے۔ دھنک کے سارے رنگ جیسے ہوا میں تحلیل ہوگئے تھے اور آنے والی زندگی کسی صحرا کی طرح لگنے لگی تھی جس میں اسے تنہا رہتے ہوئے اِک سراب کے پیچھے بھاگتے رہنا تھا۔

’’آپ خاموش کیوں ہیں، کچھ تو بولیں۔‘‘ نفیس احمد کی بھاری آواز پر رابعہ نے ایک بار پھر نظریں اٹھائیں تو ان کی گہری پُراشتیاق آنکھوں میں کچھ ایسا نظر آیا کہ گھبرا کر فوراً ہی نظروں کے ساتھ گردن بھی جھکالی۔ نفیس احمد دھیرے سے ہنسے اور اس کی کلائی میں پڑی چوڑیوں پر انگلی پھیرتے ہوئے مدھم آواز میں وہ سب کچھ کہنے لگے جس کو سننے کی آس دل میں لیے ہر لڑکی اپنے میکے کی دہلیز خوشی، خوشی پار کرلیتی ہے۔ نکاح کے دو بولوں کا فسوں جلد ہی رابعہ کی ہستی پر طاری ہوگیا اور کچھ دیر پہلے کی تلخی اس شیرینی میں گھل کر معدوم ہوگئی جو نفیس احمد اپنے محبت بھرے جملوں کے ذریعے اس کے کانوں میں انڈیل رہے تھے، اس نے اماں کی ہدایات کے مطابق نفیس احمد کو اپنا مجازی خدا مان لیا تھا۔

☆☆☆

علی احمد اور طاہرہ بیگم کے گھر پہلے بچے کے بعد آٹھ سال تک دوسری اولاد نہیں ہوئی تو نفیس احمد اتنے عرصے تک اکیلے ہی ماں باپ کی آنکھوں کا تارہ بنے رہے۔ علی احمد تو خیر سارا دن حصولِ روزگار کے لیے گھر سے باہر رہے مگر طاہرہ بیگم جی بھر کے اکلوتی اولاد پر اپنی محبت نچھاور کرتیں اسی لیے نفیس احمد بھی باپ کے مقابلے میں ماں سے زیادہ قریب ہوگئے۔ علی احمد اپنی تمام تر محبت کے باوجود اولاد کی تربیت کے معاملے میں ہر طرح کی سختی کو جائز سمجھتے تھے اور پھر انہیں یہ خوف بھی رہتا تھا کہ کہیں وہ ماں کی بے تحاشا محبت اور ناز برداریوں کی وجہ سے بگڑ نہ جائیں مگر نفیس احمد نے کبھی ماں کی محبت کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ ہی باپ کی سختیوں نے انہیں بغاوت پر اکسایا اور جب آٹھ سال بعد ایک ننھی منی بہن آگئی تو پڑھائی کے بعد ان کا سارا وقت چھوٹی بہن کے لاڈ اٹھانے میں گزرنے لگا۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا اور وہ وقت آگیا کہ جب طاہرہ بیگم نے بڑے چاؤ سے اپنے لاڈلے بیٹے کے لیے دلہن کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑانا شروع کردیں مگر انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کئی لوگوں سے تعریفیں سننے کے بعد جب انہوں نے رابعہ کو دیکھا تو پہلی ہی نظر میں وہ انہیں اپنے بیٹے کے لیے پسند آگئی۔

شادی کے بعد رابعہ کو میکے اور سسرال کے ماحول میں کسی خاص فرق کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ میکے میں اگر اماں، ابا نے اپنے سب بچوں کی انتہائی محبت سے پرورش کی تھی تو سسرال میں بھی چار افراد کا یہ گھرانا آپس میں اس طرح جڑا ہوا تھا کہ ایک دوسرے کے بغیر ایک پل بھی رہنا گوارا نہیں تھا۔ اس بات کا اندازہ رابعہ کو شادی کے چند دنوں کے بعد ہی ہوگیا تھا۔

علی احمد ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے کمرے تک محدود ہوگئے تھے صرف کھانے کے وقت سب کے ساتھ آکر بیٹھتے۔ طاہرہ بیگم انتہائی خاموش طبیعت اور نرم مزاج خاتون تھیں اور وہ بغیر احساس دلائے گھر کے ہر فرد کے آرام اور ضرورتوں کا خیال رکھتیں۔ رابعہ کو انہوں نے بڑی چاہت سے بہو کا مان دیا مگر اس کا خیال بھی بالکل اسی طرح رکھتی تھیں جیسے وہ ان کی اپنی بیٹی ہو، ان کے اس اپنائیت کے اظہار نے بہت

تھوڑے عرصے میں رابعہ کے دل میں بھی محبت کا وہ احساس جگا دیا تھا جو برسوں ساتھ رہنے کے بعد پیدا ہوتا ہے...... کہنے کو تو اٹھارہ برس کی تھی مگر اس کے ہر انداز میں بچوں کی سی معصومیت اور سادگی تھی۔ وہ سارا دن رابعہ کے ارد گرد ہی رہتی اور بھابی، بھابی کر کے اس کا دماغ کھالیتی مگر اس کا اتنا زیادہ بولنا رابعہ کو اچھا لگتا کیونکہ اگر وہ بھی نہ بولتی تو گھر میں مکمل خاموشی چھا جاتی اور رابعہ کے لیے وقت گزارنا مشکل ہو جاتا۔

نفیس احمد اپنے نام کی طرح انتہائی نفیس طبیعت کے مالک تھے ان کی خوش مزاجی اور خوش گفتاری کسی انجان شخص کو بھی بہت جلد اپنا گرویدہ بنالیتی تو رابعہ تو خیر اُن کی بیوی تھی وہ کیسے نہ ان کی محبت میں گرفتار ہوتی جبکہ وہ خود بھی اپنی محبت اور چاہت کے اظہار میں کمی نہیں کرتے تھے مگر ان کا یہ والہانہ اظہار رابعہ کو ہمیشہ بے چین کر دیتا...... دل میں گڑی پھانس کی چبھن اچانک بیدار ہو جاتی اور بے اعتباری کا ناگ پھن پھیلا کر اپنی زہریلی پھنکاروں سے اس کے نرم و نازک جذبات کو جھلسا دیتا۔

☆☆☆

بیج تو بیج ہوتا ہے وہ رائی کے دانے کے برابر ہو یا آم کی گٹھلی جتنا...... چاہے محبت کا ہو یا کدورت کا جب زمین کے حوالے کیا جاتا ہے تو نمو پا کر ہی رہتا ہے۔ اب چاہے وہ بھربھری ریت ہو یا کسی نرم و نازک ہستی کا امنگوں بھرا دل...... اور ایک بار نمو پانے کے بعد اس کی جڑیں پھیلنے لگتی ہیں گہرائی میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ پھر کوئی انہیں اکھاڑنا بھی چاہے تو ممکن نہیں ہوتا، اس صورت میں تو بالکل بھی نہیں جب وقتاً فوقتاً اس کی آبیاری بھی کی جا رہی ہو...... رابعہ کے دل میں شادی کی رات کدورت کے جس بیج نے جڑ پکڑی تھی وہ سسرال میں ملنے والی تمام تر آسودگی اور محبت کے باوجود اسے مضطرب کیے رکھتی۔

نفیس احمد اگر ماں کے تابعدار اور خدمت گزار تھے تو دوسری طرف اپنے سے بہت چھوٹی بہن پر پروانہ وار نثار تھے۔

وہ صبح آفس جانے سے پہلے سب سے آخر میں والدہ صاحبہ کی دعائیں لیتے اور واپس آ کر بھی پہلے ماں کے پاس جاتے کچھ دیر مینو سے چھیڑ چھاڑ کر کے پھر اپنے کمرے میں آتے، یہ وقت رابعہ کے لیے بہت کٹھن ہوتا، نہ وہ محبت کرنے والی بیوی کی طرح انہیں دروازے تک چھوڑنے جا سکتی تھی اور نہ شام کو سج سنور کر اُن کا استقبال کرنے کو اس کا دل چاہتا کیونکہ یہ خاص وقت تو طاہرہ بیگم اور مینو کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ ایسے میں اسے ان دونوں کا وجود بہت ناگوار گزرتا حالانکہ دن کا باقی حصہ اس نے انہی دونوں کے ساتھ بہت خوشگوار انداز میں گزارا ہوتا تھا۔ کھانا پکانے سے لے کر گھر کی صفائی تک ہر کام مل جل کر بھی کیے جاتے تھے جس کے درمیان مینو کی چڑیوں کی سی چہچہاتی آواز رابعہ کا دل لگائے رکھتی تھی مگر شام کو نفیس احمد کے گھر میں قدم رکھتے ہی جب وہ دن بھر کی روداد اپنے اسی معصوم اور شوخ انداز میں انہیں سناتی تو رابعہ کو وہی آواز اپنے کانوں میں سوئیوں کی طرح چبھتی ہوئی محسوس ہوتی اور جب نفیس احمد اپنے کمرے میں آ کر مسکراتی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھتے۔

''ہاں جناب اور کیا ہوتا رہا سارا دن؟'' تو اس کے لہجے میں برف گھل جاتی۔

''بتا تو دیا مینو نے آپ کو......'' وہ گھر میں پہننے والے کپڑے انہیں تھما کر رخ پھیر لیتی۔

''وہ تو مینو نے بتایا ہے مگر ہم تو آپ سے سننا چاہتے ہیں۔'' وہ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے سے قریب کرنا چاہتے مگر وہ بڑی سہولت سے خود کو ان کی گرفت سے آزاد کر لیتی۔

''آپ منہ ہاتھ دھولیں، میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' نفیس احمد سادہ دلی سے مسکرا کر رہ جاتے۔

اور یہ تو رابعہ کو اپنے ماں، باپ کے گھر سے ملنے والی تربیت کا اثر تھا اور کچھ وہ خود بھی نیک فطرت تھی اسی وجہ سے دل کی کڑھن کو اس نے کبھی ظاہر

نہیں ہونے دیا، نہ ہی اپنے کسی عمل اور رویے سے طاہرہ بیگم اور نفیس احمد کو شکایت کا موقع دیا جو گھر میں کسی بدمزگی کا سبب بنتا۔

☆☆☆

زندگی کے خوب صورت دن اسی کشمکش میں گزرتے جارہے تھے کہ ماں بننے کی نوید نے گھر بھر میں ایک خوشگوار سی ہلچل مچادی۔

علی احمد آتے جاتے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر خوشیوں کی دعا دیتے اور طاہرہ بیگم کا تو بس نہیں چلتا کہ اسے ہل کر پانی بھی نہ پینے دیں...... مینو اپنے لاابالی پن میں کئی ہفتوں تک اس خوشخبری سے لاعلم رہی مگر جیسے ہی اسے پتا چلا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں رہا۔

''منا آئے گا تو میرے پاس سویا کرے گا۔'' وہ بڑے استحقاق سے کہتی۔

''اور اگر منی آگئی تو......؟'' نفیس احمد ہنس کر بہن کے بال بگاڑ دیتے۔

''تو وہ بھی میرے ہی پاس رہے گی۔'' وہ اکڑ کر کہتی اور رابعہ دونوں بہن بھائی کا منہ دیکھ کر رہ جاتی۔

اور پھر ایسا ہی ہوا جیسا کہ مینو نے کہا تھا۔

نو مہینوں تک جو رابعہ کے وجود کا حصہ بنا رہا وہ دنیا میں آتے ہی اس سے یوں دور ہوگیا جیسے وہ اس کی جنم دینے والی ماں نہ ہو محض اس کی شکم پوری کے لیے رکھی گئی رضاعی ماں ہو۔

حذیفہ زیادہ تر طاہرہ بیگم کی نگرانی میں رہتا...... کب اس کی تیل مالش کرنی ہے، کب نہلانا ہے، کب تھپک تھپک کر سلانا ہے، یہ ساری ذمے داری طاہرہ بیگم نے اپنے سر لے لی تھی۔ رابعہ کا بھی وہ پہلے جیسا ہی خیال رکھتی تھیں۔ اسے قوت بخش غذائیں اپنے ہاتھ سے تیار کر کے اصرار کر کے کھلاتیں۔

''تمہیں نہیں پتا، بچے کی پیدائش کے بعد عورت بالکل کھوکھلی ہوجاتی ہے اور بچے کی پرورش کرنے کے لیے ماں کی اچھی صحت ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔''

''کون سی پرورش......؟'' رابعہ کا دل چاہتا ان سے سوال کرے مگر اسے تو خاموش رہ کر گھٹتے رہنے کی عادت سی پڑگئی تھی۔ حذیفہ جتنی دیر جاگتا رہتا مینو اسے گود میں اٹھائے رکھتی...... کبھی اس کے ننھے ہاتھ چومتی کبھی اس کے پھولے، پھولے گالوں کو دھیرے سے چھو کر اسے ہنسانے کی کوشش کرتی۔

''یہ تو میرا گڈا ہے۔'' وہ خوشی سے سرشار ہو کر کہتی تو نفیس احمد محبت بھری نظروں سے بہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ اٹھتے۔

''میرا بھی یہی حال ہوا تھا جب ہمارے گھر اتنے سالوں بعد مینو آئی تھی اور اب دیکھو مینو بھی کس قدر خوش ہے اس نے بھی زندگی میں پہلی بار اتنا چھوٹا بچہ دیکھا ہے۔''

''اور میں بھی تو زندگی میں پہلی بار ماں بنی ہوں۔'' رابعہ سوچ کر رہ جاتی مگر اس وقت اس کے دل میں ٹھنڈک سی پڑجاتی جب حذیفہ روتے ہوئے کسی کے بہلانے سے نہ بہلتا مگر اس کی گود میں آتے ہی خاموش ہوجاتا۔

''ماں تو پھر ماں ہی ہوتی ہے۔'' طاہرہ بیگم کے کہنے پر اس کی آنکھوں میں نمی تیر جاتی اور ایک احساسِ تفاخر اس کے چہرے کو روشن کردیتا۔

☆☆☆

حادثہ ہوجاتا ہے۔ حادثے سے دوچار ہونے والے یقین اور گمان کی کیفیت کے بیچ، بیچ پنڈولم کی طرح جھولتے رہ جاتے ہیں۔ جو کچھ جس طرح ہونا ہوتا ہے بالکل اسی طرح ہوتا ہے بس انسان اگر اور مگر کے الجھاوے میں الجھ کر کبھی اپنے آپ کو مجرم ٹھہراتا ہے اور کبھی کسی اور کے سر الزام رکھ دیتا ہے۔

رابعہ پر بھی یہ تینوں کیفیتیں گزری تھیں...... بے یقینی کے کرب سے نکل کر سنگین حقیقت کا سامنا کیا تو پچھتاوے نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

''اگر اس روز ایسا نہ ہوا ہوتا...... نفیس احمد، مینو کی فرمائش پوری کرنے کے لیے گھر سے نہ نکلتے...... مگر

میں نے بھی تو انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی، میں تو بس اسی جھنجلاہٹ میں خاموش بیٹھی رہی کہ حالات خراب ہونے کے باوجود بہن کے منہ سے نکلی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے گھر سے باہر جانے کو تیار ہو گئے۔''

وہ گھنٹوں حذیفہ سے بے پروا اپنے آپ سے بیگانہ انہی خیالات سے لڑتی، آنسو خاموشی سے دوپٹے کے آنچل میں جذب ہوتے رہتے۔ پھر اللہ کی طرف سے صبر کی تھپکی آئی تو اس نے آنسو پونچھ کر گھر کے باقی لوگوں کی طرف دیکھا۔

علی احمد کے کندھے جھک گئے تھے، ضعیفی اور لاچاری کی تصویر بنے وہ سارا دن اپنے کمرے میں خاموش لیٹے رہتے۔ طاہرہ بیگم ہر وقت حذیفہ کو گود میں لیے رکھتیں۔ جیسے وہ ایک پل کے لیے بھی اُن سے دور ہوا تو ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائے گا۔ ان کی آنکھوں سے جھلکتا خوف دیکھنے والوں کا دل پگھلا دیتا۔

مینو نہ جانے کب مہناز فاطمہ بن گئی تھی۔ اپنی بڑی، بڑی آنکھوں میں بھرے آنسوؤں کو چھلکنے سے روکے وہ بڑی خاموشی سے گھر میں اِدھر سے اُدھر آتی جاتی نظر آتی۔ تعزیت کے لیے آنے والوں سے چائے پانی کا پوچھتی، طاہرہ بیگم کی گود سے حذیفہ کو غیر محسوس انداز میں اٹھا کر اپنے ساتھ لے جا کر دودھ پلا کر سلا دیتی اور کبھی بڑی خاموشی سے رابعہ کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں بھینچ لیتی اور جو رابعہ گھٹنوں پر سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتی تو فوراً ہی ابھی آئی کہہ کر اٹھ جاتی اور یہ مہناز فاطمہ ہی تھی جس نے نفیس احمد جیسے محبت کرنے والے بھائی کی اچانک موت کا صدمہ بڑی خاموشی سے اپنے اندر اتار لیا تھا اور ناز نخرے دکھانے والی لاڈلی بہن سے ذمے دار بیٹی کا روپ دھار کر سارے گھر کی دیکھ بھال میں لگ گئی تھی۔

☆☆☆

موت ایک اٹل حقیقت ہے جسے انسان ہر حال میں قبول کر لیتا ہے مگر زندگی میں کچھ ایسی سچائیاں ہوتی ہیں جن کو مان لینا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ رابعہ کے چاروں بھائی یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ صرف چار سال کی شادی شدہ زندگی کے بعد اُن کی عزیز از جان بہن اپنی باقی ساری عمر بیوگی کی بے رنگ چادر اوڑھ کر بسر کرے اور علی احمد اور طاہرہ بیگم کے لیے اس حقیقت کو تسلیم کر لینا مشکل تھا کہ ان کے اکلوتے بیٹے کی واحد نشانی ان کی نظروں سے دور ہو جائے گی۔

ویسے تو تینوں شادی شدہ بھائیوں میں سے کوئی نہ کوئی تیسرے چوتھے روز آتے ہی رہتے تھے مگر اس دن بڑے بھیا اور بھابی آئے تو ان کا رویہ کچھ مختلف تھا۔ رابعہ نے دیکھا کہ طاہرہ بیگم بھی کچھ بے چین سی ہو گئی تھیں۔ وہ ابھی اسی الجھن میں تھی کہ اچانک بھابی نے ہلکے گلابی رنگ کا دوپٹا نکال کر اس کے سر پر اوڑھا دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر سونے کی دو چوڑیاں اس کی کلائی میں ڈال دیں۔ رابعہ نے حیرت اور ناگواری سے اُن کی طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے رنگین دوپٹا اپنے سر سے نوچ کر پھینک دیا۔

''بھابی آپ کو پتا ہے......'' وہ یہ مشکل اتنا ہی کہہ سکی، اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''ہاں میری جان مجھے سب پتا ہے مگر ساری زندگی تو تمہیں یہ سفید کپڑے نہیں پہننے...... آج تمہاری عدت کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ اور اب تم پوری طرح سے آزاد ہو کہ جس رنگ کے چاہے کپڑے پہنو...... جہاں چاہے آؤ جاؤ اور اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرو......'' پتا نہیں بھابی کیا کہہ رہی تھیں اور وہ سوچ رہی تھی کہ وقت کا حساب رکھنے کا خیال تو اسے کبھی نہیں آیا بلکہ وقت تو گزرتا ہی نہیں تھا۔ دن آگ کی طرح جلتے تھے، راتیں کانٹوں کی طرح چبھتی تھیں پھر یہ چار مہینے دس دن کیسے گزر گئے...... آنسو بھری آنکھیں اپنے سفید دوپٹے سے رگڑ کر اس نے طاہرہ بیگم کی طرف دیکھا جنہوں نے بے اختیار نظریں جھکا لیں۔

''خالہ جان میں غلط تو نہیں کہہ رہی۔'' بڑی بھابی نے جواب طلب نظروں سے طاہرہ بیگم کی طرف

دیکھا تو وہ بے بسی سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

''اماں خود آتیں مگر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو انہوں نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم رابعہ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔'' ہمیشہ نرم لہجے میں بات کرنے والی بھابی کا انداز آج بالکل بدلا ہوا تھا۔

''میں کیسے جا سکتی ہوں۔'' رابعہ کبھی طاہرہ بیگم کی طرف دیکھتی اور کبھی بڑی بھابی کی طرف...... مینو پتا نہیں کب آ کر اس کے برابر میں بیٹھ گئی تھی اور اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

''بیٹا کچھ دنوں کے لیے چلی جاؤ...... یہی رسم ہے، عدت کے بعد پیر بدلنے کے لیے میکے جاتے ہیں۔'' آخر طاہرہ بیگم کو کہنا ہی پڑا۔ بڑی بھابی نے اطمینان بھری سانس لے کر بڑے بھیا کی طرف دیکھا۔

''چلو بھئی اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔'' بڑے بھیا کھڑے ہو گئے۔

''بھابی آپ جلدی واپس آئیں گی ناں......؟'' مینو اس سے بے ساختہ لپٹ کر رونے لگی۔

''ہاں، ہاں آجائیں گی تم پریشان نہ ہو۔'' بڑی بھابی نے آہستگی سے اسے رابعہ سے الگ کیا اور اسے اپنے ساتھ لیے دروازے کی طرف بڑھیں۔ طاہرہ بیگم نے بھی اٹھنے کی کوشش کی پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر واپس بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

راستے میں گزرتے ہوئے مناظر کو خالی، خالی نظروں سے دیکھتی وہ سوچ رہی تھی کہ آخری بار وہ کب گھر سے نکلی تھی۔ نفیس احمد کے ساتھ حذیفہ کے سردیوں کے کپڑے خریدنے کے لیے۔ دل نے چپکے سے یاد دلایا اور بے ساختہ نکلنے والی سسکی کو اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر روکا۔ بھابی نے اس کی حالت کو سمجھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ گھر پہنچ کر وہ ایسے بلک، بلک کر روئی کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

''خدا کے لیے رابعہ کچھ اماں کا ہی خیال کر لو، ان کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں۔'' بڑے بھیا کے کہنے پر اس نے بہ مشکل خود پر قابو پاتے ہوئے اماں کی طرف دیکھا جن کا جسم ہولے، ہولے لرز رہا تھا اور آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔ آنچل سے آنسو خشک کر کے اس نے پانی کا گلاس تھام لیا جو چھوٹی بھابی کب سے اسے پلانا چاہ رہی تھیں۔

تینوں بھائی، بھابیاں، ان کے بچے اور چھوٹے بھیا سب اس کی وجہ سے پریشان تھے اور اماں تو اتنے دنوں میں آدھی رہ گئی تھیں۔ ان سب کی خاطر اسے اپنے آپ پر جبر کرنا پڑا۔ وہ سب بھی اپنے، اپنے انداز میں اس کی دلجوئی میں لگے رہے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ سمجھانے کی کوشش بھی کر رہے تھے کہ اب اسے اپنے لیے ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا ہے۔ اس کی عدم دلچسپی کو واضح طور پر محسوس کر کے بھی وہ اسے قائل کرنا چاہ رہے تھے اور ان کی اپنے لیے فکر اور محبت اسے اپنے دل پر بھاری بوجھ کی طرح لگ رہی تھی جسے وہ نہ ہٹا سکتی تھی اور نہ ہی سہہ پا رہی تھی۔ اپنے گھر والوں کی جلد بازی اسے حیران بھی کر رہی تھی۔ آخر وہ یہ کیوں چاہتے تھے کہ وہ اتنے تھوڑے وقت میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے سانحے کو فراموش کر کے نارمل انداز میں جینا شروع کر دے۔

بڑی بھابی کو اس کی حالت کا اندازہ تھا اسی لیے وہ اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہو گئیں۔

''چلو رابعہ اب تم آرام کرو۔'' وہ اسے کمرے میں پہنچا کر پلٹنے لگیں تو اس نے انہیں روک لیا۔

''بھابی کیا یہ سب کرنا اتنا آسان ہے؟'' بے بسی سے سوال کرتے اس کی آنکھیں ایک بار پھر چھلکنے کو تیار ہو گئیں۔

''نہیں بالکل نہیں، کسی بھی کیفیت کو زیادہ دنوں تک اپنے اوپر طاری رکھنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا، تمہیں بھی اس صدمے سے نکل کر کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے ورنہ وقت گزر جائے تو تبدیلی کو قبول کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ بہت دھیمے انداز میں اسے سمجھا رہی تھیں اور رابعہ نا سمجھی سے اُن کا منہ تک رہی تھی۔

''اچھا اب تم حذیفہ کو سلا کر خود بھی سونے کی کوشش کرو...... باقی باتیں کل ہوں گی۔'' وہ آہستگی سے دروازہ بند کر کے چلی گئیں۔ حذیفہ نیند میں تھا ذرا سا تھپکنے سے ہی سوگیا...... مگر خود اس کی آنکھوں سے نیند کا رشتہ تو جیسے ٹوٹ گیا تھا۔ حذیفہ کے سونے کے بعد وہ کچھ دیر یونہی ساکت لیٹی رہی پھر کہنی کے بل اٹھ کر اس کے معصوم چہرے پر نظریں جما دیں۔ تین سال کی عمر میں اس کے نقش اس قدر واضح تھے کہ کوئی انجان شخص جس نے نفیس احمد کو دیکھا ہو وہ پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ حذیفہ، نفیس احمد کا بیٹا ہے، اس کے نرم بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے رابعہ نے بلا ارادہ ہی ایک گہری سانس لی اور دوبارہ تکیے پر سر ٹیک کر نظریں چھت پر گاڑ دیں۔ پتا نہیں کب چھت کی سفیدی سینما کی اسکرین میں ڈھل گئی اور گزرے ماہ و سال کسی فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے سے گزرنے لگے...... ''اچھا ہی ہوا جو میں بھیا، بھابی کے ساتھ چلی آئی، یہاں کم از کم مجھے تنہائی میسر آئی۔ وہاں تو مینو سائے کی طرح میرے ساتھ رہتی تھی اور مجھے روتا دیکھ کر خود اس قدر ضبط کرتی تھی کہ اپنا آپ مجرم لگنے لگتا تھا۔'' آنکھوں سے رستے آنسو آہستہ، آہستہ تکیہ بھگونے لگے۔ زندگی کبھی یہ رخ بھی اختیار کرے گی یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔ چار سال جن کو پورا ہونے میں بھی چند ہفتے باقی تھے نہ جانے کیسے گزر گئے۔ وقت بھی حالات کا تابع ہوتا ہے کبھی لمحوں میں ہاتھ سے پھسل جاتا ہے اور کبھی لمحے، گھنٹوں اور گھنٹے، دنوں کی طرح گزرتے ہیں اور وقت کاٹے نہیں کٹتا...... رات کے سناٹے میں تنہائی کے کرب سے بوجھل دل کے ساتھ رابعہ کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے ان چار سالوں کو کیا عنوان دے۔

''ایک مکمل زیاں......'' اپنے اندر سے اٹھنے والی آواز اس کے پورے وجود کو جھنجوڑ گئی۔ شدتِ کرب سے آنکھیں بند کر کے اس نے اپنے آپ کو ان یادوں کے حوالے کر دیا جنہیں اب بس یاد ہی رہنا تھا...... ایسی خوب صورت یادیں جن کے حسن کو اس نے خود اپنی کم عقلی سے زندگی بھر کے پچھتاوے میں بدل دیا تھا اور اب نہ وہ خوشیوں اور چاہت بھرا وقت لوٹ کر آ سکتا تھا نہ ہی وہ پیارا شخص جس کی بے لوث محبت کو اس نے ہمیشہ شک اور شبہ کے ترازو میں رکھا اور وزن اپنی مرضی کے پلڑے میں ڈال کر کبھی پورے طور پر خوشگوار ازدواجی زندگی کا سکھ نہ حاصل کر سکی۔

''ربو تمہاری محبت نے میری زندگی کو ایسا خوب صورت احساس دیا کہ مجھے لگتا ہے کہ میں جو اب تک ادھورا تھا تمہیں پا کر مکمل ہوگیا ہوں۔'' نفیس احمد کا جذبوں سے چور لہجہ اسے سرشار کر دیتا مگر صرف چند لمحوں کے لیے پھر وہی بے حسی اس کے دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور نفیس احمد اس کے گریز کو بھی اس کی سادگی سمجھ لیتے۔

زندگی کے خوب صورت ترین شب و روز بس ایسے ہی گزر گئے کہ نہ کبھی نفیس احمد کی محبت پر اعتبار کیا اور نہ ہی اپنے عشق کی حدوں کو چھوتے جذبوں کو اظہار کا رستہ دے سکی۔ ایک ان دیکھی دیوار جو نفیس احمد کے ایک جملے کی وجہ سے ان کے درمیان حائل ہوئی تھی، وہ اسی طرح قائم رہی...... وہ اپنے آپ کو ایسی آگ میں جلاتی رہی جس کا کوئی وجود نہیں تھا۔

اور اب کیا تھا، اب نہ کوئی شکوہ تھا نہ کوئی دیوار...... ایک زندگی کے ختم ہونے سے سب کچھ ختم ہوگیا۔ دل سے لپٹا کدورتوں کا میل آنسوؤں نے دھو ڈالا اور سب کچھ شفاف آئینے کی طرح سامنے آگیا۔

نفیس احمد نے محبتوں میں کبھی کوئی حساب نہیں رکھا تھا کہ ہر کسی کو صرف اس کے حصے کی محبت دیتے، ان کی محبت تو اپنے آپ سے وابستہ ہر رشتے کے لیے کسی بے کراں سمندر کی طرح تھی، یہ تو رابعہ کی کم فہمی تھی کہ وہ سمجھ ہی نہیں سکی اور اپنے دل میں پڑنے والی گرہ کو ہر گزرتے دن کے ساتھ مضبوط کرتی چلی گئی۔

کہیں دور سے فجر کی اذان کی پُر کیف آواز ہوا کے ساتھ سفر کرتی اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے

اپنے کئی گھنٹوں سے ساکت پڑے وجود کو حرکت دینے کی کوشش کی، اذان کی آواز جیسے کوئی غیبی اشارہ تھا نہ صرف ایک نئے دن کے آغاز کا بلکہ زندگی کو ایک نئے ڈھنگ سے جینے کی شروعات کا بھی۔

نماز پڑھ کر وہ دیر تک اپنے لیے استقامت کی دعا مانگتی رہی اور جب دل مطمئن ہو گیا تو ایک بار پھر حذیفہ کے برابر میں لیٹ گئی۔ کمرے میں روشنی دھیرے، دھیرے بڑھ رہی تھی اور اسی رفتار سے کمرے میں رکھی ہر چیز نمایاں ہوتی جا رہی تھی۔ رابعہ کو بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ رنگ و روغن سے لے کر فرنیچر اور پردوں تک ہر چیز نئی تھی، دیوار کے ساتھ رکھے خوب صورت سے ریک میں ڈھیروں کھلونے سجے ہوئے تھے، بڑی بھابی جس فیصلے اور تبدیلی کی بات کر رہی تھیں وہ اب کچھ، کچھ اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

☆☆☆

صبح خاصی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی۔ چاروں بھائی یک زبان ہو کر رابعہ سے مستقل طور پر یہیں رہ جانے کے لیے کہہ رہے تھے اور تینوں بھابیاں بھی ان کی ہم نوا تھیں۔ ایک اماں تھیں جو چپ چاپ سب کا منہ تک رہی تھیں، ویسے بھی ابا کے مرنے کے بعد وہ بہت خاموش رہنے لگی تھیں اور اب جوان اور اکلوتی بیٹی کی بیوگی کے غم نے تو جیسے ان کے جسم سے روح کھینچ لی تھی۔

''میں اماں اور ابا کو اکیلا چھوڑ کر یہاں کیسے رہ سکتی ہوں، وہ اب میری ذمّے داری ہیں۔'' جب دونوں بڑے بھائی اور بھابی اسے ہر طرح سے سمجھانے کے بعد اپنے طور پر یقین کر چکے تھے کہ ان کی دلیلوں اور محبت بھرے اصرار کے بعد رابعہ ان کا کہا مان چکی ہے اور اتنی دیر کی خاموشی کا مطلب دراصل اس کی رضامندی ہے تو اس نے انتہائی ٹھوس لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

کمرے میں مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ سب ایک دوسرے کی طرف ایسے دیکھ رہے تھے جیسے ان کے پاس الفاظ ختم ہو گئے ہوں۔

''تمہیں ابھی اندازہ نہیں کہ تم کس قدر غلط فیصلہ کر رہی ہو، وہ جس کی ذمّے داری تھے وہ اس دنیا سے جا چکا اور تمہارے سامنے ابھی ایک لمبی عمر پڑی ہے، آج نہیں تو کل مہناز کی شادی ہو جائے گی تو تم اکیلے ان دو بوڑھے لوگوں کو سنبھال لو گی۔'' آخر بڑے بھیا نے ہی بولنے میں پہل کی۔

''میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں بڑے بھیا، مہناز کی شادی کے بعد کون ان کا خیال رکھے گا اور آپ یہ بھی تو سوچیں کہ انہوں نے اپنا اکلوتا بیٹا کھویا ہے تو کیا میں ان کو اس نشانی سے بھی دور کر دوں جو اُن کا بیٹا چھوڑ کر گیا ہے۔'' رابعہ نے آنکھوں میں آئی نمی کو پلکیں جھپک کر باہر آنے سے روکا۔ بڑے بھیا کا چہرہ غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہو گیا اور...... اب جب وہ بولے تو اُن کی آواز خاصی بلند تھی۔

''تم سب کا خیال رکھو گی کبھی یہ سوچا کہ تمہارا خیال کون رکھے گا؟''

''آپ......!'' جس قدر ان کی آواز بلند ہوئی اسی قدر نرمی سے رابعہ نے جواب دیا۔ ''میں یہاں رہوں یا وہاں میرا خیال تو آپ کو ہی رکھنا ہے، آپ کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے کہ میں کہاں رہتی ہوں مگر اس کٹھن وقت میں اگر میں نے انہیں تنہا چھوڑ دیا تو ان دونوں کو بہت فرق پڑے گا، بڑے بھیا آپ سب بھائیوں، بھابیوں کی محبت اور دادی اور اماں کی تربیت نے مجھے یہی سکھایا ہے کہ وقت بدلنے سے رشتے نہیں بدل جاتے۔ اس گھر سے جاتے وقت اماں نے یہی نصیحت تو کی تھی کہ میرا رشتہ صرف ایک ہستی سے نہیں جڑ رہا بلکہ اس سے وابستہ ہر رشتے سے قائم ہو رہا ہے تو اب اس ہستی کے چلے جانے سے کیا میں باقی سب سے ناتا توڑ لوں؟ جبکہ آپ بھی جانتے ہیں کہ حذیفہ کی وجہ سے یہ سارے رشتے ہمیشہ اسی طرح قائم رہیں گے، آپ لوگ میرے لیے پریشان ہونے کے بجائے میرا حوصلہ بڑھائیں اور دعا کریں کہ میں پورے خلوص سے اس ذمّے داری کو نباہ سکوں جو نفیس میرے لیے چھوڑ گئے

ہیں۔'' رابعہ کے لہجے میں کچھ ایسی سچائی تھی کہ اس کی باتوں سے متفق نہ ہوتے ہوئے بھی وہ سب کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔

''اچھا ابھی تو تم کچھ روز یہاں رہو پھر سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے......'' ہمیشہ کی طرح بڑی بھابی نے بات کو سمیٹا۔

''نہیں، میں کل واپس جا رہی ہوں۔ اماں، ابا سے زیادہ مینو کو اس وقت میری ضرورت ہے۔'' رابعہ سارے فیصلے کر چکی تھی۔

☆☆☆

اس کے بعد کے چند ماہ زندگی ایک مسلسل امتحان کی طرح گزری۔

ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی اسے سمجھانے بیٹھ جاتا تھا کہ اکیلے زندگی بسر کرنا کس قدر دشوار ہے، خاص طور سے اس کم عمری میں خوشیوں سے منہ موڑنا کفرانِ نعمت کے برابر ہے۔ وہ بڑی خاموشی سے سب کی باتیں سن لیتی تھی مگر جب علی احمد نے بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بوجھل آواز میں یہی بات کہی تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور اتنے دنوں سے روکے ہوئے آنسو پوری شدت سے بہہ نکلے۔

''تم میری بہو تھیں مگر نفیس احمد کے جانے کے بعد تم میری بیٹی ہو اور میں تمہارے لیے اتنا ہی فکرمند ہوں جتنا مینو کے لیے ہو سکتا ہوں، میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ تم اپنی پوری زندگی محض ایک نام کے سہارے گزار دو...... زندہ رہنے کے لیے خوشی اور راحت کا ہونا بھی ضروری ہے اور یہاں رہ کر نہ تمہیں خوشی ملے گی نہ ہی راحت...... میں تمہیں اس گھر سے چلے جانے کو نہیں کہہ رہا...... یہ گھر تمہارا ہے، تم جتنے دن چاہے یہاں رہو مگر ہمیشہ رہنے کے لیے تمہیں ایک نئے گھر کے بارے میں سوچنا ہوگا جہاں تمہیں خوشیاں اور سکون ملے نہ کہ ذمے داریاں اور مشکلیں......'' وہ خاموش ہو گئے، اس کے سر پر رکھا ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا، رابعہ نے ان کا کانپتا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''ابا آپ لوگوں کے ساتھ رہنا میری خوشی ہے اور آپ کی اور اماں کی خدمت کرنا میرے لیے سب سے بڑی راحت، آپ کو جو کہنا تھا آپ نے کہہ دیا مگر آج کے بعد ایسی کوئی بات نہ کہیے گا ہاں اگر میں کبھی تھکنے لگی تو سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گی۔'' علی احمد ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئے اور طاہرہ بیگم کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہہ نکلی۔ نفیس احمد کے آفس سے جو رقم ملی تھی وہ اسی روز علی احمد نے حذیفہ کے نام سے جمع کروادی۔ گھر کے اخراجات کے لیے ان کی پنشن بہت تھوڑی پڑتی تھی مگر کسی نہ کسی طور گزارہ ہو رہا تھا۔

بڑے بھیا بھی ہر ہفتے دس دن بعد ڈھیروں سامان لے کر آجاتے، رابعہ کبھی منع کرتی اور کبھی خاموشی سے رکھ لیتی۔ پھر پڑوس میں رہنے والی بلقیس باجی نے اس سے کہا کہ اگر وہ چاہے تو وہ اسے اپنے اسکول میں نوکری دلوا سکتی ہیں، رابعہ تو فوراً راضی ہو گئی مگر گھر والوں کی طرف سے ایک بار پھر شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا مگر اس نے اس مرتبہ بھی ہمت نہیں ہاری اور اسے بڑی آسانی سے گورنمنٹ اسکول کے پرائمری سیکشن میں جاب مل گئی۔ حذیفہ تو یوں بھی سارا دن طاہرہ بیگم اور مینو کے پاس رہنے کا عادی تھا لہٰذا اس کی طرف سے رابعہ کو پورا اطمینان تھا کہ وہ اس کے بغیر بھی رہ لے گا۔ روزمرہ کے معمولات میں ایک ٹھہراؤ آگیا اور زندگی کڑے امتحانوں سے گزرنے کے بعد ایک سیدھے راستے پر آ ہی گئی۔

☆☆☆

''مسز رابعہ نفیس۔'' اسکول میں جاب کرنے سے پہلے اس کے نام کے ساتھ نفیس احمد کا نام کبھی اس طرح نہیں لیا گیا تھا۔ جب پہلی بار اسے رابعہ نفیس کہہ کر پکارا گیا تو کچھ لمحوں کے لیے اس کا سارا وجود جیسے سن ہو گیا اور وہ جواب دینے کے قابل نہیں رہی۔ کبھی ایسا بھی ہوگا یہ اس نے کب سوچا تھا۔ وہ شخص جو ہمیشہ اسے اپنے آپ سے بہت دور لگا کرتا تھا محض اس وجہ

سے کہ وہ کئی رشتوں میں بٹا ہوا تھا جس کی محبت اسے اپنے لیے کم اور دوسروں کے لیے زیادہ لگتی تھی اب اس سے ہمیشہ کے لیے بہت دور جا کر اس کے اتنے قریب آ گیا تھا کہ اس کے نام کے بغیر اس کی ذات ہی نہیں اس کی شناخت بھی ادھوری تھی۔

''رابعہ نفیس۔'' رات کی تنہائی میں وہ اپنے آپ کو اس نام سے پکارتی، ہونٹ بے بسی سے مسکراتے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں۔ ایسے میں ایک ہلکی سی سرگوشی گئے دنوں کی یادیں لے کر اسے بہلانے آ جاتی۔

''اور جناب کیا ہوتا رہا سارا دن......'' اور وہ اپنے سارے دن کی مصروفیت لب ہلائے بغیر بتاتی چلی جاتی یہاں تک کہ نیند کی مہربان بانہیں اسے سمیٹ لیتیں...... اور پھر یہ خود کلامی جیسے اس کی عادت بن گئی...... سونے سے پہلے وہ دن بھر میں ہونے والی ہر چھوٹی بڑی بات نفیس احمد کو بتاتی اور یہ اس کے تخیل کی کرشمہ سازی تھی یا بیتے دنوں میں اپنے ہاتھوں سے کھوئے.... خوب صورت لمحوں کا دکھ اور ان دنوں کو واپس پا لینے کی آرزو کہ کبھی، کبھی اسے لگتا جیسے نفیس احمد اس کے آس پاس ہی کہیں موجود ہیں اور کبھی ہلکا سا ہنکارا، کبھی کوئی چھوٹا سا سوال کر کے اس کو یہ احساس دلا رہے ہوں کہ اگر وہ کچھ کہہ رہی ہے تو وہ سن بھی رہے ہیں جو بھی تھا مگر یہ ہوا کہ اس کی بے قراری کو قرار آتا چلا گیا۔

☆☆☆

''رابعہ بیٹا!'' دودھ کا گلاس علی احمد کے سرہانے رکھ کر وہ واپس مڑی تھی کہ دھیمی آواز نے اس کے قدم روک لیے، سر سے پھسلتے دوپٹے کو ٹھیک کرتے ہوئے وہ واپس پلٹی۔

''جی ابا......!''

''بیٹا ذرا سی دیر کے لیے میرے پاس بیٹھو......'' ان کے لہجے میں ایک التجا سی تھی وہ خاموشی سے ان کے بیڈ کے نزدیک رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''رابعہ بیٹا جس طرح تم اس گھر کی ذمے داری کا بوجھ اٹھا رہی ہو اس کے بعد تم سے مزید کچھ مانگنے کی ہمت تو نہیں مگر وقت اور حالات کے تحت میں تم سے ایک وعدہ ضرور لینا چاہتا ہوں حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے مگر محض اپنی تسلی کے لیے میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔'' ان کے انداز میں ایسی بیچارگی تھی کہ رابعہ بے چین ہو گئی۔

''ابا آپ جو بھی کہنا چاہتے ہیں کہیں اور میں جو کچھ کر رہی ہوں اپنے گھر کے لیے کر رہی ہوں، اس کا تذکرہ کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔''

''بس تم مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ میرے بعد مینو کا ہر طرح سے خیال رکھو گی اور کوشش کر کے کسی اچھی جگہ اس کی شادی کروا دو گی۔'' علی احمد بھرائی ہوئی آواز میں بولے تو وہ تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

''ابا خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں، آپ کو نہیں پتا آپ ہی کے سہارے ہم سب نے اتنا بڑا صدمہ جھیلا ہے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔''

''بیٹا ہمیشہ تو کوئی بھی نہیں رہ سکتا جب نفیس احمد جیسا جوان چلا گیا تو مجھ بوڑھے کا کیا اعتبار...... آج ہوں کل نہ رہوں، بس تم مجھ سے وعدہ کر لو تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔''

''میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں مینو کا حذیفہ سے زیادہ خیال رکھوں گی، بس اب آئندہ ایسی بات نہ کیجیے گا۔'' وہ جلدی، جلدی اپنی بات مکمل کر کے آنکھوں میں آنسو چھپاتی اُن کے کمرے سے باہر آ گئی۔

کھلتی ہوئی سفید رنگت، بڑی، بڑی بے ریا آنکھیں، چھوٹی سی ناک اور بھرے، بھرے لب مینو بلاشبہ خوب صورت کہلائے جانے کے قابل تھی مگر طاہرہ بیگم کی طرح فربہ مائل جسامت ایک ایسی خامی تھی جو اسے دیکھنے آنے والوں کے لیے قابلِ قبول نہیں تھی اسی لیے کئی بار لوگ آتے مگر پلٹ کر کوئی جواب نہیں دیا۔

طاہرہ بیگم تو یوں بھی خاموش طبیعت تھیں اور اب بیٹے کے غم نے تو انہیں جیسے پتھر کر دیا تھا، پتا نہیں انہیں بھی مینو کی اتنی ہی فکر تھی یا اُن کے دل کی ہر خواہش نفیس

احمد کے ساتھ دفن ہوگئی تھی مگر علی احمد نے جس حقیقت کا احساس دلایا تھا اس کے خیال نے رابعہ کو بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا...... اپنے کمرے میں آکر وہ بہت دیر تک گم صم سی بیٹھی رہی، دل میں شرمندگی کا احساس بھی کروٹیں لینے لگا کہ اب سے پہلے خود اسے یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ مینو کی شادی کرنا بھی اس کی ذمے داریوں میں سے ایک ہے۔ کھڑکی سے نظر آتے آسمان پر ڈھلتے چاند کی چاندنی کا غبار پھیلا ہوا تھا اور وہ سوچوں کے بنتے بگڑتے دائروں میں الجھی دھیرے، دھیرے نیند کی وادیوں میں اترتی جارہی تھی مگر نیند گہری ہونے سے پہلے دل میں پختہ ارادہ کرچکی تھی کل اسکول جاتے ہی اپنی کولیگز سے مینو کے رشتے کے لیے بات ضرور کرے گی۔

اگلی صبح اور اس کے بعد آنے والے بہت سے دنوں نے اسے سمجھا دیا کہ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لوگوں کی پسند پر پورا اترنے کے لیے ان کے اپنے بنائے ہوئے سانچے میں ڈھل کر نکلنا پڑتا ہے اور ہر شخص کا سانچہ اس کی اپنی سوچ اور ظرف کے مطابق ہوتا ہے، کہیں کچھ زیادہ ہوتا ہے تو کہیں کوئی کمی رہ جاتی ہے۔

رابعہ نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہمت نہیں ہارے گی مگر علی احمد کی آنکھوں کی مدھم پڑتی لو اسے اپنے آپ سے بھی نظریں چرانے پر مجبور کردیتی تھی اور وقت تو جیسے ہاتھوں سے پھسلتا جارہا تھا۔

☆☆☆

تقریباً دو ماہ بعد وہ گھر گئی تو بڑی بھابی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''ایسا لگتا ہے جیسے ہم سے تو تمہارا کوئی رشتہ ہی نہیں۔ کئی، کئی مہینے شکل دکھانے کی توفیق نہیں ہوتی، ہم جا کر مل آئیں تو ملوگی ورنہ تمہارے آسرے پر رہیں تو کبھی کبھار ملنے سے بھی گئے۔'' رابعہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا شکوہ سنتی رہی پھر اٹھ کر ان کے قریب جا بیٹھی۔

''بھابی آپ کو پتا تو ہے کہ میرا آدھے سے زیادہ دن تو اسکول میں گزر جاتا ہے پھر گھر آنے کے بعد کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے حالانکہ سب کچھ تو مینو کرلیتی ہے مگر پھر بھی یہ تو نہیں ہوسکتا کہ میں آرام سے بیٹھ جاؤں یا کہیں گھومنے پھرنے نکل جاؤں۔''

''اپنی بوڑھی اور بیمار ماں سے ملنے آنا گھومنا پھرنا کہلاتا ہے۔'' بڑی بھابی کو اس طرح کہنا بالکل اچھا نہیں لگا۔

''اچھا اب ناراض نہ ہوں، میرا وعدہ ہے آئندہ جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔ اب آپ مجھے ذرا یہ بتائیں کہ اتنی تھکی ہوئی اور بیزار کیوں لگ رہی ہیں؟'' وہ نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی تو وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

''بھئی چھوٹے میاں کی دلہن کی تلاش میں گھر، گھر جھانکتے، جھانکتے میں واقعی تھک گئی ہوں کوئی ڈھنگ کی لڑکی ملتی ہی نہیں۔''

''ہمارے گھر تو آپ نے ایک بار بھی نہیں جھانکا۔'' رابعہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ یہ بات کہہ کر خود ہی چور سی ہوگئی۔ بڑی بھابی کچھ دیر حیرت سے منہ کھولے اس کی طرف دیکھتی رہیں پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

''کیا تم واقعی ایسا چاہتی ہو؟ مگر وہ تو......'' انہوں نے تذبذب کی کیفیت میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں وہ ذرا سی موٹی ہے مگر لوگوں کو بہت موٹی لگتی ہے اور موٹا ہونا تو ایک ایسی خرابی ہے جس کی وجہ سے اس کی ساری خوبیاں بہت پیچھے رہ گئی ہیں۔ وہ ایک شریف خاندان کی نیک فطرت لڑکی ہے، اس کی خوب صورتی، اس کی سلیقہ مندی، اس کی سادگی کسی کو نظر نہیں آتی، نظر آتا ہے تو بس اس کا موٹاپا......'' کئی مہینوں کے دبے ہوئے غصے اور بے بسی کو جیسے زبان مل گئی اور رابعہ، بڑی بھابی کے ادھورے جملے کا مفہوم جانے بغیر بولتی چلی گئی۔

''افوہ بھئی میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ چھوٹے میاں کے مقابلے میں مہناز کی عمر ذرا کم ہے۔'' بڑی بھابی رسان سے بولیں تو رابعہ نے دل ہی دل میں چھوٹے

بھیا اور مینو کی عمروں کا حساب لگا کر ایک بار پھر بڑی بھابی کا تھام لیا۔

''چھوٹے بھیا مجھ سے چھ سال بڑے ہیں اور مینو اب تئیس چوبیس کی تو ہوگی تو اتنا خاص فرق تو نہیں ہوا۔''

''اچھا، پہلے میں تمہارے بھائی سے بات کرلوں پھر تم ....اپنے ساس، سسر سے ان کا عندیہ لے لینا، باقی جو اللہ کی مرضی......'' بھابی کی بات سن کر ایک گہرا اطمینان اس کے ذہن اور دل پر طاری ہوگیا۔

''آپ آج ہی بڑے بھیا سے بات کر لیجیے گا۔''

وہ جلدی سے بولی تو بھابی اس کے بے صبرے پن پر مسکرا دیں۔

بڑے بھیا نے سوچنے کے لیے دو دن کا وقت مانگا...... اماں نے بہت عرصے بعد کسی معاملے میں اپنی رائے دی اور اُن کے خیال میں چھوٹے بھیا کے لیے مینو کا انتخاب اس وقت کا بہترین فیصلہ تھا۔ چھوٹے بھیا سے پوچھا گیا تو وہ مسکرا کر خاموش ہوگئے اور جب اپنے گھر والوں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد علی احمد اور طاہرہ بیگم سے بات کی تو وہ دونوں تو حیرت اور خوشی سے کچھ لمحوں کے لیے گم صم ہوگئے اور پھر تشکر کے جذبے نے ان کی آنکھیں نم کردیں۔

☆☆☆

اپنے سے چند سال چھوٹی نند کو بیٹی کی طرح رخصت کر کے رابعہ کو پہلی بار ایسا لگا جیسے اس کی ذات سے وابستہ قرض کا ایک بڑا حصہ ادا ہوگیا ہو...... ایک بہت بڑا فرض اس قدر سہولت سے ادا ہوگیا جس کا گمان بھی نہیں تھا۔

''آپ کو پتا ہے آپ کی موٹی بہن دلہن بن کر کتنی پیاری لگ رہی تھی...... افوہ بھئی برا کیوں مان رہے ہیں موٹی ہے تو موٹی ہی کہوں گی ناں...... اور مجھے تو وہ پہلے دن سے ہی اسی لیے اچھی لگتی تھی گپلو، گپلو سی...... وہ تو آپ کی وجہ سے میں کبھی، کبھی اس سے چڑ جاتی تھی...... آپ کو بھی تو ہر بات کہنے کی اتنی جلدی تھی...... اگر آپ

خود غرض

زندگی میں خود کو کبھی کسی انسان کا عادی مت بنانا کیونکہ انسان بہت خود غرض ہے...... جب آپ کو پسند کرتا ہے تو آپ کی برائی بھول جاتا ہے اور جب آپ سے نفرت کرتا ہے تو آپ کی اچھائی بھول جاتا ہے......

نہر

دریا نے نہر سے پوچھا۔
''تجھے سمندر نہیں بننا؟''
نہر نے پیار سے کہا۔
''بڑا بن کر کھارا ہوجانے سے بہتر ہے چھوٹا رہ کر میٹھا رہا جائے......''

مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

کس سے مانگوں

خالق سے مانگنا دانش مندی ہے
اگر دے دے تو رحمت نہ دے تو حکمت
مخلوق سے مانگنا ذلت ہے
اگر دے، دے تو احسان اور نہ دے تو شرمندگی

مرسلہ: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

تھوڑا سا صبر کر لیتے تو میں اسے آپ سے بڑھ کر محبت دیتی مگر آپ کے ایک جملے نے ساری گڑ بڑ کردی...... خیر چھوڑیں پرانی باتوں کو...... میں تو آپ کو یہ بتا رہی تھی کہ چھوٹے بھیا بھی بہت خوش لگ رہے تھے، آخر اتنے انتظار کے بعد بیچارے کی شادی کا نمبر جو آیا۔ ورنہ تینوں بھائیوں کی شادی تو ابا نے بہت کم عمر میں کردی تھی اور چھوٹے بھیا تیس سال سے اوپر ہوجانے کے بعد بھی انتظار ہی کرتے رہے اگر میں اس روز بھابی کے سامنے مینو کا نام نہ لیتی...... اب اگر تو دس سال بڑے ہیں تو کیا ہوا دونوں کی جوڑی خوب جچ رہی تھی۔ دونوں بہت خوش

تھے...... آپ بھی خوش ہیں ناں......"

گرم سیال پلکوں کو بھگو کر تکیے میں جذب ہو گیا۔

اگلی صبح بہت خوب صورت تھی۔ دل کی بنجر پڑی زمین پر ایک ننھی سی کونپل پھوٹی تھی، خشک ہونٹوں کو مسکراہٹ کی نرمیوں نے چھوا تھا۔ علی احمد اور طاہرہ بیگم ابھی نہیں جاگے تھے۔ وہ پورے گھر میں بلا مقصد اِدھر اُدھر گھومتی رہی پھر واپس اپنے کمرے میں آ گئی، حذیفہ بے خبر سو رہا تھا۔ اس کے لبوں پر وہی مسکراہٹ تھی جو سوتے میں نفیس احمد کے لبوں پر ہوا کرتی تھی نے بہت آہستہ سے اس کی پیشانی چومی اور برابر میں لیٹ کر ایک بار پھر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

ایک مسئلہ حل ہوتا ہے تو وقت کی پٹاری سے کئی اور مسائل نکل آتے ہیں۔ مہناز فاطمہ بیاہ کر اپنے گھر چلی گئی تو پتا چلا کہ اس کے ہونے سے کتنی آسانیاں تھیں۔ اس نے پورے گھر کو جس طرح سنبھالا ہوا تھا اس کا اندازہ اس کے جانے کے بعد ہوا۔ اور اسی احساس کے زیر اثر علی احمد نے اپنی گوشہ نشینی کو خیر باد کہہ کر گھر کے چھوٹے، چھوٹے کاموں کا ذمہ اپنے سر لے لیا۔ بازار سے روزمرہ کا سودا جو اس سے پہلے مینو محلے کے بچوں کو آوازیں دے کر منگوایا کرتی تھی، وہ خود جا کر لے آتے۔ حذیفہ چونکہ رابعہ کے واپس آنے سے پہلے اسکول سے آ جاتا تھا تو وہ اس کے کپڑے تبدیل کروا کر اسے دودھ بسکٹ کھلا دیتے۔ طاہرہ بیگم تو اپنے گھٹنوں کے درد کی وجہ سے چلنے سے تقریباً معذور ہو گئی تھیں مگر ایک جگہ بیٹھے، بیٹھے وہ بھی حذیفہ کو ماں کی غیر موجودگی کا احساس نہیں ہونے دیتیں۔ رابعہ کو اسکول سے آنے کے بعد گھر کے کاموں میں جت جانا مشکل نہیں لگتا تھا مگر علی احمد اور طاہرہ بیگم کی تنہائی کا خیال اسے پریشان رکھتا اور جب بڑی بھابی کے سامنے اس نے اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا تو ہمیشہ کی طرح ان کے پاس اس کا بہت آسان حل موجود تھا۔

"دیکھو بھئی ہم تو خود آج کل بہت پریشان ہیں، اتنی بڑی فیملی کے لیے اب ہمارا گھر چھوٹا پڑنے لگا ہے تو تمہارے بھائی سوچ رہے ہیں کہ ہم اماں کو لے کر کسی دوسرے گھر میں شفٹ ہو جائیں۔ چھوٹے میاں اور مینو بھی ہمارے ساتھ رہیں تو اب تمہاری پریشانی کا حل یہ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہارے قریب کوئی گھر دیکھ لیتے ہیں اس طرح تمہاری غیر موجودگی میں کوئی نہ کوئی تمہارے گھر کا چکر لگا لیا کرے گا۔"

"اور اگر چھوٹے بھیا اور مینو ہمارے ساتھ آ کر رہ لیں؟" رابعہ نے ڈرتے، ڈرتے تجویز دی۔

"نہیں، یہ نہیں ہو سکتا چھوٹے میاں کبھی گھر داماد بننے پر رضامند نہیں ہوں گے۔" بڑی بھابی نے ٹھیک ہی کہا تھا چھوٹے بھیا، رابعہ اور علی احمد کے بے حد اصرار کے باوجود اُن کے گھر آ کر رہنے پر آمادہ نہیں ہوئے مگر انہیں اگلی گلی میں کرائے کا گھر ضرور مل گیا تھا جہاں وہ بڑے بھیا کی فیملی اور اماں کے ساتھ شفٹ ہو گئے۔ باقی دونوں بھائیوں کی بیویاں چونکہ آپس میں سگی بہنیں تھیں لہٰذا انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔

☆☆☆

رابعہ نفیس نے زندگی کو اس طرح جیا جیسے جینے کا حق انہیں رب کائنات نے عطا کیا تھا۔

اپنی پچاس سالہ زندگی میں وہ تابعداری، خدمت، ایمانداری اور صبر و شکر کے تمام تر اصولوں پر اس طرح عمل پیرا رہیں کہ دشمن بھی اُن کی طرف انگلی اٹھانے کی ہمت نہ کر سکے مگر وہ چار سال جو انہوں نے نفیس احمد کی سنگت میں گزارے اس کا دکھ وہ گزشتہ پچیس سالوں سے سینے سے لگائے ہوئے تھیں۔ اس دکھ کے ازالے کے لیے انہوں نے کیا، کیا نہ کیا مگر ایک گرہ تھی جو ابھی کھلنی باقی تھی اور اس کے لیے انہوں نے اپنے ذہن کو تیار کر لیا تھا۔ سارے الفاظ ترتیب دے لیے تھے، بس وقت کا انتظار تھا۔ وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئیں تو بہت مطمئن تھیں۔ تمام انتظامات

ان کی مرضی کے عین مطابق ہوئے تھے، کل اُن کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی اور وہ چاہتی تھیں کہ سادگی کے باوجود اُن کے بیٹے کی عزت اور وقار میں کوئی کمی نہ آنے پائے...... وہ بیٹا جو اُن کی پچیس سال کی جدوجہد کے نتیجے میں اس بلند مقام پر فائز تھا کہ لوگوں کی رشک بھری نظریں اسے ایک بار دیکھنے کے بعد جھک جاتی تھیں کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔

ہلکی سی آہٹ ہوئی تو انہوں نے مڑ کر دیکھا۔

''آؤ حذیفہ، میں تو خود تمہیں بلانے والی تھی۔'' ممتا کے نور نے ان کے خوب صورت چہرے کو کچھ اور روشن کر دیا تھا۔

''میں نے سوچا کل تو میں بیگم کو پیارا ہو جاؤں گا تو کچھ وقت اپنی پیاری ماں کے پاس گزار لوں۔'' حذیفہ نے ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹتے ہوئے کہا اس کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی۔

''تو کیا بیگم کو پیارا ہونے کے بعد ماں کو بھول جاؤ گے؟'' انہوں نے اس کے خوب صورت بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اسی کے لہجے میں سوال کیا۔

''کوئی بھلا اپنی ماں کو بھول سکتا ہے اور پھر ماں بھی آپ جیسی جس نے اپنی ساری زندگی اپنی اولاد کے لیے وقف کر دی، نہ دن کو دن جانا، نہ رات کو رات سمجھا، نہ صرف میرے لیے بلکہ دادا اور دادی کے لیے بھی، آپ نے جس طرح اُن کا خیال رکھا اس طرح تو اگر پاپا بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی نہیں رکھ پاتے، آپ جیسا تو دنیا میں مشکل ہی سے کوئی دوسرا ملے اماں آپ کی عظمت......''

''بس......بس اب میری تعریفوں کا سلسلہ یہیں پر روک دو اور میری بات بہت دھیان سے سنو، میں نے جو کچھ بھی کیا اپنے لیے کیا...... اپنی دنیا اور اپنی آخرت کے لیے، اب تمہیں میرے لیے کیا کرنا ہے وہ میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں اور تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ تم میرے کہے پر عمل کرو گے۔'' رابعہ کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ حذیفہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''جی اماں آپ حکم کریں......'' اس نے ماں کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''بس میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لیے جو محبت اور احساسات ہیں اُن کا اظہار تم اپنی نئی نویلی دلہن کے سامنے نہیں کرو گے کیونکہ جب کوئی لڑکی اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر کسی نئے گھر میں قدم رکھتی ہے تو اس کی وجہ صرف ایک ہستی ہوتی ہے جس سے مذہب اور قانون نے اس کا رشتہ جوڑا ہوتا ہے۔ باقی سب رشتے وقت اور حالات کے تحت بنتے ہیں اگر وقت سے پہلے ان رشتوں کو منوانے کی کوشش کی جائے تو وہ پہلا رشتہ بھی.... بے اعتباری کی زد میں آجاتا ہے۔ یاد رکھنا محبت کا یقین دلانے سے پہلے ایک عورت کو تحفظ کا یقین دلانا ضروری ہوتا ہے اور ایک بار تحفظ کا یقین آجائے تو تو محبت خود اپنی جگہ بنالیتی ہے، اپنی اہمیت کا احساس ہونے پر ہی دوسروں کی اہمیت کی پہچان ہوتی ہے۔ کسی کی خوبیوں کا احساس دلانے کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں پڑتی، کچھ عرصے ساتھ رہنے کے بعد ہر خوبی اور خامی خود بخود عیاں ہو جاتی ہے تم اپنی شریکِ زندگی کو یہ وقت ضرور دینا تا کہ وہ خود میری حیثیت کو پہچانے بجائے اس کے کہ میرا وجود تم دونوں کے درمیان ایک ان دیکھی دیوار کی طرح حائل ہو جائے۔'' وہ خاموش ہو گئیں۔

حذیفہ کی عقیدت بھری نظروں سے اُن کی نظر ملی تو وہ دھیرے سے مسکرائیں اور اس کی پیشانی کا بوسہ لے کر ذرا دور ہٹ گئیں۔

''بس اب جاؤ......'' حذیفہ نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور باہر نکل کر آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔

''نفیس احمد میں نے آپ کے بیٹے کو اس غلطی کے کرنے سے بچا لیا جو آپ سے ہوئی تھی...... ٹھیک کیا ناں......'' آج انہوں نے جواب کا انتظار نہیں کیا، ان کا دل مطمئن تھا، ان کی روح ہر بوجھ سے آزاد ہو چکی تھی۔

قسط 4

ہم گمشدہ محبت

انجم انصار

انسان نہ کچھ ہنس کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا ، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر......



وقت دکھائی نہیں دیتا مگر پھر وہ کیا، کیا دکھا دیتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ یہ بات ذکیہ بیگم نے سوچی بھی نہیں تھی کہ ان کی چھوٹی آپا، راحیلہ سے واقعی اتنی محبت کرتی ہیں کہ وہ اس کو اپنی بہو بنانے کے بارے میں بھی سوچ سکتی ہیں۔ جیسے حالات چل رہے تھے کریم اور چھوٹی آپا کو شہلا کے سوا کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آرہا تھا۔

شہلا نے کریم کی نرم گرم باتیں سن کر بارہا اسے کھری، کھری سنائی تھیں...... اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اِدھر کا راستہ بھول جاتا مگر وہاں تو یہ عالم تھا کہ گالیاں کھا کر بھی بدمزہ نہ ہوئے تھے۔ اور جب بھی آتے شہلا کو ایسی نظروں سے دیکھتے جیسے وہ کہیں کی مہارانی ہو۔

ان سب باتوں کو دیکھ کر ذکیہ بیگم نے اپنی چھوٹی آپا کے ہاں جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ان کے گھر کی چھوٹی موٹی تقریبات تک میں وہ نہیں گئی تھیں اور اب اچانک ہی چھوٹی آپا راحیلہ کا رشتہ مانگنے یوں چلی آئی تھیں...... جیسے ان کی کوئی برسوں پرانی مراد پوری ہونے جارہی ہو۔

”شہلا نہ سہی...... راحیلہ سہی...... مگر اپنے کریم کے لیے میں بہو تو اسی گھر سے لے جاؤں گی۔“ وہ سرشار لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

”سوچ لیں آپا...... میری سانولی سلونی راحیلہ نہ کبھی آپ کو پسند رہی ہے اور نہ ہی کریم کو اور بہو بنانے کا فیصلہ بہت بڑا ہوا کرتا ہے...... یہ شادی ہے کوئی گڈے، گڑیا کا کھیل نہیں۔“ ان کے دل میں جو، جو اور جیسے، جیسے خیالات آئے تھے انہوں نے برملا اس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

”ارے واہ...... ہم تو اپنے بیٹے کی فرمائش پر ہی تمہارے آگے جھولی پھیلا رہے ہیں...... کریم کہہ رہا ہے کہ راحیلہ جتنی سلجھی ہوئی لڑکی ہے اتنی تو شہلا ہے ہی نہیں......“ انہوں نے بہن سے رازداری سے کہا۔

”ہاں، یہ بات تو ہے......“ وہ سرشاری سے مسکرائیں۔ ”اور اسی بات کو بارہا میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ گھر کرنے والی لڑکیاں راحیلہ جیسی ہوتی ہیں...... شہلا کو دیکھ کر جی خوش تو کیا جاسکتا ہے مگر جو شادی کا ایک مرتبہ سوچ بھی لے ناں تو وہ چار دن بعد سر پر ہاتھ رکھ کر بھاگے گا۔“ وہ پھر ان کے کان میں گنگنائی تھیں۔ اور چھوٹی آپا نے ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے اتنا بڑا قہقہہ لگایا...... ذکیہ بیگم کی ساری پریشانیاں اس کی گونج کے نیچے ہی کہیں دب کر مر کھپ گئی تھیں۔

اب ذکیہ بیگم بے حد خوش تھیں...... خاندان بھر کا سب سے خوب صورت لڑکا ان کا داماد بننے والا تھا۔

راحیلہ خوش تھی، اسے شروع سے ہی کریم اچھا لگا کرتا تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر شہلا بھی خوش تھی۔ اور وہ اپنی پریشانیوں کو دل میں ہی کہیں سینت کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ راحیلہ سے اسے ایسی ہی محبت تھی جیسے کسی بھی بڑی بہن کو اپنی چھوٹی بہن سے ہوا کرتی ہے۔

رشتہ طے ہونے کے بعد کریم کا آنا جانا ...... جو پہلے قدرے کم ہو گیا تھا بلکہ نہ آنے کے برابر رہ گیا تھا۔ وہ از خود بڑھ گیا...... آخر وہ اس گھر کا ہونے والا داماد تھا، بھانجا بھی تھا...... وہ جب دل چاہے آسکتا تھا اور وہ جب بھی آتا تو اس کی آؤ بھگت ایسے کی جاتی جیسے وہ کوئی خاص الخاص مہمان ہو جس کی آمد اُن کے لیے بھاگ لگانے کے مترادف تھی۔

کریم جب بھی آتا راحیلہ کے لیے گاہے بہ گاہے کوئی نہ کوئی گفٹ لے کر آتا۔

ایک دن شہلا کو اس نے ایک مشہور برانڈ کی لان کی تصاویر کا میگزین دلچسپی سے دیکھتے دیکھا تھا۔ اور اس کے اگلے دن ہی وہ اسی برانڈ کا پنک کلر کا ایمبرائڈڈ سوٹ راحیلہ کے لیے لے آیا تھا۔

”آپا کل آپ کو یہ سوٹ سب سے زیادہ پسند آیا تھا ناں......“ راحیلہ نے اپنا جوڑا دیکھ کر شہلا سے فوراً کہا۔

”مگر یہ جوڑا تمہارے نصیب کا ہے...... اسے میری راحیلہ پہنے گی تو اس جوڑے کی قسمت جاگ جائے

گی۔'' وہ یوں بول رہا تھا جیسے کہیں تقریر کر رہا ہو...... اور ذکیہ بیگم کو کبھی، کبھی یہ اچنبھا سا بھی ہوتا کہ کہیں وہ یہ سب شہلا جو جلانے کے لیے تو نہیں کر رہا...... ایک دن شہلا کہیں باہر سے آئی تو اس کی چپل ٹوٹ گئی تھی...... جسے اس نے موچی کو مرمت کے لیے فوراً بھیج دی۔ اتفاق سے کریم بھی آیا بیٹھا تھا۔ بس اس کے اگلے دن کریم چار خوب صورت چپلیں راحیلہ کے لیے، لیے چلا آیا تھا۔

''اتنی ساری چپلیں......؟'' راحیلہ نے حیرت سے پوچھا

''گرمیوں میں لان کے سوٹ کے ساتھ چپلیں بدل، بدل کر پہنا کرنا......''

''سنیے...... میں اس میں سے دو اپنے لیے رکھ لیتی ہوں اور دو......'' باقی جملہ ابھی راحیلہ کے منہ میں ہی تھا کہ وہ اس کا مدّعا سمجھ کر بھڑک کر بولا۔

''بقیہ دو بھی تمہارے لیے ہی ہیں...... میں نہیں چاہتا میری ہونے والی بیوی ٹوٹی پھوٹی پرانی چپلیں پہنے...... اور سنو تم کسی معمولی شخص کی بیوی نہیں بننے والی ہو...... تم کریم کی بیوی بنو گی......'' اس نے اپنی طرف خود اشارہ کیا۔'' جو تمہارے لیے آسمان سے تارے توڑ کر بھی لے آئے گا۔'' تب راحیلہ شرما کر ہنس دی تھی...... ایسا تو واقعی اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔

ایک شام شہلا خاموشی سے بیٹھی اپنی ڈائری پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی اور کریم حسبِ معمول بیٹھا چائے پینے میں مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک برانڈڈ شاپنگ بیگ سے ایک ریڈی میڈ سوٹ نکال کر راحیلہ کی طرف بڑھایا۔

''راحیلہ...... ذرا یہ سوٹ تو پہن کر دکھاؤ۔''

''ابھی پہن کر دکھاؤں؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ہاں ابھی......'' اور وہ کپڑے چینج کرنے چل دی...... اور کریم .... بیٹھا دھیمے سُروں میں گنگناتا رہا۔

اور جب راحیلہ وہ کپڑے پہن کر آئی تو شہلا نے دیکھا یہ وہی سوٹ تھا جو وہ راحیلہ کے ساتھ خریدنے گئی تھی مگر قیمت زیادہ ہونے کے سبب نہیں خریدا تھا اور راحیلہ نے مذاق میں اپنے موبائل سے اس کی تصویر کھینچ کر کہا تھا۔

''چلو تصویر دیکھ کر ہی خوش ہو لیا کریں گے۔''

اور اب وہی سوٹ راحیلہ پہنے کھڑی تھی۔

''واؤ...... بہت اچھی لگ رہی ہو...... بلکہ سب سے اچھی......'' کریم کہہ رہا تھا۔

''آپا دیکھیے ناں...... میں اچھی لگ رہی ہوں...... یہ رنگ مجھ پر سوٹ کر رہا ہے کیا؟'' اب راحیلہ اپنی بہن سے پوچھ رہی تھی۔

''میری بہن ہے ہی بہت پیاری...... اس پر ہر رنگ کھلتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی اور پھر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ کریم کے محبت بھرے جملے سن کر ان کے مابین بیٹھنا اسے کسی طرح بھی مناسب نہیں لگا تھا۔

''ارے کہاں چلی گئیں تمہاری آپا...... ان سے کہو ابھی ہمیں ان کے ہاتھ کی لسی پینی ہے...... اتنی گرمی میں چائے پلا دی ہے، کچھ تو کلیجا ٹھنڈا کرو......'' وہ اتنی زور سے بولا تھا کہ شہلا اپنے کمرے سے خود ہی کچن میں چلی گئی تھی۔

اور جب وہ ٹرے میں لسی کے گلاس رکھ کر لائی تو وہ بڑے مخمور بھرے لہجے میں راحیلہ سے گویا تھا۔

''سنو...... تم تو شاید مجھے کنجوس سمجھا کرتی تھیں ناں...... اور ایسا شخص جسے فیشن کا کچھ علم نہیں...... جسے برانڈ کا نہیں پتا...... کیا رنگ چل رہا ہے اور کس قسم کے کپڑے ان دنوں اِن ہیں ان سے میں بے بہرہ ہوں...... ہے ناں۔''

''ایسا تو میں نے کبھی نہیں کہا...... ہے ناں آپا......؟'' راحیلہ بولی۔

اب شہلا کیا کہتی...... یہ سب تو اس نے ہی کہا تھا۔

''اب دیکھو راحیلہ، میں اپنی امی کو بتائے بغیر تمہارے لیے روزانہ ہی کچھ نہ کچھ لے آتا ہوں کہ تمہیں دیکھے بغیر

مجھے چین جو نہیں پڑتا۔''

شہلا لسی کے گلاس ٹرے میں لیے کھڑی تھی...... اور وہ اس سے قدرے رخ موڑ کر راحیلہ سے ڈائیلاگز بول رہا تھا۔ اسے اسی سچویشن بے حد بری لگا کرتی...... تب وہ وہیں ٹیبل پر ٹرے پٹخ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''بتاؤ ناں...... راحیلہ میرے دیے گئے تحائف پا کر تمہیں کیسا لگتا ہے؟'' کریم ہنس کر قدرے بلند لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''یہی کہ آپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں...... جب ہی تو ہمہ وقت میرا اتنا خیال رکھتے ہیں.. کہ خالی ہاتھ کبھی نہیں آتے۔''

''ارے ہم سے جو نفرت کرے ہم تو اُن کا بھی خیال رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر کوئی ہماری جانب آنکھ اٹھا کر تو دیکھے......''

اور ذکیہ بیگم کو یہ سب سن کر ایسا لگا تھا جیسے وہ راحیلہ کا سہارا لے کر شہلا کو سنا رہا ہو۔ مگر ان کے تمام خدشات اس وقت ہوا ہو جاتے جب اگلے ہی لمحے وہ باہر جا کر کچھ کھانے کا پروگرام بنانے لگتا۔

''آپا جلدی سے تیار ہو جاؤ...... کسی اچھی جگہ جا کر ڈنر کریں گے۔'' تب راحیلہ معصومیت بھرے لہجے میں کہتی اور وہ پیار بھری سرگوشی میں کہتا۔

''پاگل ہوگئی ہو کیا...... اپنی آپا سے کیوں کہہ رہی ہو؟''

''تو نہیں کہنا چاہیے کیا......؟'' وہ کھسیا کر پوچھتی۔

''نہیں بھئی...... صرف ہم دونوں چلیں گے اور وہاں بیٹھ کر اپنے مستقبل کے پروگرامز کی پلاننگ کریں گے۔''

''مگر اس طرح تو برا لگے گا ناں......''

''لگنے دو...... جب ان کی انگیجمنٹ ہوگی تو تم بھی ان کے ساتھ مت جانا...... بلکہ میں تو تمہیں جانے ہی نہیں دوں گا۔''

اور ذکیہ بیگم...... یہ سب سن کر پھر خوشیوں کے جھولوں میں بیٹھ کر از خود پینگیں لینے لگتیں۔

☆☆☆

وہ ان دنوں یہی محسوس کر رہا تھا جیسے وہ ایک کسی گہری کھائی میں گر پڑا ہو...... یہ ایک ناگہانی پریشانی تھی...... جس میں حارث بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔

حارث اپنے کام سے کام رکھنے والا لڑکا تھا اس کی تو کسی کے ساتھ کوئی دشمنی تک نہیں تھی۔

اپنے کلائنٹس کا وہ بے حد خیال رکھنے والا منیجر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے بینک جوائن کرتے ہی سال بھر بعد فوری پروموشن تک ہوگئی۔ وہ خوش رہنے اور خوش رکھنے والا نوجوان تھا جس کی ذہانت اور خوش خلقی کے سب ہی مداح تھے۔

اور وہ ان دنوں...... جتنا بدمزاج ہو رہا تھا اس بارے میں شاید اس نے بھی کبھی سوچا نہیں ہوگا۔ چڑچڑاہٹ اس کے مزاج میں کیوں رچ گئی تھی اور اب کسی سے بھی اس کا بات کرنے کو دل کیوں نہیں چاہتا تھا۔ اس کی پریشانی کی خاص وجہ یہ بھی کہ اس کے ایک کلائنٹ ساجد نامی ایک شخص نے جعلسازی سے بینک سے پچیس لاکھ روپے نکال لیے تھے اور مذکورہ چیک کی روشنائی بارہ گھنٹے کے بعد بالکل صاف ہوگئی تھی...... یہ ان دنوں کی بات تھی جب اس کی برانچ کا کیشئر اپنی بیماری کی وجہ سے بینک سے جلدی جا رہا تھا...... اور حارث اس کی جگہ بیٹھ کر کیشئر کے فرائض بھی انجام دے لیا کرتا تھا...... جبکہ ہیڈ آفس سے اس بات کی اجازت نہیں ہوا کرتی کہ بینک منیجر نگرانی کے علاوہ کیشئر کے کام بھی انجام دے...... مگر کوئی ایسی بات ہوئی نہیں تھی اور لوگوں کو اچھی سروس دینے کے شوق نے اس بات کو اس کے لیے کوئی مسئلہ بھی نہیں بنایا تھا...... وہ تو اپنی برانچ کی ریپوٹیشن بڑھانے کے شوق میں ہر کام کرنے کو ہمہ

وقت تیار رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ساجد نے اس سے کہا کہ وہ اپنا چیک بھجوا رہا ہے اسے پچیس لاکھ کی فوری ضرورت ہے تو اس نے پہلے تو منع کر دیا کہ کیشئر جا چکا ہے اور وہ اسے اتنی بڑی رقم نہیں دے سکے گا...... تب ساجد نے کہا کہ صرف چوبیس گھنٹے بعد وہ اس کی برانچ میں ایک کروڑ کی رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروادے گا...... جیسے پچھلے ماہ بھی اس نے کروائی تھی...... ساجد اس برانچ کا پرانا کسٹمر تھا...... اس لیے اس نے اس کا وہ چیک کیش کر دیا جو کہ اس کے ساتھ اور بینک کے ساتھ فراڈ کے زمرے میں آتا تھا۔

بینک انتظامیہ نے یہ کیس کورٹ میں دائر کر دیا تھا...... اور ساجد صاف مکر گیا تھا کہ اس نے ایسا کوئی چیک جمع کروایا ہے۔

''سر آپ نے خود کہا تھا کہ آپ کو اپنے بزنس میں گھاٹا ہوا ہے، اس لیے آپ کو ان پیسوں کی فوری ضرورت ہے۔'' حارث کو اس کے جھوٹ پر حیرت تھی۔

''الحمدللہ میرے بوتیکز اور میرے پروڈکشن ہاؤس کے بنائے ہوئے کمرشلز بہت اچھے جا رہے ہیں...... میں تو اپنے کمرشلز میں کام کرنے والوں کو لاکھوں روپے دیا کرتا ہوں...... میرے لیے پچیس لاکھ کی کوئی ویلیو نہیں ہے۔'' اور کسی حد تک یہ بات صحیح بھی تھی۔

بہرحال مقدمہ...... چل رہا تھا مگر حارث کے وہ چونا لگا گیا تھا اور بظاہر وہ سچا بھی نظر آ رہا تھا۔

ایسے تمام معاملات کی ذمے داری چونکہ بینک منیجر کی زیادہ ہوا کرتی ہے تو حارث پریشان ہو کر رہ گیا تھا...... اور وہ شخص جو ساجد کا چیک لے کر آیا تھا اس کی شکل بھی اب کہیں نظر نہیں آ رہی تھی...... اور حد تو یہ تھی کہ جب وہ شخص بینک میں داخل ہوا اس کی مووی بھی بینک کے کیمرے میں موجود نہیں تھی کہ بینک میں داخل ہوتے وقت وہ کسی خاتون کلائنٹ کے ساتھ لگ کر شاید داخل ہوا ہوگا...... اور مفلر میں منہ لپیٹ کر کس طرح نکل گیا ہوگا مگر اس غیر ذمے داری کے سبب حارث کا فوری ٹرانسفر کسی دوسری برانچ میں کر دیا گیا تھا۔

مذکورہ مقدمہ کب تک چلنا تھا یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ مقدمے کا کیا فیصلہ ہوگا؟ اس سے بھی سب لاعلم تھے۔ مگر بیکار کی پریشانی جس میں اس کی عزت بھی داؤ پر لگ گئی تھی۔ اس نے...... نہ صرف حارث کو پریشان بلکہ بے حد... چڑچڑا سا بھی کر دیا تھا۔

☆☆☆

دکھ جب بے عزتی کا چولا بھی پہن لیں اور اذیت دینے آ جائیں تو کیسی حالت ہوا کرتی ہے۔ ندیم سر کے آفس سے اپنے کیبن تک کا سفر مجھے ایسا ہی لگا تھا۔ جیسے میں کوئی صحرا عبور کر کے آئی ہوں، پل میں تولہ پل میں ماشہ جیسا رویہ میں پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے...... ؟ اور کس وجہ سے ہو رہا ہے؟'' کتنی ہی دیر میں اپنا سر تھامے بیٹھی رہی تھی اور آنسو از خود گر رہے تھے۔ اور جب فرزانہ کی اپنے کیبن میں بیٹھے کسی سے فون پر لڑنے کی آوازیں باہر تک آئیں اور پھر سینہ بہ سینہ میرے پاس تک پہنچیں تو میں مزید الجھ سی گئی کہ فرزانہ جرنلسٹ کے بجائے سراغ رساں کیوں بنی بیٹھی تھی، میں سوچنے لگی کیا ٹی وی پر اپنی شکل دکھانے کے لیے...... لوگ اس حد تک بھی جا سکتے ہیں یا کسی کی مقبولیت دیکھ کر اس کو گرائے بغیر کسی کو چین نہیں ملتا۔

''ندیم خان کچھ ہی کہیں...... بے شک ناراض ہو جائیں مگر اب میں ہرگز نہیں جاؤں گی کہ جانے سے پہلے ہی فسانے بنائے جا رہے تھے۔'' اب غصہ فرزانہ پر تھا۔ ابھی میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ ان کا فون آ گیا۔

''جی فرمائیں......'' میرا لہجہ بھی نخوت بھرا تھا۔

''کول ڈاؤن...... صبا رحیم...... کول ڈاؤن...... اب تک ساری سچویشن آپ سمجھ چکی ہوں گی۔''

''یہ بات آپ اپنے آپ کو سمجھائیں...... میں کچھ سمجھنا چاہتی ہی نہیں ہوں۔'' میرا غصہ اترا نہیں تھا۔

''پلیز مس صبا...... بات کی نزاکت کو سمجھا کریں...... اس وقت فرزانہ کہیں غلط رپورٹنگ کر رہی تھی، میں سیدھے سادے انداز میں سوچنے کا عادی ہوں...... یہ گھومتے ہوئے زینوں پر چڑھنا مجھے کبھی پسند نہیں رہا ہے اور سیاست سے مجھے نفرت ہے آپ سے صرف یہی کہنا چاہتا ہوں کہ پلیز آپ کل ٹاک شو میں چلی جایئے گا۔'' ان کا لہجہ ویسا ہی ٹھنڈا اور میٹھا تھا...... جو اُن کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

''اوکے سر......!'' اس وقت میرا ان سے مزید کوئی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا...... لڑکیوں کو جاب کرتے ہوئے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر میں ٹاک شو میں شرکت کے لیے چلی گئی۔ لائیو پروگرام تھا...... اور ندیم خان اپنے آفس میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ پروگرام میں شریک دیگر خواتین بھی خوب بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں۔ فیشن کی باتیں، رنگوں کی باتیں بڑی شد و مد کے ساتھ جاری تھیں اور وہ خاموش بیٹھی...... سب کی باتیں انتہائی توجہ سے سن رہی تھی۔

یہ سب دیکھ کر ہال میں بیٹھے ہوئے آفس ورکر تبصرہ کر رہے تھے۔

''ارے بی بی، کچھ تو بولو...... کیا گونگے کا گڑ کھا کے بیٹھی ہو وہاں...... ہر شخص ہر جگہ نہیں بول سکتا...... میں نے تو پہلے ہی کہا تھا صبا کو نہیں بھیجنا چاہیے۔'' فرزانہ بہ آواز بلند بول رہی تھی...... جس کی آواز ندیم خان کے روم تک بھی پہنچ رہی تھی...... کہ وہ مانٹرینگ کیمرے میں ان سب سے بھی باخبر تھا۔

اور جب اینکر نے اس سے سوال کیا کہ ''آپ کے لیے بہار کیا معنی رکھتی ہے۔'' تو وہ بڑے وثوق بھرے لہجے میں بولی۔

''محبت کا نام ہی بہار ہے...... خوشی کے معنی ہی بہار کے ہیں...... ماں کے گلے سے لگ جانا ہی بہار کو گلے لگانا ہے...... خوشبوؤں میں مدغم ہو جانا بہار ہے...... اور جب محبت کے رنگ ہر سو نظر آئیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ بہار آ گئی ہے۔ اور یہ کسی موسم میں بھی آسکتی ہے۔''

''مگر محبت تو ناکام بھی ہو جاتی ہے۔'' اینکر کا سوال قدرے تیکھا تھا۔

''جی ہاں ہو جاتی ہے۔''

''اور محبت میں کمی بھی واقع ہو جاتی ہے؟''

''ہاں ایسا بھی ہو جاتا ہے۔''

''تو پھر آپ اسے کیا نام دیں گی......؟'' اینکر کا سوال خاصا اہم تھا...... کہ اس کی محبت کی گردان ہی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''تب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بہار روٹھ گئی ہے اور خزاں آ گئی ہے۔ محبت کے ساتھ جس طرح نفرت ساتھ چلتی ہے اسی طرح بہار کے ساتھ خزاں بھی ہوا کرتی ہے اور یہ خزاں اور نفرت ایک ہی جذبے کے دو نام ہیں اور جب انسان تہی دام ہو جاتا ہے تب وہ اس کی محبت کی طاقت ہی ہوتی ہے جو پژمردگی کو بھی شادابی میں تبدیل کر دیتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہوا کہ آپ محبت کرنے کے حق میں ہیں؟'' اینکر نے بات کو گھما کر قدرے شوخی سے پوچھا۔

''ہاں......'' وہ برملا بولی۔

''اور آپ جس سے محبت کرتی ہیں ان کا نام تو ہمیں نہیں بتائیں گی؟''

''میں جس سے ملتی ہوں...... محبت سے ہی ملتی ہوں...... میرے نزدیک مثبت اندازِ فکر بھی محبت کے معنوں

میں آتا ہے۔''

''بہت خوب۔ پھر تو آپ کسی سے بھی نفرت نہیں کرتی ہوں گی۔''

''نفرت تو نہیں...... ہاں دکھ دینے والوں سے محبت کی کمی واقع ہو جاتی ہے...... مگر میں حتی الامکان مروت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا کرتی۔''

''مگر یہ تو مشکل کام ہے کہ جو لوگ ہمارے خیر خواہ نہ ہوں اور ہم ان سے بھی مروت سے پیش آئیں؟''

''مگر مجھے مشکل کام پسند ہیں۔''

ندیم خان دیکھ رہا تھا کہ اس کے بولنے کا انداز بے حد دلنشین تھا اور بولتے ہوئے اس کے سر کا دوپٹا کھسک کر شانوں پر آ گیا تھا بالوں کی لٹیں کشادہ پیشانی پر دمک رہی تھیں اور بولتے ہوئے وہ کھوئی، کھوئی سی لگ رہی تھی...... اور ندیم خان بغور اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''ادائیں تو دیکھو ذرا...... لگتا ہے اب یہ ٹی وی کے کسی سوپ کی ہیروئن کا کردار ادا کریں گی......'' آفس کے لاؤنج میں آفس ورکرز ٹی وی دیکھ رہے تھے...... اور اس میں فرزانہ کا تبصرہ بڑا واضح تھا۔

''دیکھو...... اس نے اپنے سر سے دوپٹا جان کر اتارا ہے تاکہ بال نظر آئیں۔'' یہ ماہ رخ تھی۔

''اور اگر کسی کی محبت کھو جائے...... تو پھر بھری بہار اس کو کیسی لگے گی؟''

''خزاں کے رنگ بہار میں بھی نظر آتے ہیں...... اور جب کوئی دکھی ہو تو اس کے لیے تو بہار کیا ہر خوشی بے معنی ہو جاتی ہے......'' وہ انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''یہ بات آپ کیا کسی تجربے کے تحت کہہ رہی ہیں؟'' اینکر اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھ رہی تھی اور ندیم خان کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

''میں ایک جرنلسٹ ہوں اور میرے مشاہدے کو آپ میرا تجربہ بھی کہہ سکتی ہیں۔'' اس کے بعد کس نے کیا کہا ندیم خان کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی...... وہ بس صبا رحیم کو دیکھے جا رہا تھا۔ جو آسمان کی وسعتوں میں لہراتی، بل کھاتی پتنگ کو بھی خوشی کا نام دے رہی تھی...... اور ہنستے مسکراتے ہوئے بچوں کو بھی بہار کا عنوان دے رہی تھی، اس کے نزدیک انسان کے مثبت رویے بھی پُربہار تھے۔

''یہ لاابالی سی لڑکی اتنی سنجیدہ بھی ہو سکتی ہے۔'' اس کا احساس ندیم خان کو پہلی بار ہو رہا تھا...... جو کسی مدقوق چہرے کی مسکراہٹ کو بھی بہار سے موسوم کر رہی تھی۔

اب اینکر اپنے مہمانوں کا جہاں شکریہ ادا کر رہی تھی...... وہاں صبا رحیم سے بطورِ خاص استدعا کر رہی تھی۔

''ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ہمارے ٹاک شوز میں شرکت کر کے اپنی خوب صورت گفتگو سے ہمارے ناظرین کو مستفید ضرور کریں گی...... واقعی مس صبا کی شرکت سے ہمیں بھی یہ احساس ہوا کہ آج بہار ہمارے بھی ساتھ تھی۔'' اور آفس کے کولیگز یہ سب دیکھ کر تالیاں بجا رہے تھے۔

''ارے بھئی یہ صبا بڑی اداکارہ ہے...... دیکھو تو سہی وہاں جا کر کیسے ڈائیلاگز بولے ہیں اس نے کہ مذاکرات میں حصہ لینے والیاں تک خاموش ہو گئیں...... واقعی سب سے بڑی طاقت حسن کی ہوتی ہے، اس کے آگے سب کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔'' فرزانہ کھسیا کر تبصرہ کر رہی تھی۔ ایک وقت میں بار بار کلوز اپ دکھائے جا رہے تھے...... اور صبا رحیم کا دوپٹا اس کی گود میں گر پڑا تھا اور اس کی گردن کا تل تک اس نے دیکھ لیا تھا۔

اگلا دن سنڈے کا تھا۔ اس کی چھٹی تھی۔ صبا کا وہ ٹاک شو جتنی مرتبہ بھی ریپیٹ ہوا اس نے اسے بڑی رغبت سے دیکھا...... اور ہر مرتبہ وہ اسے نئی سی نظر آئی...... اور کچھ نئی باتیں بھی دل کو سرشار کر گئیں۔ وہ کیسے وثوق بھرے

لہجے میں کہہ رہی تھی۔
''محبت اور نیکی ایسا سلسلہ ہے جو انسان کو اپنی پہچان کراتا ہے اور جب ذات کو سکون حاصل ہو تو اطمینان کی روشنی ہر طرف پھیل جاتی ہے اور یہ روشنی بھی بہار ہے۔''
ندیم خان نے اتنے شوق سے شاید کبھی ٹی وی نہیں دیکھا ہوگا اور نہ ہی اتنی توجہ اور اتنی گہری نظروں سے اس نے کبھی صبا کو دیکھا تھا۔
''صبا کے بال کتنے خوب صورت ہیں...... اس کی پیشانی کیسی روشن سی ہے...... اس کی پلکیں کتنی دراز ہیں...... اس کے ہونٹوں کی محراب کتنی پیاری سی ہے...... وہ ہنستی ہے تو اس کے گالوں پر ڈمپل کتنا نمایاں ہو جاتا ہے اور پھر اس کی انگلیاں کتنی مخروطی سی ہیں...... اتنے خوب صورت ہاتھ تو شاید میں نے کبھی دیکھے ہی نہیں...... اتنی خوب صورت انگلیوں میں یاقوت اور فیروزے کی انگوٹھیاں بھی مزید بیش قیمت ہو جائیں...... اس کے چہرے پر سونے کے بڑے، بڑے جھمکے خوب صورت لگیں گے......'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے الل ٹپ سوچے جا رہا تھا......
''اور ایسی ہی شخصیات کے لیے کہا گیا ہے کہ اگر وہ جھمکے اتار دیں تو سونے کے دام گر جاتے ہیں......'' اپنی سوچوں پر اسے خود ہی ہنسی آئی وہ کمرے سے باہر آنے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ سبین آپا آئی ہوئی تھیں اور وہ بھی شاید اماں کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی یہ ٹاک شو دیکھ رہی تھیں۔
''دیکھا اماں آپ نے اس لڑکی کی بے غیرتی...... اس کا دوپٹا سر سے گر کر اس کی گود میں آ گرا اور اسے پتا تک نہیں چلا...... دراصل ایسی لڑکیاں مجبوری کے طور پر دوپٹا تو لے لیا کرتی ہیں مگر وہ اس کی عادی نہیں ہوتی ہیں...... مردوں کی طرح پھرا کرتی ہیں۔''
''ہاں مجھے تو لگتا ہے کچھ دنوں بعد اب دوپٹا مرد لینا شروع کر دیں گے...... کان میں ٹاپس تو پہننے ہی لگے ہیں۔'' اماں بھی مذاق کے موڈ میں تھیں...... وہ بھی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
''اس ٹاک شو میں دوسری خواتین بھی بات کر رہی ہیں...... مگر یہ صبا رحیم کی باتیں تو مجھے کچھ زیادہ ہی افلاطونی لگ رہی ہیں...... جیسے انہیں ساری دنیا کی خبر ہے...... مگر افسوس کہ انہیں اپنی خبر نہیں کہ بے غیرتوں کی طرح بغیر دوپٹے کے سڑک پر بیٹھی ہیں۔'' سبین کا لہجہ تحقیر آمیز تھا...... ندیم خان کے دل پر چوٹ سی لگی۔
''مگر بیٹا...... وہ تو ٹی وی پروگرام میں شریک ہے...... سڑک پر تو نہیں بیٹھی......'' اسے اماں کی بھی آواز سنائی دی۔
''اماں یہ ٹی وی پروگرامز...... ہر گھر میں دیکھے جا رہے ہیں...... ہر سڑک پر بنے ہوٹل میں، ڈھابے میں، پان سگریٹ کے کھوکے میں...... چارپائی ہوٹلز میں...... تو وہ سب لوگ اسے اس حلیے میں دیکھ کر محظوظ بھی تو ہو رہے ہوں گے ناں...... اب لوگ باتوں سے زیادہ تو چہرہ دیکھا کرتے ہیں۔''
''ہاں بیٹا...... کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو......'' اماں بھی سبین آپا کی رائے سے اتفاق کر رہی تھیں۔
اور سبین آپا کا تبصرہ کسی صورت ختم ہی نہیں ہو رہا تھا اور پتا نہیں ان کا لہجہ بھی اتنا تلخ کیوں تھا۔
''اُفوہ...... یہ محترمہ باتوں میں تو کیسے زمین، آسمان کے قلابے ملا رہی ہیں اور اپنی چوٹی کھل کر منہ پر آ رہی ہے...... اس کا انہیں پتا تک نہیں ہے......'' اور بھی وہ پتا نہیں کیا کچھ کہہ رہی تھیں۔ کچھ راز داری میں اور کچھ دھیمے لہجے میں...... مگر ان کی کوئی بھی بات سننے کا اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اپنے کمرے سے لاؤنج میں آنے کے بجائے اپنے کمرے سے ملحق دروازے سے باہر نکل گیا...... اور اب اس کی گاڑی کسی مال کی جانب رواں دواں تھی۔ جہاں سے اس نے ڈھیر سارے اسکارف لینے تھے۔
مگر کیوں لینے تھے، کس کے لیے لینے تھے اور اس کی وجہ کیا تھی؟ یہ سب جانے بغیر...... وہ دھیمے لہجے

میں گنگناتے ہوئے گاڑی چلاتا ہوا جا رہا تھا...... اور بے حد خوش تھا۔
''ہمارے ایک کلائنٹ نے اسکارف کا بزنس اسٹارٹ کیا ہے...... انہوں نے آفس کی خواتین کے لیے بھی اسکارف بھجوائے ہیں......'' ندیم خان نے آفس میں موجود لڑکیوں کو اپنے کمرے میں بلا کر اسکارف دیتے ہوئے کہا۔
''سر یہ تو بہت اچھے اسکارف ہیں...... اگر ہمیں اور چاہیے تو ہمیں کہاں سے دستیاب ہوں گے......'' ماہ رخ نے پوچھا۔
''یہ تو بطور گفٹ آئے ہیں اس لیے یہ مجھے نہیں معلوم......'' ندیم خان اپنی بات کو سنبھالتے ہوئے بولا۔
دفتر میں کام کرنے والی لڑکیوں کی تعداد گیارہ تھی اور وہ سب ہی ندیم خان کے روم میں جا کر اسکارف کا پیکٹ لے آئی تھیں مجھ سے بھی کہا تھا مگر میں اسکارف لینے کے لیے ان کے کمرے میں نہیں گئی تھی۔
''صبا تم نے نہیں لیا اسکارف......؟'' ناعمہ نے مجھ سے پوچھا۔
''میں تو سر پر دوپٹا لے لیتی ہوں...... اسکارف لیتی ہی نہیں ہوں...... تو کیا فائدہ لینے کا......''
''وہ تو میں بھی نہیں لیتی مگر مفت میں مل رہا ہے تو کیا برا ہے۔'' ناعمہ نے ہنس کر کہا۔
''مگر مجھے ایسی چیزیں جمع کرنے کا شوق نہیں ہے۔ جنہیں میں استعمال ہی نہیں کرتی......''
دو دن بعد میں جب کسی کام سے ندیم خان کے کمرے میں گئی تو بات کرتے ہوئے میرا جارجٹ کا دوپٹا پھسل کر کاندھوں پر آ گیا۔
''ایک بات کہوں مس صبا آپ سے......؟''
''جی......'' میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
''اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں ویسے تو یہ آپ کا پرسنل میٹر ہے...... اور مجھے اس بارے میں کچھ کہنا بھی نہیں چاہیے......'' وہ جملہ کہنے کے بعد رکا۔
''جی کہیے آپ......'' مجھے اس کی ادھوری بات سے الجھن سی ہو رہی تھی۔
''اگر آپ باقاعدگی سے اسکارف لیا کریں تو اس کے اثرات ہمارے آفس پر بھی آئیں گے۔''
''آپ کا مطلب ہے کہ دیگر لڑکیاں میری نقالی کریں گی......'' میں نے قدرے الجھ کر کہا۔
''میری امی کہتی ہیں کہ اگر لڑکیاں اپنے بال ڈھانپ کر رکھیں تو ان کے بالوں کو نظر نہیں لگا کرتی......''
''مگر میں تو آتے جاتے اپنے دوپٹے سے اپنے سر کو ڈھک کر رکھی ہوں۔''
''مگر ریشمی دوپٹے سر سے پھسل جایا کرتے ہیں......'' اس نے میرے ہاتھوں پر آئے ہوئے دوپٹے کو دیکھ کر کہا۔
''او کے'' میں نے کچھ سوچ کر کہا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ہاں گھر جاتے وقت ہمارے کلائنٹ کی جانب سے آنے والے اسکارف آپ بھی لے جایئے گا۔''
''اوہ تو یہ بات ہے...... دوست کے بزنس میں کہیں آپ کا شیئر تو نہیں ہے...... جو آج آپ پرسنل میٹر پر بھی بات کرنے لگے۔'' میں جاتے ہوئے پلٹ کر بولی۔
تو ندیم خان نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا...... حالانکہ اس وقت اس کا دل کھلکھلا کر ہنسنے کو چاہ رہا تھا۔
گھر آ کر، جب میں نے وہ بیگ اپنے بیڈ پر الٹا تو ڈھیر سارے رنگ برنگے اسکارف بیڈ پر پھیل گئے تھے۔
''اتنے سارے اسکارفس...... کہیں وہ غلطی سے اپنے گھر لے جانے والا بیگ مجھے تو نہیں دے بیٹھے؟''
مجھے یاد آیا...... آفس کی کولیگز کو تو ایک، ایک اسکارف دیا گیا تھا...... اور میں نے غلطی سے وہ بیگ اٹھا لیا...... جو شاید میرا تھا ہی نہیں اسی لمحے میں نے انہیں فون ملایا۔
''سر...... پلیز مجھ سے ایک غلطی ہوگئی۔'' میں بغیر تمہید کے بولی۔

''کیسی غلطی؟'' لہجہ بے تکلف سا تھا۔

''میں چھٹی کے وقت آپ کے روم میں آئی تھی...... آپ کسی گیسٹ سے بات کر رہے تھے اور مجھے دیکھ کر جس بیگ کی طرف اشارہ کیا تھا میں شاید غلطی سے کوئی دوسرا بیگ اٹھا لائی ہوں...... اس میں تو پورے درجن بھر اسکارف ہوں گے۔''

''اچھا مجھے معلوم نہیں......'' وہ ہنسا۔

''میں اس میں سے ایک رکھ لیتی ہوں...... اور باقی کل آپ کو لا دوں گی۔''

''مگر میں تو اسکارف استعمال نہیں کرتا، میرے لیے تو وہ بیکار ہیں......''

''میرا مطلب ہے گھر میں اپنی کسی بہن، بھانجی کو دے دیجیے گا۔''

''بہن عبایا لیتی ہیں اور بھانجی کوئی ہے ہی نہیں......''

''تو پھر اتنے سارے اسکارف کا میں کیا کروں؟''

''میں نے تو سنا تھا جو لوگ اسکارف لیتے ہیں ان کے پاس بہت سارے اسکارف ہوتے ہیں صرف ایک تو نہیں ہوتا......''

''مگر آپ نے آفس میں میری کولیگز کو ایک، ایک اسکارف دیا ہے ناں!''

''میں نے بتایا تھا کہ یہ اسکارف ہمارے ایک کلائنٹ نے بھیجے تھے اور ظاہر ہے کہ نہ میں نے بغور دیکھا اور نہ انہیں گنا...... سب کو ایک، ایک دیتا گیا...... آخر میں رہ جانے والے کو یا تو ملتا ہی نہیں ہے اور یا پھر فائدہ ہو جاتا ہے۔''

''اوہ...... تو یہ بات ہے...... مگر فرزانہ کو پتا چلے گا تو وہ تو باتیں بنا ڈالے گی......'' دل کی بات فوراً ہی لبوں پر آ گئی۔

''مس صبا رحیم...... اپنی ہر بات اپنے کولیگز سے تو نہیں کی جاتی ناں......''

''تو پھر یہ سارے اسکارفس میری خالہ نے دیے ہیں۔'' کچھ سوچ کر میں بے اختیار بولی۔

''خالہ نے دیے ہیں یا کسی خالہ زاد نے...... آپ جو دل چاہے کہیں......''

''میری خالہ کی تو شادی ہی نہیں ہوئی ہے تو کوئی خالہ زاد کہاں سے آ سکتی ہے......'' میں روانی میں بولتی چلی گئی...... اور وہ من ہی من میں خوش ہوتا رہا۔ امی کہتی تھیں کہ میں زیادہ بولتی ہوں...... جبکہ میرا خیال تھا کہ میں زیادہ نہیں بلکہ اپنی بات مکمل کیا کرتی ہوں...... مگر امی مجھے باتونی کہتیں۔

اور پھر ایک دن وہ آئندہ منگل ہونے والی میٹنگ میں رکھنے والے نکات نوٹ کرتے ہوئے کسی بات پر اپنی رائے دیتے ہوئے بولتی چلی گئی تھی کہ بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔

صبا رحیم کو تو شاید پتا بھی نہیں چلا تھا...... کہ وہ کیا کچھ بتا گئی ہے...... مگر...... اس کی باتوں کی ریل پیل میں ایک کام کا نکتہ ندیم خان کے ہاتھ میں آ گیا تھا کہ پچیس اپریل کو اس کی سالگرہ ہوتی ہے...... اور اپنی سالگرہ اس نے اپنے والد کے انتقال کے بعد سے منائی ہی نہیں تھی۔ کم و بیش دس سال ہو گئے تھے اور نہ ہی کبھی اس کا دل چاہا تھا اور نہ ہی وہ آئندہ کبھی منائے گی...... اور پھر اگلے دن آفس میں ندیم خان نے اس کی اس بات کو اسی طرح بے پروائی سے سنا تھا جس طرح کہ وہ اسے سنا رہی تھی...... بلکہ وہ اپنے پرس میں رکھا کوئی گفٹ پیون کو دے کر اچھا سا پیک کروانے کو بھی کہہ رہی تھی...... کہ اس کی یونیورسٹی کی ایک دوست کی سالگرہ تھی...... اور وہ اسے اس کی پسند کی امیٹیشن بالیاں دے رہی تھی۔

''کیا لڑکیاں اپنی سالگرہ کے گفٹ کے بارے میں پہلے سے بتا دیا کرتی ہیں......'' اس نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا...... اور اپنا کام بھی جاری رکھا...... کہ اس وقت وہ ایک مصروف سیاست دان کی پریس کانفرنس کی تصاویر لگانے کے لیے سلیکٹ کر رہا تھا۔

''ہاں چھچھوری قسم کی لڑکیاں بتا دیا کرتی ہیں...... تاکہ ان کے پاس من پسند گفٹ جمع ہو جائیں یا پھر کلوز فرینڈ

بتا دیا کرتی ہیں۔''

''اور آپ......؟'' جملہ ادا کر کے وہ مزید بے پروائی پوز کرتے ہوئے اپنا رخ بھی مزید ترچھا کر بیٹھا تھا۔

''میری کیا بات کر رہے ہیں آپ...... میں تو سالگرہ ہی نہیں مناتی...... لہجہ اس کا تمسخر ابھرا تھا کہ اس کا ذکر کہاں سے آ گیا۔

''ہاں آپ تو خیر مناتی ہی نہیں ہیں...... مگر زیادہ تر لڑکیاں اپنی سالگرہ میں کس قسم کے گفٹس لینا پسند کرتی ہیں......'' آخر پوچھنا بھی تو تھا۔

''کسی کو دینا ہے کیا......؟'' وہ ذرا سا رک کر ہنسی...... یوں جیسے جلترنگ سے بج گئے ہوں۔

وہ ہنس دیا...... مگر کچھ بولا نہیں......

''زیادہ تر لڑکیاں میک اپ کا سامان جیولری اور بیگز وغیرہ استعمال کرتی ہیں اور وہ چاہتی ہیں یہی چیزیں انہیں سالگرہ میں بھی ملیں...... اور بعض لڑکیاں تو اپنی سالگرہ ایک سال میں دو مرتبہ بھی منا لیتی ہیں......'' اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''اُف اتنی لالچی ہوتی ہیں یہ لڑکیاں...... توبہ، توبہ۔'' وہ بھی تمسخرانہ انداز اپنائے ہوئے تھا...... اس کی باتوں میں اسے واقعی مزہ آ رہا تھا۔

''ان کا یہ موقف ہوتا ہے کہ وہ اپنی سالگرہ اسلامی تاریخ کے حساب سے مناتی ہیں اور عیسوی تاریخ کے حساب سے بھی اور میری ایک سہیلی تو اپنی منگنی کی سالگرہ بھی مناتی ہے۔ خیر اس میں تو وہ اپنے فیانسی کو ہی بلاتی ہے۔''

''اچھا...... وہ لڑکیاں جو اپنی پسند کے بارے میں کسی کو بتاتی نہیں ہیں...... وہ اپنی سالگرہ میں کس قسم کے گفٹس لینا پسند کرتی ہیں......؟'' اس نے ہنوز اپنی نظریں نیچی رکھتے ہوئے پوچھا...... لہجہ ایسا عام سا تھا جیسے کہہ رہا ہو...... ''کہ آج گرمی، کل کے مقابلے میں زیادہ ہو رہی ہے ناں......''

''سر خیریت تو ہے ناں...... کسی کو کوئی گفٹ دینا چاہتے ہیں...... پتا نہیں کیوں مجھے آج ایسا لگ رہا ہے۔'' بے خبر ہو کر بھی وہ باخبر تھی۔

''نہیں بھئی، نہ مجھے کسی سے گفٹ لینے میں دلچسپی ہے اور نہ دینے میں...... میں تو ایک عام سی بات پوچھ رہا ہوں۔''

''مجھے تو خوب صورت سی بندیا بہت اچھی لگتی ہے۔'' اس نے کہا۔

''بندیا کس کو کہتے ہیں......'' اب وہ تصویر ہاتھ میں لیے اسے حق دق سا دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات سمجھنے کے باوجود...... وہ حیران تھا۔

''چھوٹا سا ٹیکا ہوتا ہے مگر مجھے دل کی شکل کی جڑاؤ بندیا پسند ہے...... اس کو پہن کر ہر لڑکی بے حد خوب صورت لگتی ہے......''

''تو پھر آفس پہن کر کیوں نہیں آئیں......'' اب وہ اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ تو بندیا پہنے بغیر ہی بندے کا دل ہاتھ میں لینے کا ہنر جانتی تھی...... اور اگر بندیا پہنے ہوتی تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔

''نہیں سر...... یہ تو خاص مواقع پر لینے والی چیزیں ہیں...... جیسے عید جیسے کسی دوست کی شادی...... جیسے کسی دوست کی انگیجمنٹ جیسے کسی......''

''تو کیا لڑکیاں یہ بناؤ سنگار دوسروں کی تقریبات میں کیا کرتی ہیں......'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''پتا نہیں...... میں تو ایک عام سی بات بتا رہی تھی...... بہت سی چیزیں اچھی ہوتی ہیں، اچھی لگتی ہیں مگر پھر بھی ان کو استعمال کرنے کو دل نہیں چاہتا......'' کچھ سوچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اس وقت آپ کو اپنے مرحوم والد یاد آ گئے ہیں ناں......؟''

''ہاں......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ٹشو سے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔
اگلے دن اس کے آنے سے پہلے وہ آفس میں ایک میٹنگ کے دوران بتا رہا تھا......'' سر فرید یہ چاہتے ہیں کہ ان کا ادارہ آپ سب کی خوشیوں میں اس طرح شریک ہو جیسے... آپ کے اپنے گھر والے شریک ہوا کرتے ہیں۔''
''جب ہی کل وہ مجھے میرے والد سے زیادہ ڈانٹ رہے تھے۔'' صفدر بولا۔
''سر فرید کا یہ کہنا ہے اب ہمارا یہ اخبار آپ سب کی سالگراہیں یہاں آفس میں ہی منایا کرے گا۔''
''صرف سالگرہ ہی منایا کرے گا...... یا گفٹ بھی دے گا۔''
''ہاں چھوٹا موٹا گفٹ بھی دیا جائے گا مگر ہر سالگرہ...... اپنے حساب سے منفرد ہوا کرے گی۔''
''اب میری سالگرہ گزر گئی تو سر فرید کو یہ خیال آیا ہے، کیا دو ماہ پہلے ان کو خیال نہیں آسکتا تھا......'' فرزانہ برا سا منہ بنا کر بولی۔
''میرے خیال میں اپریل میں تو شاید ہمارے کسی ورکر کی سالگرہ نہیں ہے' ہاں مئی میں ہمارے ساتھی ورکر نور کی سالگرہ ہے...... بیس مئی کو اس کو ہم خوب دھوم دھام سے منائیں گے...... بلکہ اس کی پلاننگ مئی کے فرسٹ ویک سے شروع کر دیں گے...... تاکہ سب یہاں دل لگا کر خوشی، خوشی کام کریں۔''
''سر اپریل میں تو مس صبا رحیم کی سالگرہ ہوتی ہے...... پچیس اپریل کو۔'' صفدر نے بتایا۔
''مگر وہ صاحبہ تو سالگرہ کے خلاف ہیں...... اور نہ ہی وہ مناتی ہیں......'' فرزانہ نے اطلاع دی۔
''یس سر...... ایک مرتبہ صبا نے مجھے بھی بتایا تھا کہ اس نے دس سال سے اپنی سالگرہ منائی ہی نہیں ہے......'' ناعمہ نے بتایا۔
''اب سالگرہ کوئی تہوار تھوڑی ناں ہے کہ اگر نہ منایا جائے تو اس پر تاسف کا اظہار بھی کیا جائے......'' فرزانہ کو صبا کی سالگرہ سے متعلقہ کوئی بھی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی۔
''ٹھیک ہے...... جیسا کہ صفدر نے بتایا کہ پچیس اپریل کو مس صبا کی سالگرہ ہے تو اب آپ سب مس صبا کی سالگرہ منائیں گے...... مگر اس انداز میں کہ انہیں پتا نہیں چلے اور اس سالگرہ کی انچارج مس ناعمہ ہوں گی...... وہی آپ کو اس دن کا ڈریس کوڈ بتائیں گی...... اور ساری تیاری کریں گی...... خیال رہے کہ یہ اس ادارے کے کسی ورکر کی پہلی سالگرہ ہے...... اچھی طرح سے منائی جائے تاکہ دیگر لوگوں کو بھی اس قسم کی خوشیاں مہیا کی جائیں......'' ناعمہ یہ سب سن کر بہت پُرجوش تھی...... جون میں اس کی اپنی سالگرہ تھی...... اور اگر پہلی سالگرہ اس ادارے میں شاندار ہو جائے تو لامحالہ دوسروں کی بھی ہوں گی...... تو کیا مضائقہ تھا صبا کی سالگرہ کو وہ خوب شاندار بنا دے۔
''اوہ...... کیا اب سارے ورکرز کی اسی طرح کی سالگراہیں ہوا کریں گی......'' ساجد نے بے تابانہ لہجے میں پوچھا...... ''یا صرف یہی۔''
''جی ہاں، سب کی......'' ندیم خان کا لہجہ بھی مسکرا رہا تھا۔
''سر میرے پاس بہت سی سجیشنز بھی ہیں...... اس سلسلے میں......'' ناعمہ نے بے حد سرشار انداز میں کہا۔
''اب آپ انچارج ہیں تو یہ اب آپ کی ہی ذمے داری ہے......'' ندیم خان نے اسے چڑھایا۔
''اگر یہ انچارج بنیں تو پھر تو بہت اچھی ہوگی......'' فرزانہ نے نخوت سے کندھے اچکائے۔
''تو کیا آپ انچارج بننا چاہتی ہیں؟'' صفدر نے اپنی ہنسی داب کر فرزانہ سے پوچھا۔
''یہ میں کب کہہ رہی ہوں......'' لہجہ اترایا ہوا سا تھا۔
''تو بھئی جو کام کرنا چاہتا ہے...... اور دل کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے تو اسے کرنے دو......'' صفدر کی حمایت

جاری تھی۔

''میرا انتظام دیکھ کر..... تم بھی نہ حیران ہوئیں تو کہنا۔'' اب ناعمہ کو بولنا ہی پڑ گیا تھا۔

''ڈیئر گائز..... میں اور فرید تو صرف تالی بجانے والے افراد کی طرح شرکت کریں گے..... اب آپ اپنے اس ایونٹ کو کتنا کامیاب بناتے ہیں اور کیسے اور کس طرح یہ آپ ہی لوگ جانیں کہ سالگرہ تو اب سب کی ہوا کرے گی......''

''اور سب نے ہی اس میں حصہ لینا ہے، اور بتا دینا ہے کہ انشاء اللہ ہر سالگرہ ایسی ہی ہوا کرے گی کہ سب کو دلی خوشی محسوس ہوگی......'' ناعمہ نے ان کا جملہ سرشاری کے ساتھ مکمل کیا تو سب تالیاں بجانے پر مجبور ہوگئے۔

فرید سر..... بے حد سرشار تھے..... اور وہ ندیم خان سے انتہائی فخر سے کہہ رہے تھے۔

''یار..... میں نہیں کہتا تھا کہ تیرے یہاں آنے سے تبدیلی آجائے گی تو دیکھ تبدیلی آچکی ہے..... ماشاء اللہ، ماشاء اللہ میرا اخبار اس ماہ اتنی تیزی سے بڑھا ہے کہ دیکھو اس کی ڈیمانڈ میں کتنا اضافہ ہو رہا ہے..... نیٹ پر جو پڑھا جا رہا ہے اس کے ریڈرز علیحدہ ہیں..... مگر جو یہاں مقبول ہو رہا ہے اس کی بات ہی علیحدہ ہے۔''

''نہیں دوست..... میں ابھی مطمئن نہیں ہوا ہوں..... اخبار ایسا ہو جسے سب پڑھیں..... جس کو پڑھے بغیر کسی کو چین نہ آئے..... اور وہ اپنے قارئین کی زندگی کا جز اس حد تک بن جائے کہ وہ ناشتا بعد میں کریں اور پہلے اخبار کو دیکھیں......''

''اس حد تک جانا..... شاید مشکل ہو جائے......'' فرید سر سوچتے ہوئے بولے۔

''مشکل راستے طے کر لیے جائیں تو مشکل بھی مشکل نہیں رہتی......'' یہ ندیم خان کا گمان نہیں بلکہ یقین تھا۔

اور اب وہ صبا کے بارے میں یہی سوچ رہا تھا کہ جو اس کے دل کو اچھی لگی ہے..... اب وہ اس کے گھر والوں کو بھی ضرور اچھی لگے گی..... کیونکہ اس سے باتیں کرتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے، اسے سوچتے ہوئے..... اس کے دل میں پھول سے کھلنے لگتے تھے..... جن کی مسحور کُن خوشبو..... اس کو سرشار سا رکھا کرتی تھی۔

اور پھر اگلے دن وہ گلابی سوٹ کے ساتھ گلابی اسکارف میں بالوں کو لپیٹے آفس آئی تو اسے ایسا لگا کوئی اپسرا آگئی ہو۔

''سر ندیم سے تو تم نے اسکارف نہیں لیا تھا..... پھر کہاں سے خرید لیا تم نے..... اور اسکارف ناپسند کرنے کے باوجود پہن کر بھی چلی آئیں۔''

''اسکارف مجھے ناپسند کبھی نہیں تھے بس عادت نہیں تھی..... آج پہنا ہے تو دعا کرو کہ عادت بھی پڑ جائے پھر با قاعدہ پہن کر آیا کروں گی......'' میں نے کہا۔

''ارے بھئی اب تو ان کا بھی فیشن ہوگیا ہے..... لوگ اب اپنے کپڑوں سے زیادہ اسکارفس پر پیسے غارت کرنے لگے ہیں......'' یہ ناعمہ تھی۔

''اگر کوئی اچھا فیشن ہے تو اس پر عمل پیرا ہونے کا مضائقہ تو نہیں..... ہم لوگ برے فیشنوں پر بھی تو اندھا دھند پیسے خرچ کرتے ہیں......'' میری بات ایک عام سی تھی مگر ماہ رخ کو بری لگی۔

''یہ سب تم مجھے کہہ رہی ہوں ناں..... کیا میں جانتی نہیں ہوں......''

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے..... تمہیں کچھ کہنے لگی..... تم جو مرضی پہنو یہ تمہارا حق ہے۔''

''اور میرے کپڑوں کا جو تم سرے عام مذاق اڑایا کرتی ہو......''

''تم سے یہ کس نے کہا......؟'' مجھے حیرت تھی ایسی بات تو میں نے کبھی نہیں کہی تھی۔

''کسی نے نہیں کہا..... میری غیر موجودگی میں جو تم کہا کرتی ہو..... وہ سب مجھے پتا چل جاتا ہے..... میرے

بھی اپنے ذرائع ہیں...... جو مجھے رائی سے رتی تک کی سب اطلاع دیتے ہیں......'' اس نے یہ سب فرزانہ کو کانی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر انہوں نے شاید اپنی آرا سے تمہیں باخبر نہیں رکھا ہوگا......'' میں نے عین فرزانہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

تب فرزانہ کی حالت اتنی پتلی تھی کہ مجھے دیکھ نہیں پا رہی تھی اور ماہ رخ اسے دیکھ کر عجیب کش مکش کا شکار تھی۔

بعض دفعہ زندگی میں ایسی سچویشنز ضرور آجایا کرتی ہیں...... جس میں کچھ کہے بنا بھی اپنا دفاع ہو جاتا ہے۔

اور پھر پچیس اپریل کا دن آ گیا۔ پیر کا دن تھا...... آج ماہانہ میٹنگ گیارہ بجے ہونی تھی...... میں اپنا پورا ہوم ورک کر کے آئی تھی کہ میٹنگ کے دوران کہیں بھی کوئی ابہام نہ رہنے پائے مگر اس کے باوجود میں اپنے آپ کو ان ایزی سا فیل کر رہی تھی۔

اور اس کی ذمے دار ناعمہ تھی...... جس کے کہنے پر میں ڈارک گاجری گلابی شیفون کا سوٹ پہن کر آئی تھی...... جس کے دوپٹے پر چھوٹے، چھوٹے کامدانی کے پھول بھی بنے ہوئے تھے۔

ناعمہ کو میں نے منع بھی کیا تھا کہ آفس سے واپسی پر اس کی کزن کی ڈھولکی میں نہیں جا سکتی...... اور نہ ہی آفس میں اس طرح کا فینسی سوٹ پہن کر آسکتی ہوں...... مگر وہ ناعمہ ہی کیا جو اپنی بات منوانے کے لیے قسما قسمی تک پر نہ اتر آئے اور یہ تک باور کرا دے...... کہ اس کی کزن نے اسے بطورِ خاص بلوایا ہے اور وہ اس کی تحریروں کی اتنی زبردست فین ہے کہ اتنی تو شاید وہ اپنے فیانسی کی بھی نہیں ہوگی...... جس پر صبا نے غصے تک کا اظہار کر ڈالا تھا کہ اسے ایسی بے وقوفی کی باتیں پسند نہیں......

اور اب میں بے گانی ڈھولکی کے لیے خواہ مخواہ تیار ہو کر آنے پر خود ہی نادم سی ہو رہی تھی۔ مجھے آفس میں سادگی سے آنا پسند تھا...... اس طرح سج بن کر آنا مجھے کبھی پسند نہیں تھا۔ فائل سنبھالتی ہوئی اپنے کیبن میں گئی تو وہ لاک تھا...... میں پہلے ہی خفت سی محسوس کر رہی تھی اپنا کیبن بند دیکھ کر سر ہی گھوم گیا......''اب اس سوٹ میں ہر جگہ گھوموں گی کیا؟'' فرزانہ کے کیبن میں گئی تو وہ بند...... ناعمہ کا بند، ساجد کا بند...... حد تو یہ تھی کہ ساجد، صفدر اور نور کا کیبن بھی بند...... پیون کو جاتا دیکھا تو اس سے پوچھا۔

''شاکر بھائی یہ سب کیبنز بند کیوں ہیں...... اور سب لوگ ہیں کہاں......؟''

''وہ سب بڑے ہال میں ہیں...... کوئی آنے والا ہے شاید......'' وہ کہتا ہوا چل دیا۔

''آخر کون آنے والا ہے...... جس کا مجھے علم بھی نہیں......'' یہی سب میں سوچتی ہوئی ہال کی جانب چل دی...... جو خاص الخاص مواقع پر استعمال کیا جاتا تھا...... مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا...... بلکہ اندھیرا سا تھا...... جیسے وہاں کسی نے آنا بھی نہ ہو...... ''شاید پیون کی اطلاع غلط تھی......'' میں نے دل میں سوچا۔

''آج کیا اخبار کی چھٹی ہے جو کوئی آیا ہی نہیں...... اور میں خواہ مخواہ اکیلی ہی چلی آئی......'' یکبارگی میں نے کہا...... یہ بات میں نے اپنے آپ سے کہی تھی...... مگر آواز شاید بلند تھی۔

ایک دم ہی ساری لائٹس جل گئیں...... اور ڈھیر ساری رنگ برنگی چمکیلی اور گلاب کی پتیاں مجھ پر گرنے لگیں۔ میں تو سراسیمہ سی رہ گئی...... اب سب میرے آفس کے ساتھی تالیاں بجاتے ہوئے میرے گرد دائرے کی صورت میں جمع ہو گئے تھے۔

''یہ سب کیا ہے......؟'' ایک بڑا سا بوکے...... جب ناعمہ نے مجھے دیا تو میں نے اس سے پوچھا...... اور سب کو بغور بھی دیکھا...... ساری لڑکیاں اور سب لڑکے سفید ڈریس میں تھے...... ہاں ندیم خان بلیک جینز پر لائٹ پنک شرٹ میں تھے اور سر فرید تو سفاری سوٹ پہننے کے عادی تھے۔ ان سب کے لائٹ ڈریس میں میرا ڈارک

سوٹ بے انتہا نمایاں ہو رہا تھا اور میں واقعی ہراساں سی ایک، ایک کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔
''آج پچیس اپریل ہے...... اور تمہاری سالگرہ ہے...... اور آج سالگرہ...... ہم سب مل کر منا رہے ہیں......
اللہ کرے تمہاری یہ سالگرہ اس سال ڈھیر ساری خوشیاں لائے۔'' اس نے دعا دی۔
''مگر میں نے تو اپنی سالگرہ......''
''پچھلے کئی سالوں سے نہیں منائی......'' ندیم خان نے اس کا جملہ مکمل کیا۔
''یس سر...... واقعی نہیں منائی......'' میں نے ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھا۔
''مگر آپ کو اس ادارے کو جوائن کیے یہ پہلا سال ہے...... اور اس لحاظ سے یہ پہلی سالگرہ ہے......''
اب میں نے اپنی آفس کے ساتھیوں کو دیکھا جو سب کے سب سفید سوٹ میں تھے اور ان سب میں میرا گلابی لباس بے حد نمایاں لگ رہا تھا...... اور میرے سب ساتھی میرے اردگرد خوب ہلا گلا کر رہے تھے۔ میں سب کے ساتھ ہنسنا چاہتی تھی مگر آنسوؤں کے گولے میرے حلق میں اٹک رہے تھے۔
آفس کے یہ سب لوگ، جو آفس کی معمولی، معمولی باتوں میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں اوٹ پٹانگ حرکتیں بھی کر جایا کرتے تھے مگر آج وہ سب میری خوشی کے لیے ایک لباس میں ملبوس...... خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔
''آپ سب کا بہت، بہت شکریہ......'' میں رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔
''شکریہ کس بات کا...... اگلے ماہ نور کی سالگرہ ہے...... اس کی انچارج فرزانہ ہوں گی......'' ندیم خان نے کہا۔
''نو سر...... فرزانہ صرف ساجد کی سالگرہ کے اہتمام کے لیے انچارج بنیں گی......'' ناعمہ نے کہا تو سب ہی ہنس پڑے۔
بڑے اچھے ماحول میں پُرتکلف لوازمات کے ساتھ چائے پی گئی۔
اور چلتے سمے جب ندیم خان نے مجھے ایک مخملی ڈبا خوب صورت پیکنگ میں دیا تو میں حیرت سے بولی۔
''سر، یہ کیا ہے......؟''
''ادارے کی جانب سے آپ کی سالگرہ کا گفٹ......''
''آپ لائے ہیں......'' کچھ سوچ کر میں نے پوچھا۔
''نہیں...... فرید نے اپنی بیوی سے منگوایا تھا...... مجھے بھی یہ نہیں معلوم کہ اس میں کیا ہے...... مگر فرید کہہ رہا تھا کہ اس کی بیوی کو گفٹس خریدنے کا بہت قرینہ ہے اور ان کی چوائس ہمیشہ لاجواب ہوتی ہے اور یہ تو آپ کل بتائیں گی کہ فرید جھوٹا نہیں ہے۔''
''مگر ناعمہ نے سب کی جانب سے بوکے دے تو دیا تھا تو اب اس کی ضرورت کیا تھی......'' میں لینے میں متذبذب سی ہو رہی تھی۔
''مس صبا رحیم...... خوشی کو خوشی کی طرح مناتے ہیں، اگر آپ کسی کی خوشی میں شرکت کر کے اسے خوشیاں عطا کرتی ہیں تو آپ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ دوسرے بھی آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں اور آپ کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھا کرتے ہیں۔''
''او کے......'' مجھ سے اپنے آنسو روکے نہیں جا رہے تھے اس لیے نظریں جھکائے کھڑی تھی...... اور سوچ رہی تھی کہ ندیم خان سامنے سے ہٹیں تو بھاگتی ہوئی اپنے کیبن میں چلی جاؤں اور خوب دل بھر کر روؤں۔
''اور ہاں...... اگر آپ کو اپنی سالگرہ کا گفٹ پسند نہیں آئے تب بھی ہمیں ضرور بتایئے گا۔''
''وہ کیوں......؟'' حیرت سے پوچھا گیا۔
''تاکہ دیگر ورکرز کے سالگرہ گفٹس فرید کی بیوی سے نہ منگوائے جائیں۔''
اور میں پیکٹ اپنے بیگ میں ڈال کر اپنے کیبن میں آ گئی۔

آج یہ پہلا موقع تھا کہ میں خوش ہوتے ہوئے بھی اندر سے دکھی سی ہو رہی تھی۔
سرپرائز مجھے کبھی پسند نہیں تھے اور اس سرپرائز نے تو میری یادوں کے بہت سے زخم ہرے کر دیے تھے۔
''ناعمہ آج چھٹی سے واپسی پر میں تمہیں تمہاری کزن کے ہاں نہیں چھوڑ سکوں گی...... دراصل آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... میں یہاں سے سیدھی اپنی ڈاکٹر کے پاس جاؤں گی......'' میں نے قصداً جھوٹ بولتے ہوئے کہا...... کہ آج کہیں جانے اور کسی سے بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔
''نہ جاؤ تم...... مجھے بھی کون سا جانا ہے۔''
''مگر تمہاری تو فرسٹ کزن کی ڈھولکی ہے...... جو آج تمہاری جانب سے تھی...... ناعمہ کے اس طرح کہنے پر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔
''نہیں بھئی، میں کہیں نہیں جا رہی۔ ایک دن میں صرف ایک ایونٹ اس سے زیادہ نہیں...... میں تو یہاں سے سیدھی اپنے گھر جاؤں گی......''
''مگر تم جو دو دن پہلے مجھ سے جو بکواس کر رہی تھیں؟''
''وہ تو کرنی ضروری تھی......'' وہ ہنسی...... اور ادھر اُدھر دیکھا۔
''مگر کیوں......؟ ایسی کیا آفت آ گئی تھی تم پر......''
''اسے آفت نہیں محبت کہو......'' اس نے انگلی اٹھا کر تصحیح کی۔
''کیا مطلب......!''
''ظاہر ہے...... اگر میں تم سے اس ٹائپ کی یہ باتیں نہ بتاتی تو کیا تم آج آفس میں اس طرح کا فینسی سوٹ پہن کر آ سکتی تھیں...... نہیں ناں......'' ناعمہ ہنس کر بولی۔
''تو تم نے میری سالگرہ کے لیے...... یہ جھوٹ بولا تھا۔''
''دیکھ لو...... دوستوں کی خوشی کے لیے خواہ مخواہ کے جھوٹ بول کر گناہ گار ہو جاتی ہوں۔''
''کیا تمہیں واقعی پتا نہیں تھا کہ آج تمہاری سالگرہ ہے......'' فرزانہ نے اس کے پاس آ کر اس انداز میں پوچھا جیسے آج کی اہم بات اس سے زیادہ کوئی دوسری نہ ہو۔
''مجھے معلوم تھا...... آج پچیس اپریل ہے۔''
''تو پھر اتنی حیرت کے مظاہرے کیوں کر رہی تھیں تم؟''
''مجھے واقعی اندازہ نہیں تھا۔''
''کس بات کا......؟''
''کہ تم لوگ میرے لیے اتنا خوب صورت اہتمام کرو گے......''
''یہ سب تمہیں اچھا لگا ہوگا......'' فرزانہ اب مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔
''پتا نہیں......''
''ارے ہم سب اتنے خوار ہوئے اور تمہیں پتا تک نہیں......''
''یہ بات نہیں ہے......'' میں نے اپنے حواسوں پر قابو پایا۔
''یہ بات نہیں ہے، وہ بات نہیں ہے تو پھر ہے کیا بات؟'' اب وہ جرح سی کر رہی تھی۔
''بہت اچھا لگا...... بے حد اچھا لگا...... اتنا اچھا...... کہ میں بتا بھی نہیں سکتی......'' یہ کہہ کر میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

اُدھر فرزانہ اسے چپ کرواتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ کوئی بات ایسی ضرور ہے۔ جس کی وجہ سے، وہ یوں بھل بھل روئے جا رہی ہے۔ جبکہ قدرے فاصلے سے کھڑا ندیم خان سوچ رہا تھا۔

''اتنی اچھی سالگرہ ہوئی، خوشی، خوشی صبا نے کیک کاٹا اور اب یوں رونا...... کیا یہ لڑکیاں خوشی کے مواقع پر بھی خوب دھوم دھام سے رویا کرتی ہیں یا پھر رونا ان کی ہابی ہوا کرتی ہے۔''

☆☆☆

''تمہاری پسندیدہ ہابی کیا ہے؟'' کریم محبت بھرے لہجے میں راحیلہ سے پوچھ رہا تھا۔

''آپ کا انتظار کرنا اور آپ کے لیے کوئی مزیدار سی ڈش بنانا۔'' راحیلہ نے شرماتے ہوئے بتایا۔

''یہ بھی بھلا کوئی ہابی ہوئی؟'' وہ ہنسا۔ ''اپنی خاص الخاص ہابی بتاؤ...... جو تمہاری اپنی ذات سے متعلق ہو۔''

''میری تو ہر بات آپ سے ہی شروع ہوتی ہے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا کوئی شوق نہیں مثلاً گھومنا، پھرنا یا مزے سے شاپنگ کرنا یا اسی طرح کا کوئی اور مشغلہ......'' بات کرتے ہوئے وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے تو گھر میں رہنا اچھا لگتا ہے۔'' راحیلہ سادگی سے بولی۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم پر اپنے گھر والوں کی ذرا سی بھی چھاپ نہیں پڑی ہے۔''

''پتا نہیں......''

''تم بہت اچھی ہو راحیلہ بہت اچھی......'' وہ قدرے بلند آواز میں بولا۔

''سنیے...... آپ بلاوجہ میری بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں، میں تو معمولی شکل کی لڑکی ہوں، اپنی آپا جیسی تو بالکل بھی نہیں ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ پہلے آپ کو آپا پسند تھیں۔'' اس دن راحیلہ نے اپنے دل کی بات اس سے کہہ ہی ڈالی۔

''آج تو تم نے یہ سب کہہ دیا ہے مگر آئندہ یہ الفاظ اپنی زبان پر بھی مت لانا۔ تمہاری جیسی سانولی سلونی لڑکی ہی میری اصل محبت ہے اور یہ بات میں تم سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں کہ میرے دل میں تو کیا بلکہ دل سے دور، دور تک بھی شہلا کا کوئی وجود تک نہیں ہے۔ اور تمہاری آپا سے تو میں سخت نفرت کرتا ہوں۔'' اس کی ان باتوں پر راحیلہ حق دق سی رہ گئی کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا۔

☆☆☆

''مجھے صرف اور صرف تم ہی سے محبت ہے، جب ہی تو میں کوشش کے باوجود بھی تمہیں بھول نہیں پائی۔'' شہلا حارث کا خیال دل میں لیے کاپی پر آڑی ترچھی لکیریں ڈالتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ انسان کے کردار کی دو منزلیں ہیں...... یا دل میں اتر جانا یا دل سے اتر جانا...... اور میں نہ جانے کون سی منزل پر ہوں کہ نہ تو وہ دل میں اترا تھا اور نہ ہی وہ دل سے اتر پایا تھا۔ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی آئے بغیر مسندِ دل پر براجمان ہو جائے۔'' آخر اس نے کاپی اور قلم اٹھا کر رکھ دیا۔

حارث کی بے رخی اس کی جان کو ہلکان کیے دے رہی تھی۔ اپنی بہن کی منگنی سے وہ یقیناً بہت خوش تھی...... مگر حارث کی بے حسی نے اسے جیتے جی مار دیا تھا، پتا نہیں وہ کہاں کھو گیا تھا وہ آس اور یاس کے چکر میں واقعی گھن چکر سی بنی ہوئی تھی۔ تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی تھی وہ اس سے بھی قطعی ناواقف تھی...... یہی وجہ تھی کہ اس کی ہنسی بھی کہیں کھو سی گئی تھی۔

راحیلہ ہنس، ہنس کر اسے کریم کی باتیں سناتی اور وہ ہوں ہاں کرتی رہتی۔

''آپا تمہیں ہنسی نہیں آئی...... کریم نے مجھے دو سو روپے کی آئس کریم کھلائی اور پانچ سو روپے کے نوٹ سے

میرا صدقہ اتار کر گھر میں کام کرنے والی مائی کو دے دیا، میں نے تو اسی وقت ان سے کہہ دیا اتنے دیالو تو آپ بھی نہیں تھے تو پتا ہے وہ کیا بولے۔''

''مجھے کیا پتا......تم خود ہی بتا دو......'' وہ انتہائی غیر دلچسپی سے بولی تھی۔

''تم کو کسی کی نظر نہ لگے......اور خاص طور پر ان کی جن کا کہیں رشتہ طے نہ ہوا ہو اور جن کی کوئی امید بھی نہ ہو......'' راحیلہ نے اسی طرح کریم کا جملہ دُہرایا......جیسے اس نے ادا کیا تھا بلکہ اتنی بار دُہرایا تھا کہ اس کے دماغ سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اور وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی......اس کی زندگی میں شاید دکھ کا گراف بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ یہ سوچ اس کے ہونٹوں تک بھی آئی مگر راحیلہ کی کسی بات پر اس نے کوئی رائے نہیں دی اور پھر دو دن کے بعد شہلا اپنے اسکول کی فیس جمع کرانے گئی تو حارث اپنی برانچ میں نہیں تھا۔

''کیا بات ہے......؟ آج منیجر صاحب ابھی تک نہیں آئے ہیں؟'' اس نے کیشئر سے پوچھا۔

''وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں......دیر سے بھی آسکتے ہیں اور آنے کے بعد بھی کہیں باہر جا سکتے ہیں۔''

''اوہ......یہ بات ہے۔'' اس نے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھا۔

''میڈم......ان کا کوئی ہمارا جیسا رینک تھوڑی ناں ہے کہ ہم اپنی سیٹ سے بھی نہیں اٹھ سکتے۔'' کیشئر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے بڑی خوب صورتی سے ٹالا پھر دوسری اور تیسری مرتبہ وہ بینک گئی تو بھی اسے حارث نظر نہیں آیا۔ اس دفعہ اس نے ہمت کر کے سیکنڈ منیجر سے حارث کا پوچھا۔

''سر چھٹی پر ہیں......آپ کو جو مسئلہ ہو ہم سے کہہ سکتی ہیں۔''

''حارث صاحب، کب تک آئیں گے، میرا مطلب ہے ان کی چھٹی کتنے دنوں کی ہے۔'' اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''اس بارے میں میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اور شہلا اداس ہو گئی......اور اس کے دل میں جیسے......بے چینیوں نے دھرنا سا دے دیا۔

''میری قسمت بھی کتنی عجیب ہے، جب حارث نے یہ وعدہ کیا کہ وہ میری بات سنے گا تو اس نے بینک ہی آنا چھوڑ دیا۔'' شہلا نے اس کے موبائل پر بارہا کال کی......مگر ہر مرتبہ موبائل اسے بند ہی ملا۔

''ہو سکتا ہے ان کا کسی دوسری برانچ میں ٹرانسفر ہو گیا ہو بینک کے منیجرز بھی تو تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔'' راحیلہ نے اسے سمجھایا کہ اسکول سے آکر اس نے کھانا کھانا ہی چھوڑ دیا تھا......اور اگر بہ مشکل کھاتی بھی تو ایک دو لقمے کھا کر ہی اٹھ جاتی تھی۔

''اگر وہ کسی دوسری برانچ میں چلے گئے ہیں تو انہیں کم از کم مجھے بتانا تو چاہیے تھا اب میں ان کو کیسے ڈھونڈوں گی۔'' شہلا اچھی خاصی پریشان تھی اور چپ چاپ بیٹھی آنسو بہاتی رہتی۔

''ارے بھئی وہ کوئی اغوا تھوڑی ہوئے ہیں جن کا ملنا ناممکن ہو......وہ یقیناً کسی دوسری جگہ چلے گئے ہیں تو مل جائیں گے اور اگر نہیں ملے تو آپ تلاش گم شدہ کا اشتہار دے دیجیے گا کہ جلدی لوٹ آؤ کسی کی حالت خراب ہے۔ واپس آنے پر کچھ نہیں کہا جائے گا......بلکہ معقول ناشتا پانی کرایا جائے گا۔'' راحیلہ نے شرارت سے کہا۔ اس کا دل بہلانے کو مگر اس کی اس بات پر بھی اسے ہنسی نہیں آئی اور نہ ہی مسکراہٹ کی کوئی کرن اس کے لبوں پر دکی تھی۔

☆☆☆

ابا کی دوا لینے وہ ہی جایا کرتی تھی وہ دوا لے کر مڑی ہی تھی اس نے دیکھا......مین روڈ پر اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے حارث کسی سے بڑی سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔

''سر السلام علیکم......!'' وہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس پہنچی تھی۔
حارث نے اس پر ایک اجنبی سی نظر ڈالی اور اپنی بات کرنے میں محو رہا۔
''سر، آپ نے مجھے کیا پہچانا نہیں......؟'' وہ جب موبائل آف کر کے جانے کو مڑا ہی تھا کہ وہ اس کے سامنے آ کر بولی۔
''مجھے آپ کو پہچاننے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور گاڑی میں بیٹھ کر اس تیزی سے وہ وہاں سے روانہ ہوا کہ اگر وہ رک جاتا تو کہیں شہلا اس سے مزید سوال جواب کرنے کے لیے کھڑی نہ ہو جاتی کہ اس طرح سر راہ رک کر بات کرنا اسے پسند نہیں تھا۔
''یہ حارث تھا یا کوئی اور...... اس قدر اس کی آنکھوں میں بے گانگی تھی......'' وہ وہیں کھڑی سوچ رہی تھی۔
گاڑی دھول اڑاتی کب کی جا چکی تھی...... مگر اس کی سوچیں اسے مزید پریشان کیے جا رہی تھیں۔
ایک ایسا مہذب لڑکا...... جس نے اسے بارش میں پریشان کھڑا دیکھ کر اپنی گاڑی میں لفٹ تک دی تھی اور آج وہ کیسے کھل کھرے لہجے میں اس کو پہچاننے تک سے انکار کر رہا تھا۔ جیسے اس نے اسے آج تک دیکھا ہی نہیں ہو......اور وہ اس کے لیے بھی اجنبی ہو۔
اور پھر ہفتہ بھر بعد ہی وہ ایک کوریئر آفس سے نکل رہی تھی اور وہ اس میں داخل ہوتے ہوئے اس سے ٹکرایا۔
''حارث...... آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟''
''کیوں، مجھے کیا ہوا ہے...... کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں۔'' وہ انتہائی بداخلاقی سے بولا۔
''آپ دراصل اپنے بینک نہیں آ رہے تھے تو میں پریشان ہو گئی تھی۔''
''کیوں...... ہو گئی تھیں آپ پریشان؟ میری آپ سے کیا کوئی رشتے داری ہے۔'' وہ تلخ سے لہجے میں بولا۔
یہ بھی اچھا ہی تھا کہ آس پاس کوئی تھا نہیں...... ورنہ وہ اپنی مزید سبکی محسوس کرتی۔
''اب سامنے سے ہٹیں گی...... یا یونہی میرے سامنے پتھر بنی کھڑی رہیں گی۔'' وہ اب اسے اشکبار نظروں سے دیکھ رہی تھی...... کہ وہ مزید تلخی بھرے لہجے میں بولا۔
''اُف کیا ہو گیا ہے آپ کو...... آپ سے میں نے اس لیے بات کر لی، آپ ہمارے بینک کے منیجر تھے......'' وہ اپنے آپ پر قابو پا کر کہہ رہی تھی۔
''سنو، اب کوئی دوسرا آ گیا ہو گا وہاں منیجر...... اس کے پاس جا کر ایسی باتیں کرو...... ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی باتیں سن کر خوش بھی ہو جائے......'' وہ انتہائی سنگدلی سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
''پتا نہیں، وہ مجھے کیا سمجھ رہا تھا...... شاید ایسی لڑکی جو کسی اچھے لڑکے کو دیکھ کر بے وجہ لپکا کرتی ہے'' مگر اسے تو حارث سچ میں محبت تھی...... اس میں اپنا آئیڈیل نظر آیا کرتا تھا اور وہ کیسی دل توڑنے والی باتیں کہہ کر چلا گیا تھا۔ جیسے کہ وہ کوئی گری پڑی لڑکی ہو۔
گھر آ کر راحیلہ کو اپنی دکھ بھری کہانی سنائی تو اس نے تو فوراً فیصلہ صادر کر دیا۔
''آپا...... میرا تو یہ پکا خیال ہے کہ حارث کی زندگی میں کوئی دوسری لڑکی آ گئی ہے...... اسی لیے وہ آپ سے اپنا پیچھا چھڑا رہا ہے۔''
''سنو...... ابھی میں اس کی زندگی میں داخل کہاں ہوئی تھی جو اس کو کوئی دوسری مل گئی۔''
''بھئی میں نے تو یہی سنا ہے کہ جب کوئی کسی سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا تو وہ اس کو ایسے ہی کھری، کھری سناتا ہے...... ایسا ہی رویہ تو آپ بھی کریم بھائی کے ساتھ روا رکھا کرتی تھیں اور اب آپ کے ساتھ حارث نے بھی وہی سب کیا تو آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اب حارث میرا نہیں رہا۔'' وہ رونے کے لیے پر تولنے لگی۔

''آپ یہ یقین کیوں نہیں کر لیتیں کہ حارث کبھی آپ کا تھا ہی نہیں...... ورنہ وہ ایسے لہجے میں تو آپ کو ذلیل نہ کرتا۔'' راحیلہ نے دکھ سے کہا تو وہ یک دم چپ سی ہو گئی...... جیسے اب کچھ بولنے کے لیے کچھ باقی ہی نہیں بچا ہو۔

☆☆☆

آفس سے آ کر...... میں اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی اور اس جگمگاتی شب میں ہونے والی آتش بازی کی ساری آگ میرے دل و دماغ میں چک پھیریاں سی لے رہی تھی۔

جب ایک دس سال کی لڑکی کی پندرہ سال کے لڑکے کے ساتھ اتنی دھوم دھام سے منگنی کر دی گئی تھی کہ اکثر لوگوں کو تو کسی شادی کا ہی گمان ہو رہا تھا۔

لڑکا عامر خانزادہ اس محلے کے سب سے بڑے حویلی نما مکان میں رہا کرتا تھا...... اور لڑکی کا اسی محلے میں سب سے چھوٹا گھر تھا۔ دو کمروں کا گھر جو شاید کسی مکان کا پیچھے کا کوئی غیر ضروری حصہ تھا (جو شاید کسی نے بیچ دیا ہو گا) مگر عامر کی نظر میں...... میری اہمیت کسی شہزادی سے کم نہیں تھی۔ اور نہ ہی اسے مجھ سے بڑھ کر کوئی دوسرا خوب صورت نظر آتا تھا اور نہ ہی وہ مجھے یا میرے گھر والوں کو کسی بھی لحاظ سے کم تر سمجھتا تھا۔

یہ وہ دور تھا...... جب ان دو دوستوں کی محبت دیکھ کر اہلِ محلہ ان کی دوستی کی مثالیں دیا کرتے تھے کہ کبیر احمد اور جہاں زیب کی دوستی بے حد گہری تھی۔

جہاں زیب کے جب گردے خراب ہوئے تو کبیر احمد نے انہیں اپنا ایک گردہ دے دیا تھا...... اور کبیر احمد کی جب ایک ٹانگ ایکسڈنٹ میں ختم ہوئی تو جہاں زیب نے ان کے لیے مصنوعی ٹانگ کا فوری بندوبست کر دیا تھا۔

یہ دونوں دوست الگ، الگ قومیتوں کے ہونے کے باوجود محبت اور دوستی کے ایسے رشتے میں بندھے تھے کہ جنہیں ایک دوسرے کے سوا واقعی کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا...... وہ ایک دوسرے کے ساتھ سگے بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے اور جب عامر نے صبا سے شادی کی ضد کی تو جہاں زیب کو اس کی یہ بات اپنے دل کی ہی آواز لگی تھی۔

اور پھر ایسا بھی ہوا کہ جب عامر نے برملا کہنا شروع کیا کہ اسے صبا بہت اچھی لگتی ہے اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کی ماں نے اسی لمحے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

''اپنے خاندان میں کیا لڑکیاں نہیں ہیں جو ہم باہر سے اور اپنے سے کم گھرانے کی لڑکی لائیں گے۔''

''مگر مجھے تو صبا کے علاوہ کوئی لڑکی اچھی لگ ہی نہیں سکتی۔''

''بعد میں سب اچھی لگیں گی، ابھی تو بچہ ہے ناں......''

''اتنا لمبا تو میرا قد ہے...... میں کہاں سے بچہ نظر آتا ہوں۔''

''بیٹا...... تجھے کیا پتا...... کیا اچھا ہے کیا برا...... اس کے چھوٹے بھائی کو نہیں دیکھتا جو معذور پیدا ہوا تھا۔ اب کیا میں اپنے بیٹے کا رشتہ کسی معذوروں کے خاندان کی لڑکی سے جوڑوں گی۔''

مگر عامر کو تو ہر خوبی ہی صبا میں نظر آتی تھی...... اس نے اپنی ضد کو منوانے کے لیے پہلے کھانا پینا چھوڑا اور پھر پڑھائی بھی...... اس سے قبل کہ وہ گھر چھوڑ دینے کی دھمکی پر عمل پیرا ہوتا تب اس کی ماں راضی ہوئی تھی...... مگر جہاں زیب خاں کے دل کی مراد ہی پوری ہو گئی تھی۔ اس کی دوستی اب رشتے داری میں تبدیل ہونے جا رہی تھی...... اس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔

کبیر احمد اس کا دوست...... ایسا ہیرا صفت شخص تھا جس کی خوبیوں سے صرف وہی آگاہ تھا...... اور جس کی دیانت اور راست گوئی پر کبھی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور اب اس کی بیٹی اس کی بہو بننے والی تھی...... اپنی اس خوشی

میں اس نے اپنا پورا محلہ سجا دیا تھا۔ اس کی بیوی منع کرتی رہ گئی تھی..... مگر اس نے اپنے خاندانی زیورات اس ننھی سی دلہن کو رونمائی میں چڑھا دیے تھے۔

''کچے رشتوں پر ایسے مال نہیں لٹایا جاتا..... ابھی یہ بچے ہیں، کل کیا ہوگا..... کسی کو کیا خبر..... مگر آپ کو تو اپنے مجنوں بیٹے کی خوشی کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آرہا ہے۔'' عامر کی ماں نے خاصا احتجاج کیا تھا۔

''تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ یہ رشتہ کچا ہے؟ ارے پکی زبان دی ہے ہم نے.....''

''اچھا..... یہ منگنی نہیں ہوئی، کوئی نکاح ہوا ہے؟'' عامر کی ماں کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

''اب صبا ہی ہمارے عامر کی دلہن بنے گی۔ کیسی پیاری سی لڑکی..... ہماری بہو ہے..... ہاں۔'' جہاں زیب خاں کا لہجہ آہنی سا تھا۔

''منگنی کے بعد دوستی کے رشتے میں مزید توانائی آگئی..... جہاں زیب خاں، کبیر احمد کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنے لگا تھا۔ عامر کو صبا کی باتیں..... اور زیادہ مسحور کن لگنے لگیں۔ وقت کے ساتھ عامر کی ماں کے مزاج میں بھی بدلاؤ نظر آنے لگا..... اور رئیسہ بیگم اپنی ہونے والی بہو کا ازخود خیال رکھنے لگیں۔

اب اعلیٰ گھی، اناج، ڈرائی فروٹس اور دیگر چیزیں وہ بڑی باقاعدگی سے اپنی ہونے والی بہو کے لیے لے کر جاتیں..... اور اس سے محبت بھری باتیں کرتیں۔

سب کچھ اچھا چل رہا تھا..... پتا نہیں ان کی خوشیوں پر کسی کی نظر لگی کہ ان روشنیوں کو اندھیروں نے نگل لیا..... اور وہ لوگ کراچی چھوڑ کر اپنے گاؤں ایسے گئے کہ پھر واپس پلٹے ہی نہیں..... اور پھر جب ان کو ڈھونڈا گیا تو وہ وہاں بھی نہیں تھے۔

☆☆☆

''کیا بات ہے..... آج آفس سے آتے ہی تم اپنے کمرے میں کیوں بند ہوگئیں؟'' امی تیسری مرتبہ جب میرے روم میں آئیں تو انہوں نے لائٹ جلا کر پوچھا۔

''اب تو مجھے اپنی زندگی کا ہر روزن بند ہوتا نظر آرہا ہے..... تو اس کے لیے میں اپنے آپ کو کہیں بھی بند کرلوں اس سے کیا فرق پڑے گا۔''

''بات کیا ہے آخر.....؟''

''کچھ نہیں.....''

''پھر کیوں اپنے آپ کو ایذا دے رہی ہو۔''

''میں تو کچھ نہیں کر رہی..... اور نہ ہی کچھ کرسکتی ہوں۔'' لہجہ پھیکا سا تھا۔

''صبو میری جان..... ایسا تم کب تک کرتی رہو گی؟''

''شاید تاحیات..... اور میں.....''

''اللہ نہ کرے.....'' امی نے میرے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''امی..... عامر..... میری ہر سالگرہ کا کتنا اہتمام کیا کرتا تھا..... اور کہتا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے اچھی تمہاری سالگرہ منائے تو تم یہ سمجھ لینا کہ تمہارا عامر مرگیا ہے۔ تمہاری سالگرہ میرے سوا کوئی منا ہی نہیں سکتا۔''

اب میں امی کو اپنے آفس میں بنائی جانے والی اپنی سالگرہ کا احوال بتا کر خوب زاروقطار رو رہی تھی۔

''ہاں مر ہی تو گیا ہے وہ..... تمہارے لیے اور ہمارے لیے بھی۔'' امی کا لہجہ خاصا بے رحم سا تھا۔

''ایسا تو نہ کہیں آپ..... اللہ اسے سلامت رکھے۔''

''اگر وہ زندہ ہوتا تو کیا وہ تمہیں ڈھونڈنے نہ آتا۔''

''وہ ضرور آیا ہوگا...... ضرور...... یہ میرا دل کہتا ہے۔''

''بکتا ہے دل تمہارا...... اور جتنا وہ اپنی محبتوں کے دعوے کیا کرتا تھا ناں اسے تو اس شہر کی مٹی بھی چھان لینی چاہیے تھی۔'' امی کے لہجے میں خاصی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

''امی! وہ یقیناً آیا ہوگا، ہم بھی تو اُن کے جاتے ہی ابا کی بیماری کی وجہ سے پنجاب چلے گئے تھے...... اور پھر ابا کے انتقال کے بعد رحیم بھیا کے علاج کے لیے کہاں، کہاں نہیں بھاگتے پھرتے...... مگر وہ بھی ابا کے پاس چلا گیا...... ہو سکتا ہے عامر بھی ہمیں ڈھونڈتا پھر رہا ہو۔''

''خام خیالی ہے یہ تمہاری...... اور بس۔''

''اگر وہ نہیں آیا تو بعد میں آجائے گا...... مگر اس نے آنا ضرور ہے۔'' اس کا لہجہ میری سماعتوں میں آج بھی موجود تھا۔ میرا لہجہ وثوق بھرا تھا۔

''نہیں بیٹا...... نہ وہ پہلے آیا ہوگا اور نہ بعد میں کبھی آئے گا۔''

''مگر کیوں......؟''

''وہ اس لیے کہ رئیسہ بیگم نے اپنے بیٹے کی ضد کو دیکھ کر تم سے منگنی تو کر دی تھی اور بظاہر دنیا دکھاوے کے لیے تمہیں عامر کی منگیتر بھی کہنا شروع کر دیا تھا۔ مگر وہ دل سے نہ تمہیں پسند کرتی تھیں اور نہ ہی وہ اس رشتے کے لیے تیار تھیں۔''

''مگر آنٹی تو بعد میں مجھ سے بہت پیار کرنے لگی تھیں۔''

''سب دکھاوا تھا اُن کا...... ورنہ بیٹا ہاتھ سے نکل جاتا۔''

''تو کیا عامر کا بھی دکھاوا تھا...... آپ کے خیال میں؟''

''اس کا بچپنا تھا...... کم عمری میں جو اچھا لگے...... جو پسند آجائے، اسی پر محبت کا تمغہ سجا دیا جاتا ہے...... ایسا ہی کچھ اس کے ساتھ بھی تھا۔''

''نہیں امی...... آپ غلط کہہ رہی ہیں، عامر مجھ سے بہت محبت کرتا تھا...... وہ کہیں کھو تو ضرور گیا ہے مگر واپس بھی ضرور لوٹے گا۔ اب اس وقت وہ تیس برس کا ہوگا کوئی بچہ نہیں...... جب وہ لوگ یہاں سے گئے تھے واقعی بھائی کے کسی قتل کے کیس میں ناگہانی پھنس جانے کا سن کر گئے تھے...... واقعی پریشانی کی بات بھی تھی۔''

''مگر وہ پھر لوٹے ہی نہیں...... دراصل اُن کو یہاں سے بھاگنے کا ایک اچھا بہانہ مل گیا۔'' امی مسلسل یہی کہہ رہی تھیں۔

''آپ تو کسی کی پریشانیوں کو بھی بہانوں کا نام دے دیا کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کے چاچا کو پھانسی ہو گئی ہو...... ان کے خاندان کا شیرازہ بکھر گیا ہو...... یا جھوٹے مقدمے میں ان کے چاچا پر مقدمہ چل رہا ہو...... وہ لوگ پریشانیوں کے جال میں الجھتے چلے گئے ہوں۔''

''تمہاری بات اگر میں کسی حد تک ٹھیک بھی مان لوں تو عامر کے بڑے ماموں کراچی آ کر ان کے سارے مکانات کیوں بیچ گئے اور کسی محلے والے کو یہ بات بتا کر نہیں دی کہ وہ لوگ گئے تو کہاں گئے۔''

''اب ان باتوں کا یہ مطلب تو نہیں کہ عامر کبھی آئے گا ہی نہیں......'' میں نے امی سے بارہا سنی ہوئی باتوں سے بدظن ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... اگر تم آنکھیں بند کر کے جینا چاہو تو شیخ چلی کی سی زندگی آج بھی گزار سکتی ہو۔''

''آپ کے خیال میں، میں آنکھیں بند کر کے جی رہی ہوں؟''

''بالکل......!''

''توبہ ہے امی...... آپ بھی کہاں کی بات کہاں لے جاتی ہیں۔''

''بیٹا...... تم نے اپنی آنکھیں بند ہی تو کر رکھی ہیں جب ہی تو برسوں پرانی باتیں تمہیں آ کر رُلایا کرتی ہیں۔تم جب آنکھیں بند کر کے اپنے ماضی میں گھوموگی تو ساری پرانی باتیں آج کی سی ہی تو لگیں گی۔''

''تو کیا کروں...... دفن کر دوں اپنی یادوں کو......'' میری آواز بھرّا گئی۔

''ہاں کر دو دفن...... اب تم کوئی چھوٹی سی بچی نہیں رہی ہو۔ پچیس سال کی لڑکی ہو...... اور اب تک تو تمہاری شادی ہو جانی چاہیے تھی۔ اور میری بات یاد رکھو...... لڑکی چاہے کتنی ہی خوب صورت کیوں نہ ہو...... عمر رسیدہ ہو جائے تو اسے کوئی پسند نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

اس موضوع پر امی اگر بات کرنی شروع کرتی تھیں تو چپ ہونے میں نہیں آتی تھیں۔

''پلیز امی......! چپ ہو جائیں آپ جانتی ہیں کہ نہ تو مجھے شادی سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی ان باتوں سے...... مگر آپ پھر بھی مجھے بار، بار اسی ٹائپ کی باتیں سنایا کرتی ہیں۔''

''بیٹا یہ ایسا کھرا سچ ہے کہ اگر آج تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تو کل ضرور آ جائے گا...... یہ دور فلمی محبتوں کا نہیں ہے...... اب تو حاضر کی محبت بھی محبت نہیں رہی...... تو گم شدہ کی محبت کیسے محبت کے خانے میں فٹ ہو سکتی ہے۔''

''آپ کچھ ہی کہیں...... مگر میں اپنی اسی بات پر قائم ہوں...... جو وعدہ میں نے عامر کو دیا تھا...... عامر نہیں تو کوئی نہیں۔'' یہی میں نے اس سے کہا تھا۔'' میں نے حتمی انداز میں کہا۔ ''اور یہی بات میں آپ سے کہتی آئی ہوں اور کہتی رہوں گی۔ میں بے وفا نہیں ہوں اور نہ ہی میرا عامر......''

''کاش تم اپنے آپ کو کسی طلسماتی دنیا کا کردار سمجھنا چھوڑ سکو...... تب تمہیں اپنی ماں کی بات بھی سمجھ میں آ جائے گی کہ جانے والوں کا اتنا لمبا انتظار نہیں کیا جاتا۔''

''امی انتظار کی مدت ہر شخص کی اپنی، اپنی سکت کے مطابق ہی ہوتی ہو گی اور مجھ میں ابھی بہت ہمت ہے...... میں اس کی راہ دیکھ رہی ہوں...... اور دیکھتی رہوں گی۔''

''صبا بیٹا...... عامر کے ساتھ تمہارا نکاح نہیں ہوا تھا...... جو تم اس کی پابند بنی بیٹھی ہو...... تمہاری تو اس کے ساتھ صرف منگنی ہوئی تھی جس کی شرعی طور پر بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔'' اب فرح خالہ بھی امی کی کمک کے لیے آ چکی تھیں۔

''ہاں...... کاش میرا اس کے ساتھ نکاح ہی ہو جاتا...... تا کہ مجھے کوئی یوں تنگ تو نہیں کیا کرتا۔''

''تم شاید اپنے آپ کو بہت قابل سمجھ رہی ہو جو ہر ایک کی بات تمہیں غلط لگا کرتی ہے۔تمہاری ماں غلط، تمہاری خالہ غلط...... دیگر سمجھانے والے غلط...... حالانکہ اب دیکھو...... غلط تو خود عامر کی باتیں ہو رہی ہیں۔'' فرح خالہ کا لہجہ اب تمسخرانہ سا تھا۔

''عامر کہاں غلط ہے؟'' مجھے پھر تاؤ آ گیا۔

''عامر نے تم سے کہا تھا ناں...... کہ وہ کسی کو تمہاری سالگرہ منانے نہیں دے گا...... یہی کہا تھا ناں؟'' انہوں نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔

''ہاں......''

''اب تم خود ہی دیکھ لو...... تمہاری سالگرہ تمہارے آفس میں کیسے شان سے منائی گئی...... اور تم کسی کو نہ روک سکیں اور نہ ٹوک سکیں۔'' میں واقعی چپ سی ہو گئی۔

واقعی اس بات کا تو میرے پاس کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

جاری ہے



خوش رہو

ہاجرہ ریحان

ان کو اپنے بھائی، بہنوں، رشتے داروں سے بہت محبت تھی...... بائی پاس ہو چکا تھا اور عمر بھی کچھ ایسی تھی کہ جو بذاتِ خود ایک بیماری ہوتی ہے۔ بچے ان سے بہت نالاں رہتے مگر وہ کسی کی نہ سنتے...... ہفتے کا پورا دن وہ اپنے بڑے بھائی کے گھر پر گزارتے تھے کہ وہاں میلاد اور دعا کا اہتمام ہوتا تھا...... اور محلے بھر سے لوگ آتے تھے۔ ہفتے کے دوسرے دن بھی کبھی کسی رشتے دار کے گھر تو کبھی کسی کے ہاں پہنچ جاتے تھے...... واپسی پر میزبان

ایک چھوٹی سی تھیلی بنا کر دے دیتے تھے جس میں تھوڑے بہت چاول اور ایک آدھ کسی کی چھوڑی ہوئی بوٹی کے نام پر ہڈی ہوتی تھی...... ان کے بچے اچھا کما کھا رہے تھے کسی کو کیا...... یہاں تک کہ خود ان کو بھی اس تھیلی سے کوئی رغبت نہیں تھی...... وہ تھیلی ویسی کی ویسی ہی دوسرے دن گھر پر آنے والی کام کرنے والی ملازمہ کو دے دی جاتی...... جب تک کہ وہ گھر پہنچتے عشا ہو چکی ہوتی اور یوں وہ جلد از جلد چند نوالے کھا کر نماز پڑھتے اور نیند کی دوائی کھا کر سو جاتے...... بچوں نے بیماری کے شروع میں کافی سختی کی تھی...... ڈرایا بھی کہ راستے میں کبھی گر پڑے...... روڈ پار کرتے کسی بس کے نیچے آگئے تو...... مگر چند دن گھر پر گزار کر وہ پھر سے بڑے بھائی کے گھر کی دوڑ لگانے لگے۔

میں جب ان کے منجھلے بیٹے سے بیاہ کر اس گھر میں آئی تو اللہ کا دیا سب کچھ نظر آیا...... کسی چیز کی کمی نہیں تھی...... مگر ان کی زبان سے اپنے بڑے بھائی کے گھر بار اور ان کے بچوں کی ایسی تعریف سنی کہ لگا کسی رئیس کی بات ہو رہی ہے۔

ساس صاحبہ کو ان کے بڑے بھائی ایک آنکھ نہ بھاتے تھے اور رہ گئے تینوں بیٹے تو وہ اپنے کام دھندوں میں ایسے مصروف تھے کہ اگر کبھی کھانے کی میز پر ملاقات ہوتی بھی تو چند ایک باتوں کے دوران ہی ان کی اپنے بھائی کے لیے تعریفوں کا پل باندھنا لڑکوں کو کچھ خاص نہ بھاتا اور وہ تینوں کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے اٹھ جاتے۔

میرے والد کا انتقال میرے بچپن میں ہو گیا تھا...... ساس صاحبہ نے اپنی مصروفیت بنا رکھی تھیں، لہٰذا میرے پاس گھر کے چند کام دیکھنے کے علاوہ کوئی مصروفیت نہ تھی...... میں جب بھی فارغ ہوتی ان کے پاس جا کر بیٹھ جاتی...... انجانے میں ان میں اپنا باپ تلاش کرتی اور سوچتی کہ باپ، بیٹی کا رشتہ شاید ایسا ہی ہوتا ہوگا...... بیٹیاں، باپ کو ایسے ہی بے تکان بات کرتے اور سن کر خوش ہوتی ہوں گی...... اور یوں میں اگر کبھی ان کے بھائی کے قصوں سے بور بھی ہوتی تو خود کو ٹوک دیتی۔ نہیں......

اچھی بات نہیں...... توجہ سے سنو ورنہ سامنے سے ہٹ جاؤ......'' وہ بھی جیسے میرے عادی ہوتے چلے جا رہے تھے، کچھ ہی دنوں میں میں ان کے ہر ایک رشتے دار کے بارے میں جان گئی جن میں خاص کر ان کے بڑے بھائی تھے...... جن کا احسان یہ تھا کہ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو باپ بن کر نہ صرف کما کر کھلایا پڑھایا اور کمانے پر بھی لگایا...... ان کی نظر میں ان کے بڑے بھائی کسی یونانی دیوتا جیسے تھے...... سمجھدار، طاقتور، خوبرو...... اور دنیا کی دولت کی مالک...... وہ جب اپنے بھائی کی بات شروع کرتے تو ان کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی تھی...... اب مجھے ان کے بھائی سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہو چلا تھا...... اور میں نے ایک دن بے دھڑک اپنی خواہش کا اظہار بھی کر دیا...... مگر ان کے دھیمے لہجے سے اندازہ ہوا کہ ان کو یہ بات کچھ زیادہ پسند نہیں آئی۔

''آخر اس میں کیا حرج ہے...... وہ ہر ہفتے جاتے ہیں کسی دن میں بھی چلی جاؤں ان کے ساتھ تو......؟'' یہ سننا تھا کہ میرے شوہر صاحب کا پارہ آسمان پر چڑھ گیا...... انہوں نے پہلی بار سختی سے بات کی اور مجھے کچھ اس طرح انکار کیا کہ میں مزید ضد کر ہی نہیں سکی۔

دل میں ایک کسک نے جگہ بنالی تھی...... اور مسلسل پھانس کے مانند چبھ رہی تھی۔

☆☆☆

اس ہفتے کے روز صبح سے خوب تیز بارش ہو رہی تھی...... ان کے بڑے بیٹے نے آفس پہنچتے ہی فون کر کے سختی سے ہدایات دے دی تھیں کہ آج کچھ بھی ہوا ابا گھر سے باہر نہیں جائیں گے...... وہ بہت پریشان تھے...... بار، بار ساس صاحبہ کو وضاحتیں دے رہے تھے۔

''وہ نہیں گئے تو دعا کیسے ہوگی...... وہی تو ہیں جو دعا کا اہتمام کرتے ہیں...... ان پر کچھ ذمے داریاں ہیں اور اس طرح بغیر بتائے غیر حاضری سے دعا میں خلل پڑ جائے گا۔'' یوں میرا موقع مجھے مل گیا تھا...... میں نے ڈرتے، ڈرتے اپنی خدمات پیش کر دیں...... دونوں میاں بیوی کو چپ لگ گئی...... انہوں نے انکار کیا نہ اقرار......

میں اِدھر اُدھر ہوتی رہی کہ ہاں نہ کچھ تو کہیں مگر وہ دونوں خاموش کسی گہری سوچ میں گم رہے...... بارش بھی زوروں پر ہو رہی تھی اور رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی...... آخرکار مجھے آواز دی گئی...... میں جو اسی انتظار میں تھی جھٹ سے ان کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔

ہم دونوں نے بڑی، بڑی پلاسٹک کی تھیلیاں بارش سے بچنے کے لیے خود پر اوڑھ رکھی تھیں جو چند ہی ہوا کے جھونکوں سے ہاتھوں سے پھسل کر کہیں کیچڑ میں گر چکی تھیں...... رکشا بھی اسٹاپ پر کھڑا نہیں ملا...... کچھ دیر بارش میں بھیگنے کے بعد رکشا ملا تو انہوں نے جگہ بتائی...... میں حیران رہ گئی...... یہ کوئی بہت اونچے اور امیر لوگوں کا رہائشی علاقہ تو نہیں...... مگر پھر بھی صبر سے بیٹھی رہی...... رکشا کون، کون سے راستوں اور گلیوں سے نکل کر آخرکار کافی دیر کے بعد ایک گلی کے کونے پر جا رکا...... ہم اتر گئے۔ اب پیدل چلنے کی باری آئی اور میں پہلی بار گڑ بڑا گئی...... پوری گلی دور سے ہی پانی سے لبالب بھری نظر آ رہی تھی اور اس میں قدم رکھنے کا مطلب تھا کہ ''آگ کا دریا اور ڈوب کر جانا ہے۔'' بہرحال اب واپسی کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا...... میں نے دیکھا وہ مجھ سے نظریں ہی نہیں ملا رہے تھے...... خود ان کو میرے سہارے کی بارہا ضرورت پڑ رہی تھی...... گلی میں پانی کی وجہ سے جہاں پیر پڑ جاتا دو چار لمحے تو سنبھلنے میں لگ جاتے...... ہم جو فاصلہ پانی نہ ہونے پر شاید چند منٹوں میں طے کر لیتے اس وقت کافی لمبا لگ رہا تھا...... خیر ایک زنگ آلود بغیر کنڈی اور تالے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کھنکھارنے لگے...... اور پھر احساس ہوا کہ بارش کے شور میں اندر آواز کہاں جا سکتی ہوگی وہ مجھے کچھ دیر بعد آنے کا کہہ کر خود بے دھڑک اندر چلے گئے...... میں باہر حیران پریشان کھڑی مسلسل بھیگ رہی تھی...... اور میرے جذبات حیرت انگیز طور پر سپاٹ ہو چکے تھے...... یہ میرے ساتھ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ جب مجھ پر نہ تو موسم کا ہی اثر رہا تھا اور نہ ہی مجھے کچھ اور محسوس ہو رہا تھا۔ میں تذبذب کی حالت میں تھی کہ وہ باہر آ گئے اور مجھے

مشکل

دل شکستہ ہوں بہت خود کو میں سمجھاؤں کہاں
آبلہ پا ہوں بہت دور تلک جاؤں کہاں

اپنی قسمت میں فقط درد کے صحرا ہیں بہت
رفی منزل ہے بڑی دور مگر جاؤں کہاں

از: رفعت مبین رفی، یو ایس اے

اشارے سے ایک مکان کو دکھا کر ہدایات دیں کہ وہاں سے فلاں لڑکے کو بلا کر لے آؤں...... اور نہ ملنے پر دوسرا مکان اور نیا نام دے دیا۔ میں پلٹ کر پھر رینگ، رینگ کر پہلے والے مکان پر گئی...... دروازے پر آنے والا وہی تھا جس کی ضرورت تھی مگر لڑکا مجھے دیکھ کر حیران تھا...... ہم دونوں خاموشی سے اپنے مطلوبہ گھر پر پہنچے...... لڑکے نے مجھے اندر آنے کو کہا مگر میں اپنے اندر ہمت نہیں پا رہی تھی...... مجھے جو کچھ آ چکا تھا میں خود سے سخت شرمندگی محسوس کر رہی تھی...... اور اس سے زیادہ کسی کی...... بے بسی، بے کسی، ذلت اور غربت دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی...... بادل نے اچانک نئے سرے سے غضب ناک آواز میں گرج چمک سے برسنا شروع کر دیا اور میں سہم گئی...... میرے سر پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا...... میں نے پلٹ کر دیکھا...... اور مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ چاہے بارش میں بھیگتے ہوئے ہی نکلیں...... اس قسم کے یہ آنسو جب بھی کسی آنکھ سے گرتے ہیں صاف پہچان میں آ جاتے ہیں...... ان کے پیچھے چھوٹا لڑکا ایک کائی زدہ اسٹول لے کر آیا اور میرے پاس رکھ کر واپس چلا گیا...... وہ مجھے بازو سے پکڑ کر اسٹول پر بٹھاتے ہوئے بتانے لگے کہ صفائی ہو گئی ہے بس کپڑے بدل کر اور چند نوالے کھلا کر چائے دے کر وہ آتے ہیں...... میں بیٹھ جانا چاہتی تھی مگر میں بیٹھ بھی نہ سکی...... اس گھر کے اندر سے آیا ہوا یہ کائی زدہ بدنما سا اسٹول مجھے اندر کی کہانی چیخ، چیخ کر سنا رہا تھا۔ اور نہ جانے میں نے بادل کے گرجنے کے ڈر

سے یا اسٹول کے یوں بے دھڑک چلانے پر دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے...... جو وقت گزرا مجھے یاد نہیں رہا مگر مجھے حواس میں واپس لانے والی بھی ان کی ہی آواز تھی......

''کیا ہوا...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟ اندر بھی نہیں آئیں...... یہاں کھڑی، کھڑی بارش میں بھیگتی رہی ہو، بہت ضدی ہو بھئی......''

وہ محبت سے میرے سر پر ہاتھ رکھے مجھے واپس گلی میں لے آئے...... چھوٹا لڑکا بھی تھوڑی دیر میں نکل آیا...... انہوں نے بارش کے پانی سے بھیگے ہوئے چند سو روپے نکالے اور اس کو دیتے ہوئے ہدایات دیں کہ ہو سکے تو ایک دو بار سوپ بنا کر دے، دے...... کھانے میں صرف دلیہ ہی رکھیں اور شام کو ایک دفعہ چائے ضرور بھجوا دیا کریں...... اور پھر لڑکے کو مزید کچھ روپے تھماتے ہوئے کہا کہ وہ دن میں دو چار چکر بھی لگا لیا کرے اور اگر کچھ دیر بات چیت کر لے تو کیا ہی بات ہو جائے...... لڑکا سر ہلاتا رہا اور بہت یقین دلاتا رہا کہ وہ ایسا ہی کچھ کرتا ہے۔

اس لڑکے کی بھاگ دوڑ سے ہمیں ایسی بارش میں بھی رکشا مل گیا مگر گھر پہنچتے، پہنچتے دن ڈھل چکا تھا۔ میں جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی مہمان آیا بیٹھا ہے...... جس کے لیے ساس صاحبہ بھاگ، بھاگ کر کھانے کی میز پر برتن سجا رہی تھیں...... میں اپنی حالت کو بھول کر ان کے ساتھ لگ گئی اور مہمان بے تکلفی سے لاؤنج میں آ گئے...... یہ ساس صاحبہ کے بھائی کے بچے تھے جو اپنی فیملیز کے ساتھ بارش میں گھومنے نکلے تھے اور اب واپسی پر ہمارے ہاں کھانے کا پڑاؤ ڈالا تھا۔ مجھے مکمل بھیگا ہوا دیکھ کر کچھ نے مذاق کیا اور کچھ مجھے محبت سے ہدایات دینے لگے کہ پہلے کپڑے بدل لوں اور پھر کچھ کروں...... اور پھر یہ جان کر کہ میں اپنے سسر صاحب کے ساتھ کہیں سے آ رہی ہوں تو سب خوب قہقہے لگانے لگے اور بار، بار ہر طرف سے ایک ہی سوال کیا جانے لگا کہ آخر ہم دونوں سسر بہو اس موسم میں گئے کہاں تھے...... سسر صاحب کپڑے بدل کر میز پر کھانے کے لیے آ چکے تھے اور ان سب کے ہنسی مذاق پر خاموشی سے مسکرا رہے تھے...... مجھ پر سوالات کا بوجھ بڑھ گیا اور میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا جواب دوں آخر...... سسر صاحب خود ہی بول پڑے۔

''آج ہمارے بڑے بھائی کے ہاں دعا کا اہتمام ہوتا ہے ناں...... اب ہمارے اوپر ہی تو ہے تمام ذمے داریاں...... میلاد کا اہتمام...... سب لوگوں کو قطار میں بٹھانا، بڑے، بوڑھوں کو اچھی جگہ دلوانا...... بچوں کو رعب سے چپ کروانا...... اور پھر دعا کے بعد جو لنگر بانٹا جاتا ہے اس کو دیکھنا کہ سب کو برابری سے ملے...... ہم اگر نہ جائیں تو ہماری ذمے داری کے سارے کام ادھورے رہ جاتے ہیں اور بھائی صاحب کو یہ پسند نہیں آتا......'' سسر صاحب ایک بار پھر سے اپنے بھائی کی قامت کے زمین و آسمان سے قلابے ملا رہے تھے کہ میں نے ان کو ٹوکا۔

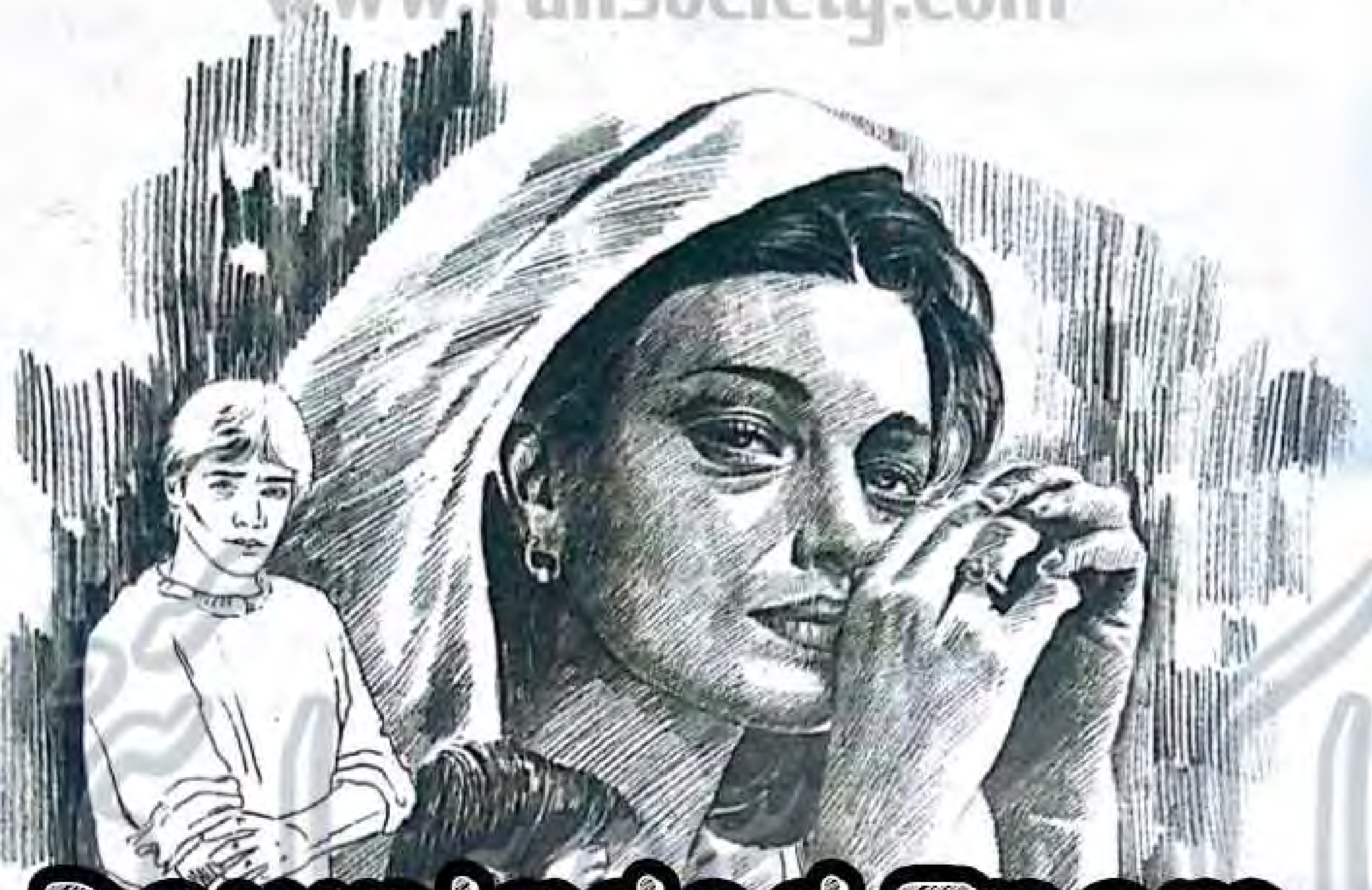
''ابا...... آپ ایک بات تو بتانا بھول ہی گئے۔''

میز پر سب توجہ سے مجھے سننے لگے اور سسر صاحب نے گھبرا کر پہلو بدلا...... میں پھر گویا ہوئی۔

''وہ جو آپ کے لیے ایک بہت ہی خوب صورت سی نرم گدی کی مسند بنائی گئی ہے جس پر لال مخمل کا کپڑا چڑھا ہوا ہے اور جو ذرا اونچائی پر رکھی جاتی ہے کہ آپ اس پر بیٹھ کر سب پر نظر رکھ سکتے ہیں...... کون آیا کون گیا...... کون شرارت کر رہا ہے...... کون شور مچا رہا ہے...... کس کو کھانا ملا...... کس نے کتنی دفعہ کھایا...... مگر آج میری وجہ سے آپ نے اپنی وہ واحد مسند میرے لیے خالی کیے رکھی اور خود سارا وقت کھڑے رہے...... مجھے آپ کا بڑا احساس ہو رہا تھا کہ آپ تھک گئے ہوں گے۔'' سسر صاحب...... دو تین لمحے خاموش ہی رہ گئے وہ میری بات کو سمجھ رہے تھے یا جواب ڈھونڈ رہے تھے پھر جواب میں مسکرا کر تمام لوگوں پر ایک نظر ڈال کر ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگے۔

''خوش رہو بیٹا......! تم بھی تو پہلی دفعہ گئی تھیں اس لیے خیال رکھنا تو میرا فرض تھا ناں......''

''جی ابا...... مجھے بھی آپ کے ساتھ جانا بہت اچھا لگا۔'' یہ کہہ کر میں کپڑے تبدیل کرنے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



مُعمّا

رفاقت جاوید

ریٹائرمنٹ کا "زہر" پینے کے بعد میرا رجحان مذہب کی طرف ہوگیا تھا۔ بیگم کو اس دارِفانی سے رخصت ہوئے چھ مہینے ہوئے تھے۔ بچے دوسرے ملکوں میں تھے صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد میں قرآن پاک کی تفسیر لے کر صوفے پر بیٹھ جایا کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کا ورد کرتے ہوئے مجھے بے حد ذہنی سکون ملتا۔

میرے گھر کے قریب ایک چھوٹا سا پارک تھا۔ جہاں میں اپنی بیگم کے ساتھ کبھی کبھار چہل قدمی کیا کرتا تھا۔ اس

کے جانے کے بعد مجھے پارک کا رستہ ہی بھول گیا۔

وہ ایک بے حد سہانی صبح تھی۔ میں نے تسبیح اٹھائی اور پارک کی جانب نکل گیا۔ بیتا ہوا ماضی میرے اردگرد منڈلاتا رہا اور میں پارک میں پہنچ گیا۔ پارک میں چار بزرگ حضرات کا ایک ٹولا زیرو کی رفتار میں طوعاً وکرہاً چہل قدمی کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے بینچ پر بیٹھ کر ان کا جائزہ لیا..... غالباً ان چار بزرگوں کا رشتہ خونی کہیں سے نہیں تھا۔ یہ تو دیرینہ اور گہری دوستی کا اٹوٹ بندھن تھا۔

عمر کے اس حصے میں ان کی باتیں جن میں طنزو مزاح کے ہمراہ ہلکی سی کڑواہٹ بھی تھی۔ میرے دل کو ایسی بھائی کہ دل چاہا کہ ان کے ساتھ چل پڑوں تھوڑی دیر بعد ہی وہ سب واپس چلے گئے۔ اور میں پارک میں اکیلا رہ گیا۔ مجھے تنہائی میں تسبیح پڑھتے ہوئے ایسے گمان ہوا جیسے میں اپنے رب سے باتیں کررہا..... جب سورج ذرا اونچا ہوا تو مجھے وہ سب باتیں یاد آنے لگیں..... جن پر کڑھ کر میری بیوی اتنے شدید ڈپریشن میں چلی گئی تھی کہ آخراس کے دماغ کی رگ پھٹ گئی..... مگر ایسا کیوں ہوا..... اس کے لیے پہلے آپ کو میرے بچوں اور بیوی سے ملنا پڑے گا۔

☆☆☆

تیرہ سالہ ارحم نے بہ مشکل کھڑکی کے سامنے لٹکے ہوئے پردے کے ایک کونے کی معمولی سی جھری سے کمرے کے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہیں آیا..... وہ سیدھا کھڑا ہوکر پھر سے کھڑکی کا جائزہ لینے لگا جو مکمل طور پر اندرونی طرف لٹکے ہوئے پردے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ارحم کے چہرے پر ناکام سے تاثرات ابھرے اور وہ کچھ نادم سا ہوتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔ ماہین نے قدموں کی چاپ سنتے ہی ذرا سا پردہ سرکا کر باہر دیکھا۔

''رات کے ساڑھے گیارہ بجے ارحم یہاں کیا کررہا تھا۔ ہمارے کمرے کی کھڑکی کے پاس یہ سب کیا ہے؟'' وہ سوچتے ہوئے ارحم کی پشت کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔ البتہ حیران ضرور تھی..... اور بے کلی روح کی گہرائیوں تک سرائیت کرگئی تھی۔

''کیا ہوا.....؟ کون تھا؟ اور اس وقت ہمارے کمرے کی کھڑکی کے پاس کیا کررہا تھا۔'' فاران نے ماہین کو پریشانی کے عالم میں دیکھ کر پوچھا۔

''نہ جانے کون تھا..... ہوسکتا ہے چوکیدار ہو یا کتا.....'' ماہین نے شوہر کو بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ دل تھا کہ حیرت کے ساتھ بے حد خوفزدہ اور مشکوک..... کہ۔ ''ارحم اس وقت یہاں کس مقصد کے لیے آیا تھا..... کیا ہماری باتیں سننا چاہتا تھا یا اندرونی منظر دیکھنا مقصود تھا مگر کیوں؟'' لیکن اسے فوری طور پر کیوں کا جواب نہ ملا... رات بھراس کی ریڑھ کی ہڈی میں بے چینی رینگتی ہوئی محسوس ہوتی رہی اور وہ لیٹے، لیٹے ہی کمر کو ہاتھوں سے سہلا کر کروٹ بدلتی رہی اور خود کو سمجھاتی رہی کہ یہ ایسی کوئی تنگ کرنے والی بات تو نہیں کہ نیند ہی اڑ جائے۔

''یہ معما وقت کے ساتھ سمجھ آجائے گا۔ مجھے ذرا ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔'' وہ خود کو تسلی و تشفی دینے لگی لیکن سب بیکار اور بے سود تھا۔ کبھی پاؤں میں خارش ہوتی تو کبھی دل معمول سے زیادہ تیزی سے دھڑکنے لگتا۔ ذہن الجھا ہوا تھا طرح، طرح کے خیالات سے..... اسی اضطراری کیفیت میں ہی صبح ہوگئی۔ ملازم نے ٹیبل پر ناشتا لگا دیا تھا۔ ارحم اور راحمہ تیار ہوکر باہر نکل آئے تھے۔ ماہین نے گہری نظروں سے ارحم کا جائزہ لیا۔

''ارحم طبیعت تو ٹھیک ہے ناں..... رات کیسی گزری.....'' اس کے چہرے پر کسلمندی کے تاثرات دیکھ کر ماہین نے بے اختیاری سے پوچھا۔

''بہت اچھی نیند آئی ممی! آج تو میں ساڑھے نو بجے ہی سو گیا تھا۔ آپ اور ڈیڈی کی طرح.....'' وہ نظریں چرا کر بولا۔

''ممی یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ بارہ بجے تو یہ

کمرے میں آیا تھا۔ اس سے پوچھیں کہ یہ اس سے پہلے کہاں تھا، گھر میں تو نہیں تھا۔ میں نے اسے پورے گھر میں ڈھونڈا تھا؟'' راحمہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

''ممی یہ جھوٹ بول رہی ہے، میں اپنے کمرے میں موجود تھا اور ساڑھے نو بجے تو خراٹے لے رہا تھا۔'' وہ دیدہ دلیری سے جھوٹ بول رہا تھا۔

ماہین خاموش رہی وہ اسے جتانا نہیں چاہتی تھی کہ وہ رات بارہ بجے کے قریب ان کے کمرے کے باہر کیا کر رہا تھا۔ اور اس وقت جھوٹ بولنے کا مقصد کیا ہے؟ اگر وہ ٹھیک کام کر رہا تھا تو پھر وہ اس کام کا انکشاف کرتا نہ کہ چھپانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتا۔

بچے اسکول رخصت ہو گئے...... اس خوب صورت اور روشن دن سارا وقت ماہین بے حد مضطرب رہی کہ نہ جانے ہم کس آزمائش میں گھرنے والے ہیں۔ ارحم مزاجاً ہی کچھ بدلا، بدلا سا لگ رہا تھا۔ ''ہوسکتا ہے میرا شک ہو۔'' وہ خود کو حوصلہ افزا الفاظ سے بہلاتی رہی، ڈوبتی اور ابھرتی رہی...... غیر معمولی احساس کے ہمراہ دوپہر ہوئی تو ماہین نے ارحم کو دیکھ کر اسے خوش آمدید کہا۔ اس نے اپنا بیگ صوفے پر پھینک دیا۔ ماہین نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا کر بوسہ دینا چاہا مگر اس کے ردعمل میں وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا...... اور تیوری چڑھا کر بولا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔''

''کیوں بیٹا؟ کوئی پریشانی ہے، مجھ سے شیئر کر سکتے ہو۔'' ماہین نے بے تابی سے کہا اور اس کے قریب ہو گئی۔

''ممی میں بڑا ہو گیا ہوں، مجھے بڑوں کی طرح ٹریٹ کیا کریں۔'' وہ رکھائی سے بولا۔

''تم چاہے ساٹھ سال کے ہو جاؤ، میرے لیے اِک چھوٹے معصوم اور ننھے منے بچے ہی رہو گے سمجھے۔'' ماہین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ممی ایسے نہیں ہوتا۔'' وہ الجھ کر بولا۔ ''مجھے آپ کے نظریات سے اتفاق نہیں۔'' ماہین کی نگاہیں اس کی طرف عجب انداز سے اٹھیں...... اس کے ردِعمل کا اِک عجیب سا احساس اسے ایک شعلے کی طرح چھو گیا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے...... یہ بتاؤ کہ آج کل کس دوست کی صحبت میں بیٹھتے ہو...... کتابیں کون سی پڑھتے ہو، فلمیں کون سی دیکھتے ہو...... بتاؤ، فوراً بولو۔''

ماہین نے غیظ و غضب میں اس کا کان مروڑ کر پوچھا۔

''ممی ڈونٹ ٹچ می...... میں نے کہا ناں کہ آئی ایم ناٹ آ چائلڈ اینی مور...... اور غور سے سنیں راحمہ کو بھی برقع پہنا دیں...... وہ جوان ہو گئی ہے۔ جب لڑکے اس کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کی آنکھیں نکال کر ان کے ہاتھ پر رکھ دینے کو جی چاہتا ہے۔'' وہ ماں کے ہاتھ کو جھٹکا دے کر بولا۔

''اور راحمہ کو سمجھا دیجیے کہ وہ ڈائٹ کرنا چھوڑ دے۔ کل رات اس نے جو حرکت کی ہے آپ کو بتاتا ہوں ابھی۔''

''بولو...... کیا، کیا ہے اس نے کل رات...... تم تو ساڑھے نو بجے سو چکے تھے ناں......'' ماہین نے کریدنا چاہا۔

''ساڑھے نو بجے سے پہلے کی بات ہے...... ڈنر کے فوراً بعد کی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''بولو بھی تو...... پہیلیاں مت بوجھواؤ بیٹا...... میری جان نکل جائے گی۔'' ماہین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تڑپ کر کہا۔

''ممی اس لڑکی کو Anorexia nervosa بیماری ہو گئی ہے۔ کسی دن یہ اللہ کو پیاری ہو جائے گی پھر آپ کیا کریں گی۔ ابھی وقت ہے کہ راحمہ کی بیماری پر قابو پا لیا جائے۔'' وہ فکرمندانہ لہجے میں بولا۔

''وہ ہر ڈنر کے بعد گلے میں انگلی مار کر قے کر دیتی ہے، آپ کو علم ہی نہیں کہ اس سے موت واقع ہو سکتی ہے۔''

''بیماری، موت، قے...... یہ سب کیا بول رہے ہو؟'' ماہین نے حیرت سے کہا۔

''جسم کو سلم اور اسمارٹ رکھنے کے لیے آج کل کی لڑکیاں ایسی ہی بے ہودہ حرکتیں کرتی ہیں ممی، یہ بیماری مغرب میں تو بہت عام تھی۔ ہر سال بیسیوں لڑکیاں موت کو اس کی وجہ سے گلے لگاتی ہیں کیونکہ جسم میں اتنی کمزوری آجاتی ہے کہ ہارٹ کام کرنا بند کردیتا ہے۔ ذرا راحمہ کا وزن تو کریں...... انڈرویٹ ہے وہ لیکن پھر بھی سمجھتی ہے کہ میں بہت موٹی ہوں...... اسے سمجھائیں ممی...... میں اس کی شکایت نہیں کررہا...... ہمدردی ہے مجھے اس سے۔'' وہ نرمی سے بولا اور وہیں صوفے پر بیٹھ کر بوٹ اتارنے لگا۔

''تم نے یہ کہاں سے پڑھا ہے؟ میں تو اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔'' ماہین نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے حیرت و تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''انٹرنیٹ زندہ باد ممی...... گوگل صاحب کا بہت، بہت شکریہ......'' وہ لہجے کو خوشگوار بناتے ہوئے بولا۔

''اب ہمیں والدین کی گائڈنیس کی ضرورت نہیں رہی...... گوگل تو ہمارے پیرنٹس سے بہت بہتر ہے۔ اب یہاں سے ہی اندازہ لگالیں کہ آپ کو اس بیماری کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں...... اور میں تفصیلاً بتاسکتا ہوں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، والدین آج دنیا کی اس دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔'' ماہین نے اعتراف کیا۔

''ممی......! آج کی دنیا اور آپ کی دنیا میں بہت فرق ہے...... ہماری دنیا بے حد وسیع و عریض ہے جبکہ آپ کی دنیا میں قدم رکھتے ہی گھٹن کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ممی آئی ڈونٹ لائک اٹ۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ایک طرف تو تمہاری یہ باتیں...... اور دوسری طرف تمہیں اپنی اپیا کی ہر حرکت ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔ میں کچھ سمجھی نہیں۔'' وہ حیران کُن لہجے میں بولی۔

''ممی......! دنیا چاہے کتنی ہی بدل جائے...... میرا مطلب ہے کتنی ہی ایڈوانس اور ماڈرن ہوجائے۔''

''یعنی مغرب زدہ ہوجائے؟'' ماہین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''مغرب زدہ نہیں ممی...... ماڈرن ٹیکنالوجی کی بات کررہا ہوں۔ جس کے بہت فوائد ہیں۔ اب تو پرانے ٹیچرز کی بھی کوئی نہیں سنتا......'' وہ تیزی سے بولا۔

''پرانے ٹیچر......؟ کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' وہ بھی کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''ممی آؤٹ ڈیٹڈ ٹیچرز کی بات کررہا ہوں۔ جن کی تعلیم میں بہت گہرا خلا ہے...... وہ ہمیں کیا خاک پڑھائیں گے؟ بلکہ ہم ہی ان کے بہترین استاد ثابت ہوسکتے ہیں لیکن انہیں کون سمجھائے۔ آپ جیسے پیرنٹس تو اس کام میں بھی ناکام ہیں۔'' وہ ناگوارانہ انداز میں بولا۔

''بیٹا اپنی عمر دیکھو اور اپنی سوچ کر پرکھو...... کچھ مطابقت نظر نہیں آتی۔ بیٹا جی ذہن اور عمر کو ایک ساتھ رکھو...... ان کا سانچہ ایک ہی سائز کا نہ ہوا تو تم زندگی میں آگے بڑھنے کے باوجود بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔ تم نے تو مجھے بہت پریشان کردیا ہے۔ اس لیے تو میں نے تم سے ایک ہی سوال کیا تھا کہ کون سی فلمیں دیکھتے ہو کون سی کتابیں، رسالے پڑھتے ہو اور آج کل کن دوستوں کی قربت میں بیٹھتے ہو۔ تم ایسے تو کبھی نہیں تھے۔ بہت معصوم اور بھولے بھالے بچے تھے۔ اب تمہارے خیالات سن کر مجھے تو فکر لاحق ہوگئی ہے کہ تم کس جانب جارہے ہو۔'' وہ فکر مندانہ لہجے میں بولی۔

''ممی آپ کو مجھ پر فخر ہونا چاہیے کہ میں نے اپنی عمر سے دس گنا آگے قدم بڑھایا ہے اور اس میں کامیابی بھی ہورہی ہے۔ میری بند آنکھیں کھل رہی ہیں اور آپ ہیں کہ سخت ہراساں و پریشان...... ممی آپ خوش ہوں کہ انٹرنیٹ نے میرے ذہن کی گرہ کھول دی ہے۔''

''یہی تو درست نہیں تمہیں کیسے سمجھاؤں......؟'' ماہین نے بیٹے سے نظریں چراتے ہوئے زیرلب کہا۔

''ممی میری آپ سے گزارش ہے۔'' وہ نظریں جھکائے مؤدبانہ انداز میں بولا۔

''جی بیٹا...... بولو تم اصل میں کیا کہنا چاہتے ہو۔'' وہ مشکوک سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر

بولی۔ ''تم اپنی ماں سے ہر بات، ہر طرح کا مسئلہ شیئر کر سکتے ہو۔''

''ممی......! آپ کو راحمہ کے بارے میں جو بھی کہہ رہا ہوں آپ کو ماننا پڑے گا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔ ''آپ بھی بخوبی جانتی ہیں کہ مجھے راحمہ بہت عزیز ہے۔ حالانکہ مجھ سے بڑی ہے پھر بھی میں اس کی وجہ سے بہت فکر مند رہنے لگا ہوں۔''

''کیوں بھئی......؟ ایسی کون سی حرکت کر دی ہے اس نے......'' وہ اچنبھے سے بولی۔

''ممی......! اسے کو ایجوکیشن سسٹم (مخلوط طرزِ تعلیم) سے نکال لیں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک تو دنیا کے آگے بڑھنے کی بات کرتے ہو۔ اور اپنی بہن کے لیے اس قدر دقیانوسی سوچ...... او مائی گاڈ اس لڑکے کو کیا ہو گیا ہے؟ لگتا ہے ارحم تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ خدا کے لیے یہ انٹرنیٹ کی بکواس سے باہر نکل آؤ۔'' ماہین نے اضطراری کیفیت میں کہا۔

''ممی...... آپ کو میری بات سے اتفاق نہیں...... لیکن میں ایک بھائی ہونے کے ناتے بتانا چاہتا ہوں کہ جہاں انٹرنیٹ کے فوائد ہوتے ہیں ہمیں ہر طرح کی انفارمیشن تک رسائی اسی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ لیکن میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ راحمہ کے لیے یہ درست نہیں......'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولا۔

''جاؤ بیٹا میرا دماغ مت چاٹو...... اپنا کام کرو، تم تو وہ باتیں کر رہے ہو جیسے بچہ پیدا ہوتے ہی غیب کی پیش گوئیاں کرنے لگے۔ خدا کے لیے بند کرو یہ کمپیوٹر...... میں آج ہی گھر سے انٹرنیٹ کنیکشن کو...... کٹواتی ہوں اس نے تو تمہیں دو کوڑی کا بھی نہیں چھوڑا...... تمہاری سوچ وسیع ہونے کے بجائے اس قدر تنگ ہو گئی ہے کہ بیچاری راحمہ عتاب میں آنے والی ہے۔ میرے ہوتے ہوئے ایسا تو ہرگز نہیں ہوگا...... خبردار جو آج کے بعد اس قسم کی فضولیات اور بے ہودہ باتیں کیں......'' ماہین غصے میں کانپ اٹھی۔

''انٹرنیٹ کیفے زندہ باد ممی۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔ اور ماں کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''ہائے اسے کیا ہو گیا ہے؟ کیسی عجیب باتیں کرنے لگا ہے اور عجیب سی حرکتیں......'' وہ چونکی۔ ''جب بھی میں اور فاران ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں یہ کن انکھیوں سے چوری، چوری دیکھتا ہے اور آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ میاں بیوی کے رشتے میں کیا کھوجنا چاہتا ہے۔'' ماہین کو تھرتھری سی آ گئی اور وہ سر جھٹک کر کچن میں آ گئی۔

☆☆☆

''تم نے میری بہن کا ہاتھ کیوں پکڑا ہے؟ میں تمہارا ہاتھ کاٹ دوں گا۔''

ارحم نے راحمہ کے کلاس فیلو زمیر کے منہ پر گھونسا مارتے ہوئے چیخ کر کہا۔ اس سے پہلے کہ راحم کو بھی ایک بھرپور طمانچہ پڑتا اور اسکول کے گراؤنڈ میں ایک لڑائی اور جھگڑے کا طوفان برپا ہو جاتا۔ راحمہ دونوں کے درمیان آکر کھڑی ہوئی اور ارحم کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹنے کے انداز میں پرے لے گئی۔ کچھ لڑکے اور لڑکیاں ان کے اردگرد اور کچھ زمیر کے آس پاس جمع ہو گئے۔

''اپنے بھائی کو سینئر برانچ میں آنے سے منع کرو راحمہ...... ورنہ ڈی زاسٹر ہو جائے گا۔'' ایک کی آواز ابھری۔

''اس مسئلے کا ایک حل یہ بھی ہے کہ ارحم کو کسی اور اسکول بھیج دینا چاہیے۔'' دوسری آواز آئی۔

''یہ بڑا ہو رہا ہے۔ خون بھی جوشیلا ہے اور سوچیں بے لگام بھی...... اور راحمہ تم بڑی ہو چکی ہو۔ انجوائے کرو یار...... بھائی سے جان چھڑواؤ......'' تیسری آواز ابھری۔

راحمہ نے ارحم کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑے، پکڑے وہاں سے دور لے گئی۔

''ارحم تم پاگل ہو گئے ہو...... آئی ایم وریڈ آباؤٹ یو۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

''ہاں راحمہ میں پاگل ہو گیا ہوں۔ میں تمہاری

عزت کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں اور سب نے مجھے پاگل قرار دے ڈالا ہے۔ ممی نے، تم نے اور ان تمام لڑکوں نے۔'' وہ پژمردگی سے بولا۔

''میری عزت کی حفاظت......؟ میں سمجھی نہیں۔'' وہ حیرت وتجسس سے بولی۔

''راحمہ تم نہیں سمجھو گی......'' وہ سر ہلا کر بولا۔

''تم مس فٹ ہوتے جا رہے ہو۔ جاؤ کسی تیسرے درجے کے اسکول میں داخلہ لے لو...... دماغ ٹھکانے آجائے گا۔ بے وقوف تم نے اپنی زندگی کو ریورس گیئر.... میں ڈال کر ہم سب کے ساتھ دشمنی کی ہے اور خود کو تو برباد کرنے پر تل ہی گئے ہو...... کیا ہوتا جارہا ہے تمہیں۔'' راحمہ نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''میں اب ٹھیک راستے پر گامزن ہو چکا ہوں۔ تمہیں اس اسکول سے جانا ہوگا۔ لڑکوں کے ساتھ تمہارا کیا کام......؟'' وہ تلخی ودرشتی سے بولا۔

''یہ باتیں تمہیں سوٹ نہیں کرتیں ادحم، تم ابھی بہت چھوٹے ہو...... میں زندگی کی اونچ نیچ سے واقف ہوں اور آج کی ریکوائرمنٹس بھی جانتی ہوں۔ عمر اور ماحول سے ہم ان میں تفریق کرنا سیکھ لیتے ہیں۔ جو وسیع النظری سے کام لیتے ہیں۔ جیت انہی کی ہوتی ہے وہی متوازن اور پُرسکون زندگی گزار سکتے ہیں۔ تم بھی اپنی دقیانوسی سوچوں سے باہر نکل کر حقیقی دنیا کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کرو۔'' راحمہ نے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے طنز سے بھرپور نظر بہن پر ڈالی۔

''ایسی طنزیہ نظروں سے مت دیکھو...... میں عمر میں تم سے چار سال بڑی ہوں...... اور عقل وشعور کے لحاظ سے تیرہ سال بڑی۔'' وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔ وہ خاموش رہا۔

''ادحم ایک راز کی بات پوچھوں؟'' وہ پھر نرمی سے بولی مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا بس اسے دیکھتا چلا گیا۔

گھر پہنچ کر راحمہ نے آج کی تمام روداد ممی کے گوش گزار کر دی وہ جو پہلے ہی بے حد فکرمند رہنے لگی تھی۔ آج تو پریشانی میں ایسا اضافہ ہوا کہ برداشت کرنا مشکل ہوگیا...... کہ ایک طرف تو یہ خیالات اور دوسری طرف رات کی تاریکی میں نوکروں کے کوارٹروں کی کھڑکیوں سے اندر جھانکنا اور راحمہ اور والدین کے کمروں کے دروازے سے کان لگا کر کن سوئیاں لینا...... یہ سب کیا تھا......؟ اور اس کے پس پردہ کون تھا۔

اگلی صبح حسبِ معمول فاران ناشتے کے بعد آفس چلا گیا...... آج راحمہ اور ارحم کو ماہین نے گھر پر ہی روک لیا تھا۔ کیونکہ وہ ان سے تفصیلاً بات کر کے اس معمے کو حل کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ سوال کرنے کے بعد ماہین نے غور سے ادحم کی طرف دیکھا جو صوفے پر اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ماں کی طرف سے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ماہین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بوسہ دیا۔

''آئی لو یو ارحم...... میں بہت پریشان رہنے لگی ہوں۔ میرے بچے۔''

''ماما...... یہ بوس وکنار کرنا چھوڑ دیں۔ مجھے اس سے شدید نفرت ہے۔'' وہ پرے ہٹتے ہوئے زہرخند سے بولا۔

''ماں کی محبت سے نفرت ہے۔ دھت تیرے کی۔'' وہ حیرت سے تنبیہاً کر بولی۔

''ممی! آج کے بعد مجھ سے سوالات کرنے سے پہلے یہ سوچ لیجیے گا کہ میں اب ایک جوان مرد ہوں بچہ ہرگز نہیں...... مجھے میری زندگی پر اختیار تو ہرگز نہیں لیکن اسے گزارنے پر پورا اختیار ہے۔ اس لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ بس میں آپ کو یہ انفارم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کل سے راحمہ کا اسکول چھوڑ کر دوسرے اسکول جارہا ہوں۔ مجھ سے راحمہ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی خواہ مخواہ میرے ہاتھوں پر کسی کے خون کے دھبے کیونکر لگیں۔'' وہ اپنا فیصلہ سنا کر وہاں سے اٹھ گیا اور اس کے آخری جملے پر ماہین دھک سے رہ گئی۔

''ممی.....! اس نے یہ فیصلہ بے حد درست کیا ہے۔ اب ہم دونوں مشترکہ اسکول میں نہیں پڑھ سکتے..... کیونکہ یہ لڑکا اس عمر میں ہی اس قدر شکی مزاج اور دیوانہ ہوگیا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ اسی میں ہم سب کی بہتری ہے۔'' راحمہ نے بھی فیصلہ کرنے میں نے ایک پل نہ لگایا تھا۔

''میں کہتی ہوں کہ تمام مسئلے کی جڑ ہی یہ انٹرنیٹ ہے۔ اس کی شخصیت ماڈرن لیکن سوچ حد درجے کی دقیانوسی ہونے میں ضرور کسی انتہا پسند سوچ کا ہاتھ ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ہمارا گھر تو تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے..... اللہ خیر ہی کرے۔'' ماہین نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

''ممی .....! میں بھی ایسا ہی سوچنے لگی ہوں مگر اس کے اسکول میں ایسے مزاج کا ایک بھی لڑکا نہیں..... اور نہ ہی ٹیچر..... ہمارا اسکول تو بے حد ماڈرن اور آزاد خیالی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ممی آپ ڈیڈی سے یہ مسئلہ ڈسکس کریں۔ اب ارحم کے مسئلے پر سوچ بچار کا وقت آگیا ہے۔'' راحمہ نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

''وہ تو شام گئے گھر آتے ہیں اور آتے ہی میں انہیں اس بے ہودہ اور فضول مسئلے میں الجھانا نہیں چاہتی..... لیکن اب تو مجبوری ہے۔ بتانا تو ضرور پڑے گا۔'' ماہین نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''آج نہیں تو کل پتا چل کر ہی رہے گا۔ جناب کسی دوسرے اسکول جانے کا فیصلہ جو کر چکے ہیں۔''

''ممی اس نے بے حد درست فیصلہ کیا ہے۔ اس نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ہر وقت میری رکھوالی، مخبری اور اس کی لعن طعن مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ کلاس فیلوز میرا مذاق اڑاتے ہیں، یہ تو ذہنی مریض بنتا جا رہا ہے۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''ایسے مت کہو بیٹا..... تمہارا بھائی ہے، ویسے بھی اس اسکول میں تمہارے چند مہینے تو باقی ہیں۔ تھوڑا برداشت کر لو بیٹا..... یہ لڑکا اب شاید کسی بھی اسکول میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکے گا۔ بچوں کے بار، بار اسکول

غزل

گلہ ترے فراق کا جو آج کل نہیں رہا
تو کیوں بھلا یہ مستقل عذاب ٹل نہیں رہا

میں کس سے التجا کروں، میں کس سے ابتدا کروں
دعا اہل رہی نہیں گلہ بدل نہیں رہا

میں راستوں کی بھیڑ میں کہاں یہ آگیا کہ اب
کوئی بھی راستہ تری گلی کا نکل نہیں رہا

وہ نقشِ پا کو دیکھ کر چلا ہے مجھ کو ڈھونڈنے
اسی گمان کہ عوض میں تیز چل نہیں رہا

فقط یہی ہے آرزو تو مل کہیں تو رو برو
یہ دل ترے فراق میں کہیں سنبھل نہیں رہا

کلام: عارف اشتیاق
پسند: بشریٰ شفیق، کراچی

بدلنے کا نتیجہ بہت بھیانک ہوتا ہے۔ اس لیے تم ہی سمجھنے کی کوشش کرو.....'' ماہین نے منت و سماجت کے انداز میں کہا۔

''ممی اس ''پین ان دی نیک'' کے ساتھ ایک لمحہ گزارنا مشکل ہے۔ آپ مہینے کا وقت گزارنے کا کہہ رہی ہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا..... ورنہ مجھے اسکول بدلنا پڑے گا۔ آج کا تھپڑ، ہاتھا پائی اور شدید مار کٹائی کی صورت اختیار کر جاتا اگر میں ان کے درمیان نہ آ جاتی۔''

''بیٹا تم ہی لڑکوں میں اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دو..... میں جانتی ہوں کہ لڑکیوں کی طرح یہ لڑکے بھی تمہارے کولیگز ہیں..... دوست بھی ہیں۔ اس میں قطعاً برائی نہیں لیکن اس بیٹے کا کیا کروں؟'' ماہین سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''ڈیڈی سے مشورہ تو کر دیکھیں۔ میرے پاس تو اس کا کوئی حل نہیں ہے۔'' راحمہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

''بیٹا میں سوچ رہی ہوں... اسکول بدلنے سے تم تو اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤ گی مگر وہ اپنے انہی نظریات میں مزید مستحکم ہوتا چلا جائے گا۔ مسئلے کا حل یہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے اگر ارحم کو ملک سے باہر کیوں نہ پڑھایا جائے؟ جغرافیائی اور معاشرتی ماحول انسان پر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے نظریات وخیالات میں مثبت تبدیلی آئے گی۔ مجھے تو ڈر ہے اگر یہی حالات رہے تو وہ کہیں کوئی گروپ نہ جوائن کر لے۔'' وہ کافی فکرمندی سے بولی۔

''ممی گڈ آئیڈیا اس کا تمام پاگل پن چند دنوں میں ہی رخصت ہو جائے گا۔'' بہن، ماں کی سوچ کر سراہا۔

☆☆☆

جب فاران نے بیٹے کو دوسرے کسی اسکول کے بجائے لندن بھیجنے کا مژدہ گوش گزارا تو اس نے حیرت انگیز طور پر کوئی احتجاج کیا نہ ہی معمولی سا انکار..... فوراً خوشی کا اظہار کر کے اس نے گھر والوں کو مطمئن کر دیا تھا۔

لندن روانہ ہونے سے پہلے اس نے بڑی بہن اور ماں کو اپنی دانست میں ایک لمبا چوڑا لیکچر پلایا کہ معاشرے کو سنوارنے اور اس کی غلاظت پر قابو پانے کے لیے ہر عورت، لڑکی اور بچی کو گھر کے اندر رہ کر زندگی گزارنی چاہیے۔ پردہ داری عورت کا حسن ہے..... اور شرم وحیا اس کی عزت وتکریم ہے۔ آج اس کے ساتھ بحث کرنا مناسب نہ لگا تھا۔ وہ گھر سے دور ایک اجنبی دنیا کا باسی بننے جا رہا تھا۔ ماں، بہن کے لیے یہی غم کم نہ تھا۔

ہفتے، مہینوں میں اور مہینے سال کا روپ دھار گئے۔ ارحم چھٹیاں گزارنے اپنے وطن واپس آیا تو والدین نے اس کا حلیہ دیکھ کر ناراضی کا اظہار کیا۔ زمین سے رگڑتی ڈھیلی ڈھالی جینز اور کانوں میں بالی اور گلے میں میٹل کی چین..... یہ سب ایک سال میں کیسے ہوا؟ سب اسی سوچ میں حیران وپریشان تھے

راحمہ نے والدین کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ ارحم کا اس انتہا پسندی سے یہ روپ ہزار درجے بہتر ہے جو کسی کے لیے نقصان دہ نہیں..... لیکن والدین کسی صورت کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اگلی صبح ہی اس کا ہیر کٹ کرایا گیا۔ کان سے بالی اتروائی گئی۔ شلوار قمیص تھما کر ان کے زہر آلود لہجے میں کہا۔

''ایکسٹریمسٹ لوگ تمہارے جیسے ہی ہوتے ہیں لعنت ہے تم پر۔ کیا تم میانہ روی کا مطلب بھی سمجھتے یا۔ وہ حد یا یہ انتہا.....'' اسے اپنی شلوار قمیص تھما کر انہوں نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

''اعتدال اختیار کرو بے وقوف انسان..... مجھے تو تم سے خوف آنے لگا ہے کہ ابھی تم اٹھارہ سال کے ہوئے نہیں اور طبیعت میں اس قدر تنزل اور شوریدگی کہ زندگی کو متوازن طریقے سے گزارنے کا شعور ہی نہیں رہا تم میں، آج فیصلہ ہو کر ہی رہے گا کہ تم زندگی میں آخر بننا کیا چاہتے ہو؟''

''ایک اچھا، کھرا اور سچا انسان.....'' وہ باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ''اپنی اس لاڈلی کے لچھن دیکھے ہیں آپ نے۔''

''ہائے میرے اللہ..... اسے معاف کر دینا۔'' ماہین نے تڑپ کر کہا۔

''کتنی بار کہا ہے کہ اسے برقع پہنائیں۔ گھرداری سکھائیں، کیا کرے گی اتنی تعلیم حاصل کر کے۔''

''تمہاری سوئی اُدھر ہی اٹکی ہوئی ہے۔ وہ جو تمہارا حلیہ تھا قابلِ ندامت قابلِ مذمت اور ناقابلِ قبول ہے۔''

''ممی..... میں آج آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ اصل حقیقت کیا ہے کہ میری عمر کے لڑکے جیسا بھی فیشن کریں یہ ان کا حق ہے، آج تک آپ نے کسی شادی شدہ مرد کو اس قسم کے فیشن کرتے دیکھا ہے ایسا نہیں ہوتا۔'' وہ کاٹ دار لہجے میں بولا۔

''یعنی یہ ٹین ایج (کم عمری کی دیوانگی) سینڈروم ہے۔'' ماہین نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم گھر کی چار دیواری میں چوڑیاں پہن کر بیٹھو۔۔۔۔۔اور راحمہ تمہاری جگہ پُر کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہمیں اس بچی سے آج تک کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ تم ہو کہ اس کی جان لینے کے درپے ہو۔''

''خبردار جو تم نے گھر سے باہر قدم نکالا، میں ٹانگیں توڑ دوں گا تمہاری ماں کا خیال درست ہے۔'' فاران نے بھی غیظ وغضب میں کہا تو وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اور کمرے کا دروازہ پوری شدت سے بند کر کے اپنے غصے کا اظہار کیا۔

''اس لڑکے کو کیا ہو گیا ہے؟ حیرت کی انتہا ہو گئی ہے کہ اپنے لیے اس قدر لبرل اور بہن کے لیے زمانۂ قدیم کی روایات ورسومات پر زور دیتا ہے۔ ماہین اس کا ذہنی توازن خراب ہو چکا ہے۔ اس کی وجوہات مجھے سمجھ نہیں آتیں۔ اس کے اندر تجسس کی اِک دنیا آباد ہے۔ تجسس کس چیز کا ہے یہ مجھے معلوم نہیں۔۔۔۔۔ مسئلہ خاصا تشویش ناک ہے۔'' فاران نے فکر مندی سے کہا۔

''بیٹے جیسی ریسرچ کرنا چاہتے ہیں آپ۔۔۔۔۔ تو گئے ہمارے کام سے۔'' ماہین نے اِک لمبی سرد آہ بھر کر کہا۔

''کیا کہا۔۔۔۔۔؟ میں سمجھا نہیں۔۔۔۔۔'' وہ اچھنبے سے بولا۔

''اسے آج سے کئی سال پہلے سے ہی کسی گائیڈنس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی نہ آپ کی اور نہ ہی میری۔۔۔۔۔'' ماہین نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے تو یہ کمپیوٹر نرا شیطان کی آنت لگتا ہے جس کی طوالت کی کوئی انتہا نہیں۔ بڑے، بوڑھے، جوان اور بچے اسی کے آگے سرنگوں ہیں ان کے لیے ماں، باپ بھی یہی اور زندگی بھر کا ساتھی بھی یہ شیطان ہے جس نے سب کو بہکاوے کے سپرد کر دیا ہے۔''

''لیکن میں حیران اس بات پر ہوں کہ ادحم کی شخصیت میں اس طرح کی تبدیلیوں کی وجوہات کیا ہیں؟ وہ کمپیوٹر سے کون سی تعلیم حاصل کر رہا ہے کہ بہن کے تمام حقوق کو فراموش کیے بیٹھا ہے۔ لندن بھیجنے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آیا بلکہ اس نے اپنا ظاہرانہ پن ہی بگاڑ لیا۔'' فاران نے سوچتے ہوئے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''میں اس کی کھوج لگاتی ہوں کہ اٹھارہ سالا لڑکا باتیں اور حرکتیں بزرگوں والی بھی کرتا ہے اور بچوں والی ناسمجھ اور نامناسب باتوں میں بھی اس کی کوئی کمی نہیں۔'' ماہین نے گہری سوچ کے بعد کہا۔

''کھوج تو لگانی پڑے گی ماہین۔۔۔۔۔'' فاران نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ کو اور مجھے جن نظروں سے دیکھتا ہے، میں خوف سے لرز جاتی ہوں۔ نہ جانے یہ لڑکا ہمارے بارے میں ہر وقت کیا سوچتا رہتا ہے۔ مجھے تو گمان ہونے لگا ہے کہ وہ ہمیں ماں، باپ نہیں سمجھتا۔'' ماہین نے دلگیر ہوتے ہوئے کہا۔

''تو کیا سمجھتا ہے۔۔۔۔۔ میں سمجھا نہیں۔'' فاران نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ ہمیں صرف اور صرف مرد اور عورت سمجھتا ہے۔ جس کا آپس میں کوئی بھی پاک و مقدس رشتہ نہیں۔'' ماہین نے مردنی آواز میں کہا۔

''ایک تو تم بھی کمال شے ہو، بات کا بتنگڑ بنانا کوئی تم سے سیکھے۔ ہم اس کے والدین ہیں بھئی۔۔۔۔۔ ہمیں وہ عزت واحترام بھری نظروں سے دیکھے گا نہ کہ مشکوک اور شیطانی نگاہ ہم پر ڈالے گا۔ توبہ استغفار پڑھو ماہین۔۔۔۔۔ اور آئندہ ایسی بے ہودہ اور فضول سوچ کو ذہن کے قریب بھی نہ آنے دینا۔'' وہ ناگواری سے بولا۔ تب سے ہی ماہین چپ رہنے لگی تھی اور اتنی چپ کہ ہمیشہ کے لیے ہی چپ ہو گئی۔

آج دونوں بچے باہر ہیں۔۔۔۔۔ اور میں پرانی باتیں سوچتے ہوئے ایک لمحے کے لیے یہ شکوہ اپنے آپ سے کرتا ہوں کہ گھر میں انٹرنیٹ لگانے کا کیا مجھے کوئی فائدہ ہوا یا نہیں۔۔۔۔۔ یہ بات کسی سے شیئر اس لیے نہیں کر سکتا کہ آج کے دور میں ایسی دقیانوسی باتیں کرنا معما ہی لگا کرتی ہیں۔۔۔۔۔ ہے ناں!



منی ناول

دیار صبح کے اجالوں میں

نایاب جیلانی

پانچواں حصہ



اس کے چہرے پر پھیلے ہراس کو دیکھ کر گلناز کی ساری طراری اڑنچھو ہوگئی تھی...... وہ اپنی لفاظی پہ قدرے چونکی تھی پھر بے ساختہ ہنستی چلی گئی...... تو کیا اسما اس کی بک، بک کو سچ تصور کر رہی تھی؟

''اللہ مجھے کسی بھی لغزش اور گمراہی سے بچائے...... میری بھاشا پہ کان مت دھرو...... میں نے جس پر پھسلنا تھا پھسل گئی۔ بار، بار رٹنا مجھے نہیں آتا۔'' گلناز نے ایک آنکھ میچ کر اشارہ کیا تو اسما



گہری سانس کھینچ کر اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ گلناز ایسی ہی تھی...... منہ پھٹ، ہنس مکھ، غیر معمولی خوش اخلاق...... ہر ایک سے ہنس کر بات کر لینے والی شاید اسی لیے لوگ اس کے افسانے بنا دیتے تھے۔ بلکہ لوگ کیا.. اسما کے گھر والے...... مامی اور اسما رابالی تو آج تک اس نے گلناز کی بے ہودگیوں کے قصے کسی کی زبان سے نہیں سنے تھے۔

''ویسے تم اپنے منگیتر کو بچا رکھنا۔'' کچھ دیر بعد وہ ازلی بے تکلف انداز میں بہ آواز بلند اسے مشورہ دے رہی تھی۔

''کس سے بچا کر رکھوں؟'' اسما نے گلناز کو تیکھے چتونوں سے گھورا تھا اور ابھی گلناز منہ پھاڑ کر کسی انہونی بات کا ذکر کرنا چاہتی ہی تھی جب اندر آتی مامی کو دیکھ کر بات بدل گئی۔

''مجھ سے۔'' اس نے سابقہ انداز میں کھلکھلا کر کہا تھا۔ ''میری ہر اچھی چیز پر نظر ہوتی ہے۔'' وہ دیکھ مامی کو رہی تھی اور مخاطب اسما سے تھی...... اس کا انداز بڑا عجیب سا ہو گیا تھا...... جیسے وہ در پردہ مامی کو سنا رہی ہو...... گلناز کی ایک یہ بھی بڑی پرانی عادت تھی۔ وہ اپنا نام لے کر منہ بھر، بھر کے دوسروں کو باتیں سنایا کرتی تھی۔ یہ خاص ٹرک بھی گلناز کے پاس تھی۔

مامی نے گلناز کو بیٹھے دیکھا تو اُن کے ماتھے پر سلوٹیں آ گئیں...... وہ گلناز کو پسند نہیں کرتی تھیں اور گلناز بھی انہیں اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ اسی لیے اسما کی غیر موجودگی میں وہ کبھی ان کے گھر نہیں آتی تھی۔

''میری نظر بڑی تیز ہے...... بلکہ ''بدنظر'' ہی کہو...... پتھر کو دیکھوں تو پتھر پھاڑ دوں...... اسی لیے کہتی ہوں...... اپنے فیانسی کو بچا کر رکھنا......'' گلناز نے مامی کو تیکھی نظر سے دیکھ کر اسما کو مخاطب کیا تھا......

وہ لمحہ بھر کے لیے الجھ گئی...... کیا گلناز بے ارادہ ہی بات کر رہی تھی؟ یا بے پر کی اڑا رہی تھی جو اس کی فطرت کا خاصہ تھا؟ یا عادتاً مامی کو سنا رہی تھی کیونکہ مامی بھی اسے سنانے سے باز نہیں آتی تھیں۔

''میری نظر ہمیشہ دوسروں کی اچھی چیزوں پر رہتی ہے۔'' اس نے مزے سے چائے کی آخری چسکی بھری اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ مامی نے کھا جانے والی نگاہوں سے گلناز کو گھورا اور ساتھ ہی اپنی توپوں کا رخ اس کی طرف کر لیا۔

''تمہیں لور، لور گھومنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں......؟'' وہ تخت پر نشست سنبھال کر بیٹھ گئی تھیں جس کا مطلب تھا وہ ابھی گلناز کو جانے کی اجازت دینے والی نہیں تھیں۔ مامی نے گلناز کو چھیڑ کر بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال لیا تھا...... گلناز جو مامی کے منہ لگنے سے بچ کر چپکے سے نکل جانا چاہتی تھی، گہری سانس کھینچ کر دوبارہ اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔ ادھار رکھنے کی تو وہ بھی کبھی قائل نہیں تھی۔

اسما اسے بیٹھتا دیکھ کر سر پکڑ کر رہ گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ابھی کچھ ہی دیر میں محاذ تیار ہو جائے گا۔ جنگ کا طبل بجے گا اور دونوں اطراف سے گولہ باری شروع ہو جائے گی۔

''لور، لور پھرنا میں نے پڑوسیوں سے سیکھا ہے۔'' گلناز نے اپنی ازلی دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ مامی کا دل بری طرح سے جلایا۔

''پڑوسیوں سے کچھ اچھا بھی سیکھ لیتیں۔'' انہوں نے بھی حساب برابر کیا۔

''سیکھا ہے ناں، دوسروں کی ٹوہ میں رہنا...... غیبتیں کرنا...... اور جھوٹی افواہیں اڑانا......'' گلناز نے گہرا کاٹ دار وار کیا تھا...... مامی جو تخت پہ نیم دراز ہو رہی تھیں، اٹھ کر لمحوں میں بیٹھ گئیں۔

''یہ تم کسے سنا رہی ہو؟'' ان کے ماتھے پر بل آئے۔

''ان دیواروں کو...... فرنیچر کو...... آپ کے تخت کو......'' وہ جل بھن کر بولی تھی۔ ''ظاہر ہے آپ کو سنا رہی ہوں...... مطلب اسما کو۔'' اس نے فوراً اسما کا بھی اضافہ کر لیا تھا...... ورنہ مامی اسے چپل اٹھا کر مارنے کا پورا پورا ارادہ رکھتی تھیں۔

''تو کیا ہم جھوٹی افواہیں اڑاتے ہیں؟'' مامی

نے آنکھوں میں تیز لپک بھر کر کہا...... گلناز نے آرام سے کندھے اچکا دیے۔

"کالونی میں جو بات بھی پھیلائی جاتی ہے اس اسما کے توسط سے پھیلائی جاتی ہے...... اسما افواہیں پھیلانے میں مہارت رکھتی ہے...... اسے بھارتی ایجنسی "را" میں بھرتی کروادیں۔ کم از کم مجھ غریب کی تو جان چھوٹے گی۔" گلناز نے مامی کو فارم میں آتا دیکھ بندوق اسما کے کندھے پر رکھ کر فائر کھولا تھا۔ وہی اس کی پرانی عادت...... منہ کسی اور کا رکھ کر مقابل بندے کو ساری تیکھی پھیکی سنا دینا...... دل کی بھڑاس نکال لینا۔

اسما جو اپنا نام لینے پر گلناز کو گھورنا چاہتی تھی اور اس کے منہ سے نکلنے والا تھا "ارے...... میں کہاں؟" گلناز کے اشارہ کرنے پر چپکی بیٹھی رہ گئی تھی۔

"جس شدت اور تیزی کے ساتھ مجھے کالونی میں بدنام کیا جارہا ہے ناں...... میں ببانگِ دہل کہہ رہی ہوں، اپنی زبانوں کے آگے بلڈوزر نہ کھڑا کیا گیا تو اسما کی بچی تمہیں اٹھا کر بارڈر کے پار دوسری نگری میں پھینک آؤں گی۔" گلناز نے دانت پیس کر مامی کی طرف دیکھتے ہوئے اسے سنایا تھا۔ اسما کے پیٹ میں ہنسی روکنے کے چکر میں گرہیں پڑگئی تھیں اور مامی دانت کچکچاتی رہ گئیں۔

"اسما نے تمہارا کیا بگاڑا ہے اس نے تو کبھی نام تک نہیں لیا تمہارا...... جو منہ بھر، بھر کے باتیں کرتے ہیں ان کا ہی جا کر گریبان پکڑو۔" مامی نے جیسے ہاتھ جھاڑے تھے۔

"ان کے گریبانوں تک بھی پہنچ جاؤں گی...... ابھی تو صرف زبان سے سمجھا رہی ہوں۔" گلناز کے ارادے خاصے خطرناک تھے۔

"بی بی! ہمارا ناطقہ کیوں بند کر رکھا ہے...... ہمیں کیوں سناتی ہو۔" مامی کی بیزاری عروج پر تھی۔ وہ تو گلناز کو منہ لگا کر پچھتائی تھیں۔

"جس طرف سے طوفان اٹھے بند تو وہیں پہ باندھتے ہیں ناں۔" گلناز نے مرچیں چبا ڈالی تھیں۔ مامی کے تیور بدل گئے تھے۔

"مطلب......؟" انہوں نے ناک پر انگلی رکھ کر پوچھا۔

"اس اسما کو سنبھالیں...... مجھ پر ہاتھ ذرا "ہولا" رکھے۔ جس دن میں نے اس کے پٹھے پر وزن ڈالا ناں تو اسے نانی یاد آجائے گی۔" گلناز نے اسما کی آڑ میں مامی اور اسمارا کو در پردہ اچھی طرح سنا کر حساب برابر کیا تھا...... وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"لڑکی! تم ہمیں کیوں سنا رہی ہو۔ اہلِ محلّہ کی زبان پکڑو...... ہم تو باہر سے سنتے ہیں، ہر کوئی تمہارا ریکارڈ لگاتا پھر رہا ہے۔" مامی بھی کھل کر سامنے آگئی تھیں۔

"محلے والے ایسے بے دید نہیں ہیں، کسی پر جھوٹے الزام رکھیں...... سب جانتی ہوں میں کون کیا کررہا ہے۔ اللہ پوچھے گا سب کو۔" گلناز نے زہرخند لہجے میں کہا۔

"تم ہمیں کس خوشی میں بددعائیں دے رہی ہو؟" مامی نے دانت پیس کر گلناز سے کہا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔ پھر چپل پیروں میں اڑس کر بولی۔

"دکھے ہوئے دل خود بخود دعاؤں کی رہگزر بن جاتے ہیں...... اس کے لیے زبان ہلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" گلناز نے دو لفظوں میں بڑی گہری بات کردی تھی...... اس کی سنجیدگی نے اسما کو بھی چونکا دیا تھا۔ اسے بڑا ہی افسوس ہوا۔ اگر مامی نے گلناز کے خلاف غلط باتیں پھیلائی تھیں تو یہ بہت برا کیا تھا...... کم از کم اسما نے آج تک گلناز کی ایسی ویسی کوئی بات نہیں سنی تھی۔ گو کہ وہ بہت شریر تھی...... منہ پھٹ بھی مگر کریکٹر لیس ہرگز نہیں تھی۔ اسما کا دل نہیں مانتا تھا۔ پھر مامی کو تو ٹوہ لینے کی عادت تھی۔ اور وہ رائی کا پہاڑ بنانے میں بھی خاصی مہارت رکھتی تھیں۔ کیا خبر، مامی کو غلط فہمی ہوئی ہو...... اور انہوں نے بغیر تصدیق کے عادتاً بات آگے پھیلا دی ہو۔ اسما ابھی انہی باتوں پر غور و فکر کررہی تھی جب مامی، گلناز کے اٹھتے ہی لپک کر اس کے قریب آگئیں...... اسما جو اپنے ہی خیالوں میں تھی لمحہ بھر کے لیے چونک گئی...... مامی کے لہجے میں دبا دبا

جوش تھا...... اور وہ اسما کو کوئی ''گپ'' سنانے والی تھیں۔ اسما کے خیال میں یہی تھا......اب وہ گلناز کا کوئی اور خفیہ کارنامہ بتائیں گی۔

لیکن مامی نے اس کے گھٹنے پر دباؤ ڈال کر بڑی عجیب بات کہی تھی۔ اسما پوری جان سے ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''سن لیا تم نے...... کیسے منہ پر سب کچھ سنا گئی ہے...... اس کو کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے...... اپنے گریبان میں نہیں جھانکتی سارا محلّہ تھوتھو کر رہا ہے...... خیر، چھوڑو اس بات کو...... دفع کرو تم نے اس کی باتیں سن لی ناں...... اس کے ارادے ٹھیک نہیں۔'' مامی کے ہاتھ کا دباؤ بڑھنے کے ساتھ، ساتھ زبان کا دباؤ بھی بڑھ رہا تھا۔ وہ ناسمجھی کے عالم میں مامی کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

''کیا مطلب......؟'' اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

''ارے...... مطلب صاف ظاہر ہے، تمہیں کیا بکواس سنا کر گئی ہے؟ جانے تمہارا دھیان کہاں ہوتا ہے؟'' انہیں اس کے ہونق پن پر غصہ آگیا تھا۔

''میں سمجھی نہیں......'' اسما واقعی نہیں سمجھی تھی۔

''گدھی ہو تم بھی...... جانے اتنا پڑھ کیسے لیا......؟ انسانوں کو پڑھنا نہ آیا...... یہ گلناز، عاشر پر اتنے سالوں سے ڈورے ڈال رہی تھی۔ جب عاشر نے منہ نہ لگایا تو پھر کالونی میں اپنی عادت پوری کرنے لگی...... اب دیکھ لینا...... ہادی پر نظر رکھ لی ہے اس نے...... اور تمہیں منہ پر جتا بھی گئی ہے...... اس لڑکی کی دیدہ دلیری تو دیکھو......'' مامی نے اپنی بات پوری کر کے اسما کے متغیر چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟'' بہت دیر بعد اسما کچھ بولنے کے قابل ہوسکی تھی۔

''اسما! تم میں ذرا بھی ہوشیاری نہیں...... اپنی سادگی میں ہر کسی پر اعتبار کر لیتی ہو۔ اس گلناز سے بچ کر رہو...... بہت چالاک ہے یہ......'' مامی کا انداز دھیما اور کٹیلا ہو گیا تھا۔

''مامی! گلناز ایسی نہیں......'' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

''وہ کیسی ہے...... مجھے سب پتا ہے، تم نہ سمجھنا...... کیا بھول گئی ہو گلناز کی عاشقی ہمارے عاشر کے لیے...... کیسے جان دیتی تھی عاشر پہ...... مرنے پر اترائی تھی۔ بھول چکی ہو...... سب کچھ؟'' مامی نے اسے ...... کیا کچھ یاد دلانے کی کوشش کرنی چاہی...... وہ لمحہ بھر کے لیے چپ کر گئی...... یاد تو اسے بھی بہت کچھ آگیا تھا...... اور ساتھ دل میں عجیب سا وہم بھی ابھر آیا...... گلناز کی بازگشت اس کے کانوں میں اب تک سنائی دے رہی تھی۔

''تم جتنے مرضی بند باندھ لو...... میں تمہارا ہیرو لے اڑوں گی۔'' اسما کے دل میں ڈھیروں بے چینیاں چیونٹیوں کے مانند رینگنے لگی تھیں۔ وہ چاہ کر بھی اس احساس سے پیچھا نہ چھڑا سکی۔

☆☆☆

اسما کے ساتھ ایک عجیب مسئلہ تھا...... وہ جتنا ہاسٹل میں پڑھ کر آتی بس وہی غنیمت ہوتا...... گھر آنے کے بعد اسے بہ مشکل ہی نوٹس اٹھانے کا وقت ملتا تھا...... مامی اسے دیکھ کر یا تو کمر درد اور گھٹنوں کا درد لے کر بے حال ہو جاتی تھیں یا پھر رشتے داروں کے گھروں میں راؤنڈ لینے نکل پڑتیں...... اسما کے گھر آتے ہی انہیں یاد آجاتا کہ فلاں کے گھر بچے کی ولادت پہ مبارک باد دینی ہے۔ فلاں کا عقیقہ ہے...... فلاں کے گھر تعزیت کرنے جانا ہے...... وغیرہ وغیرہ...... ان کا گھر میں ٹکنا پھر محال ہو جاتا تھا۔

اسما پر خود بخود گھر کی ذمے داری آجاتی تھی...... ویسے بھی ہر پندرہ دن بعد عاشر، اسما کو لے آتا کیونکہ اسما ہی آکر بابا، عاشر اور ماموں کے ڈھیر لگے کپڑوں کو دھوتی۔ عاشر کے کپڑوں کو کلف لگاتی۔ ان سب کے کپڑوں کو استری کرتی...... اسما کی غیر موجودگی میں مجبوراً عاشر کو لانڈرنگ بھی کروانا پڑتی تھی...... لیکن اس کی نوبت کم، کم ہی آتی...... اسما ہر پندرہ دن کے بعد گھر

آجاتی اور یہ سب کام انجام دیتی۔ امی سے اب حقیقتاً اتنا کام نہیں ہوتا تھا...... پھر ماموں معذور تھے......وہ ان کو سنبھالتی تھیں اور یہی ان کا بڑا کام بھی تھا۔

اسمارا کو کہنا سننا فضول تھا۔ وہ بڑی موڈی لڑکی تھی دل کرتا تو کام کرتی ورنہ اس کی بلا سے...... امی خود بھی اسمارا پر ذمے داری ڈالنے کے حق میں نہیں تھی۔ اور بابا ویسے بھی گھریلو معاملات سے الگ رہتے تھے۔

ان دنوں چھٹیوں کے بعد اس کے امتحانات بھی تھے لیکن اسے پڑھنے کا ذرا وقت نہیں مل رہا تھا۔ رات کو بھی آندھی وطوفان کے ایسے جھکڑ چلے کہ پورا گھر دھول مٹی میں اٹ گیا تھا۔ گو کہ بارش نہیں ہوئی تھی تاہم تیز ہوا اور مٹی کی وجہ سے زیادہ گندگی اور کوڑا پھیلا ہوا تھا۔ صبح وہ ناشتے کے بعد صفائی میں جت گئی تھی۔ کمرے اور لاؤنج صاف کر کے جیسے ہی اس نے صحن میں پائپ لگایا تھا۔ اسی پل دیوار سے گلناز نے جھانکا...... اسما کو کام کرتے دیکھ کر اس کی رگِ شرارت پھڑک اٹھی۔

''اسما! مہینے بھر کی گندگی نکال جایا کرو...... تمہارے بعد یہاں پر کوئی جھاڑو پکڑنے کا بھی روادار نہیں...... صحن گلے سڑے پھلوں سے بھر جاتا ہے۔ کبھی کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہ صفائی کر دے۔'' گلناز کی آواز پر اسما نے گردن اونچی کر کے دیوار کی طرف دیکھا تھا۔ وہ شیطان کی آنت کی طرح لٹک رہی تھی۔

''امی نے تو قسم کھا رکھی ہے...... ہل کر پانی بھی نہیں پینا......'' اس نے مزید ارشاد جاری کیا۔

''جب ذمے داری پڑے گی تو کر لے گی۔ ابھی اسے کرنے والے نظر جو آتے ہیں۔'' اسما کا انداز بے پروا تھا۔ اس نے پائپ لگا کر چھپاک، چھپاک فرش دھونا شروع کیا۔

''مجھے تو اگلے دس سالوں میں بھی ایسے آثار نظر نہیں آتے......'' گلناز دیوار سے لٹکتی ہوئی نیچے اتر آئی تھی۔

''لکھوا لو مجھ سے...... یہی حالات رہے تو امی صاحبہ ادھر کوئٹہ میں بھی تمہیں چین نہیں لینے دیں گی۔

فون کھڑکا، کھڑکا کر یہ دونوں تمہیں بلایا کریں گے تاکہ تم عاشر کے سال بھر کے کپڑے استری کر جاؤ...... اور گندے کپڑوں کی گانٹھ بھر کے ساتھ لے جاؤ...... وہیں سے دھو، دھو کر پریس کرنا اور پارسل کر دینا۔'' وہ ہنستے ہوئے نان اسٹاپ شروع تھی۔ اسما نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں...... عاشر کے کام تو امی ضرور کرے گی۔''

''خوش فہمی ہے تمہاری...... امی سے امید مت رکھنا۔'' گلناز نے آگے بڑھ کر اس سے جھاڑو اور پائپ جھپٹ لیا تھا۔

''رہنے دو، میں کر لیتی ہوں۔'' اسما نے نرمی سے کہا۔ ''تم اپنے گھر کا سارا کام خود کرتی ہو، تھک چکی ہو گی۔''

''میں نہیں تھکتی...... تم وائپر لگاؤ پیچھے سے...... دیکھو تو دھوپ چڑھتی جا رہی ہے۔'' گلناز نے پائپ اور جھاڑو پکڑتے ہی منٹوں میں لپک جھپک صحن دھو ڈالا تھا...... وہ بڑی پھرتیلی لڑکی تھی۔ جتنی زبان چلتی تھی، اتنے ہاتھ بھی چلتے تھے۔ خاصی صفائی پسند بھی تھی، کوکنگ بھی لاجواب کرتی، کپڑوں کی سلائی تک کر لیتی تھی۔ ہر فن مولا سمجھی جاتی تھی۔ اسما نے سر ہلا کر وائپر لگانا شروع کیا تھا۔

''ویسے کبھی، کبھی میں سوچتی ہوں، امی میں ذرا بھی احساسِ ذمّے داری نہیں۔ یہ گھر کیسے چلے گا۔ مامی خود تو کام چور تھیں...... امی کو بھی ایسا بنا دیا۔''

''امی کو تمہاری مامی نے نہیں ایسا بنایا۔ وہ قدرتی طور پر اپنی ماں پہ گئی ہے۔ جینز کا اثر ہوتا ہے یار!'' وہ گملوں میں پانی ڈالنے لگی۔ پودوں کو پانی کی پھوار سے دھویا تو ان میں جان پڑ گئی تھی۔ جانے کب سے سوکھ رہے تھے۔

''اور ایک بات کہوں؟ برا مت ماننا......'' وہ پسینے سے تربتر لال انگارہ چہرے پر ہاتھ مار کر بولی۔ اس کی سرخ و سفید رنگت تربوز کی طرح لال ہو رہی تھی۔

''ہاں بولو......'' اسما نے امرود کے پودے سے کچے کچے امرود توڑ لیے...... پک کر گر جاتے تب بھی کسی نے کہاں اتارنے تھے۔

''امی خود بھی نکمی ہے لیکن تمہاری مامی اور عاشر نے اسے جان بوجھ کر نکما کر دیا۔ عاشر کو اب نہیں...... شادی کے بعد احساس ہو گا۔'' اسما کا اچھالا ہوا امرود کیچ کرتی وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی...... اس نے سر ہلا کر اس کی بات کو تسلیم کیا۔

''اب دیکھو ناں...... بجائے امی کو سمجھانے یا احساس دلانے کے، اسے گھر کے کاموں کی طرف توجہ دلانے کے عاشر فون کھڑکاتا ہے یا تمہیں ہاسٹل سے لے کر آتا ہے...... یہ کوئی مسئلے کا حل تو نہ ہوا......؟'' گلناز نے کچے امرود کو کچر، کچر کھاتے ہوئے کہا تھا...... اسما گہری سانس کھینچ کر رہ گئی تھی۔

''امی اپنی اداؤں اور دل لگی سے ہی عاشر کو فرحت بخشتی رہے گی۔ وہ اسے دیکھ، دیکھ کر ہی شاد ہوتا رہے گا۔ گھر کی طرف توجہ کس کافر کی جائے گی۔'' اسما نے ہنس کر اس کی کھری، کھری باتوں کو ٹال دیا تھا۔ وہ کئی مرتبہ اس مسئلے پر سوچ چکی تھی۔ چلو، مامی، ماموں تو اسما کے ماں باپ تھے۔ وہ اس کی بے پروائیوں پر پردہ ڈال لیتے تھے پھر ماموں کا خیال رکھنے کے لیے مامی تھیں۔ اصل مسئلہ تو بابا کا تھا...... ان کا خیال کون رکھتا......؟ عاشر نے تو امی کے حسن سے ہی پیٹ بھر لینا تھا۔ لیکن بابا کہاں جاتے؟ اس نے سوچ کر پکا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ عاشر سے اس معاملے پہ ضرور بات کرے گی۔

''اچھا...... چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ تمہارے رشتے کی جہاں بات چل رہی تھی کیا بنا وہاں......؟'' اسما نے اسے امی کے موضوع سے ہٹا لیا تھا۔ گلناز کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''جانے دو...... کوئی اور بات کرتے ہیں......'' گلناز کا موڈ آف ہو گیا تھا...... اس نے پائپ لپیٹ دیا۔ جھاڑو ٹھکانے پر رکھا۔

''مجھے بھی نہیں بتاؤ گی؟'' اسما وائپر لگا کر

برآمدے کی سیڑھیوں پر آبیٹھی تھی۔ گلناز کیا ریوں میں گھس کر پودوں میں تانکا جھانکی کرنے لگی۔

''وہاں سے بات ختم ہوگئی ہے یارا......'' وہ ہری مرچ کے پودے پر لگی ڈھیروں تازہ مرچیں اتار کر اپنے دوپٹے کے پلو میں رکھ رہی تھی۔ بازار میں مرچوں کا بھاؤ سونے کے بھاؤ جتنا تھا اور یہاں پر کسی کو قدر نہیں تھی۔ گلناز کو افسوس ہوا۔

''کیوں......؟'' اسما نے تفکر بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ارے کیوں کا کیا سوال ہے؟ ایک میرے ابا کماتے والے مکان کرائے کا...... سفید پوشی سے ڈھکا چھپا بھرم ٹوٹ گیا۔ جب انہوں نے لاکھوں کے جہیز کی ڈیمانڈ کی تھی۔'' وہ بے پروائی سے بتا رہی تھی۔ اس کا سارا دھیان ہری مرچوں کی طرف تھا۔ اسما کا دل بھی برا ہوا۔ آخر گلناز میں کیا کمی تھی۔ ایم اے تعلیم، سگھڑ، سلیقہ منداور گوری چٹی خوب صورت...... لوگوں کا معیار کہاں تک آپہنچا تھا۔ لالچی نہ ہوں تو......

''اچھا ہوا جان چھوٹ گئی تمہاری۔'' اسما نے ہمدردی جتائی تھی۔ ''اتنے لالچی لوگ تھے۔ بعد میں نہ جانے کیا، کیا کرتے؟''

''جان کہاں چھوٹی ہے؟'' گلناز نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔ ''گوکہ لالچی تھے مگر اماں ابا کی پریشانی تو ختم ہو جاتی۔'' اسما کو واضح طور پر لگا تھا اس کی آواز بھرّا رہی ہے۔

''اماں رشتے کروانے والی کٹنیوں کو اپنی ساری کمیٹی کی رقم تھنسوا چکی ہیں۔ مگر ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ لالچی تھے لیکن چل ہی جاتے...... اماں، ابا کا بوجھ تو کم ہوتا......'' گلناز نے بڑے سفاکانہ انداز میں کہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا اس نے دوپٹے کے پلو میں باندھی ساری ہری مرچیں خود نگل لی ہیں۔

''اور تمہاری زندگی چاہے پوری کی پوری خراب ہو جاتی۔'' اسما نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''تو کیا ہوتا؟ یہاں بھی بڑی سنور رہی ہے۔ اماں کو مجھے دیکھ دیکھ کر ہول اٹھتے ہیں۔'' گلناز نے تلخی سے سر جھٹکا۔

''اللہ بہتر کرے گا۔'' اسما اس کے علاوہ کیا کہہ سکتی تھی۔

''بہتری کی امید پہ تو زندہ ہوں۔'' گلناز نے ساری مرچیں اتار کر اکھٹی کر لی تھیں۔ غالباً اچار ڈالنے کا ارادہ تھا۔ وہ ہر دفعہ اسما کی لگائی سبزیوں میں سے اپنا حصہ اڑا لیتی تھی کیونکہ اسما کی غیر موجودگی میں پپو کو بھیج کر پودوں کو پانی بھی گلناز ہی لگواتی تھی۔

''ویسے ایک بات کہوں......؟'' وہ یاسیت کے راؤنڈ کو پورا کر چکی تھی۔ اب دوبارہ سے اپنی جون میں لوٹ رہی تھی۔

''ہاں کہو......'' اسما نے سر جھٹک کر کہا...... گلناز اب لیموں کے پودے کا ایکسرے کر رہی تھی۔ گول، گول لیموں اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔

''تم بہت خوش قسمت ہو اسما......'' اس نے کانٹوں سے بچتے بچاتے لیموں اتارنے شروع کر دیے تھے۔

''وہ کیسے......؟'' اسما چونکی۔

''تمہیں اتنے اچھے لوگ ملے...... تمہارے سسر کی بات کر رہی ہوں۔ وہ بہت اچھے انسان ہیں، جتنی مرتبہ وہ تمہاری غیر موجودگی میں آئے انہیں میں نے ہی چائے بنا کر دی تھی...... انکل مجھے بلوا لیتے تھے...... غالباً دو یا تین مرتبہ جب امی اور آنٹی گھر پر نہیں تھیں......'' گلناز کے بتانے پر اسما نے سر ہلا دیا۔ اپنے سسر کی تعریف اسے اچھی لگی تھی۔

''اور ان کا بیٹا بھی بہت اچھا ہے......'' گلناز نے مزید کہا تھا اب کہ اسما کی ساری بے نیازی ہوا ہو گئی تھی۔

''ان کے بیٹے کو تم نے کہاں دیکھا ہے؟'' اسما کا رنگ فق ہو چکا تھا۔

''دیکھا نہیں...... سنا ہے، انکل بتا رہے تھے۔ اپنے بیٹے کی اتنی تعریف کر رہے تھے۔ وہ بہت اچھا ہے۔ بہت نیک ہے۔ بڑا فرمانبردار ہے۔'' گلناز نے ہنس کر بتایا تھا۔ وہ لیموں کا ڈھیر اتار چکی تھی۔ اب

دوپٹے میں لپیٹ رہی تھی۔

''اچھا......'' اس نے گہری سانس خارج کی...... ہادی کی تعریف پہ اس کی اٹکی سانسیں بحال ہوگئی تھیں۔

''تم نے کبھی فون پر بات کی اس سے؟'' گلناز کو اچانک خیال آیا۔

''نہیں تو......'' اسما نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو کر لیتی ناں......؟ اب تو سارے لوگ کرتے ہیں...... انڈر اسٹینڈنگ ہو جاتی ہے۔ ہادی بھی خوش ہوتا۔ نمبر نہیں ہے تمہارے پاس؟'' گلناز نے مسکرا کر پوچھا۔

''عاشر کے پاس ہے۔'' اسما نے بتایا۔

''اس کے پاس انڈے دے رہا ہے...... نمبر لو عاشر سے۔'' گلناز نے اسے ڈپٹا تھا۔ اسما نفی میں سر ہلانے لگی۔ وہ خود سے اتنا چیپ کام کیسے کرتی؟ اس کی جھجک اور وقار ایسی حرکت کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ گلناز مسلسل بضد تھی۔

''میں اتنا غیر مناسب کام نہیں کر سکتی......'' اسما نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ حد تھی وہ کیوں پہل کرتی؟ جبکہ ہادی کی طرف سے ایسی کوئی ڈیمانڈ یا خواہش کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔

''تم بس رہنا انیس سو بیس میں ہی...... لوگ کہاں کے کہاں پہنچ گئے۔ ارے یار! وہ جھجکتا ہوگا، تم پہل کر لو...... بیچارہ خوش ہو جائے گا۔'' گلناز نے اسے اکسایا تھا۔

''میں نے اسے خوش کرنے کا ٹھیکا نہیں لے رکھا۔ جیسے مرضی خوش رہے......'' اسما ایک انچ بھی نہ ہلی تھی۔ وہ شادی سے پہلے کے میل جول یا ٹیلی فونک رابطے کو نا پسند نہیں کرتی تھی، بابا اور عاشر کی طرف سے بھی کوئی پابندی نہیں تھی لیکن جب ہادی نے ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی تو پھر اسما کیوں پہل کر کے اپنا آپ گراتی۔

''تم اتنا اور یہ وقار کا طبل بجاتی رہنا...... اور جانے کیا کچھ ہوتا رہے...... ایی وے، یہ ساری مرچیں اور لیموں میرے منتظر تھے۔ جب اچار تیار ہوگا تو تمہارا حصہ نکال دوں گی...... ابھی چلتی ہوں، ہانڈی چڑھانی ہے، میری آفر پہ غور کرنا......'' گلناز کے احمقانہ مشورے پر اس کا عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا...... وہ کتنی ہی دیر گلناز کو کوستی رہی...... حد تھی بھلا...... اسے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہادی کی نگاہ میں اپنا وقار گرانے کی...... وہ بھی کیا سوچے گا کہ کیسی بے شرم اور اتاؤلی لڑکی ہے۔ مری جا رہی تھی اس سے بات کرنے کو...... نہیں، نہیں...... ہرگز نہیں...... اس نے مستحکم انداز میں سوچا پھر ہانڈی پکانے کے لیے سبزی کاٹنے لگی لیکن اس کا دھیان ہادی کی طرف محو پرواز تھا۔ اس نے بھی تو اسما سے ملنے، دیکھنے یا بات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ کیا وہ اسما کے ساتھ رشتے پہ خوش تھا؟ یہ گلناز کی بچی اس کا ذہن کہاں پہ الجھا گئی تھی۔

اسما کے دل سے یہ بات نکل ہی نہیں سکی...... حالانکہ بابا نے کہا بھی تھا۔ اسما اگر ہادی سے ملنا چاہے...... اور یقیناً بابا سے عاشر نے یہ بات کی ہوگی۔ اس کے بابا اور بھائی خاصے روشن خیال تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ اسما اپنا شرعی حق استعمال کرلے...... لیکن اسما کو اپنے بابا پہ پورا بھروسا تھا۔ اس نے سب کچھ ان دونوں پر چھوڑ دیا...... لیکن وہ ہادی کی طرف سے دل میں اٹھتے وہم کو نکال نہیں سکی تھی۔ ہادی نے بھی تو اس سے ملنے یا دیکھنے کی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا؟ کیا واقعی ہادی اس رشتے پر خوش تھا؟

☆☆☆

وہ اپنی ہی جھونک میں گیٹ سے باہر نکلی تو اندر آتے عاشر سے بری طرح ٹکرا گئی اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں گلناز کی ساری پوٹلی کھل کر بکھر گئی تھی۔ ہری مرچیں اور لیموں جا بجا لڑھکتے ہوئے دور، دور تک چلے گئے تھے۔ اور گلناز کی بارے وحشت کے آنکھیں بھی دور تلک ہی پھیلتی چلی گئی تھیں۔

''اندھی ہو گیا؟ دکھائی نہیں دیتا......؟ بے تھے

بیل کی طرح ٹکراتی پھر رہی ہو۔'' عاشر اس ٹاکرے سے سنبھل کر ایک دم گلناز پر چڑھائی کرتے ہوئے بولا، وہ ناک بھوں چڑھا کر اسے بری طرح سے گھور رہا تھا..... گلناز سنبھل کر سیدھی ہوئی پھر مارے غصے کے تپ اٹھی۔

''تم خود کسی خوفناک سانڈ کی طرح پھنکارتے آرہے تھے..... کیا آنکھوں کی بتی گل ہے یا دماغ کی......؟''

''تم نے مجھے سانڈ کہا؟'' عاشر مارے صدمے کے گرنے ہی لگا۔ ''خود کیا ہو تم؟ شمال جنوب میں پھیلی ہوئی..... بھوری آنکھوں والی بلی..... آٹے کی بوری.....'' اس نے صدمے سے سنبھل کر حساب برابر کر دیا تھا۔ ''اور تم ہمارے گھر کی ٹوہ میں رہنا چھوڑ دو..... کیا تانکا جھانکی سے فرصت نہیں۔''

''میں کیوں تانکوں گی..... ہر وقت روٹیاں اٹھائے آتے جاتے دکھائی دیتے ہو۔'' گلناز نے دانت پیسے تھے۔

''تم مجھے دیکھنے کے علاوہ بھی کوئی اور کام کر لیا کرو.....'' عاشر نے اسے اور بھی چڑایا تھا۔

''ایسے ہی حسن کے دیوتا ہوناں..... مجھے کیا ضرورت پڑی ہے تمہیں دیکھنے کی۔'' اس نے چبا، چبا کر کہا۔

''ایسی غلطی بھی نہ کرنا..... امی تمہارا کچومر کر دے گی.....'' عاشر نے اسے تپایا، گلناز تو مارے غصے کے پھڑ پھڑانے لگی۔

''امی کچومر اپنا بنائے یا تمہارا..... مجھ تک آنے کی ضرورت نہیں..... ویسے بھی امی کو کھانا پکانا تو آتا نہیں..... انڈے وہ ابال نہیں سکتی۔ کچومر کیا خاک بنائے گی..... البتہ بے وقوف ضرور بنا سکتی ہے۔'' گلناز نے ایک ہی راؤنڈ میں سارے پوائنٹ برابر کر دیے تھے۔ لیکن وہ عاشر ہی کیا جو منہ کی کھا کر لاجواب ہو جائے۔

''امی کو ضرورت کیا ہے بھلا؟''

''ہاں، تم جو ہو..... باورچی بھی بن سکتے ہو۔'' گلناز نے اسے چڑایا۔

''تمہیں بائی داوے ہمارے غم میں گھلنے کی کیا ضرورت پڑی ہے؟'' عاشر نے گہرے طنزیہ انداز میں پوچھا تو گلناز پہلی مرتبہ قدرے گڑبڑائی تھی۔

''میں تو ایسے ہی تمہیں مشورہ دے رہی تھی..... تاکہ اپنے فیوچر کا پلان ابھی سے ترتیب دے لو..... ہوٹل وغیرہ سلیکٹ کر لو ظاہر ہے کرنا کرانا تو اس نے کچھ ہے نہیں۔''

''تم اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھو۔'' عاشر نے بھنا کر جتایا۔

''نہیں تو نہ سہی..... میں تو تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہی تھی۔'' گلناز نے کندھے اچکائے تھے۔

''اپنا ''بھلا'' بھی اپنے پاس ہی رکھو، مجھے ضرورت نہیں۔'' وہ تنک اٹھا تھا۔ گلناز کے ہونٹوں پہ معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

''کیا پتا ضرورت پڑ جائے.....'' وہ اسے جان بوجھ کر تلملانے پر مجبور کر رہی تھی۔

''اگر پڑی بھی تو تم سے مدد لینے نہیں آؤں گا۔'' عاشر نے جان چھڑائی تھی۔

''اپنی بات پر قائم رہنا۔'' گلناز نے دھمکا کر کہا تھا۔

''میں قائم ہوں..... تم اپنی فکر کرو..... خواہ مخواہ خدمتِ خلق کے بہانے بیچ میں کود نہ پڑنا..... ویسے بھی تمہیں بہانے، بہانے سے میرے گرد منڈلانے کا شوق ہے۔'' عاشر نے مسکراہٹ نگل کر اس کے لال بھبوکا چہرے کی طرف دیکھا..... وہ اپنی بلی جیسی آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی..... اور پھر جیسے پھٹ ہی پڑی۔

''ایسے ہی تم شہد کی مکھیوں کے چھتے ہوناں..... تمہارے وجود سے شہد بہتا ہے ہونہہ، بڑی خوش فہمی ہے تمہیں اپنے بارے میں۔''

''اس بات کا احساس تم نے ہی مجھے دلایا ہے۔ میرے فراق میں آہیں بھر، بھر کے..... اور میرے گرد پھیرے لگا، لگا کر.....'' عاشر نے اس کی سابقہ.....

بے وقوفیوں اور بے تابیوں کا ذکر چھیڑا تو گلناز کا مارے خفت کے چہرہ لال پڑ گیا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا کمزور ترین پہلو تھا...... اس کی نادانی میں اتری محبت، اوائل عمر کی غلطیاں، کچی پکی عمر کی الفتیں جو اپنی نادانی اور بے وقوفی میں اس نے پورے جہان میں خود ہی نشر کردی تھیں۔ اور جب، جب گلناز کو وہ سب یاد آتا...... اس پر گھڑوں پانی پڑ جاتا۔ انسان اپنی کم عقلی اور نادانی میں کیا کچھ نہیں کر دیتا...... جس پر بعد میں پچھتانا پڑتا ہے اور گلناز کو بھی اپنی کھیل، کھیل کی محبت ایک پچھتاوے کے مانند ڈستی تھی۔

''وہ تو میں کالج کے ڈرامے کی ریہرسل کرتی تھی۔'' گلناز نے بہت دیر بعد خود پر قابو پا کر عاشر کو خوش فہمیوں کے ہنڈولے سے گرایا۔ اسے اپنے اوپر قابو پانا آتا تھا اور تن کے مقابلہ کرنا بھی آتا تھا۔ عاشر چاہے جتنی دفعہ ملنے پر اسے پرانی باتیں دُہرا دُہرا کر شرمندہ کرتا...... گلناز ڈٹ کے بھرپور حاضر جوابی کا مظاہرہ کرتی۔

عاشر ابھی کے ابھی گلناز کی بے نیازی میں لپٹے سفید جھوٹ پر بے ہوش ہونے لگا۔

''گلو...... کی بچی......! اب اتنا بڑا جھوٹ مت بولو...... جس پر یقین کرنے کے لیے دریائے ہڈسن میں ڈوبنا پڑے۔''

''تاکہ لاش بھی نہ مل سکے۔'' گلناز نے ٹکڑا لگایا تھا۔

''تمہاری......'' عاشر مسکرایا۔

''چلو میری ہی سہی...... تم تو خوش ہو جاؤ گے۔'' گلناز کے لہجے پہ لمحہ بھر کے لیے یاسیت چھا گئی تھی۔ جس پر اس نے فوراً قابو پا لیا تھا کہ خود کو گرانا اب اسے گوارا نہیں تھا۔

''راستے سے ''بلڈوزر'' جو ہٹے گا میں کیوں ناں جشن مناؤں گا۔'' عاشر بے پروائی سے مسکرایا۔ گلناز کے دل میں ایک ساتھ کئی کانٹے چبھ گئے تھے...... اس کے چہرے کی رنگت بھی متغیر ہو گئی تھی۔ جس پر اس نے مشکل سے ہی سہی مگر قابو پا لیا تھا۔

''میں کب تمہارے رستے میں کھڑی ہوں...... میں تو ایک طرف کھڑی ہوں......'' اس کی آواز میں ٹوٹے کانچ چیخ رہے تھے۔ عاشر ساری چونچالی بھول کر گڑبڑا سا گیا...... پھر اسے کوئی بات اور نہ سوجھی تو نیچے بکھری ہری مرچیں اور لیموں دیکھ کر گلناز پر چڑھ دوڑا...... شاید ماحول پر چھائی کثافت کے اثر کو مٹانا چاہتا تھا یا پھر گلناز کو اس یاسیت سے نکالنا مقصود تھا۔

''چورنی؟ تم نے ہماری کیاریوں پر حملہ کیا ہے؟ تبھی چوروں کی طرح اندھا دھند بھاگ رہی تھیں۔ تاکہ تم مامی کے ہاتھوں پکڑی نہ جاؤ......'' عاشر نے کچھ ہی دیر بعد گلناز کو پھر سے پنچے تیز کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''چور ہو گے تم یا تمہارے ہوتے سوتے...... خبردار مجھے چورنی کہا تو...... پودوں پر لگی نعمتیں اور رزق ایسے ہی گل سڑ رہا تھا...... اور ہمیشہ سے گلتا سڑتا ہی ہے اگر اسامہ دیکھے تو...... میں ہر دفعہ لیموں، مرچیں اتارتی ہوں۔ اچار ڈالتی ہوں تو آدھا حصہ تمہارے پیٹ میں اترتا ہے۔ جو صبح صبح نگل کر یونیورسٹی جاتے ہو...... اگر آم اتاروں تو مربہ ڈالتی ہوں...... اس میں بھی آدھا مربہ تمہاری سڑیل مامی کے ہاتھوں میں دے کر آتی ہوں...... خود سے تو کبھی انہیں توفیق نہیں ہوتی...... اور تم ہر چیز کھا ڈکار کر باتیں بھی سنانے سے باز نہیں آتے۔'' وہ تن فن کرتی زمین پر بیٹھ کر لیموں اور مرچیں اکٹھی کرنے لگی۔ عاشر بھی جھک کر دوزانو بیٹھ گیا تھا پھر اس نے گلناز کی لیموں، مرچیں اٹھانے میں پوری مدد کی تھی جب وہ اپنی پوٹلی بنا کر اٹھی تو عاشر نے بے ساختہ کہا۔

''سوری ناں......'' وہ منہ بسور کر کہہ رہا تھا۔ گلناز کے آگے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔ یہ سوری خاصا غیر متوقع لفظ تھا۔ عاشر اور سوری کہے......؟ حیرت کی بات تھی۔ اس نے تو اچھے، اچھے وقتوں میں سوری نہیں کیا تھا...... جب اس کا سوری بنتا بھی تھا، گلناز کی نادانیوں میں کہے لفظوں کا جب اس نے ریکارڈ لگا دیا تھا۔ اس کی محبت کے اشتہار لگا دیے تھے۔

یوں اس کی مامی تک بات پہنچی تو گویا، گلی محلے میں پہنچ رہے ہیں لیے گئے تھے۔ اماں، ابا تک شرمسار پھر تے رہے اور گلناز سے نظریں اٹھانا محال ہو گیا۔ وہ بھی کیا ہی دن تھے۔ گلناز ان دنوں کو سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی جو گزر گیا سو گزر گیا تھا۔ تب عاشر بھی میچور نہیں تھا۔ اس نے بھی غیر سنجیدگی کا ثبوت دیا تھا کیونکہ اس میں تب اتنی سمجھ بوجھ نہیں تھی۔

اور اب سوری کا کیا مطلب تھا؟

یہ سوری ابھی ابھی کہے گئے لفظوں پہ کہا جا رہا تھا؟ یا پھر سابقہ غلطیوں کے ازالے کی وجہ سے؟ گلناز الجھ کر اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''یہ سوری کس لیے......؟'' اس نے اپنی حیرانی پر قابو پا کر بے ساختہ پوچھا تھا۔

عاشر کچھ دیر تک اس کا دھوپ کی تمازت سے سرخ تربوز جیسا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بڑی نرمی اور ملائمت سے سر جھکا کر کہا۔

''ہر اس غلطی کے لیے......اور ہر اس بات کے لیے جس نے تمہارا دل دکھایا ہے۔'' وہ اپنے الفاظ کہہ کر رکا نہیں تیزی سے اندر چلا گیا تھا۔ جبکہ گلناز حیرت کا مجسمہ بن کر ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

یہ دن بڑے سست رفتار اور گرم تھے جب فضا حبس سے بھر گئی تھی اور ہوا چلنے سے قاصر...... پرندے گھونسلوں میں چھپے رہتے۔

گرمی کا تپاک سہا نہیں جاتا تھا۔ باہر لو کے تھپیڑے اڑتے سارا، سارا دن موسم گرم اور خشک رہتا ......رات کے وقت اچانک آسمان سرمئی ہوتا......غبار کے بگولے اٹھتے اور لمحوں میں آندھی اپنا کام کر دکھاتی۔ ہر طرف گرد ہی گرد اڑنے لگتی۔ یوں پورا گھر دھول مٹی سے اٹ جاتا۔ تب اسما کو بڑی ہی کوفت ہوتی تھی۔ اس کی ہر چھٹیاں بیکار جاتیں۔ پھر بابا نے گھر پینٹ کروانا شروع کیا تو ساری بیزاریت ختم ہو گئی تھی۔ وہ اسما کی شادی سے پہلے سارا گھر پینٹ کروا رہے تھے۔ ان دنوں اسمارا کو بخار اور الرجی کا مسئلہ ہو گیا تو ماں اسے لے کر اپنے میکے چلی گئیں۔ پیچھے سے اسما نے پورا گھر گلناز کے ساتھ مل کر سیٹ کیا تھا...... بابا کچھ کمروں کا سامان بھی نیا لے آئے۔ خاص طور پر عاشر کے بیڈ روم کے لیے۔ ڈرائنگ روم کا بھی فرنیچر بدل دیا گیا تھا جب پورا گھر سیٹ ہو گیا تو عاشر، مامی اور اسمارا کو جا کر لے آیا تھا......وہ دونوں چمکتے دمکتے گھر کو دیکھ کر نہال ہو گئی تھیں۔ اسمارا کو نیا فرنیچر بہت پسند آیا تھا......وہ بہت خوش تھی اور تتلی کے مانند اڑتی نظر آتی تھی۔ آخر یہ پیارا سا گھر اسی کا تھا اور اتنا پیارا ہم سفر بھی......جو اس پر جان لٹاتا تھا۔

اسما ان دونوں کو خوش دیکھ، دیکھ کر خوش ہوتی اور ان کی دائمی خوشیوں کی دعا کرتی تھی۔ انہی دنوں عاشر کی ٹرانسفر ہو گئی...... اسے یونیورسٹی میں بطور لیکچرر جاب مل گئی تھی......گو کہ پرائیویٹ یونیورسٹی تھی البتہ تنخواہ خاصی پرکشش تھی پر عاشر دوسرے شہر نہیں جانا چاہتا تھا......اس یونیورسٹی کا مین کیمپس دوسرے ضلع میں تھا اور عاشر گھر سے دور نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے آرام سے ریزائن دے دیا۔ عاشر کی بے وقوفی پر بابا اور اسما ہکا بکا رہ گئے......ان کے سمجھانے بجھانے پر بھی وہ نہیں مانا......وہ گھر سے دور یعنی اسمارا سے دور نہیں جانا چاہتا تھا۔

جلد ہی اسے دوسرے پرائیویٹ کالج میں جاب مل گئی تھی۔ گو کہ سیلیری ناکافی تھی اور سہولیات بھی کم......اس کے باوجود عاشر بہت خوش تھا۔ کیونکہ وہ اپنے ہی شہر میں اپنوں کے درمیان تھا۔ بس فرق صرف اتنا تھا...... یہ کالج شہر کے آخری کونے پر تھا۔ عاشر صبح کو نکلتا تو رات کو ہی گھر لوٹتا......اور اس دوران اسمارا کی جو حالت ہوتی تھی وہ بیان سے باہر تھی۔

وہ پورا، پورا دن بولائی، بولائی پھرتی کسی سے بات بھی نہ کرتی...... گم صم رہتی......کبھی جو مامی مخاطب کرنے کی غلطی کرتیں تو کاٹ کھانے کو دوڑتی......سارا دن عاشر سے چیٹنگ میں لگی رہتی۔ کبھی کال آتی کبھی میسج کی ٹنگ ٹنگ......اور عاشر بھی جیسے پورا دن قوم کے

بچوں کو علم سکھانے کے بجائے اسی کام سے لگا رہتا۔ پورا دن اسمارا کا ایسے ہی گزر جاتا..... کبھی وہ ٹیرس پر ہوتی تو کبھی اپنے کمرے میں..... ان دنوں اپنا حسن سنوارنے میں وہ اور بھی کانشس ہو چکی تھی۔ جانے کیا، کیا منہ پہ ملتی رہتی۔ کبھی کبھی اسے بھی آفر کر دیتی تھی لیکن اسما کو ایسی چیزوں سے الجھن ہوتی تھی۔

''مجھے ضرورت نہیں.....'' اسما بیزاری سے جواب دیتی۔

''شکل دیکھی ہے اپنی.....؟ کچھ خیال کر لو اس بیچارے ہادی کا..... تمہارا گھونگٹ اٹھا کر ڈر ہی نہیں جائے۔ اگر بے ہوش ہو گیا تو کیا کرو گی؟'' وہ معصومیت سے پوچھتی۔

''پانی کے چھینٹے مار کر ہوش دلواؤں گی۔'' اسما کا جواب سن کر اس کا منہ بن جاتا تھا۔

''بڑی ان رومینٹک لڑکی ہو، ہادی بیچارہ تو رومینس کے لیے ترس جائے گا۔'' اسے ہادی پر بڑا ترس آتا۔

اس دن بھی اسمارا شہد اور لیموں کا پیسٹ منہ پر مل رہی تھی۔ معاً اس کے فون کی گھنٹی بجی تو وہ بجلی کی سی تیزی سے ساتھ لپک کر اندر چلی گئی اور پھر اس کی واپسی گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اسما جب کچن سے باہر آئی تو اسمارا کچھ گنگناتے ہوئے اب ہاتھوں کا مساج کرنے لگی تھی۔

اس کے لبوں پر بڑی دلنشین سی مسکراہٹ تھی۔ عاشر کا یقیناً پورا بھیجا کھا کر آئی تھی اور اس نے اسمارا کی تعریفوں میں پورا دیوان ضائع کیا تھا تبھی تو اس کے گلابی گال حیا کی لالی سے سرخ ہو رہے تھے۔

''عاشر کالج میں کچھ پڑھاتا بھی ہے یا جھک مار کے آجاتا ہے؟'' اسما نے اسے متوجہ کیا تو وہ ایسے چونکی جیسے یہاں سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ پھر سنبھل کر مسکرانے لگی۔

''کیا کہا؟'' اسمارا نے جگر جگر کرتی آنکھوں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔ اس نے اپنی بات دہرائی تھی۔

''مطلب؟'' اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

''کبھی اسے کام بھی کرنے دیا کرو..... نوکری حلال کرنے دیا کرو..... بچوں کو پڑھانے دیا کرو..... ہر وقت فون پر مصروف رکھتی ہوا سے۔'' اسما کے گھر کنے پر وہ کچھ چونکی پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔

''اسے اپنے ساتھ مصروف نہ رکھوں تو اِدھر اُدھر مصروف ہو جائے گا۔'' اسمارا نے بے بسی کے ساتھ وجہ بتائی۔

''تم میرے بھائی کو ایسا ویسا سمجھتی ہو؟'' وہ خفگی سے بولی۔

''مرد کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔'' اسمارا نے لہک کر کہا تھا۔

''تمہیں بڑا تجربہ ہے مردوں کا؟'' اس نے چاول چنتے ہوئے چوٹ کی تھی۔ وہ قل، قل ہنسنے لگی۔ آج کل بات بہ بات ہنسی کے شگوفے اس کے لبوں سے کھلتے اور گرتے تھے۔ بلکہ اسما کو ہی پتا نہیں چلا تھا، ہاسٹل میں رہنے کی وجہ سے..... اسمارا تو کافی عرصے سے اتنی کھلی، کھلی سرشار رہتی تھی۔ یہ بات اسے گلناز نے بتائی تھی۔

''عاشر تمہیں کیا کہانیاں سناتا ہے؟ گھنٹا گھنٹا بھر فون کان سے لگائے پھرتی ہو۔'' اسما کو پھر سے خیال آیا تو پوچھ بیٹھی تھی۔ اسمارا نے اپنا مساج ختم کر کے کہا۔

''یہ سیکرٹ باتیں ہیں تمہیں کیوں بتاؤں؟'' اس کی آنکھوں میں واضح شرارت تھی۔

''بڑی غدار ہو..... یعنی بھابی بننے سے پہلے ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لی ہیں.....'' اسما نے مصنوعی ناراضی سے اسے گھورا۔

''آنکھیں تو اپنی جگہ فٹ ہیں..... بس دل ٹھکانے پر نہیں۔'' اسمارا نے زیر لب بڑبڑا کر کہا تو اسما نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

''دل کا ٹھکانا کدھر ہے جناب؟'' اس کی شرارت محسوس کر کے اسمارا نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

''دل آج کل خانہ بدوش ہوا آوارہ پھر رہا ہے.....'' اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا جس نے واضح طور پر اسما کو ٹھٹکا دیا تھا..... وہ چاولوں میں کنکر چنتی لمحہ

بھر کے لیے بھونچکی رہ گئی تھی۔

''دل کو آوارہ کیوں چھوڑا ہوا ہے بھئی لگام ڈالو اسے.....'' اسما سنبھل کر اس کی بے تکی باتوں کو انجوائے کر رہی تھی۔

''لگام ڈالنے سے بھی قابو میں نہیں آتا۔'' اس کی بے بسی کے کیا ہی کہنے تھے۔ اسما پھر سے ٹھنک گئی۔

''دل اتنا بے قابو کیوں ہوا جا رہا ہے۔'' اب کہ اس کا انداز خاصا سنجیدہ تھا۔ اسمارا نے پھر سے آہ بھری۔

''اس کو قابو کرنے والا آج کل بڑا مصروف ہے۔'' اب وہ ایک مرتبہ پھر مسکرا رہی تھی۔ اسما کی الجھن ختم نہ ہو سکی وہ اس کی مسکراہٹوں کو نظر انداز کرتی جھڑک کر بولی تھی۔

''تم عاشر کی بات کر رہی ہو؟'' اس کے چونکا دینے والے انداز پر اسمارا جھٹکا کھا کر سنبھل گئی تھی پھر اس نے اٹھ کر منہ دھویا تھا۔ ہاتھ اور پاؤں صاف کیے اور اب وہ تولیے سے اپنا نکھرا، نکھرا چہرہ صاف کر رہی تھی۔ اسما کی نگاہیں محسوس کر کے اپنا نیم رخ آئینے کی طرف موڑ لیا تھا..... پھر جان بوجھ کر بات بدلنے لگی۔

''اس مساج سے کوئی فرق نظر آیا ہے۔'' وہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی بلند آواز میں اسما کی رائے لے رہی تھی۔

''تمہیں ان سہاروں کی کیا ضرورت ہے ابھی؟'' اس نے کنکر کے ڈھیر میں چند اور کنکر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

''حسن کو کیئر کی ضرورت ہوتی ہے جناب۔'' اس نے اترا کر کہا پھر دوبارہ صوفے پر جم کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے بعد اسمارا کو بھوک ستائی تو اس نے اسما سے کہا۔

''فریج سے فروٹ لا دو مجھے.....'' اسے کاہلی میں ایوارڈ دینا چاہیے تھا..... اتنا کام بھی اٹھ کر نہیں کر سکتی تھی۔ اسما کچن کی طرف جا رہی تھی۔ جب واپس آئی تو پلیٹ میں آڑو اور خوبانیاں تھیں۔

''تم نہ ہوتیں تو میرا نہ جانے کیا ہوتا؟'' اسمارا نے محبت بھری نگاہوں سے اسما کی طرف دیکھ کر تعریفی

تلاوتِ قرآن کے انعام

☆سورۂ یٰسین فجر کے بعد پڑھنے سے ہر خواہش پوری ہوتی ہے۔

☆سورۂ واقعہ بعد عشا پڑھنے والا تنگیِ رزق کا شکار نہیں ہوتا۔

☆سورۂ کوثر دشمنوں کی دشمنی و شر سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ کافرون موت کے وقت کفر سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ اخلاص منافقت سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ فلق حاسدوں اور حادثوں سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ ناس وسوسوں سے بچاتی ہے۔

☆ سات مرتبہ سورۂ حمد پڑھنے سے بیمار صحت پا جاتا ہے۔

از: انیلا ظفر، بہارہ کہو

انداز اپنایا تھا۔ تب اسما نے سوچا لگے ہاتھوں اس کی تھوڑی برین واشنگ کر دے..... سننے میں آ رہا تھا، اسما کے اس گھر میں دن تھوڑے ہی تھے..... جب وہ چلی جاتی تو پیچھے اسمارا کو گھر سنبھالنا تھا۔ لیکن اسمارا میں احساسِ ذمّے داری نام کو نہیں تھا۔ مامی بھلا کب تک گھر چلا سکتی تھیں اور یہ باتیں مامی کو چاہیے تھیں کہ اسمارا کو سمجھاتیں..... مگر انہوں نے اسمارا کی طرف سے کان اور آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ انہیں اس بات کا قوی یقین تھا کہ اسما کی شادی ہوتے ہی عاشر گھر میں نوکروں کی فوج بھرتی کر لے گا۔

مامی کا یہ گمان کتنا فضول تھا۔ عاشر کہاں اتنے نوکر افورڈ کر سکتا تھا۔ پھر نوکر آج کل ملتے ہی کہاں تھے؟ جو ملتے تھے وہ قابلِ بھروسا نہیں تھے..... گھر میں انہیں کیسے رکھا جاتا..... کچھ نوکر تو چوری ڈکیتی کی وارداتوں میں بھی ملوث تھے۔ اسما نے سوچا وہ اسمارا کو سمجھائے گی اور تھوڑی گھر داری سکھانے کی

کوشش کرے گی لیکن اسمارا نے اسے فارم میں آتے دیکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے..... وہ اس کا ارادہ فوراً بھانپ گئی تھی۔

''پلیز کوئی جمعدارانہ لیکچر مت دینا..... میرا موڈ بڑا خوشگوار ہے۔''

اسما نے لب بھینچ کر اسے گھورا تھا..... پھر انتہائی خفگی سے جتایا۔

''عاشر کے بل بوتے پر اتنی مت کاہل ہو جاؤ اسی! یہ مرد کی محبت بس شادی سے پہلے تک کی ہوتی ہے..... بعد میں اسے بیوی نہیں..... باورچن چاہیے ہوتی ہے، مجھ سے لکھوالو..... تمہیں ناک تک عاجز کردے گا۔ اسی لیے کہتی ہوں کچھ نہ کچھ سیکھ لو..... بعد میں پچھتاؤ گی.....'' اسما کا انداز ناصحانہ تھا۔ پر اسمارا نے ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔

''میرے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوگا۔ اسے مجھ جیسی خوب صورت بیوی چاہیے جو اس سے محبت کرے..... اس نے مجھے خود کہا ہے..... مجھے بس پیار کرنے والی بیوی کی ضرورت ہے۔ گول روٹیاں تو میں تندور سے بھی لگوالوں گا۔ مجھے دھوبن، باورچن یا درزن نہیں چاہیے.....'' وہ اپنی جھونک میں بولتی ہوئی خیالوں کے اس پار تک چلی گئی تھی۔ جہاں اس کی آنکھوں میں نگینے چمکنے لگے..... اس کے گلابی ہونٹوں پر کلیاں بکھر گئی تھیں..... اس کے گداز گالوں میں حیا کی لالی اتر آئی تھی..... وہ سرتاپا گلاب میں ڈھل کر نکھر گئی تھی۔

اسما اس منظر کی تراوٹ کو دیکھ کر خیرہ ہوگئی..... اسے اندازہ نہیں تھا۔ محبت کی معتبری اور پزیرائی انسان کو ایسا ملکوتی حسن بخش دیتی ہے۔ یہ عاشر کی چاہت اور الفت کا کمال تھا..... یہ عاشر کے اعتبار، محبت اور یقین کا کمال تھا..... اسما جیسے دم بخود رہ گئی تھی۔

''یہ تم سے عاشر نے کہا تھا؟ پھر تو عاشر کا واقعی دماغ چل گیا.....'' کچھ دیر بعد اسما نے سنبھل کر طنزیہ انداز اپنایا تو کھوئی، کھوئی سی اسمارا کا سر بے ساختہ نفی میں ہل گیا۔ وہ ابھی تک کسی اور ہی دھیان و گیان میں تھی۔

''نہیں تو.....'' اس کے ہونٹ ہولے سے پھڑپھڑائے تھے..... پھر بھی اسما تک آواز بہ آسانی پہنچ گئی تھی..... اسما کو ایک مرتبہ پھر دھچکا سا لگا..... وہ حق دق اسمارا کے کھلتے گلابوں سے سجے چہرے کو دیکھتی رہی..... اسے ایک عجیب سے احساس نے لمحہ بھر کے لیے متوحش کر دیا تھا..... اسے لگا، ہاں..... ایک پل کے لیے اسما کو لگا تھا۔ اسمارا، عاشر کے خیالوں میں نہیں..... وہ کسی اور ہی خیال میں تھی کسی اور ہی گمان میں تھی..... وہ کسی اور کو سوچ رہی تھی..... وہ کسے سوچ رہی تھی؟ کون تھا جس نے اسمارا کو خود سے بھی بیگانہ کر دیا تھا؟ اس کو اتنا دیوانہ کر دیا تھا؟ یہ وہ جان نہیں سکی تھی۔

''اسی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' اسما نے بہ مشکل سنبھل کر اپنی جگہ سے اٹھ کر اسمارا کا کندھا ہلایا تو اس کی گود میں رکھی پلیٹ الٹ گئی تھی، خوبانیاں لڑھکتی ہوئی فرش پر پھیل گئیں..... یعنی وہ اس قدر بے خیالی اور بے دھیانی میں بیٹھی تھی۔ اسما کو بری طرح سے شاک لگا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ اسمارا کو جھنجوڑ دے۔

''کیا.....؟'' وہ اس کے ہلانے پر ہوش میں آگئی تھی۔ اور اب ایسے دیکھ رہی تھی جیسے نیند سے جاگی ہو۔

''تم نے مجھے کچھ کہا ہے اسما؟'' اسمارا نے گھبرا کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا جیسے اپنے تاثرات مٹانے کی کوشش کر رہی ہو جس میں اسے خاطر خواہ ناکامی ہوئی تھی..... اسمارا کے تاثرات چیخ، چیخ کر اعلان کر رہے تھے کھول، کھول کر حقیقت بیان کر رہے تھے کہ اسمارا کا دل واقعی ٹھکانا بدل چکا تھا..... اسمارا کا دل واقعی خانہ بدوش ہو چکا تھا..... اسمارا کا دل واقعی بے قابو ہو چکا تھا اس دن کے بعد اسمارا کے دل میں چور بیٹھ گیا تھا۔ جب بھی اسما اسے تنہائی میں ملتی وہ ضرور وضاحت کرنے کی کوشش کرتی..... اپنی بے خیالی کو کوستی اور ہر منظر کو بے خیالی میں ثابت کر دیتی۔

اسما نے گو کہ اس سے وضاحت نہیں چاہی تھی

تاہم اس کی وضاحت پر خاموش ضرور ہوگئی تھی۔ اس نے اسمارا سے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اسمارا خود بھی شاید محتاط ہوگئی تھی۔

بعد میں حالات ایسے ہوئے کہ اسما کو کچھ بھی گہرائی سے سوچنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ حالانکہ اسے گلناز نے دبے، دبے انداز میں کچھ بتانا چاہا تھا لیکن اسما کے پاس اسے سننے کے لیے وقت نہیں تھا۔

اسما اور ہادی کی شادی کی اچانک ڈیٹ فکس ہوگئی...... اور پھر تیاریوں کا لمبا سلسلہ شروع ہوگیا...... عاشر ان دنوں اتنا مصروف تھا کہ اسے سر کھجانے کا بھی ہوش نہیں تھا پھر اسمارا پہ توجہ کیا دیتا......؟ اور اسما کو لگتا اسمارا، عاشر کی مصروفیت کو سمجھے بغیر اس کی بے اعتنائی پہ کملاتی جارہی ہے۔ عاشر کی توجہ کے پھول کیا ہٹے تھے اسمارا دنوں میں مرجھانے لگی تھی۔ عاشر اسے وقت نہیں دے پارہا تھا اور اسمارا اندر ہی اندر اس سے ناراض تھی اور گھلتی جارہی تھی۔ اسما نے بہت دفعہ عاشر سے کہا۔

''تم اسمارا کو کیوں نظر انداز کررہے ہو؟ اسے وقت دو...... توجہ دو'' لیکن وہ ہنس کر ٹال دیتا تھا پھر محبت سے کہتا۔

''اسمارا کے لیے پوری زندگی پڑی ہے۔ یہ وقت بس تمہارے لیے......'' عاشر کی محبت پہ اس کی آنکھیں نم ہوجاتی تھیں۔ وہ واقعی اس کا بھائی، بہن، دوست سارے رشتے ہونے کا حق ادا کررہا تھا۔ شادی کے سلسلے میں ہوتی تیاریاں اب آخری مراحل میں تھیں۔

اس کا جہیز عبدل انکل کے نہ، نہ کرنے کے باوجود بھی کوئٹہ بھجوادیا گیا تھا۔ گھر میں مہمانوں کی چہل پہل ہونے لگی...... اور اسمارا کو ان دنوں شدید موسمی بخار نے گھیر لیا...... وہ بستر پر اپنے کمرے میں کیا پڑی پورے گھر کی روشنی اور رونق ختم ہوگئی۔

ان دنوں اہل کالونی کی لڑکیوں اور گلناز نے اسما کا بہت ساتھ دیا تھا۔ انہوں نے گھر بھر سنبھال لیا تھا اور شادی کے سلسلے میں ڈھولک بھی رکھ لی تھی...... یوں شادی والا گھر حقیقتاً شادی کا منظر پیش کرنے لگا۔

اسما کے لیے زیادہ پریشانی تب شروع ہوئی جب اسمارا کا بخار اترنے سے انکاری ہوگیا تھا۔ یہاں تک کہ اسے اسپتال داخل کروانا پڑا۔ دو تین دن بعد اسمارا گھر آئی تو پہلے سے بہتر تھی تاہم کمزوری اور نقاہت نے اسے شادی کا ایک بھی فنکشن انجوائے کرنے نہیں دیا تھا۔ نکاح کے بعد جب اسما کو پارلر سے گھر لایا گیا تب گلناز بھی اس کے ہمراہ تھی...... وہ اس کے کان میں ہولے، ہولے سرگوشیاں کرتی رہی۔

''ہادی بہت خوش ہے اسما! ہم نے دودھ پلائی کی رسم کی تو بڑا مزہ آیا۔ وہ تو بڑا حاضر جواب اور گفتگو میں ماہر لگتا ہے...... تم بہت لکی ہو اسما...... ہادی...... ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے۔ خوش شکل، خوش گفتار، خوش اخلاق۔'' گلناز نے خوش انداز بھول کر لیکن گردان کی تو اسما کا پہلے سے بے قابو ہوتا دل زور، زور سے دھڑکنے لگا۔ گلناز اسے دودھ پلائی کی رسم کی تفصیل بتارہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں رخصتی کا شور اٹھ گیا۔ بابا اور عاشر اسے لینے کے لیے آگئے تھے۔ اسما نے ان کے چہروں کو دیکھا تو خود پر قابو نہ رکھ پائی...... بابا اور عاشر بھی رو پڑے تھے۔

جہاں انہیں اسما کے فرض سے سبکدوش ہونے کا سکون اور خوشی تھی وہیں اس کی جدائی انہیں رُلا رہی تھی۔ اور اسما دل میں ڈھیروں دعائیں دیتی بابا اور عاشر سے جدا ہوگئی تھی۔ اس یقین اور امید کے ساتھ کہ وہ کبھی ان کے لیے آزمائش یا امتحان نہیں بنے گی۔ اور کبھی انہیں دکھ دینے یا رُلانے کا باعث نہیں بنے گی...... کبھی اپنے بیمار اور بوڑھے والد کو تکلیف نہیں دے گی کبھی اپنے بھائی کا سر نہیں جھکائے گی۔ اور آج بھی وہ اپنے اس عہد پر پوری طرح قائم ودائم تھی۔ اس صورتِ حال میں بھی کہ اس کا شوہر شادی کی پہلی رات میں ہی اسے دھتکار چکا تھا...... وہ اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا...... وہ سمجھتا تھا اسما نے اسے دھوکا دیا ہے۔ وہ فراڈ یا کسی سازش کے تحت اس کی زندگی میں داخل ہوئی ہے......

اس نے کسی اور کے حق پر ڈاکا ڈالا ہے۔ کسی اور کا حق غصب کیا ہے۔

وہ کوئی اور آج بھی اسما کے لیے سوالیہ نشان تھی...... آخر وہ کون تھی؟ کیسی تھی؟ اور کس طرح ہادی اور اسما کے بیچ میں چلی آئی تھی۔ آخر اتنی دیدہ دلیر کون لڑکی تھی؟ ایسی جرأت کس میں تھی؟ کون تھی آخر جس نے ادی کو ٹریپ کیا تھا...... بلکہ ہادی کو ہی نہیں...... اور بھی دگوں کو بیچ میں ملوث کیا تھا۔ جیسے اسما اور اسمارا......

وہ کون تھی جس نے پوری گیم بڑی ہوشیاری سے کھیلی تھی...... کیا گلناز؟ تو کیا وہ واقعی گلناز تھی؟ اس نے دودھ پلائی والی جھوٹی کہانی اسما کو سنائی تھی تا کہ اسما کا شک گلناز تک نہ جائے۔

اور اسی گلناز نے در پردہ اسمارا کی تصویروں کو ہادی تک پہنچایا تھا۔ گلناز ہی ہادی سے اسما بن کر بات کرتی تھی۔ یعنی تصویریں وہ اسمارا کی دیتی رہی اور گفتگو سے خود لطف اٹھاتی تھی۔ کیسی ذلیل اور نیچ لڑکی تھی یہ گلناز...... کیسی گھٹیا اور ذلیل حرکتیں کرتی رہی تب اسما کو یقین نہیں آتا تھا لیکن اسما کو اب یقین آ گیا تھا۔ گلناز کی حقیقت کھل چکی تھی۔ وہ جتنا مرضی اپنی چالاکی پر پردہ ڈالتی اس کے کرتوت کھل کر سامنے آ چکے تھے اس نے ہادی کا موبائل نمبر چرا لیا ہوگا۔ پھر ہادی سے اسما بن کر راہ و رسم بڑھائی اور تصویریں اسما کی بھجواتی رہی...... یعنی گلناز نے اسما کے ساتھ، ساتھ اسمارا کی ذات کو بھی بری طرح رگید کر سوالیہ نشان بنا دیا تھا اور گلناز نے یقینی طور پر ضرور ایسے کیا ہوگا...... وہ ایسا کر سکتی تھی...... کیونکہ اسے اپنی توہین کا بدلہ لینا تھا۔ اسے عاشر کو مزہ چکھانا تھا...... اسے خوار کرنا تھا...... اسمارا کو نیچا دکھانا تھا۔ گلناز نے ایک ہی تیر کے ساتھ اتنے ڈھیر سارے شکار کر لیے تھے۔

کس قدر شاطرانہ چال چلی تھی اس نے؟ کس قدر جامع منصوبہ بنایا تھا اس نے...... یہ سب سوچتے اس کا دماغ خالی ہو گیا تھا۔ گلناز کے موبائل میں ان سب کی بے شمار تصویریں تھیں سو اس کا کام آسان ہو گیا تھا۔ اسے کہیں سے بھی دشواری کا سامنا نہیں ہوا۔ آخر اس ساری گیم کا مقصد کیا تھا؟

یعنی ہادی کو اسمارا کے ساتھ ملوث کر دینا...... ہادی کے ذہن و دل میں اسمارا کا تاثر بٹھا دینا...... اسے اسمارا سے امپیچ کر دینا...... پھر جب ہادی، اسما سے ملتا تو اسمارا کو نہ پا کر ایک طوفان کھڑا کر دیتا...... اسما کے سامنے اسمارا کا ذکر کرتا...... اسمارا سے اپنی محبت کو ظاہر کرتا...... پھر اسما خود بخود اسمارا سے متنفر ہو جاتی...... اس سے نفرت کرنے لگتی...... اسمارا کی عزت اور وقار مٹی میں مل جاتا...... اسے پورے خاندان کے سامنے ذلیل ہونا پڑتا...... اسما جب عاشر کو سب کچھ بتاتی تو عاشر، اسمارا سے نفرت کرنے لگتا اسے دھتکار دیتا...... اسے خوار کرتا تب گلناز کے سارے رستے آسان ہو جاتے یوں اسے عاشر مل جاتا...... اسمارا، عاشر کے سامنے اپنا اعتبار کھو دیتی...... یہ دونوں عمر بھر کے لیے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے...... ایک دوسرے کی شکل بھی نہ دیکھتے...... اندر کی کہانی کبھی کھلتی ہی نہیں...... اسما اجڑ کر گھر بیٹھ جاتی اور ہادی...... گلناز کا منصوبہ یوں پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتا...... لیکن گلناز یہ نہیں جانتی تھی کہ اسما اس کی چال کو سمجھ گئی ہے...... اور وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اسما کا حوصلہ اور اعصاب بڑے مضبوط اور پائیدار تھے۔

وہ اس سارے منصوبے کے سرے تک کو پا گئی تھی...... وہ گلناز کی خباثت کو جان گئی تھی۔ اور اسما ایسی نادان، احمق اور بے وقوف نہیں تھی جو اٹھ کر سارے جہان میں اپنا تماشا لگا دیتی۔

> آخر کار اسما جان ہی گئی تھی کہ ہادی کے اس رویے کے پیچھے کیا کہانی تھی...... مگر اس نے بھلا ایسا کیوں کیا وہ تو عاشر کے پیچھے تھی تو پھر...... ؟ یہ یا ایسے مزید سوالوں کے جواب ملیں گے ماہ جون کی گرما گرم دوپہروں کو پُرسکون کرنے کے لیے اس کہانی کے چھٹے حصے میں......

محبت فاتح عالم

شمیم فضلِ خالق

یہ وہ زمانہ تھا جب صرف پی ٹی وی آیا کرتا تھا اور وہ بھی شام سے رات تک، صبح کے ٹائم نشریات بند ہوتی تھیں...... کس بے چینی سے ہم ٹی وی کھلنے کا انتظار کیا کرتے اور جب ٹی وی پر نشریات ختم ہو جاتیں اور اسکرین پر پاکستان کا جھنڈا لہرا جاتا تو ہم..... بادل ناخواستہ ٹی وی بند کر دیتے...... گرمی کی طویل چھٹیوں میں ٹھنڈی جگہوں مثلاً سوات، کاغان یا مری، نتھیا گلی وغیرہ جانے کا رواج نہ تھا...... میں ہر چھٹیوں میں اپنے ننھیال جایا کرتی تھی جو لاہور کے مضافات میں واقع تھا...... میرے نانا کی خاصی بڑی حویلی تھی...... نانا کا تو ہمارے بچپن میں انتقال ہو چکا تھا...... حویلی میں نانی تھیں، بڑے اور چھوٹے ماموں تھے...... بڑی ممانی

تھیں ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، کشور جہاں۔ کشور جہاں میری ہم عمر تھی اور ہم دونوں میں دانت کاٹے کی دوستی تھی..... ہم دونوں سارا سال گرمی کی چھٹیوں کا انتظار کرتے۔ مجھے نانی کے ہاں جانے کا انتظار رہتا جبکہ کشو کو میرے آنے کا انتظار..... میری دو بہنیں اور ایک بھائی تھا..... شہر میں ہمارا دس مرلے کا مکان تھا بہنیں اور بھائی تینوں مجھ سے بڑے تھے میں سب سے چھوٹی تھی..... بہنیں مجھ سے عمر میں خاصی بڑی تھیں جبکہ بھائی مجھ سے دو سال ہی بڑا تھا لیکن لڑکا ہونے کے ناتے اس کی دلچسپیاں الگ تھیں سو میں خاصی تنہائی محسوس کرتی اس لیے سارا سال گرمیوں کی ڈھائی، تین مہینے کی چھٹیوں کا انتظار کرتی تھی..... نانی کے گھر جا کر مجھے بڑا مزہ آتا..... رات کو صحن میں..... چارپائیاں بچھ جاتیں، چارپائیوں پر سفید براق بستر بچھا دیے جاتے..... ایک طرف بڑے ماموں، ممانی اور ان کے بیٹوں کی چارپائیاں ہوتیں ان کے سامنے..... پیڈسٹل فین لگا دیا جاتا..... آخر میں چھوٹے ماموں کے لیے الگ سے پیڈسٹل فین سیٹ کر دیا جاتا..... دوسری طرف میری، کشو اور نانی کی چارپائیاں ہوتیں جن کے آگے بھی پیڈسٹل فین کھڑا کیا جاتا..... میں رشک سے سوچتی نانی کے گھر کتنے سارے پیڈسٹل فین ہیں جبکہ ہمارے ہاں تو صرف ایک پیڈسٹل فین تھا جو سارے گھر والوں کے لیے تھا اور جو چکر لگاتا تو میں خدا سے دعا مانگتی کہ وہ جلدی سے دوبارہ چکر لگا لے..... ساری رات ان ہی دعاؤں میں گزر جاتی..... خیر..... بات نانی کے گھر کی ہو رہی تھی..... وہاں مجھے گرمی، سردی کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ میں اور کشو ساری رات لیٹے باتیں کرتے رہتے..... کبھی کبھار نانی ڈانٹ دیتیں۔

''کشو..... بیٹا..... بند کرو یہ کھسر پھسر..... سو جاؤ اب.....'' ہم جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر لیتے لیکن جیسے ہی نانی کروٹ بدل لیتیں..... ہم پھر سے کھسر پھسر کرنے لگتے..... صحن کے ساتھ بڑا سا برآمدہ تھا جہاں لوہے کے پایوں والا ایک مضبوط سا تخت رکھا تھا جس پر سرخ شنیل کی چادر اور اس کے ساتھ گاؤ تکیے رکھے ہوتے..... نانی نماز کے بعد وہیں بیٹھ کر ناشتا کرتیں..... اور مجال تھی کہ جو انہیں اس بات کی پروا ہوتی کہ ان کی باتوں سے کوئی جاگ جائے گا..... اپنی پاٹ دار آواز میں وہ اپنی ملازمہ زینت سے مختلف امور پر باتیں کرتی جاتیں اور بیچ، بیچ میں ہمیں آوازیں بھی دیتی جاتیں۔

''ارے کشو..... اب اٹھ جاؤ..... دھوپ تمہاری چارپائیوں تک آ چکی ہے.....'' پھر وہ زینت سے کہتیں۔

''رات کو سوتی نہیں ہیں اور اب جاگتی نہیں ہیں۔''

''نماز کے لیے تو اٹھی تھیں ناں.....'' چھوٹے ماموں آ کر پوچھتے۔

''ہاں..... پھر سو گئی تھیں۔'' نانی جواب دیتیں۔

''تو سو جانے دیں۔'' وہ کہتے۔ ''دھوپ کی چبھن محسوس ہو گی تو خود اٹھ جائیں گی۔''

نانی ہمیں آوازیں دینا موقوف کر دیتیں۔

اس بار چھٹیوں میں، میں نے نانی کے گھر میں ایک نیا بندہ دیکھا..... یہ چھوٹے ماموں کے دوست زریاب انکل تھے..... زریاب انکل سے میں ملی تو مجھے انہیں دیکھ کر ایک جھٹکا سا لگا..... میں نے اس سے پہلے اتنا خوب صورت مرد نہیں دیکھا تھا..... لانبا اونچا قد..... خوب گھنے اور براؤن گھنگرالے بال..... کھڑی ناک اور بڑی، بڑی براؤن آنکھیں..... ماموں نے ان سے میرا تعارف کرایا۔

''یہ بیتا ہے..... میری بہن خدیجہ آپی کی بیٹی.....''

اس وقت میری عمر بارہ سال تھی..... کشو بھی کم و بیش اتنی ہی عمر کی ہو گی لیکن میرا دل زریاب انکل کو دیکھ کر ایک الگ لے پر دھڑکنے لگا..... مجھے خود اپنی اس کیفیت کی سمجھ نہیں آ رہی تھی..... زریاب انکل نے ہمیں بچیاں سمجھ کر کوئی خاص اہمیت نہیں دی بس شفقت سے مسکراتے رہے، کشو نے بتایا کہ وہ اپنے کسی کام کے سلسلے میں آئے ہیں اور دو تین ماہ یہاں ہی رہیں گے..... شاید میری کیفیت بھی وقتی تھی کیونکہ بعد میں

ایسی کوئی کیفیت مجھ پر طاری نہیں ہوئی۔

ایک رات کشو کی طبیعت ناساز تھی...... وہ جلدی سوگئی...... لیکن مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ تمنّ تین پیڈسٹل فینز نے اس قدر شور مچا رکھا تھا کہ سر میں درد ہونے لگا تھا...... میں کروٹیں بدل، بدل کر تھک گئی لیکن نیند تھی کہ آنے کا نام نہیں لے رہی تھی...... اچانک میں نے دیکھا کہ باہر کے راستے سے کوئی سایہ بڑی آہستگی سے دھیمی چال چلتا ہوا آیا اور بڑے محتاط انداز سے سیڑھیاں چڑھنے لگا...... میں نے لیٹے، لیٹے ہی اندازہ لگالیا کہ وہ زریاب انکل تھے...... ویسے تو زریاب انکل پر اندر حویلی میں آنے جانے کی کوئی پابندی نہیں تھی لیکن رات کے اس اندھیرے میں، وہ چوروں کی طرح چھت پر کیا کرنے گئے ہیں...... جبکہ چھت بالکل کھلی تھی۔ اس پر کوئی برآمدہ یا کوئی چھوٹا کمرا بھی نہیں تھا۔ وہ مردانہ حصے میں سویا کرتے تھے۔ چھت پر جانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جو اندر کی طرف سے تھا۔ میرا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا اور میں دم سادھے لیٹی رہی...... اب نیند نے کب آنا تھا، میں تو نظریں جمائے سیڑھیوں کی طرف دیکھ رہی تھی...... کوئی ایک گھنٹے بعد زریاب انکل اسی طرح چوروں کے انداز میں بنا کوئی آہٹ پیدا کیے سیڑھیوں سے اترے اور باہر کی طرف چلے گئے لیکن مجھے ساری رات ایک پل کے لیے بھی نیند نہیں آئی...... وہ اوپر چھت پر کیا کرنے گئے تھے...... یہ سوال رہ، رہ کر مجھے ستا رہا تھا...... شاید کوئی راز داری کی بات تھی تبھی تو وہ اتنی احتیاط برت رہے تھے...... یہ سوچ کر میں نے یہ بات کشو سے بھی شیئر نہیں کی...... زریاب انکل کو دیکھ کر جو نرم گوشہ میرے دل میں پہلی بار پیدا ہوا تھا...... میں دوبارہ اسی کے زیرِ اثر آگئی...... ورنہ کشو سے تو میں نے کبھی کچھ نہیں چھپایا تھا...... ایسا ہی واقعہ چند دن کے بعد پھر ہوگیا...... اتفاق تھا کہ آج بھی کشو جلد سوگئی تھی جبکہ میں جاگ رہی تھی...... زریاب انکل اسی طرح چوروں کے انداز میں چھت پر چلے گئے اور ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس لوٹ گئے...... یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے...... میرا دل بری طرح دھڑکنے لگا...... عجیب، عجیب خیالات من میں اودھم مچانے لگے...... سوچ میں پڑگئی کہ کشو سے کہوں یا نہ کہوں لیکن اس کا موقع ہی نہیں آیا...... بات صاف ہوگئی...... اس دن جب میں اور کشو صحن میں لگے جھولے پر جھولا جھول رہے تھے تو کشو راز داری سے بولی۔

''بینا...... تجھے ایک بات بتاؤں......''

''ہاں...... بتا۔'' میں ایک لمبی سی پینگ لیتے ہوئے بولی۔

''یہ جو زریاب انکل ہیں ناں...... اپنے چھوٹے ماموں کے دوست......''

''ہاں......'' میرے کان کھڑے ہوگئے...... میں بغور اس کی بات سننے لگی۔

''وہ عنبرین باجی سے محبت کرتے ہیں۔'' وہ آواز دبا کر بولی۔

''کیا......؟'' میں جھولے سے گرتے، گرتے بچی۔

''ارے محبت سمجھتی ہے ناں......'' وہ بڑی بوڑھیوں کے انداز میں بولی۔ ''جیسے عشقِ لیلیٰ میں سنتوش کمار کو صبیحہ سے تھی۔''

''سنتوش کمار، صبیحہ...... یہ کون ہیں؟'' میں ہکلا کر بولی۔

''ارے تو نے کبھی فلم دیکھی ہو تو تجھے پتا چلے ناں...... میں جب خالہ کے گھر شہر گئی تو سینما جا کر کئی فلمیں دیکھی تھیں...... ان میں عشقِ لیلیٰ سب سے اچھی تھی۔''

''تو یہ سب چھوڑ......'' میں بے قراری سے بولی۔ ''یہ بتا کہ عنبرین باجی کون ہیں؟''

''وہ ہمارے ساتھ والے گھر میں رہتی ہیں...... ان کی چھت ہماری چھت سے ملی ہوئی ہے۔ مطلب ہم لوگ ایک دوسرے کی چھت پر آرام سے آجا سکتے ہیں۔''

میں منہ کھولے ہکا بکا رہ گئی...... ساری کہانی میری سمجھ میں آچکی تھی۔ عمر ہماری کم تھی لیکن اتنی سمجھ تو تھی کہ محبت کیا ہوتی ہے...... اب مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں چوروں کی طرح زریاب

انکل چھت پر کیا کرنے گئے تھے...... میں نے کشو سے پھر بھی کوئی بات شیئر نہیں کی مبادا وہ نانی کو کہہ دے......
اس سے اسی نرم گوشے نے سر اٹھایا تھا جو زریاب انکل کے لیے میرے دل میں موجود تھا۔
اس صبح جب نانی برآمدے سے تخت پر بیٹھی ناشتا کر رہی تھیں اور میں اور کشو جاگتے ہوئے بھی سو رہی تھیں تو چھوٹے ماموں، نانی کے پاس آگئے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد ماموں بولے۔
''اماں...... آپ سے ایک بات کہنی ہے۔''
''ہاں کہو......'' نانی بولیں۔
''وہ...... وہ دراصل زریاب...... شادی کرنا چاہتا ہے۔'' ماموں بات کرتے ہوئے جھجک رہے تھے۔
''اچھی بات ہے۔'' نانی بولیں۔ ''اس کی عمر ہے اب شادی والی۔''
''لیکن اس سلسلے میں اسے آپ کی مدد درکار ہے۔'' ماموں کی بات پر نانی نے انہیں حیرت سے کہا۔
''میری مدد...... وہ کیسے؟''
''وہ دراصل عنبرین سے شادی کرنا چاہتا ہے...... یہ ساتھ والی ملک مختار کی بیٹی سے۔'' ماموں بولے...... کچھ دیر تو نانی کچھ نہ بول سکیں۔
''بیٹا...... ملک مختار تو ایک سرپھرا اور غصیلا بندہ ہے...... اس نے تو ہمارے ساتھ صحیح طریقے سے ہمسائیگی نہیں رکھی تو ہمارے کہنے پر اپنی بیٹی کیا دے گا...... اور پھر پرائے پھڈے میں ہمیں پڑنے کی کیا ضرورت ہے...... ملک مختار تو سب سے پہلے یہ سوال اٹھائے گا کہ لڑکے کے ماں باپ نہیں تھے کیا...... جو آپ رشتہ لے کر آگئیں......''
''پھر...... کیسے ہوگا یہ سب؟'' ماموں کے لہجے میں پریشانی تھی۔ نانی کچھ دیر بعد بولیں۔
''بڑا آسان ہے بیٹا...... زریاب کے ماں، باپ آئیں...... وہ ملک مختار سے بیٹی کا رشتہ مانگیں...... اگر ملک مختار نے ہم سے پوچھا تو ہم لڑکے کی تعریفیں ہی کریں گے...... ویسے بھی ہیرا لڑکا ہے وہ...... لڑکی کے ماں، باپ کے لیے اس میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔'' چھوٹے ماموں شاید نانی کی بات سے متفق ہوگئے اور یہ گفتگو یہیں ختم ہوگئی...... یہ باتیں میں نے اور کشو دونوں نے ہی سنی تھیں۔
''بینا...... تو نماز پڑھے گی ناں تو زریاب انکل کے لیے ضرور دعا مانگنا کہ انہیں عنبرین باجی مل جائیں...... میں بھی ان کے لیے دعا مانگوں گی۔'' آج ہم گڑیاں کھیلنے لان میں گئے تو کشو بولی۔
''ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں ہر نماز میں ان کے لیے دعا مانگوں گی۔''
''کہیں ان کا انجام فلم عشقِ لیلیٰ کی طرح نہ ہو۔'' وہ اداسی سے بولی۔
''کیسا انجام......؟'' میں نے دہل کر پوچھا۔
''ارے...... لیلیٰ کی شادی کسی اور سے ہوجاتی ہے اور قیس...دیوانہ ہوجاتا ہے...... کہیں ہمارے زریاب انکل بھی......''
''نہیں، نہیں......'' میں روہانسی ہو کر بولی۔ ''ایسی باتیں نہ کرو دیکھنا...... عنبرین باجی زریاب انکل کو ضرور ملیں گی۔''
ہم دونوں نے صدقِ دل سے آمین کہا...... اس کے بعد تو ہمارے درمیان زریاب انکل اور عنبرین باجی ہی زیرِ بحث رہتے...... کشو کا تو پتا نہیں لیکن میرے ہونٹوں پر ہردم یہی دعا مچلتی رہتی کہ خدایا زریاب انکل اور عنبرین باجی کا رشتہ طے ہوجائے...... کشو مجھے ایک بار عنبرین باجی سے ملانے بھی لے گئی تھی...... عنبرین باجی بڑی میٹھی، سی پیاری سی تھیں، وہ بڑی محبت سے مجھ سے ملیں...... انہوں نے ہمیں باداموں والا شربت بھی پلایا...... میں تو جتنی دیر بیٹھی رہی ان سے نظریں نہیں ہٹائیں...... میں رشک سے انہیں دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ وہ کتنی خوش قسمت ہیں جو زریاب انکل کی پسند ہیں...... وہاں سے اٹھتے ہوئے بھی میرے لبوں پر اُن کے ملن کی دعائیں تھیں...... نانی کی زبانی ہمیں معلوم ہوا کہ زریاب انکل کے ماں باپ عنبرین

باجی کے رشتے کے لیے آئے تھے...... ملک مختار نے ان سے سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے...... اب تو ہماری دعاؤں میں تیزی آگئی۔

''کشو...... تو دعا کر کہ صبح جب ہم اٹھیں تو نانی کے پاس تخت پر مٹھائی کا ڈبا پڑا ہو...... جو زریاب انکل کی بات پکی ہونے کی مٹھائی ہو۔'' میں بڑے جوش سے کشو سے کہتی۔

''ہاں...... آج رات ہم یہی دعا مانگیں گے کوئی اور فضول بات نہیں کریں گے۔''

اور اس کے بعد ہر رات ہم یہی دعائیں مانگتے لیکن بعض اوقات کوئی دعا قبول نہیں ہوتی...... تبھی تو صبح جب ہم اٹھے تو ماموں، نانی سے کہہ رہے تھے۔

''ملک مختار نے زریاب کے رشتے کے لیے انکار کردیا ہے۔''

''کیا......؟'' ہم دونوں پر تو جیسے بم آن پڑا...... ہم ہکا بکا ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے...... ہماری اتنی ساری دل سے مانگی گئی دعائیں بیکار گئیں...... ہمیں یقین نہیں آرہا تھا...... میں پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

''ہائے...... زریاب انکل کا کیا حال ہوا ہوگا۔'' یہ خبر سن کر میرے اندر کا وہ نرم گوشہ پھر سے ابھر کر سامنے آرہا تھا جبکہ کشو رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''دیکھ لینا...... زریاب انکل عشقِ لیلیٰ کے قیس کی طرح دیوانے ہوجائیں گے اور گریبان پھاڑ کر جنگلوں میں نکل جائیں گے...... اور عنبرین، عنبرین پکارنے لگیں گے...... ان کی شکل بھی سنتوش جیسی ہے...... قسمت بھی ان جیسی ہوگی۔''

''اب ایسا تو نہ کہو......'' میں دہل کر بولی۔ ''خدا نہ کرے کہ وہ عنبرین باجی کی یاد میں پاگل ہوجائیں۔''

''میں کہوں یا نہ کہوں...... سچی محبت کرنے والے ہی ہوتے ہیں پاگل......'' کشو سسکیاں بھرتے ہوئے بولی...... میں بھی تڑپ تڑپ کر رونے لگی جبکہ برآمدے میں نانی تو بین پر بین لگاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اے کیا لعل جڑے ہیں ملک مختار کی بیٹی میں...... ہزاروں لڑکیاں زریاب کو مل جائیں گی...... ایک سے بڑھ کر ایک......'' ہم دونوں نے اس بات کا جی بھر کر ماتم منایا...... ایک شام تو میں اور کشو ان کے کمرے میں بھی جا گھسے حالانکہ نانی کا حکم تھا کہ ہم دونوں مردانے حصے میں بالکل نہیں جائیں گے لیکن جب دوپہر کو نانی اور سارے گھر والے سو رہے تھے تب ہم دونوں زریاب انکل کے کمرے میں گھس گئیں۔

''ارے......'' وہ ہمیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''یہ دونوں پریاں آج یہاں کیا کررہی ہیں۔'' ان کا لہجہ اگرچہ بجھا، بجھا سا تھا لیکن ہمارا استقبال انہوں نے خوش دلی سے کیا۔

''انکل...... وہ...... وہ۔''

''ہاں...... ہاں کہو۔'' وہ بولے۔ ''کوئی کام ہے مجھ سے؟''

''نہیں...... وہ...... آپ کی منگنی نہیں ہوئی تو......'' کشو اٹک، اٹک کر بولی۔

''اچھا......'' وہ اچھا کو لمبا کرتے ہوئے بولے۔ ''تو تم لوگ تعزیت کے لیے آئی ہو......'' میں نے سوچے سمجھے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بس بیٹا...... یہ سب تو قسمتوں کی باتیں ہوتی ہیں۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولے۔

''نانی کہتی ہیں، آپ کو ہزاروں لڑکیاں مل جائیں گی۔'' میں نے اپنی طرف سے انہیں تسلی دی۔

''ہاں...... یہ تو ہے۔'' وہ بے دلی سے بولے اور اٹھ کر الماری سے ٹافیاں نکال کر ہمیں دیں...... ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہم مغموم سے ان کے کمرے سے باہر آگئے۔

کچھ دنوں بعد زریاب انکل اپنے گھر واپس چلے گئے، میں اور کشو کئی ہفتوں تک ان کا رشتہ نہ ہونے کا سوگ مناتے رہے...... یہ سلسلہ تب تھما جب میری چھٹیاں ختم ہوگئیں اور میں نانی کے گھر سے اپنے گھر آگئی۔

☆☆☆

وقت گزرتا رہا...... میں اور کشو اب بڑی کلاسوں

میں آگئے تھے سو میں چھٹیوں میں نانی کے گھر جاتی بھی تو چند دن گزار کر واپس آجاتی، پڑھائی کا بھوت ہر لمحہ سر پر سوار رہتا..... اسکول سے کالج آئی تو دلچسپیاں شروع ہوگئیں..... کشو کے ساتھ دوستانہ اب بھی قائم تھا لیکن پہلے جیسی بات نہیں تھی..... ٹیلیفون کشو کے گھر لگا تھا..... ہمارے گھر بھی..... لیکن بل اتنا زیادہ آتا کہ میں اور کشو بس کبھی کبھار ہی بات کر سکتے..... ذرا بات لمبی ہوتی تو امی آوازیں دینے لگتیں۔

''بیٹا..... فون بند کر دے..... بل آئے گا تو پتا چلے گا۔ کب سے لگی ہوئی ہے۔''

کشو کے ہاں بھی یہی حال تھا ضروری فون کے سوا کوئی فون اُن کے ہاں سے بھی نہیں کیا جاتا تھا..... وقت کچھ اور آگے سرکا..... میری دونوں بہنوں کی شادیاں ہوگئیں..... ابا کی ڈیتھ ہوگئی..... بھائی نے انجینئرنگ کمپلیٹ کر لی اور ایک نیم سرکاری آفس میں جاب پر لگ گیا..... میں نے ایم اے انگلش کیا اور ایک پرائیویٹ کالج میں نوکری کر لی..... امی، بھیا کی شادی کے لیے بہت بے قرار تھیں لیکن وہ چاہتی تھیں کہ بہو تب آئے جب میری شادی ہو جائے..... اس کے لیے انہوں نے بڑا زور لگا رکھا تھا لیکن میری شادی میں دیر ہوئی جارہی تھی..... رشتے آتے ضرور تھے لیکن ہر رشتے میں کوئی نہ کوئی سقم ضرور ہوتا اور اماں انکار کر دیتیں..... بقول ان کے وہ اب اتنی جلدی میں بھی نہیں تھیں کہ مجھے کنویں میں دھکیل دیتیں..... میری کوئی اپنی پسند نہ تھی سو میں نے یہ شعبہ امی کے ہی حوالے کر دیا تھا میں خود بے فکر اور مطمئن تھی۔

وہ بھی ایک عام دن تھا..... پرنسپل صاحبہ آج چھٹی پر تھیں اور جب ان کی چھٹی ہوتی تو ان کا کام مجھے ہی سنبھالنا پڑتا..... میں آفس میں بیٹھی فائلیں چیک کر رہی تھی کہ چپراسی اجازت طلب کر کے اندر آیا۔

''میم..... کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' وہ بولا۔

کسی بچی کے داخلے کا مسئلہ ہوگا..... میں نے سوچا اور اسے اجازت دی کہ وہ انہیں اندر لے آئے..... آنے والے نے سلام کیا اور میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا..... میں نے فائلیں بند کیں اور ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈال دی..... اور مجھے بڑا زبردست دھچکا لگا میرے سامنے کوئی اور نہیں زریاب انکل بیٹھے تھے..... عجیب بات یہ تھی کہ وہ ذرا بھی نہیں بدلے تھے۔ کنپٹیوں پر سے بال تھوڑے سفید ضرور ہوئے تھے لیکن وہ ویسے ہی فریش اور ہینڈسم تھے تبھی تو میں ایک نظر میں انہیں پہچان گئی تھی..... ان کے حسن میں سرمو فرق نہیں آیا تھا..... شاید میرے اندر کا جوش و خروش میرے چہرے سے بھی نظر آگیا..... تبھی تو وہ حیران سے نظر آنے لگے..... میں لرزتی آواز میں بولی

''زریاب انکل..... آپ.....؟''

''جی.....'' وہ حیرت سے اچھل پڑے۔ ''آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟''

''آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟'' میں قدرے مایوسی سے بولی۔

''جی نہیں.....'' وہ تھوڑے شرمندہ ہوگئے۔

''بالکل بھی نہیں؟'' میں اور زیادہ دکھی ہو کر پوچھ بیٹھی۔

''افسوس کہ مجھے یاد نہیں آرہا کہ کبھی آپ سے ملاقات ہوئی ہو۔'' وہ سر جھکا کر اور زیادہ شرمندگی سے بولے۔

''آپ ہماری نانی کے گھر میں ہوتے تھے..... میں کشو کی دوست بینا..... ظہیر میرے ماموں ہیں۔''

''ارے.....'' ان کا ارے بہت زوردار تھا..... ''ارے چھوٹی سی لڑکی..... تم اتنی بڑی ہوگئی ہو اور اتنی اہم سیٹ پر بیٹھ گئی ہو..... مجھے تو یقین نہیں آرہا۔''

''یقین تو مجھے بھی نہیں آرہا کہ آپ بالکل پہلے جیسے ہیں..... ذرا سا بھی تو فرق نہیں آیا..... لگتا ہے وقت آپ کو چھوئے بغیر نکل گیا۔'' وہ ہنس پڑے۔

''آپ غالباً اپنی بیٹی کا داخلہ کرانے آئے ہیں۔'' وہ پھر سے ہنس دیے۔

''داخلہ کرانے آیا ہوں لیکن بیٹی کا نہیں، بھتیجی کا..... اس طرف آرہا تھا تو بھتیجی نے داخلے کے فارم لانے کا کہہ دیا۔''

''آپ کی بیٹی کس کالج میں پڑھتی ہے زریاب انکل.....؟'' میں نے پوچھا۔

''کسی میں نہیں۔'' وہ مسکرا کر بولے۔ ''کسی بیٹی، بیٹے کا وجود ہی نہیں ہے..... بھئی جب شادی نہیں ہوئی تو بچے کہاں سے آئیں گے۔''

''آپ نے شادی نہیں کی؟'' میں حیران رہ گئی..... اور سخت متاثر ہوئی کہ انہوں نے عنبرین باجی سے شادی نہ ہونے کے سبب کسی اور سے شادی نہیں کی..... وفا کی کیا عجیب مثال ہے..... وہ فارم لے کر چلے گئے تھے اور میں گھر آتے ہوئے مسلسل اُن کے بارے میں سوچ رہی تھی..... گھر آتے ہی میں نے کشو کو فون ملایا اور بڑے جوش و خروش سے اسے ساری بات کہہ سنائی۔

''ہاں ہوتے ہیں کچھ لوگ محبت میں کھرے..... حالانکہ عنبرین باجی کی تو کب کی شادی بھی ہو چکی..... انہیں تو شاید یاد بھی نہ ہو کہ ایک بندہ ابھی تک ان کی محبت میں کنوارا پھر رہا ہے۔'' پھر کشو اپنے رشتے کے بارے میں بتانے لگی جو آج کل اس کے لیے آیا ہوا تھا اور وہ اس سلسلے میں بڑی پُرجوش ہو رہی تھی۔ جب میں نے فون رکھا تو دل خواہ مخواہ زریاب انکل کے لیے افسردہ ہو رہا تھا..... کاش انہیں ان کی محبت مل جاتی..... تو آج بھی وہ ایک ہنستی مسکراتی زندگی گزار رہے ہوتے۔

گرمیاں آرہی تھیں میرے پاس لان کے سوٹ نہیں تھے..... امی سے کہہ کر میں بازار چلی گئی..... لان کے سوٹ خریدے تو بک شاپ کو دیکھ کر رہ نہ سکی..... بکس میری کمزوری تھی..... اندر گھس گئی..... اور کتابوں میں سر دے کر کھڑی ہو گئی..... چند کتابیں ایک طرف رکھ دیں کہ اچانک زریاب انکل پر نظر پڑ گئی وہ بھی کتابیں ڈھونڈ رہے تھے۔

پاکیزہ کے لیے پاکیزہ پیغام

عروج اور بلندی تجھ پہ ناز کرے
تری عمر خدا اور بھی دراز کرے

حسین میگزین کی تابندگی مبارک ہو
پاکیزہ کو سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

☆☆☆

تمہارے سلسلوں میں ہے اِک سحر
سدا ان کی خوب صورتی سلامت رہے

روز افزوں تم ترقی کرو
مقدر کی ایسی کرامت رہے

از: ماہ رخ، حیدرآباد

''ارے زریاب انکل آپ.....؟'' خوشی میرے لہجے میں خود بخود آ گئی..... وہ مسکرا پڑے۔

''کیسی ہو اچھی لڑکی؟''

''میں ٹھیک ہوں..... آپ کیسے ہیں؟''

''فٹ فاٹ..... کتابیں دیکھی جا رہی ہیں؟'' وہ ایک کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے بولے۔

''جی ہاں۔'' میں ہنس کر بولی۔ ''آئی تو تھی کپڑوں کی خریداری کرنے لیکن بک شاپ دیکھ کر خود پر قابو نہ پا سکی۔''

''بہت اچھے بھئی..... ہم دونوں کا شوق ایک ہے۔'' ہم ان بکس کے متعلق بات چیت کرنے لگے..... پھر ہم اکٹھے ہی کاؤنٹر پر ان کی ادائیگی کرنے آئے اور میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود انہوں نے میری بکس کی بھی پے منٹ کر دی۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے انکل..... مجھے اپنی بکس کی ادائیگی کرنے دیں۔''

''ارے اچھی لڑکی..... کچھ نہیں ہوتا..... چلو..... اب تمہیں کافی پلا دوں۔ اس کافی شاپ میں بڑی اچھی

کافی ملتی ہے...... میں اکثر یہاں کافی پینے آتا ہوں......" وہ میرے انکار کے باوجود مجھے نزدیکی کافی شاپ لے گئے...... کافی پینے کے دوران ہم نے بہت سی باتیں کیں۔

"زریاب انکل......" میں کافی کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے بولی۔ "آپ سچ سچ بتائیں...... آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"بس...... ایسے ہی......" وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولے۔

"نہیں...... سچ، سچ بتائیں؟" میں نے اصرار کیا۔

"کیا سننا چاہتی ہو؟" وہ مسکرا کر پوچھنے لگے۔

"میں نے کہا ناں...... کوئی خاص وجہ نہیں تھی شادی نہ کرنے کی...... بس نہیں ہو سکی۔"

"لیکن میں وہ وجہ جانتی ہوں۔" میں نے آنکھیں گول، گول گھماتے ہوئے کہا۔

"کیا......؟" وہ چونک اٹھے۔ "یعنی تم میری شادی نہ ہونے کی وجہ جانتی ہو۔" وہ حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

"ہاں......" میں نے اثبات میں سر ہلایا تو۔

"تو پلیز...... پھر بتاؤ ناں...... تاکہ مجھے بھی تو پتا چلے کہ میری شادی نہ ہونے کی وجہ کیا تھی......" وہ مزاحیہ انداز میں بولے...... میں کچھ دیر خاموش رہی۔

"عنبرین باجی......" چند لمحوں بعد میں نے کہا۔ "آپ کی شادی نہ کرنے کی وجہ عنبرین باجی ہیں، جن سے آپ کی شادی نہ ہو سکی تھی...... اور آپ نے عمر بھر شادی نہ کرنے کی قسم کھالی ہے ناں یہی بات......" میں نے فاتحانہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سچ مچ حیرت زدہ رہ گئے...... کتنی دیر تو ان سے بولا نہیں گیا۔

"اچھی لڑکی...... تمہارا خیال غلط ہے...... میں نے شادی نہ کرنے کی کوئی قسم وسم نہیں کھائی تھی۔" کچھ دیر بعد وہ دھیمے انداز میں بولے۔

"کیا......؟" اب چونکنے کی باری میری تھی۔

"ہاں...... مجھے عنبرین سے شادی نہ کرنے کا دکھ ضرور ہوا تھا...... ہمارے بیچ عہد و پیمان بھی ہوئے تھے...... عشق کا کھیل بھی چلا تھا لیکن جب اس سے میرا رشتہ طے نہیں ہوا تو میں نے یہ سوچ کر کہ اس کے اور میرے نصیب کے ستارے نہیں ملتے ہوں گے...... خود کو سمجھا لیا تھا...... اس کے بعد میری اماں نے میری شادی کے لیے کوششیں کیں جو بار آور ثابت نہ ہو سکیں...... وہ جو کہتے ہیں ناں کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں تو شاید میرا جوڑا بنایا ہی نہیں گیا ہو...... اب تو اماں، ابا بھی چل بسے ایک آپی ہیں جو کینیڈا میں ہوتی ہیں...... فون کرتی ہیں تو اُن کی بات میری شادی سے شروع ہو کر شادی پر ہی ختم ہوتی ہے...... پھر بھی یہ بیل منڈے نہیں چڑھتی......" وہ اداسی سے مسکرا دیے جبکہ میرا دل اندر ہی اندر ڈوب کر رہ گیا...... ایک بار پھر میرے دل میں وہ نرم گوشہ جاگ اٹھا جو اُن کے لیے میرے دل میں تھا...... اور میں اپنے آنسو چھپانے کے لیے اپنے کپ پر جھک گئی۔

ہفتہ دس دن بعد پھر سے ہماری ملاقات ہو گئی...... یہ ملاقات بھی بک شاپ میں ہوئی...... مجھے دیکھ کر وہ بے طرح خوش ہو گئے۔

"اچھی لڑکی...... آج واقعی دل چاہ رہا تھا کہ تم سے ملوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے انہیں سلام کیا اور اُن کا حال پوچھا۔

"ایک بات پر تم سے ناراضی ہو جائے گی۔" وہ کتاب کے صفحات الٹاتے ہوئے بولے۔

"الٰہی خیر!" میں دہل کر بولی۔ "کس بات پر انکل......؟"

"یہی...... انکل والی بات پر......" وہ بولے۔ "تم انکل کہنا چھوڑ دو گی تو ہی ہم دوستوں کی طرح ہر موضوع پر بات کر سکیں گے۔"

"لیکن انکل...... آپ مجھ سے اتنے بڑے ہیں...... آپ کو آپ کے نام سے بھی نہیں پکار سکتی۔" مجھے خود بھی ان کو اب انکل کہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں بھی تو لوتھا کی لوتھا ہو گئی تھی جبکہ وہ اب بھی وہی

زریاب انکل تھے جیسے ماضی میں ہوا کرتے تھے۔

''ہاں تو...... میں کب کہتا ہوں کہ تم مجھے میرے نام سے پکارو......'' اُن کی بات پر میں نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

''تو پھر...... کیا کہہ کر پکاروں......؟'' میں نے حیران ہوکر ان سے پوچھا۔

''تم مجھے سر کہہ سکتی ہو۔'' وہ ہنس کر بولے۔ ''حالانکہ اب تو تم خود میڈم ہو۔''

''نہیں...... نہیں...... یہ اچھا ہے...... میں اب آپ کو سر کہہ کر ہی بلاؤں گی......'' میں نے خوشی، خوشی ان کی بات مان لی...... آج ہم نے کافی کی ٹیبل پر بہت ساری باتیں کیں۔

''دیکھو...... میں نے اتنی بے وقوفی کی...... نہ تم سے تمہارا فون نمبر لیا نہ گھر کا پتا پوچھا...... ملنے کو دل کررہا تھا لیکن ملاقات کیسے ہو...... ہر روز اسی بک شاپ پر آجاتا کہ شاید تم بھی آجاؤ...... اگر آج بھی تم نہ آتی تو میں تمہارے کالج آجاتا۔'' وہ بولے۔

''لیکن کیوں انکل...... میرا مطلب ہے سر...... آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔ کوئی خاص بات تھی کیا......؟''

''نہیں......'' وہ قدرے بوکھلا گئے۔ ''بس ایسے ہی...... گپ شپ کے لیے...... تم باتیں بڑی دلچسپ کرتی ہو۔''

میں خوش ہوگئی اور ان سے باتیں بگھارنے لگی...... میں نے انہیں ماضی کی ایک، ایک بات بتادی...... اپنی اور کشو کا اُن کے لیے رونا دھونا، دعائیں اور سجدے...... وہ حیران رہ گئے۔

''ارے...... تم دونوں اس قدر ہمدرد تھیں میری...... اور مجھے پتا بھی نہیں تھا۔''

''کشو آپ کو عشقِ لیلیٰ کا قیس کہتی تھی۔'' میں نے اپنی آنکھیں ان کے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا......

''وہ کہتی تھی کہ آپ کی شکل صورت سنتوش کمار سے ملتی ہے تو نصیب بھی ان ہی جیسا ہوگا اور آپ ایک دن پاگل ہوکر جنگلوں میں نکل جائیں گے اور عنبرین، عنبرین پکارتے چلے جائیں گے۔'' وہ ہنس، ہنس کر دُہرے ہوگئے اور بڑے اشتیاق سے مجھے سننے لگے۔

''ملک مختار کے انکار کے بعد ہم خدا سے یہی دعا مانگتے رہے کہ کہیں آپ سچ میں پاگل نہ ہوجائیں عنبرین باجی کے پیچھے۔''

''دیکھ لو......'' وہ کالر جھاڑتے ہوئے بولے۔ ''تمہاری اور کشو کی دعا قبول ہوگئی...... میں بالکل بھی پاگل نہیں ہوا۔''

''ہاں...... لیکن زخم تو آپ کے دل پر کاری لگا تھا ناں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں...... اگر تم چاہو تو اس زخم پر مرہم لگا سکتی ہو۔'' ان کی خوب صورت بھوری آنکھیں مجھ پر جمی تھیں...... میں کچھ گھبرا سی گئی اور کافی کے کپ پر نظریں جمالیں۔

''چلیں اچھا ہوا زخم کو وقت نے خود ہی بھر دیا...... اب کسی رفوگری کی ضرورت نہیں سر......''

ڈھیروں باتیں کرنے کے بعد میں ان سے اجازت لے کر گھر آگئی لیکن آج میں قدرے الجھی، الجھی سی تھی...... ان کی باتیں اور ان کا انداز مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کررہا تھا۔

اگلے دن کالج میں، چپراسی ایک چٹ لے کر آگیا...... میں نے دیکھا...... اس پر لکھا تھا۔

''آج چار بجے اسی کافی شاپ میں آجانا، ضروری بات کرنی ہے...... تمہارا سر۔'' اور میں ٹھیک چار بجے وہاں پہنچ گئی...... وہ پہلے سے اسی مخصوص میز پر بیٹھے تھے انہوں نے کافی کا آرڈر دیا...... مجھے بے چینی ہورہی تھی۔

''سر...... آپ نے مجھ سے کیا ضروری بات کرنی ہے؟''

''میں تمہید میں وقت ضائع نہیں کروں گا...... لیکن بات تبھی کروں گا جب تم عمر والے مسئلے کو بیچ میں نہیں لاؤ گی۔'' وہ ایک گہری نظر مجھ پر ڈال کر بولے۔

''آپ بات تو کریں سر......'' میں کنفیوز ہوکر انہیں دیکھنے لگی۔

''اگر تمہیں اپنی اور میری عمر کا خیال ہو تو میں اس بات کو یہیں ختم کرتا ہوں...... ورنہ دوسری صورت میں، میں تمہیں پروپوز کرتا ہوں بس یہ ضروری بات کرنی تھی تم سے...... اب تم اپنے گھر جاؤ...... اس پروپوزل پر اچھی طرح سوچ لو...... اور آج سے ٹھیک چار دن بعد یہاں آ کر مجھے اپنا جواب سنا دینا...... آپی کینیڈا سے آئی ہوئی ہیں لیکن چند دن میں انہیں ٹال سکتا ہوں۔''

میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے...... دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ میں کیسے گھر آئی...... مجھے کچھ پتا نہیں چل سکا...... گھر آتے ہی میں نے کشو کو فون ملایا اور جیسے ہی کشو نے فون اٹھایا اسے ایک ہی سانس میں ساری بات کہہ سنائی...... میری بات ختم ہوتے ہی وہ چیخ پڑی۔

''ارے وہ بڈھا...... اس سے شادی کرو گی تم...... ارے دنیا بھر کے جوان مرد مر گئے ہیں کیا...... پاگل تو نہیں ہوگئی ہو...... وہ بڈھا کھوسٹ ایک بچی سے شادی کرے گا۔'' میں باوجود پریشانی کے ہنس پڑی۔

''وہ بڈھا نہیں ہے...... اب بھی پہلے جیسا ہے سنتوش کمار جیسا...... اور نہ ہی میں اب بچی ہوں۔''

''پاگل مت بنو...... جاؤ اور پٹ سے انکار کردو اسے...... اور ہاں سنو...... صرف انکار نہیں...... اسے چند باتیں بھی سنا دینا...... کہہ دینا کہ اسے شرم نہیں آئی ایک بچی کو شادی کی آفر کرتے ہوئے اس کے سامنے تم بچی ہی ہو...... آئی سمجھ میں میری بات......'' میں نے اثبات میں ایسے سر ہلایا جیسے وہ مجھے دیکھ رہی ہو...... بے دلی سے فون کریڈل پر رکھ کر میں نے مڑ کر دیکھا تو امی میرے پیچھے کھڑی تھیں ان کی صورت سے لگ رہا تھا جیسے انہوں نے میری ساری بات سن لی ہو...... میں ان کے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگی۔ امی ہمیشہ سے میرے دوستوں کی طرح تھیں...... انہوں نے میرے آنسو اپنے لبوں سے سمیٹے اور مجھے آمادہ کیا کہ میں انہیں سب کچھ بتا دوں کوئی بات دل میں نہ رکھوں...... میں نے نانی کے گھر سے شروع کیا اور انہیں سب کچھ بتا دیا...... کوئی بات مخفی نہیں رکھی۔

''تم بتاؤ...... تم کیا چاہتی ہو...... کھل کر بتادو...... یہ تمہاری زندگی کا معاملہ ہے...... اس میں سو فیصد تمہاری مرضی چلے گی۔'' امی کچھ دیر سوچ کر مجھ سے پوچھنے لگیں۔

''امی......'' میں آہستہ سے بولی۔ ''جو نرم گوشہ سر کے لیے میرے دل میں ہے وہ کبھی کسی اور کے لیے پیدا نہیں ہوسکتا...... میں سمجھتی ہوں کہ خدا کو بھی ہمارا ملن منظور ہے تبھی تو انسانوں کے اس سمندر میں خدا نے ان سے مجھے دوبارہ ملایا...... اور ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ وہ مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنا سکتے ہیں۔''

''بس تو پھر سوچنے کو کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا...... تم اپنے سر کو کہو کہ اپنی بہن کو بھیج دے...... میں تمہارے بھیا سے بات کرتی ہوں کہ اس موقع پر وہ بھی موجود رہے......'' امی مسکرا کر میرا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔ میرے اندر سے خوشی کی ایک لہر اٹھی جس نے مجھے سیراب کردیا...... میرے اندر اور باہر شادیانے بجنے لگے...... میرا دل بڑی شدت سے چاہنے لگا کہ میں دوڑ کر جاؤں اور سر سے کہوں کہ آپ نے تو کہا تھا کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور میرا جوڑا کسی کے ساتھ نہیں بنا...... لیکن آپ کی بات غلط تھی آپ کا جوڑا میرے ساتھ بنا تھا اسی لیے عنبرین باجی سے آپ کی شادی نہیں ہوسکی تھی...... اور تب میں بچی تھی...... اس لیے درمیان میں اتنا لمبا عرصہ گزر گیا...... بچی کے خیال سے مجھے ہنسی آگئی...... کشور کا خیال آگیا...... میرا خیال ہے سب سے پہلے یہ خوش خبری مجھے اسی کو سنانی چاہیے...... میں نے سوچا لیکن یہ اس کے لیے خوش خبری ہرگز نہیں ہوگی...... کیوں نہ میں فون پر اسے یہ گانا سنا کر خوشخبری سناؤں کہ

میں کیا کروں رام مجھے بڈھا مل گیا
ہا، ہا، ہا...... بڈھا مل گیا...... ہاں، ہاں بڈھا مل گیا

میں سرشاری کشو کو فون ملانے چل دی۔



اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

ڈرِ شمن بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار... یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصّع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط 9



پتو اور حویلی کی خاص ملازمہ تمام مکینوں کو چائے سرو کر رہی تھیں۔
''کتنا سکون ہے یہاں......'' زارون نے رائے دی۔
''ایسا لگتا ہے جیسے وقت ہمیں کئی سال پیچھے لے گیا ہو......'' عنایہ نے پتو کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیا۔
''مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کسی فینٹسی ورلڈ میں آ گئی ہوں۔'' مناب نے چائے کے سپ لیتے ہوئے اظہار کیا۔
''اور میں نے تو سوچ لیا ہے میں شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ یہاں ہی شفٹ ہو جاؤں گا...... کیوں دادو ٹھیک سوچا ناں میں نے؟'' اقصم نے مسکراتے ہوئے نور بیگم کی گود میں سر رکھا اور آڑھا ترچھا لیٹ گیا۔
''تم تو سب سے چالاک ہو۔'' نور بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی۔
''آج تو دادو بھی بہت خوش نظر آ رہی ہیں......'' ایشال نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔
''ہاں تو کیوں نہ خوش ہوں میں؟ زندگی کے پچاس سال میں نے اس حویلی میں گزارے ہیں، تیرہ سال کی عمر میں بیاہ کر اس حویلی میں آئی تھی۔ مجھے اس حویلی کی ایک، ایک اینٹ سے پیار ہے۔'' نور بیگم کے لہجے میں عقیدت تھی، بے پناہ لگاؤ تھا۔ وہ دھیرے، دھیرے شفقت سے اقصم کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔
''ساجدہ آپا...... بچپن کے جو معصوم اور یادگار دن ہم تینوں بہن، بھائیوں نے اس حویلی میں کھیل کود کر گزارے...... وہ دن بھی کتنے حسین اور یادگار دن تھے...... سچ ہی کہتے ہیں گیا وقت کبھی لوٹ کر نہیں آتا اور خاص طور پر بچپن کے دن۔'' داؤد چوہدری چائے پیتی بہن سے آبدیدہ لہجے میں مخاطب ہوئے...... آج حویلی میں برسوں بعد لگنے والی رونق میں انہیں اپنے مرحوم بھائی اور بھاوج کی شدت سے یاد آ رہی تھی۔
نور بیگم کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے اور ساجدہ بیگم کے چہرے پر بھی اداسی عود آئی تھی۔ زارون نے ٹاپک چینج کرتے ہوئے یک لخت ڈاکٹر عمر کو چھیڑنے والے انداز میں کہا۔
''عمر بھائی آپ کی خاموشی بتا رہی ہے کہ یہاں آ کر بھی آپ کو اپنے مریضوں کی بہت یاد آ رہی ہے۔'' ڈاکٹر عمر، زارون کے سوال پر دھیرے سے مسکرائے۔
''یار اب میں اتنا بھی آدم بیزار شخص نہیں ہوں...... بس اصول پسند ہوں، اپنے پیشے سے بہت محبت کرتا ہوں، تھوڑا سنجیدہ ہوں، پنکچوئل ہوں اور تم لوگوں نے تو خواہ مخواہ مجھے بدنام کرتے ہوئے ہٹلر کا خطاب دے رکھا ہے۔'' عمر کی وضاحت پر سبھی مسکرا دیے تھے۔ سوائے ایشال چوہدری کے...... اسے ایسا فیل ہوا جیسے وہ ایشال کو سنا رہے تھے۔
پُرتکلف چائے پینے کے بعد سب اپنے، اپنے کمروں میں ریسٹ کرنے کی غرض سے چلے گئے۔ نور بیگم سے پرانے ملازمین ملنے آ رہے تھے۔ وہ بہت عرصے کے بعد حویلی آئی تھیں۔ اس عمر اور بڑھاپے میں ان سے سفر بھی نہیں ہوتا تھا سو چار پانچ سال کے بعد وہ گاؤں اپنی آبائی حویلی آئی تھیں اور خود کو ترو تازہ محسوس کر رہی تھیں۔
رات کو حویلی کے وسیع و عریض لان میں اسلم نے باربی کیو کا اہتمام کر رکھا تھا...... موسم خاصا بدل گیا تھا، فضا میں اچھی خاصی خنکی تھی۔ حویلی کے ملازم غلام عباس نے لان میں لکڑیوں کو اکٹھا کر کے آگ جلا دی تھی...... قریب ہی اسلم (بٹلر) باربی کیو بنا رہا تھا۔
سب نے لان میں ڈیرا جما رکھا تھا اور سب خوش گپیوں میں مصروف تھے...... پورے چاند کی رات اور خوب صورت ماحول میں باربی کیو کی مہک...... ان سب چیزوں نے انہیں ایک عجیب سے سحر میں مبتلا کر دیا تھا۔
''اقصم بھئی اس رومینٹک ماحول میں تمہاری سنگنگ پرفارمنس تو لازمی بنتی ہے یار......'' زارون نے ہاتھ

سینکتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھے اقصم سے فرمائش کی جو مناب کی پلیٹ سے چکن بوٹی اٹھا، اٹھا کر کھا رہا تھا۔

''او کے برو......'' اقصم ہاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں بھئی کچھ اچھا سا سناؤ تاکہ اس محفل کا مزہ دوبالا ہو جائے......'' عنایہ باربی کیو کی پلیٹ لیے زارون کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی...... پینو اور حویلی کا خاص ملازم غلام عباس سب افراد کو سرو کر رہے تھے۔ اقصم اٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اقصم اپنے روم سے گٹار لے کر لان میں آیا اور مناب کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ سے سیخ کباب کا ٹکڑا اٹھا کر کھاتے ہوئے اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

''چھوٹو......! توبہ ہے تم پاکستان آ کر کتنا کھانے لگے ہو؟'' مناب نے اسے گھورا...... جواباً وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے جگہ بنا کر گٹار لیے بیٹھ گیا۔

''اور ابھی یہ موصوف کہتے ہیں کہ میں زیادہ کھاتی ہوں۔'' ایشال کا انداز جتانے والا تھا۔

''ہاں تو سچ کہتا ہوں میں۔'' اقصم نے دھیرے سے گٹار کے تاروں کو چھیڑا۔

''پلیز، پلیز...... اب تم دونوں اپنی لڑائیاں نہ شروع کر دینا......'' عنایہ نے مسکراتے ہوئے مداخلت کی تو اقصم مسکرا دیا۔

''جو سونگ میں سنانے والا ہوں وہ شاید اس صدی کا سب سے رومینٹک سونگ ہے...... ان سب کے نام جنہیں اپنی محبت سے بہت محبت ہے......'' اقصم نے گٹار بجاتے ہوئے گانا شروع کیا۔

اقصم بڑے جذب سے گٹار بجاتے ہوئے گا رہا تھا اور سب اس کی سنگنگ کو انجوائے کر رہے تھے...... اقصم نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں کھول کر اپنے سامنے بیٹھی اس انجان لڑکی کو دیکھا...... جس نے جینز پر کرتہ پہن رکھا تھا اور اپنے گرد گرم شال لپیٹ رکھی تھی...... اس کے سیاہ سلکی بال ایک طرف شولڈر پر بکھرے ہوئے تھے...... اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ، اس کی آنکھوں میں ولی کا عکس تھا اسی کی یاد تھی اسی کی محبت تھی...... اقصم کے اندر اِک ہوک سی اٹھی تھی اور اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

ایشال کی نظریں بے ساختہ بھٹک کر ڈاکٹر عمر کی طرف اٹھیں۔ بلیک شلوار قمیص پر ویسٹ کوٹ پہنے وہ خاصے ڈیسنٹ لگ رہے تھے۔ ایشال بے اختیار انہیں دیکھے گئی۔ نہ جانے وہ کن سوچوں میں الجھے ہوئے تھے۔ ان کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔

اچانک انہیں خود پر کسی کی نظروں کی تپش کا احساس ہوا تھا انہوں نے نظروں کا زاویہ بدلا تو ایشال کو اپنی طرف بغور دیکھتے ہوئے پایا...... ڈاکٹر عمر کے چوری پکڑتے ہی ایشال نے گڑبڑا کر نظریں جھکا لی تھیں۔

حویلی کے لان میں سُروں سے سجی وہ رات سب کے دلوں پہ انمٹ نقوش چھوڑ چکی تھی۔

☆☆☆

خنکی بہت بڑھ گئی تھی، ڈاکٹر عمر فجر کی نماز پڑھنے کے بعد ٹریک سوٹ میں ملبوس جوگرز پہن کر حویلی سے باہر آ گئے تھے...... تھوڑی دیر واک کر کے خود کو وارم اپ کرنے کے بعد وہ جوگنگ کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اور حویلی کے بڑے سے آہنی گیٹ سے نکلتے ہی دو میل تک کارپٹڈ روڈ بچھایا گیا تھا جو سیدھا گاؤں کی مین سڑک سے جا ملتا تھا۔ اس کارپٹڈ روڈ کے دونوں اطراف خوب صورت پودے لگائے گئے تھے۔ دن کا اجالا رات کی تاریکی کو چیرتا ہوا اِک نئی صبح کو راستہ دے رہا تھا۔ ڈاکٹر عمر کو یہ خاموشی، یہ سکون بہت بھلا لگا اور وہ سڑک پر دوڑتے ہوئے حویلی کو پیچھے چھوڑتے جا رہے تھے۔ شاید یہ گاؤں کی خوب صورت صبح کا اثر تھا کہ ایشال کی آنکھ بھی جلدی کھل گئی تھی۔ ایشال جب فریش ہو کر لونگ روم میں آئی تو اقصم وہاں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔

''ہائے، گڈ مارننگ!'' ایشال اس کے پاس صوفے پر ہی بیٹھ گئی تھی۔ اس نے جینز اور ہائی نیک اور اس پر لانگ اپر پہن رکھا تھا۔

''ویری گڈ مارننگ!'' کافی پیتا ہوا اقصم مسکرایا۔

''یہاں کی صبح کتنی خوب صورت اور رومینٹک ہے۔'' اقصم نے تبصرہ کیا۔ ملازم نے لونگ روم کے پردے ہٹا دیے تھے۔ اقصم گلاس ونڈو سے سورج کی نمودار ہوتی کرنوں کو اور پھل دار پودوں پر اڑتی بیٹھتی چڑیوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں ایک عجیب سا سکون ہے یہاں...... تازگی ہے، ایک قسم کا زندگی میں ٹھہراؤ ہے یہاں۔'' ایشال نے بھی دھیرے سے جواب دیا۔

''بھئی میں تو اس خوب صورت صبح کو انجوائے کرنے باہر جا رہا ہوں۔'' اقصم کافی کا خالی مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''رکو اقصم، میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' ایشال بھی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اپنے جوگرز پہن کر آئی تو اقصم لان میں ٹہل رہا تھا۔ پھر وہ دونوں چلتے، چلتے حویلی کے گیٹ سے باہر نکل گئے اور سڑک پر سیدھا چلنے لگے۔ پرندوں نے درختوں پہ شور مچا رکھا تھا...... ہلکی، ہلکی دھند میں نمودار ہوتیں سورج کی کرنیں بہت بھلی لگ رہی تھیں...... گاؤں سے آتی چکی کی آواز کانوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔

''اقصم نو ڈاؤٹ تم نے سنگنگ میں بہت امپروو کیا ہے۔'' ایشال نے اس کے ساتھ چلتے، چلتے اپنی رائے دی۔

''تھینکس...... میں انگلینڈ میں بھی سنگنگ کلاسز لیتا رہا ہوں......'' اقصم مسکرایا۔

''تمہاری آواز دل کو چھو لیتی ہے...... تمہاری آواز میں ایک عجیب سا درد محسوس ہوتا ہے۔ تم بہت اچھا گانا گانے لگے ہو اقصم۔'' ایشال کی تعریف پہ وہ بولا کچھ نہیں بس اس کے ساتھ، ساتھ چلتا رہا۔

''تم کسی سے محبت کرتے ہو؟'' ایشال کے اچانک سوال پر اقصم نے بے پناہ حیرت سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''آئی تھنک میں بھی اسی گھر میں ہی رہتی ہوں جہاں تم رہتے ہو۔'' ایشال نے مسکراتے ہوئے جتایا۔ وہ جس محبت کو اپنے دل میں چھپائے بیٹھا تھا اب وہ دوسروں پر بھی عیاں ہونے لگی تھی۔

''ہاں تم نے ٹھیک سنا۔'' وہ سنجیدگی سے جواب دے کر تیز تیز چلنے لگا۔

''بائے داوے کون ہے وہ؟ جس کے تم سے نصیب پھوٹنے والے ہیں؟'' ایشال تقریباً دوڑ کر اس کے قریب آئی...... اور اسے چھیڑنے کی غرض سے بولی۔

''بکواس نہیں کرو ڈفر ڈاکٹر...... میں نے دل و جان سے اسے چاہا ہے۔''

''ارے واہ...... چپکے، چپکے محبت بھی کر لی اور بتایا تک نہیں......''

''ایشو تم بہت اسٹوپڈ ہو...... محبت بتا کر نہیں کی جاتی...... کچھ چیزیں بتا کر نہیں کی جاتیں۔ وہ بس ہو جاتی ہیں، محبت بھی انہی میں سے ایک ہے۔''

''اچھا اس کی تصویر ہی دکھا دو۔'' ایشال نے فرمائش کی۔

''ایویں دکھا دوں۔'' اقصم کے انکار پر وہ دوڑ کر اس کے راستے میں آگے کر کھڑی ہوگئی۔

''تو کیا تم مجھے اس کی تصویر نہیں دکھاؤ گے؟''

''یار دکھادوں گا اتنی جلدی بھی کیا ہے؟'' اقسم نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''قسم سے تم بہت گھنّے اور میسنے ہو...... اور بہت (گالی) بھی...... تمہاری جگہ اگر میں ہوتی اور مجھے کوئی لڑکا پسند ہوتا تو میں سب سے پہلے تمہیں آ کر بتاتی۔''

''تم میری اضافی خوبیاں مجھے مت بتایا کرو، میں جانتا ہوں کہ میں بہت جینئس ہوں اور دکھادوں گا یار تصویر بھی اتنی جلدی بھی کیا ہے...... تم واک کرو میں ذرا اصطبل کی طرف جارہا ہوں...... بہت عرصے سے ہارس رائڈنگ نہیں کی۔'' اقسم اسے ٹالتے ہوئے سڑک کے ساتھ چھوٹے سے ذیلی راستے کی طرف بڑھ گیا اور ایشال کندھے اچکا کر آگے بڑھ گئی...... معاً اسے سامنے سے ٹریک سوٹ میں ملبوس ڈاکٹر عمر آتے دکھائی دیے۔

دونوں کے درمیان فاصلہ اور بھی کم ہوا تو ڈاکٹر عمر ایک لمحے کے لیے رک گئے...... دفعتاً اچانک درختوں کے جھنڈ سے ایک خونخوار کتا نکل کر غراتے ہوئے ایشال کی طرف آیا، اس ناگہانی افتاد پہ نہایت خوفزدہ ہو کر چیختے ہوئے ایشال نے آؤ دیکھا نہ تاؤ...... دوڑ کر ڈاکٹر عمر سے لپٹ گئی۔

"please help me I need you" وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ ڈاکٹر عمر کو اس نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا، اس نے اپنا سر اُن کے سینے سے ٹکا رکھا تھا اور خوف سے آنکھیں میچ رکھی تھیں۔ اتنے میں اس پالتو کتے کے پیچھے اصطبل کا ملازم بھاگتے ہوئے آ گیا...... وہ اعلیٰ نسل کا خونخوار کتا اصطبل کی رکھوالی کے لیے ہی رکھا گیا تھا۔ ملازم نے کتے کو کچھ کہا تو وہیں رک کر دم ہلانے لگا تھا۔ ڈاکٹر عمر نے دھیرے سے اس کے کندھے کو تھپکی دی۔

"don,t worry Eshal you are safe" ڈاکٹر عمر کی تسلی نے اس کا خوف تو کم کردیا تھا مگر اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

ڈاکٹر عمر نے اس کے بیک پر ہلکی سی تھپکی دے کر اسے خود سے دور کیا۔

ایشال کو اپنی بے ساختگی پر عجیب سی embarrassment ہوئی اور وہ سر جھکائے ان کے ساتھ قدرے فاصلے پر کھڑی ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر عمر کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''وسس...... سوری...... پریشانی میں...... میں نے آپ کو بھی۔'' ڈاکٹر عمر نے اسے تسلی دی۔

''اٹس اوکے...... سب ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر عمر نے اسے تسلی دی۔ اصطبل کا ملازم ان سے معذرت کرنے کے بعد کتے کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ایشال نے ایک طویل سانس لی۔ ڈاکٹر عمر نے اس سے واپس چلنے کے بارے میں کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر ان کے ساتھ، ساتھ چلنے لگی۔

اقسم جب واپس حویلی آیا تو مناب لان میں ایک اسٹول پر چڑھی...... درخت سے امرود توڑ رہی تھی۔ وہ اسٹول پر احتیاط سے کھڑی تھی اس کے ایک ہاتھ میں باسکٹ تھی...... اور دوسرے ہاتھ سے وہ امرود توڑ رہی تھی۔

''یہ کیا کررہی ہیں آپ؟'' اقسم قریب آ کر ہنستے ہوئے بولا۔ ''کیا پہلے کبھی امرود نہیں کھائے آپ نے جو یوں اسٹول پر چڑھ کر امرود توڑنے کی نوبت آ گئی؟''

''چھوٹو ایسی بات نہیں ہے...... بس انہیں اپنے ہاتھوں سے توڑنا مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ ایک عجیب سی خوشی محسوس ہورہی ہے۔''

''اچھا، میں تو سمجھتا تھا ولی بھائی کے علاوہ دنیا کی کوئی چیز آپ کو خوشی نہیں دے سکتی۔ آپ ایسی چیزوں سے بھی خوش ہوتی ہیں؟ حیرت ہے۔'' اقسم کا انداز جلا کٹا تھا۔ مناب نے اپنے قریب نیچے کھڑے اقسم کو دیکھا۔

''واٹ ربش چھوٹو...... مجھے نیچر سے عشق ہے...... ایسی چیزیں مجھے بہت خوشی دیتی ہیں...... ولی کے لیے

میرے دل میں جو محبت ہے وہ بہت الگ ہے...... اس محبت کا میں ان خوشیوں سے موازنہ نہیں کر سکتی...... اینی وے یہ باسکٹ پکڑو، میں نیچے آتی ہوں۔'' مناب نے باسکٹ نیچے کھڑے اقصم کی جانب بڑھائی، اقصم نے باسکٹ پکڑ کر نیچے گھاس پر رکھ دی۔

''چھوٹو میرا ہاتھ پکڑو مجھے نیچے آنا ہے۔'' مناب نے اپنا ہاتھ اقصم کی جانب بڑھایا۔ اقصم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مناب نے اپنا ایک ہاتھ اس کے کندے پر رکھا اور احتیاط سے اسٹول سے نیچے اتر آئی...... Burberry weekend perfume کی مخصوص مہک نے جیسے اس کی محبت کا مذاق اڑایا تھا اور اسے بے بس دیکھ کر جیسے وہ مسکرا رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے مناب اپنا ہاتھ چھڑا کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''ہائے داوے تم کہاں تھے؟''

''اصطبل گیا تھا۔'' مختصر جواب...... تھوڑی دیر پہلے جو اس کے دل کی حالت ہوئی تھی اس نے اقصم سے الفاظ چھین لیے تھے...... کاش وہ اس کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے تھام سکتا۔

''لو آج ہم تم سے نکاحِ عشق کرتے ہیں
ہمیں تم سے محبت ہے، محبت ہے، محبت ہے......''

اس کے دل نے چیخ، چیخ کر اعلان کر دیا تھا۔

سب کے جاگنے کے بعد ناشتے پر بھرپور اہتمام کیا گیا تھا۔ شہری ناشتے کے ساتھ ساگ، مکئی کی روٹی، مکھن، اور میٹھی لسی جیسی سوغاتوں نے حویلی میں ناشتے کی شان بڑھا دی تھی۔

داؤد چوہدری ناشتے کے بعد...... حویلی کے عقب میں بنے ڈیرے کی طرف چلے گئے تھے۔ یہاں لوگوں کے جو بھی مسائل ہوتے...... وہ داؤد چوہدری آ کر نمٹایا کرتے تھے۔ داؤد چوہدری پانچ، چھ مہینے کے بعد باقاعدگی سے گاؤں آیا کرتے تھے۔ زارون اور عنایہ کہیں لانگ ڈرائیو پر نکل گئے تھے...... ڈاکٹر عمر ناشتے کے بعد نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ ایشال، مناب اور اقصم حویلی سے باہر کھیتوں کی طرف نکل گئے۔

اقصم نے گلے میں کیمرا لٹکا رکھا تھا...... اور وہ گاہے بہ گاہے مختلف مناظر کو اپنے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر رہا تھا۔

''ویسے یہ زارون اور عنایہ بھی ہمارے ساتھ ہوتے تو اور بھی زیادہ انجوائے کرتے ہم۔'' مناب نے انہیں مس کرتے ہوئے کہا۔

''ان لو برڈز کا بھی کوئی حال نہیں ہے، ایک دوسرے سے محبت کرنے کے علاوہ دنیا کی کسی اور چیز میں دلچسپی نہیں ہے۔'' ایشال نے تبصرہ کیا۔

''کس کی برائیاں ہو رہی ہیں۔'' اقصم چلتے، چلتے ان دونوں کے قریب آیا۔

''کسی کی برائی نہیں ہو رہی...... میں مناب کو بتا رہی تھی کہ اقصم بہت میسنا ہو گیا ہے...... اپنے سیکرٹ ہم سے چھپانے لگا ہے۔''

''ہاں تو اچھی بات ہے ناں اپنے سیکرٹ ہر ایرے غیرے کے ساتھ شیئر بھی نہیں کرنے چاہئیں۔'' اقصم نے مناب کو آنکھ مارتے ہوئے ایشال کو بتایا۔

''اچھا تو اب ہم ایرے غیرے ہو گئے ہیں؟ اقصم قسم سے تم پورے کے پورے خبیث ہو۔'' ایشال نے خفگی سے اقصم کے بازو پر مکا مارا۔

''ویسے میں اپنی خوبیوں سے واقف ہوں...... اس اطلاع کے لیے تمہیں قسم کھانے کی ضرورت نہیں تھی۔''

اقصم کی ڈھٹائی پہ مناب کے ساتھ ایشال بھی مسکرادی۔

''تم دونوں ہی اسٹوپڈ ہو...... جو ہر وقت بس لڑتے رہتے ہو۔'' مناب کی رائے پہ اقصم ان کے ساتھ چلتے، چلتے رک گیا۔

''لو جی تسی تے گل ہی مکا دتی اے۔'' اقصم کے پنجابی بولنے پر ایشال نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''تم نے پنجابی بولنا کب سیکھی؟''

''آکسفورڈ میں میرا اور جنید کا ایک بہت اچھا سکھ دوست تھا ارجیت گریوال وہ اکثر ہم سے پنجابی میں بات کرتا تھا...... سو ہمیں بھی تھوڑی بہت سیکھنی پڑی۔'' اقصم نے تفصیل بتائی تو مناب مسکرائی۔

''گڈ ویسے اقصم تمہیں اب پینو سے بات چیت کرنے میں کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔'' ایشال کے یوں تمسخر اڑانے پر اقصم نے اس کی پونی کھینچی۔

''یار یہ عمر بھائی کہاں غائب ہیں؟ ناشتے کے بعد نظر ہی نہیں آئے؟'' ایشال نے مناب سے پوچھا۔

''یہاں آکر بھی عمر بھائی نے گوشہ نشین ہونا تھا تو یہاں آنے کا کیا فائدہ......؟ عمر بھائی نے کبھی کسی ایونٹ کو ہمارے ساتھ مل کر انجوائے نہیں کیا۔ تمہارا، رہ کر عنقریب انہیں انسانوں میں رہنے کی عادت بالکل نہیں رہے گی......'' اقصم کے تبصرے پہ مناب نے اسے گھورا۔

''چھوٹو دس از ناٹ فیئر...... تم لوگ میرے بھیا کے بارے میں ایسے نہیں کہہ سکتے۔'' اقصم اس کی مصنوعی خفگی پہ مسکرایا۔

''تو بھیا کو بھی سمجھائیں ناں' وہ ہمارے ساتھ فیئر نہیں کررہے۔''

''میں ان کو کال کرتی ہوں۔'' مناب نے اپنے لانگ اپر کی پاکٹ سے اپنا موبائل نکالا۔

''ان کا نمبر بھی بند ہے......'' اقصم نے اطلاع دی۔

''پھر تو انہیں واقعی ہمیں بتانا چاہیے تھا کہ وہ جا کہاں رہے ہیں؟'' مناب کے لہجے میں پریشانی تھی۔ ''یقیناً وہ کہیں سوشل ورک میں بزی ہوں گے۔'' وہ تینوں چلتے، چلتے کھیت عبور کر کے ایک گلی میں داخل ہو چکے تھے...... مناب نے قیاس ظاہر کیا۔

ڈاکٹر عمر کے ذکر پہ ایشال کو صبح والا قصہ یاد آ گیا تھا اور وہ خفیف سی ہوگئی تھی۔ اقصم گاؤں کی گلیوں اور کلچر کو تصویروں میں مقید کر رہا تھا۔

اگلی گلی میں داخل ہوتے ہی گاؤں کی سب سے مشہور راجو کریانے والی دکان اور اس کے ساتھ ایک خالی دکان پر لوگوں اور بچوں کا رش دیکھ کر وہ تینوں حیران ہوتے ہوئے آگے بڑھے تو ڈاکٹر عمر کو وہاں کے غریب بچوں کا چیک اپ کرتے ہوئے پایا۔ ڈاکٹر عمر اپنے ساتھ بہت سی میڈیسن وغیرہ لائے تھے...... وہ تینوں لوگوں کے ہجوم سے گزر کر اس خالی دکان کے اندر آگئے۔

"So you are busy here in social work" اقصم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں اسے سوشل ورک نہیں بلکہ اپنی ڈیوٹی سمجھتا ہوں۔'' ڈاکٹر عمر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ ایک معمولی سی چیئر پہ بیٹھے مریض بچوں کو چیک کر رہے تھے۔

''سوری عمر بھائی ہمارا چونکہ میڈیکل کی فیلڈ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے سو آئی تھنک میں اور مناب تو آپ کی کسی بھی قسم کی ہیلپ نہیں کروا سکتے...... البتہ آپ ایشال کی خدمات ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔'' اقصم نے اپنے ساتھ کھڑی ایشال کو مخاطب کیا۔

''کیوں ایشال ٹھیک ہے ناں؟''

''ہاں کیوں نہیں۔'' ایشال خوش دلی سے آگے بڑھ آئی۔ ڈاکٹر عمر نے ایشال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"I never force anyone for anything"

"It will be a pleasure helping you" ایشال نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے دھیرے سے جواب دیا۔

''اچھا ہم چلتے ہیں آپ تو بزی ہیں۔'' اقصم نے ڈاکٹر عمر سے اجازت لی۔

''او کے بھیا بیسٹ آف لک۔'' مناب نے بھی مسکراتے ہوئے ان سے اجازت لی۔ اقصم اور مناب ڈاکٹر عمر سے اجازت لے کر وہاں سے نکل آئے...... اور واپس حویلی کے لیے کھیتوں سے گزرنے لگے...... ہری بھری فصلوں میں کہیں، کہیں سرسوں کے پودے اور ان پر پیلے رنگ کے پھول آنکھوں کو بہت بھلے لگ رہے تھے۔ جس نے ماحول میں ایک سحر سا پیدا کر رکھا تھا...... مناب نے جینز کے ساتھ ہائی نیک جرسی اور اس پر لانگ اپر پہن رکھا تھا اس کے کھلے سیاہ سلکی بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے...... گردن میں اس نے مفلر لپیٹ رکھا تھا۔

اقصم نے بے ساختہ گلے میں لٹکایا کیمرا پکڑ کر مناب کی ایک ہی منٹ میں کئی اینگل سے تصویریں بنالی تھیں۔

''چھوٹو اب بس کرو...... تمہیں پتا ہے مجھے تصویریں بنوانے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے۔'' مناب کے لہجے میں بیزاریت تھی۔

"I know you are old fashioned girl" اقصم نے مسکراتے ہوئے بے ساختہ اس پر تبصرہ کیا۔

''تم چپ کرو پتا نہیں کیا فضولیات بول رہے ہو۔'' ایشال نے مصنوعی خفگی سے اس کا کان پکڑا۔

''اُف آپ کتنی ظالم ہیں، میرا کان تو چھوڑیں میں تو آپ کی تصویریں ولی بھائی کو بھجوانے کے لیے بنا رہا تھا۔'' اقصم نے ولی کا نام لے کر جان چھڑائی۔ مناب نے اس کا کان چھوڑ دیا۔

''چھوٹو تم مجھے پہلے نہیں بتا سکتے تھے...... اپنا حلیہ ہی درست کر لیتی میں۔'' مناب اپنے بال سنوارنے لگی۔

اقصم چند لمحے اسے دیکھے گیا۔

''آپ ولی بھائی کے لیے کتنی کانشس ہو جاتی ہیں ناں......؟'' اقصم کی بات پر وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''کیوں نہ ہوں میں کانشس! وہ میرا مسٹر رائٹ ہے، پرنس چارمنگ ہے میرا۔'' اس کے اندازِ محبت پر اقصم کے اندر آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔ وہ خاموشی سے دل پر جبر کر کے ساتھ چلنے لگا۔ چند قدموں پر ٹیوب ویل لگا ہوا تھا...... یہاں رک کر مناب نے شوق سے ہاتھ منہ دھویا۔

''چھوٹو پانی بالکل بھی ٹھنڈا نہیں ہے۔'' مناب نے مسکراتے ہوئے بچوں کی طرح خوشی کا اظہار کیا۔

اقصم نے اس کے بھیگے چہرے کو دیکھا اور آہ سرد بھر کر رہ گیا۔

''ٹیوب ویل کے پانی کا یہ کمال ہوتا ہے کہ گرمیوں میں اس کا پانی ٹھنڈا اور سردیوں میں اس کا پانی گرم ہوتا ہے۔'' اقصم نے اسے بتایا۔

''امیزنگ یہاں زندگی کتنی پُرسکون ہے ناں چھوٹو؟''

''ہاں...... پُرسکون، سادہ اور خوب صورت۔'' اقصم نے کیمرا مناب کی طرف بڑھایا ''بالکل تمہاری طرح'' یہ اس نے دل میں سوچا اور خود بھی ٹیوب ویل کے پانی سے ہاتھ منہ دھونے لگا۔

☆☆☆

وہ پورا دن ایشال نے ڈاکٹر عمر کے ساتھ سوشل ورک میں گزارا تھا۔ واپسی پر شام کو وہ ان کے ساتھ پیدل آ

رہی تھی۔ ایشال کے لیے ڈاکٹر عمر نے حویلی سے گاڑی منگوانے کے لیے کال کرنی چاہی تھی مگر ایشال نے انہیں روک دیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر عمر کے ساتھ گاؤں سے حویلی تک پیدل چلنے کو ترجیح دی تھی۔ غروب ہوتے سورج نے ماحول کو عجیب سی اداسی سونپ رکھی تھی۔

''ایشال مجھے پیدل چلنے کی عادت ہے اور مجھے پیدل چلنا اچھا لگتا ہے...... تم اپنے لیے گاڑی منگوا لیتیں تو بہتر تھا...... تھک جاؤ گی تم......'' ڈاکٹر عمر کے لہجے میں اس کے لیے فکر تھی۔

''اٹس او کے مجھے آپ کے ساتھ چلنا اچھا لگ رہا ہے۔''

ڈاکٹر عمر نے حیرت سے گردن موڑ کر اپنے ساتھ چلتی اس احمق سی لڑکی کو دیکھا جو کچھ عرصے سے انہیں بدلی ہوئی سی دکھائی دینے لگی تھی۔

''مم میرا مطلب تھا کہ شہر کی بھاگتی دوڑتی لائف میں کبھی یوں پیدل چلنے کا موقع ہی نہیں ملتا......'' ایشال نے خفیف سے انداز میں ہاتھ رگڑتے ہوئے سردی کی شدت کا احساس کم کرنا چاہا...... خنکی بہت بڑھ گئی تھی...... اور اس کے ہاتھ خاصے ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ جلدی میں وہ جینز کے اوپر محض گرم کشمیری کرتہ پہن کر آئی تھی اور اب واپسی پر اسے اچھی خاصی سردی لگ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ تمہیں ٹھنڈ لگ رہی ہے؟'' ڈاکٹر عمر پگڈنڈی پر اس کے ساتھ چلتے، چلتے رک گئے۔

''جی...... وہ بس جلدی میں خیال ہی نہیں آیا۔ کوئی شال وغیرہ لے آتی۔'' ایشال کے انداز میں خفت تھی۔

ڈاکٹر عمر نے اپنا لیدر کا کوٹ اتارا اور ایشال کی طرف بڑھایا۔

''اسے پہن لو...... ٹھنڈ نہیں لگے گی تمہیں۔''

''نن نہیں رہنے دیں۔ دس منٹ میں ہم حویلی پہنچ جائیں گے۔ اور ویسے بھی آپ کو تو ٹھنڈ لگے گی ناں؟''

''اٹس او کے، مجھے ٹھنڈ نہیں لگ رہی ہے۔ تم پہن لو اسے......'' ڈاکٹر عمر کے اصرار پر اس نے ان کے ہاتھ سے لیدر کا کوٹ لیا اور پہن لیا۔ اسے واقعی اب ٹھنڈ نہیں لگ رہی تھی۔

''آج دن میں تم نے کچھ نہیں کھایا...... بھوک تو لگی ہوگی تمہیں۔'' ڈاکٹر عمر دھیرے سے مسکرائے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ بھوک کی بہت کچی تھی۔

''نہیں کچھ خاص نہیں...... میں آج کل ڈائٹ پر ہوں۔''

''رئیلی......؟'' ڈاکٹر عمر مسکرائے۔ انہیں جیسے ایشال کی بات پر بہت حیرت ہوئی تھی...... ایشال نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ راستے میں ایک چھوٹا سا پانی کا نالہ آیا...... جسے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔

ڈاکٹر عمر نے نالے کے اوپر سے چھلانگ لگائی اور نالے کے دوسری طرف جا کھڑے ہوئے۔ ایشال جز بز سی ہوتی دوسری طرف کھڑی تھی۔ "this is dangerous" ڈاکٹر عمر نے اپنا ہاتھ ایشال کی طرف بڑھایا۔

"no this isn,t dngerous but interesting" ایشال نے ڈرتے، ڈرتے اپنا ہاتھ ڈاکٹر عمر کی طرف بڑھایا۔

ڈاکٹر عمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اگلے ہی لمحے اسے اپنی طرف کھینچ لیا...... ایک لمحے کے لیے وہ ان کے سینے سے جا لگی تھی...... ڈاکٹر عمر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور عجلت میں اس سے چند قدم دور جا کھڑے ہوئے...... ایشال کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی...... نہ جانے کیوں وہ بلش ہو گئی تھی۔

''تم جیسی ڈرپوک لڑکی نہ جانے میڈیکل کی فیلڈ میں کیسے آ گئی؟'' ڈاکٹر عمر مسکرائے۔

''مجبوری سے...... آپ جانتے تو ہیں اس فیلڈ میں آنے کی میری خواہش کبھی نہیں تھی۔''

''آئی نو تمہارا انٹرسٹ شروع سے ہی فائن آرٹس میں تھا..... مگر مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ تم اپنے پروفیشن کو اب بہت سیریس لے رہی ہو..... کسی بھی پروفیشن میں نام بنانے کے لیے محنت، لگن، دلچسپی اور دیانتداری کی سیڑھیاں طے کر کے ہی انسان اپنے لیے کامیابیوں کے بہت سے راستے آسانی سے کھول سکتا ہے۔'' ڈاکٹر عمر اسے سمجھا رہے تھے اور وہ توجہ سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ان کے ساتھ باتوں میں کب حویلی تک کا فاصلہ طے ہو گیا، ایشال کو احساس تک نہیں ہوا..... وہ رات ان سب کی حویلی میں آخری رات تھی۔ حویلی کے ملازم غلام عباس نے اس رات بھی لان میں لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلا دی تھی..... بڑوں نے آگ کے گرد کرسیاں بچھا کر اپنی محفل جما رکھی تھی جبکہ نوجوان نسل نے حویلی کے لان میں نیٹ لگوا رکھا تھا..... اور وہ بیڈمنٹن کھیلنے کے لیے جوڑیاں بنا رہے تھے۔

''میں تو زارون کی پاٹنر بنوں گی۔'' عنایہ نے فیصلہ سنایا۔

''پتا تھا مجھے.....'' مناب نے عنایہ کے کندھے پر دھپ رسید کی۔

''مناب آپ میری پارٹنر بن جائیں..... ایشو بہت اناڑی ہے..... اسے عمر بھائی کے ساتھ ایڈجسٹ کرتے ہیں..... ویسے بھی یہ چار مہینے سے ان کے ساتھ انڈر پریکٹس ہے..... عمر بھائی اس کی بے وقوفیوں کو ہینڈل کرنا جانتے ہیں۔'' اقصم کا انداز چھیڑنے والا تھا جو ایشال کو بری طرح سے تپا گیا۔

''زارون بھائی دیکھ رہے ہیں آپ اپنے بھائی کو؟ اسے تو نہ جانے کیوں خدا واسطے کا بیر ہے مجھ سے۔'' ایشال نے اپنے قریب ہی گھاس پر رکھا فٹبال اٹھا کر اقصم کو دے مارا جسے اس نے ہنستے ہوئے کیچ کر لیا تھا۔

''اقصم ناٹ فیئر..... مت تنگ کرو میری بہن کو.....'' زارون نے مسکراتے ہوئے سرزنش کی۔

''میں کہاں تنگ کر رہا ہوں زارون بھائی۔''

''فار گاڈ سیک اب تم دونوں لڑتے نہ بیٹھ جانا..... پہلے تم عمر بھائی کو تو بلا لاؤ..... عنایہ نے تنبیہہ کی۔

''ہاں یار، عمر بھائی کہاں ہیں؟'' زارون نے اقصم سے پوچھا۔

''اپنے روم میں دیوداس بن کر بیٹھے ہوں گے..... اور کہاں ہوں گے۔'' اقصم نے ہنستے ہوئے اطلاع دی۔

''شٹ اپ اقصم..... تم جب بھی بولتے ہو نان سینس بولتے ہو..... تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا عمر بھائی کے بارے میں اس طرح بات کرنے کا۔'' ایشال نے سنجیدگی سے اقصم کی کلاس لی..... سب نے حیرت سے ایشال کو دیکھا۔

''ایشو یہ تم کہہ رہی ہو؟'' عنایہ نے حیرت سے ایشال سے پوچھا۔

''تمہارا ریلیشن تو ہمیشہ سے عمر بھائی کے ساتھ انڈیا، پاکستان کی دشمنی جیسا رہا ہے، بائے دا وے عمر بھائی کے بارے میں ایسے نیک خیالات کب سے پیدا ہوئے تمہارے دل میں؟'' اقصم کے استفسار پر وہ خود بھی گڑبڑا گئی تھی۔

''ایشو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے چھوٹو تم بہت فضول بولتے ہو اکثر.....'' مناب نے اسے گھورا۔

''کم آن یار میں تو مذاق کر رہا تھا..... آپ دونوں تو خواہ مخواہ برا منا گئیں؟'' اقصم نے معذرت کی۔

''اٹس اوکے گائز..... میں آپ سب کو یاد دلا دوں کہ ہم سب یہاں بیڈمنٹن کھیلنے والے تھے؟'' زارون نے انہیں یاد دلایا۔

''ہاں بھئی کیپ اِٹ اپ..... اقصم جاؤ تم عمر بھائی کو بھی بلا لاؤ..... تاکہ گیم شروع کی جائے.....'' عنایہ کی بات پر اقصم ہاتھ میں پکڑا ریکٹ مناب کو تھما کر اندر چلا گیا۔

''عمر بھائی تو سو چکے ہیں۔'' تھوڑی دیر کے بعد وہ منہ لٹکائے باہر آیا۔

''آج سارا دن بھیا بزی رہے ہیں شاید تھک کر جلدی سو گئے۔'' مناب نے ریکٹ پہ شٹل اچھالتے ہوئے کہا۔

ایشال ان سب کے ساتھ تھی سب ہنسی مذاق بھی کر رہے تھے مگر اس کے دل کو ایک عجیب سی اداسی نے گھیر لیا تھا۔ اقصم نے ایک گیم مناب کے ساتھ پارٹنر بن کر زارون اور عنایہ کے ساتھ کھیلی تو مناب اور اقصم وہ گیم جیت گئے تھے۔ اس کے بعد اقصم نے ایشال کے ساتھ پارٹنر کے طور پر وہی گیم کھیلی تو ایشال کی ناقص کارکردگی کی وجہ سے ہار گیا۔

''ایشو تمہارے اناڑی پن کی وجہ سے ہم یہ گیم ہارے ہیں۔'' اقصم کو اپنی ہار پہ افسوس ہو رہا تھا۔

''اٹس او کے چھوٹو...... تو ڈاؤنٹ تم ٹینس کے بہت اچھے پلیئر ہو مگر ہار جیت تو کھیل کا حصہ ہے۔'' مناب نے مسکراتے ہوئے اسے سمجھایا۔ نیٹ کے دوسری طرف زارون اور عنایہ اپنی فتح پہ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

''پارٹنر کمزور ہو تو کسی بھی میدان میں انسان کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔''

''مجھے ٹینس کھیلنا ہی کب آتا ہے؟ میں تو بس تم سب کی کمپنی انجوائے کرنے کے لیے کھیل رہی تھی۔'' اقصم کی بات پر ایشال نے ریکٹ قریب رکھی چیئر پر رکھا۔

''ایک گیم تمہاری ٹیم جیتی دوسری ہم...... حساب برابر......'' عنایہ نے مناب کے ہاتھ پر ہاتھ مارا...... اور وہ سب چلتے ہوئے لان میں بڑوں کی محفل کی طرف چلے آئے...... جہاں داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم شطرنج کی بازی لگائے بیٹھے تھے...... قریب ہی ڈرائی فروٹ کی ٹرے رکھی تھی۔ اقصم نے قریب آ کر ٹرے سے کاجو اٹھا کر منہ میں ڈالے۔

''مما آپ اس بار بھی پاپا سے ہار جائیں گی۔''

''جی نہیں، مما کی پوزیشن اس وقت خاصی اسٹرونگ ہے۔'' زارون نے سمیرا بیگم کی چیئر کے پاس کھڑے ہو کر...... شطرنج کے مہروں کو دیکھتے ہوئے اعتماد سے کہا۔

''زارون شطرنج کے کھیل میں قبل از وقت کوئی دعویٰ کرنا سراسر بے وقوفی ہوتی ہے۔'' داؤد چوہدری نے سگار پیتے ہوئے اپنی چال چلتے ہوئے باور کروایا۔

''ارے مما...... آپ تو پھنس گئی ہیں؟'' اگلے ہی لمحے زارون نے قیاس کیا۔

''واؤ ویٹس گریٹ پاپا۔'' اقصم نے خوشی سے داؤد چوہدری کا کندھا تھپکایا۔

''پورے تیس سال تمہارے پاپا کے ساتھ گزارے ہیں...... انہی سے سیکھا ہے کہ زندگی میں آخری دم تک پُر امید رہنا چاہیے اور اتنی آسانی سے ہار نہیں ماننی چاہیے......'' سمیرا بیگم نے اپنی چال چلی۔

اب داؤد چوہدری کو اپنے بچنے کے چانس کم ہی دکھائی دینے لگے تھے۔ نوجوان نسل نے بھی داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم کے ساتھ گروپ بنا لیے تھے اور وہ اپنے، اپنے پارٹنر کے لیے ہوٹنگ کر رہے تھے...... اِک مدت کے بعد حویلی میں قہقہے گونج رہے تھے...... نور بیگم گرم جرسی پہنے اور شال لپیٹے ساجدہ بیگم کے پاس بیٹھی ان سب کے درمیان ہونے والے ہنسی مذاق کو انجوائے کر رہی تھیں...... حویلی میں دوسری اور آخری رات کو بھی تمام مکینوں نے بھرپور انجوائے کیا تھا صرف ایک ایشال ہی تھی جو چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائے ہوئے تھی۔ اسے وہ ہنستی مسکراتی محفل ادھوری سی محسوس ہو رہی تھی...... اس کی نظریں بار، بار ڈاکٹر عمر کو ڈھونڈ رہی تھیں...... پتا نہیں اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا تھا؟ ایشال کو اپنے اندر رونما ہونے والی اس تبدیلی کا خود بھی پتا نہیں چل رہا تھا...... بس دل تھا کہ خود بخود ڈاکٹر عمر کی طرف مائل ہو رہا تھا۔

رات وہ مناب کے ساتھ بیڈ پر سونے کے لیے لیٹی تو ڈاکٹر عمر کے ساتھ سارے دن کے مناظر اس کی آنکھوں میں ایک فلم کی طرح چلنے لگے۔ مناب جلد ہی سو گئی تھی مگر اسے بہت دیر سے نیند آئی تھی جس کی وجہ سے صبح اس کی آنکھ بھی دیر سے ہی کھلی تھی۔

جب وہ فریش ہو کر روم سے نکلی تو مناب سوپ کا باؤل ٹرے میں رکھے ڈاکٹر عمر کے روم کی طرف جا رہی تھی۔

''اتنی صبح کون سوپ پیے گا؟'' ایشال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''عمر بھیا کو فلو کے ساتھ ٹمپریچر بھی ہوگیا ہے انہی کے لیے سوپ بنوایا ہے۔'' مناب کی اطلاع پر اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔
اسے یاد آیا کہ کل شام کھیتوں سے گزرتے ہوئے اچھی خاصی خنکی محسوس ہورہی تھی جب انہوں نے اپنا لیدر کا کوٹ اتار کر ایشال کو دے دیا تھا...... اور خود وہ بغیر کسی جرسی یا کوٹ کے اس کے ساتھ چلتے رہے تھے۔ یقیناً انہیں ٹھنڈ لگ گئی تھی...... اس نے دل میں سوچا۔
''اب کیسی طبیعت ہے عمر بھائی کی؟'' اسے فکر ہوئی۔
''آ کر خود ہی دیکھ لو......'' مناب ان کے روم کا دروازہ کھول کر اندر بڑھ گئی ایشال اس کے پیچھے ہی اندر آئی تو وہ بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے۔
''عمر بھائی کیا ہوا آپ کو؟'' ایشال ان کے بیڈ کے قریب آئی۔
''کچھ خاص نہیں...... بس طبیعت تھوڑی گڑ بڑ ہوگئی ہے......'' ان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور آواز میں بھی نقاہت تھی...... ڈاکٹر عمر نے تکیے کے سہارے بیٹھنے کی کوشش کی...... ایشال نے آگے بڑھ کر ان کے پیچھے تکیے سیٹ کیا۔
''تھوڑی نہیں اچھی خاصی گڑ بڑ ہے آپ کی طبیعت...... اتنا تیز بخار ہو رہا ہے آپ کو اور آپ کہہ رہے ہیں کہ کچھ نہیں ہوا۔'' مناب سوپ کی ٹرے لیے اُن کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی...... اس کے لہجے میں اپنے بھائی کے لیے فکر تھی۔
''چھٹکی تم رہنے دو، میں خود پی لوں گا...... اب اتنا بھی بیمار نہیں ہوں میں۔'' انہوں نے ٹرے اپنی طرف کھسکائی۔
''بھیا کہاں ٹھیک ہیں آپ؟'' اس نے خفگی سے کہتے ہوئے سوپ کے باؤل سے چمچ بھر کے ان کے لبوں سے لگایا۔
''ڈونٹ وری چھٹکی...... میں نے میڈیسن کھالی ہے میں اب پہلے سے بہتر فیل کر رہا ہوں۔'' انہوں نے تسلی دی۔
''عمر بھائی آپ کا ٹمپریچر چیک کروں؟'' ایشال نے فکرمندی سے پوچھا۔
''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے ایشال کو ٹمپریچر چیک کرنے سے روک دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ان کے روم سے باہر آ گئی تھی۔

☆☆☆

سب واپسی کی تیاری کر رہے تھے، آج سنڈے تھا اور شام تک انہیں شہر واپس پہنچنا تھا...... لنچ کے بعد سب روانگی کے لیے اپنی، اپنی گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے۔ طبیعت خرابی کے باعث ڈاکٹر عمر گاڑی خود ڈرائیو نہیں کر پائے تھے حویلی کا ملازم ان کی گاڑی ڈرائیو کر کے انہیں کاشانۂ عمر واپس لے آیا تھا...... اگلے دن ڈاکٹر عمر اسپتال نہیں گئے تھے۔
ایشال ان کی خیریت پوچھنے خوب صورت بوکے لے کر کاشانۂ عمر آئی تو ساجدہ بیگم کچن میں مصروف تھیں۔
''السلام علیکم پھپھو! کیسی ہیں آپ؟'' ایشال نے انہیں خوش دلی سے سلام کیا۔
''وعلیکم السلام! میری ایشو آئی ہے...... اللہ کا شکر ہے میری جان، میں ٹھیک ہوں...... عمر کی پسند کا لنچ بنا رہی ہوں، یہ لڑکا تو آج بھی اسپتال جا رہا تھا میں نے ڈانٹ ڈپٹ کے زبردستی روکا ہے اسے۔'' ساجدہ بیگم نے دال کو بھگار لگایا۔
''اچھا کیا پھپھو آپ نے...... عمر بھائی بالکل بھی اپنا خیال نہیں رکھتے ہیں۔''
''اسی لیے تو اس لڑکے کا خیال رکھنے والی، اس سے محبت کرنے والی لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔'' ساجدہ بیگم نے

مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی دھیرے سے مسکرادی۔

''پھپھو مناب نظر نہیں آرہی؟''

''مناب اپنے روم میں ہے...... اسکرپٹ لکھ رہی ہے...... تم نے چینل پر مناب کے ڈرامے کا پرومو دیکھا......؟'' ساجدہ بیگم نے فیضو کے ہاتھ سے کٹا ہوا ہرا دھنیا اور ہری مرچیں لے کر دال کے اوپر چھڑکیں۔

''جی پھپھو بہت خوشی ہوئی، اب تو مناب بھی سیلی بریٹی بن گئی ہے۔''

''ہاں بیٹا، اللہ تم سب کو ہمیشہ خوش رکھے اور ہزاروں کامیابیاں عطا کرے۔''

''آمین پھپھو...... اسی خوشی میں اپنے ہاتھ کی اچھی سی چائے پلائیں مجھے...... تب تک میں عمر بھائی کی خیریت معلوم کر کے آتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے، میں تمہارے لیے چائے بناتی ہوں...... اور ہاں لنچ کیے بغیر مت جانا، میں نے دال چاول اور وائٹ چکن بنایا ہے۔''

''ڈونٹ وری پھپھو میں آج شام تک آپ کے پاس ہی رہوں گی۔'' ایشال نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی اور کچن سے باہر نکل گئی۔ جب اس نے ڈاکٹر عمر کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اندر قدم رکھا تو وہ تکیے کے سہارے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ایشال نے فلاور بو کے ان کی طرف بڑھایا۔ ''دس از فور یو......''

''تھینکس......'' وہ دھیرے سے مسکرائے۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' ایشال ان کے بیڈ کے قریب رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔

''الحمدللہ......اب میں ٹھیک ہوں، بس مما نے زبردستی مجھے اسپتال سے چھٹی کروالی۔''

''پھوپو نے بالکل ٹھیک کیا ہے......کل آپ کو اتنا تیز ٹمپریچر تھا آپ کو آج ریسٹ کی ضرورت تو تھی ناں......''

ایشال نے ان کے کملائے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

ڈاکٹر عمر نے قریب رکھا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کر دیا۔

''اور نانو کیسی ہیں؟ وہ تو تھک گئی ہوں گی؟''

''جی دادو ٹھیک ہیں بس سفر کی وجہ سے تھوڑی تھک گئی تھیں، میں نے انہیں پین کلر دے دی تھی......'' ڈاکٹر عمر نے اٹھ کر سائڈ ٹیبل سے پانی لینا چاہا۔

''آپ لیٹ جائیں، میں آپ کو پانی دیتی ہوں۔'' ایشال نے جگ اٹھا کر پانی گلاس میں ڈالا اور گلاس اٹھا کر ان کی طرف بڑھایا۔

''تھینکس۔'' ڈاکٹر عمر نے اس کے ہاتھ سے گلاس پکڑتے ہوئے بے ساختہ اس کے سراپے پر نگاہ ڈالی...... بلیک پلازو پہ ڈھیلا ڈھالا سا کرتہ پہنے......کندھوں پہ دوپٹا پھیلائے وہ بہت پاکیزہ اور پُرکشش لگ رہی تھی...... ڈاکٹر عمر نظریں چرا گئے اور پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے سوچنے لگے۔

''اس لڑکی نے کچھ ہی مہینوں میں اپنی شخصیت کو اندر اور باہر سے کتنا بدل لیا ہے۔'' وہ ان کے روم میں تھوڑی دیر بیٹھ کر باہر آ گئی تھی......نہ جانے کیوں ڈاکٹر عمر کے کٹھور دل نے پہلی بار یہ خواہش کی تھی کہ وہ لڑکی تھوڑی دیر اور ان کے پاس بیٹھے......ان کے سامنے......ان کے کمرے میں......یہ ایک عجیب وغریب خواہش تھی جو اُن کے چپ سادھے بے حس دل نے دس سال کے بعد کی تھی......جسے ڈاکٹر عمر نے سختی سے رد کر دیا تھا۔

☆☆☆

نور منزل میں شادی کی تیاریاں زور شور سے جاری تھیں......شادی کے فنکشنز میں ڈانس آئٹم کی تیاری کے لیے اقصم اور ایشال خاصے پُرجوش دکھائی دے رہے تھے......مووی میکرز کی ہدایت کے مطابق سب کپلز کو مختلف گانوں پر ڈانس پرفارمنس دینی تھی جسے میڈلے کیا جاتا ہے اور جس کی تیاری کے لیے باقاعدگی سے کوریوگرافر آ کر انہیں ڈانس کی ریہرسل کرواتا رہا تھا......زارون اور عنایہ کو مایوں بٹھاتے ہی ان دونوں پہ ایک دوسرے کے سامنے آنے پر پابندی لگا دی گئی تھی......جس پر زارون نے اچھا خاصا احتجاج بھی کیا تھا مگر اس کے احتجاج پر نور منزل میں کسی نے کان نہ دھرا تھا......نور منزل کو سجانے سنوارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ دو تین دن سے ساجدہ بیگم اور مناب بھی یہاں ہی تھیں۔ آج مہندی تھی اور مہندی کا فنکشن فائیو اسٹار ہوٹل میں ہی ارینج کیا گیا تھا......وہاں پہنچنے سے بیشتر نور منزل میں خاصی ہلچل سی مچی ہوئی تھی، علینہ بھی صبح سے نور منزل آئی ہوئی تھی۔ مہندی کے فنکشن کے لیے پارلر سے دو لڑکیاں عنایہ کو مہندی لگانے آ گئی تھیں۔ زارون، عنایہ کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب نظر آ رہا تھا مگر عنایہ کو زارون سے پردہ کروایا جا رہا تھا......مگر وہ بھی ایسا بے چین تھا کہ ہر گھنٹے کے بعد وہ عنایہ کے روم میں گھسنے کی کوشش کرتا اور ہر بار......مناب، ایشال اور علینہ اس کی کوشش ناکام بنا دیتی تھیں۔

اب بھی زارون نے کمرے میں جھانکا تو وہ تینوں اٹھ کر دروازے میں آ کھڑی ہوئیں۔

''زارون بھائی......آپ کا یہاں داخلہ ممنوع ہے......آپ سمجھتے کیوں نہیں؟'' ایشال نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے زارون کو گھورا۔

''کیوں بھئی، یہ کیا بات ہوئی؟ میں اپنی پرنس کو دیکھنے کے لیے ترس گیا ہوں اور تم تینوں ہو کہ ہم دونوں کے درمیان ظالم سماج بن کر کھڑی ہو جاتی ہو۔'' زارون نے اچک کر ان تینوں کے عقب میں بیڈ پہ بیٹھی عنایہ کو دیکھا

جو ہاتھوں پیروں پہ مہندی لگوا رہی تھی۔

''صرف آج کی رات صبر کرلیں، کل عنایہ کو آپ کی منکوحہ کے روپ میں آپ کے حوالے کر دیں گے ہم۔'' مناب نے زارون کو تسلی دی۔

''یار صرف ایک جھلک دکھا دو مجھے عینی کی۔'' اس نے ایک بار پھر التجا کی۔

''تو یہ زارون بھائی تھوڑا صبر کرلیں...... دو گھنٹے کے بعد عینی آپ کے ساتھ بیٹھی ہوگی پھر چاہے جتنی مرضی اس سے باتیں کر لیجیے گا، دل بھر کے دیکھ لیجیے گا...... مگر ابھی ناممکن......'' علینہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

''ویسے بھی ہمیں اوپر سے آرڈر ہیں، آپ کو یہ چوکھٹ عبور نہ کرنے دی جائے۔'' مناب نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

''قسم سے تم تینوں بہت ظالم ہو...... گن، گن کر تم تینوں سے بدلے لوں گا میں۔'' زارون نے بیچارگی سے دھمکی دی۔

''جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا...... فی الحال آپ کی خواہش کا احترام نہیں کیا جاسکتا۔'' ایشال نے دونوں بازو پھیلا کر دروازے کی چوکھٹ پر زارون کا راستہ روکا۔

''ایشو تمہیں تو عنقریب ایک مجبور عاشق کی بددعا لگے گی۔'' زارون کی بددعا پہ وہ تینوں ہنسنے لگیں۔

''اسی لیے کہتی تھی میں...... سالی ہوں میں آپ کی بنا کر رکھیں مجھ سے۔'' ایشال اترائی۔

''ایشو کیوں زارون کو تنگ کر رہی ہو آنے دو ناں اسے اندر۔'' اندر بیڈ پر بیٹھی عنایہ نے مسکراتے ہوئے سفارش کی۔

''تم چپ کرو یار...... اتنی مشکل سے تو زارون بھائی ہاتھ آئے ہیں۔'' علینہ نے مہندی لگواتی عانیہ کو سرزنش کی۔

''زارون بھائی سچ میں آپ تو عینی کے لیے ایسے بے تاب ہو رہے ہیں جیسے صدیوں سے بچھڑے ہوں۔'' مناب مسکرائی۔

''ابھی انہیں ایک دوسرے کو دیکھے ہوئے محض تین دن ہوئے ہیں۔'' ایشال نے یاد دلایا۔

''میرے لیے یہ تین دن تین...'' صدیوں کے برابر ہیں، ظالم سماج!'' زارون کے انداز میں بیچارگی تھی وہ تینوں ایک بار پھر ہنس پڑیں۔

''کیوں بھئی، کون بن رہا ہے ظالم سماج؟'' اقصم، زارون کے عقب میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''اقصم تم ہی میری کچھ ہیلپ کرو...... یہ تینوں خواہ مخواہ میرے اور عنایہ کے درمیان دیوار بن کر کھڑی ہیں۔''

''ہاں جی کیوں تنگ کر رہی ہیں آپ تینوں میرے بھائی کو......؟'' اقصم نے زارون کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے دروازے میں کھڑی ان تینوں لڑکیوں سے پوچھا۔

''تم اس معاملے میں ٹانگ نہ ہی ڈالو تو بہتر ہے۔'' ایشال نے اسے سرزنش کی۔

''کیوں بھئی میں کیوں نہ ٹانگ اڑاؤں...... اور ویسے بھی اتنا اترانے کی ضرورت نہیں ہے، میں چاہوں تو ابھی یوں ایک منٹ میں زارون بھائی کو اس کمرے میں بھجوا سکتا ہوں۔'' اقصم نے چٹکی بجاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''اچھا جی...... اویں...... میرے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے۔'' ایشال نے دوٹوک انداز میں اس کے دعوے کو رد کیا۔

اندر بیٹھی عنایہ کمرے کے دروازے پر ہونے والی دلچسپ تکرار پر مسکرا رہی تھی۔

''لگالو شرط...... میں اگلے دو منٹ میں زارون بھائی کو عنایہ بھابی کے پاس اندر بھیج سکتا ہوں۔'' اقصم نے پھر وہی دعویٰ کیا۔

''امپاسبل......! میرے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے۔'' ایشال بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

''تو لگالو ناں شرط......'' اقصم ہنوز مسکرا رہا تھا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے لگی پھر شرط......'' ایشال نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''او کے شرط ہارنے والا آج فنکشن میں عمر بھائی کو ڈانس کروائے گا۔'' اقصم نے وضاحت کرتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔ ایک لمحے کے لیے ڈاکٹر عمر کے ذکر پر اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی مگر اب یہ ایشال کی عزت کا سوال تھا۔

''جی تو اب ذرا اپنا دعویٰ بھی پورا کر کے دکھاؤ...... ہم بھی اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلیں گے۔''

مناب کی بات پر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔ اقصم نے اپنے کرتے کی پاکٹ میں مسکراتے ہوئے ہاتھ ڈالا تھا اور اگلے ہی لمحے ربڑ کے کاکروچ اور چھپکلیاں ان تینوں کی طرف اچھال دی تھیں...... نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا وہ تینوں چیخیں مارتی ہوئی کمرے سے باہر بھاگی تھیں...... زارون، اقصم کے کندھے پر شاباش دینے کے انداز میں تھپکی دے کر مسکراتا ہوا عنایہ کے روم میں آ گیا تھا اور اقصم باہر کھڑا ان تینوں لڑکیوں کے سرپٹ بھاگنے پر قہقہہ لگا رہا تھا۔ ایشال تو اتنی خوفزدہ ہوئی تھی کہ چیختے ہوئے کاکروچ اور چھپکلی کے ڈر سے راہداری میں ایسے سرپٹ بھاگی کے سامنے سے سیڑھیاں چڑھ کر راہداری میں آتے ڈاکٹر عمر سے بری طرح سے ٹکرائی اس سے پہلے کہ وہ ان سے ٹکرا کر نیچے گرتی ڈاکٹر عمر نے اسے دونوں شانوں سے پکڑ کر تھام لیا تھا۔

وہ ان کی بانہوں میں تھی، ان کے اتنے قریب کہ چند لمحے وہ بے اختیار اسے دیکھے گئے۔ اس کا گھبرایا ہوا وجود...... اس کی تیز سانسیں...... اور اس کا معصوم سا حسن...... ڈاکٹر عمر جیسے کٹھور اور پتھر دل آدمی سے لڑنے لگا تھا، ان سے اس لڑکی کا ساتھ مانگنے لگا تھا جو کبھی ان کے لیے اہم نہیں تھی...... مگر اب وہ اہمیت اختیار کرتی جا رہی تھی...... انہیں اس کا ساتھ اچھا لگنے لگا تھا۔ ڈاکٹر عمر نے اپنے دل میں بے ساختہ امنڈنے والی خواہشوں کو رد کرتے ہوئے دھیرے سے اس کے بالوں میں پھنسا ہوا ربڑ کا کاکروچ نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''کہیں تمہاری بدحواسی کی وجہ یہ کاکروچ تو نہیں؟'' اپنی نظروں کے بالکل سامنے کاکروچ دیکھ کر ایک بار پھر اس کے منہ سے چیخ نکلی۔

''یہ ربڑ کا نقلی کاکروچ ہے اور تم اس سے اتنا خوفزدہ ہو رہی ہو؟ اگر سچ مچ تمہارے سامنے کبھی اصلی والا کاکروچ آ گیا تو کیا حالت ہو گی تمہاری؟'' ڈاکٹر عمر نے اس سے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ کھسیا کر ان کی گرفت سے نکل گئی۔

''تم بہت پاگل لڑکی ہو۔'' ڈاکٹر عمر مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے مگر وہ دھڑکتے دل کے ساتھ وہیں کھڑی ان کی پشت کو دیکھتی رہی جس شخص سے وہ ہمیشہ چڑتی تھی اب وہی شخص اس کے لیے روز بروز اہم ہو رہا تھا۔ جس شخص میں اسے دنیا جہان کی برائیاں نظر آیا کرتی تھیں وہی شخص اسے خوبیوں کا پیکر نظر آتا جا رہا تھا۔ جس شخص کی بور کمپنی سے وہ دور بھاگتی تھی اب اسی شخص سے باتیں کرنا، اس کے ساتھ رہنا، ایشال کو اچھا لگنے لگا تھا۔ نہ جانے اس کا دل روز بروز اتنا منہ زور کیوں ہونے لگا تھا کہ بلاوجہ اس شخص کا ساتھ چاہنے لگا...... جس شخص کے دل میں پہلے سے کسی کی یادوں کا بسیرا تھا...... اس کا دل اس شخص کی محبت کا طلب گار ہو رہا تھا جس کے دل میں کسی اور کے نام کی شمع روشن تھی جو لڑکی ہر وقت ہنستی مسکراتی، شرارتیں کرتی نظر آتی تھی اب وہی خاموش رہنے لگی تھی...... اس کے



لبوں سے مسکراہٹ غائب ہوتی جارہی تھی۔

☆☆☆

زارون کے کمرے میں آتے ہی مہندی لگانے والی دونوں لڑکیاں مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

زارون اسے وارفتگی سے دیکھتا ہوا اس کے پاس بیٹھ گیا...... اور اس کے دودھیا ہاتھوں اور پیروں پر لگی خوب صورت مہندی کو دیکھنے لگا۔

''تمہارے ہاتھوں اور پاؤں پر لگی مہندی کتنی خوب صورت لگ رہی ہے، کیا میں انہیں چھو کر دیکھ سکتا ہوں؟'' زارون نے اس کے ہاتھ پکڑنے چاہے۔

''نہیں، ابھی یہ گیلی ہے۔'' عنایہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ پیچھے کیے تو زارون نے مسکراتے ہوئے اس کے کاندھے پر سر رکھ لیا۔

''تو ٹھیک ہے جب تک تمہاری یہ مہندی سوکھ نہیں جاتی میں ایسے ہی تمہارے سہارے بیٹھا رہوں گا۔'' زارون کا انداز شرارت لیے ہوئے تھا۔

''یہ کیا...... کیا کر رہے ہو زارون؟ پلیز اٹھو، جاؤ یہاں سے۔'' عنایہ کے دونوں ہاتھوں پر مہندی لگی ہوئی تھی اور وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی...... اور صرف کندھے کی حرکت سے اسے ہٹانا چاہ رہی تھی۔

''کیوں جاؤں؟ مجھے تمہارے ساتھ تھوڑا سا ٹائم اسپینڈ کرنا ہے، تین دن سے تمہیں دیکھنے کو ترس رہا ہوں...... آئی سوئیر تمہارے بغیر میں ادھورا ہوں۔'' زارون بچگانہ سے ضدی لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

''اپنی محبت کا تھوڑا سا اظہار بعد کے لیے بھی بچا رکھو۔'' عنایہ بلش ہوتے ہوئے مسکرائی۔

''ڈونٹ وری...... کل تمہارے لیے میری محبت کا اظہار سب سے خوب صورت اور مختلف ہوگا۔'' زارون نے اسے چھیڑا۔

''اچھا ناں اب اٹھو یہاں سے...... کسی نے دیکھ لیا تو مجھے بہت embarrassment ہوگی۔''

''تو جس نے دیکھنا ہے وہ دیکھ لے...... تم کیوں اتنا ڈر رہی ہو...... میری ہونے والی بیوی ہو تم...... اور ویسے بھی مجھے تمہارے ساتھ؟ بہت سکون مل رہا ہے۔ نیند آرہی ہے مجھے۔''

''زارون اٹس ٹو مچ یار...... تم یہاں نہیں سو سکتے...... اپنے سارے شوق کل پورے کر لینا...... مگر ابھی یہاں سے اٹھو...... جاؤ پلیز۔'' عنایہ نے التجا کی۔

''نہیں، یہ ٹو مچ نہیں ہے، ابھی یہ آغاز ہے میری محبت کا۔'' زارون نے اسے وارفتگی سے دیکھتے ہوئے اس کے کانوں میں بجی بالیوں کو چھیڑا۔

''مجھے لگتا ہے تم پاگل ہو گئے ہو۔'' عنایہ نے بلش ہو کر مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔

''کبھی، کبھی مجھے لگتا ہے تم آسمان سے اتری ہوئی کوئی حور ہو جسے صرف میرے لیے اس دنیا میں اتارا گیا ہے۔'' زارون اسے محویت سے تکتے ہوئے بولا۔ زارون نے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''اور کبھی، کبھی مجھے یہ لگتا ہے کہ دنیا کا کوئی بزنس مین اتنا رومینٹک نہیں ہوگا جتنے تم ہو۔'' عنایہ نے مسکراتے ہوئے کہا...... تو زارون بھی مسکرا دیا۔

''اگر تم اتنی خوب صورت نہ ہوتیں تو شاید میں بھی اتنا رومینٹک ہرگز نہیں ہوتا۔'' زارون نے اس کے ماتھے پر آئے بالوں کو پیار سے پیچھے کیا۔ اسی اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''زارون بھائی...... time is over ساجدہ پھپھو، مما اور ان کے ساتھ دو تین آنٹیاں اسی طرف آ رہی ہیں۔'' اقصم نے آواز لگا کر اطلاع دی...... تو زارون مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا...... اور اس کے گال چھو کر دھیرے سے بولا۔

"Oky see you later" عنایہ مسکرا دی...... زارون عجلت میں کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

دوسرے شہر سے آئے کچھ قریبی رشتے داروں کو نور منزل میں ٹھہرایا گیا تھا اور کچھ رشتے داروں کو فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرا دیا گیا تھا۔ نور منزل میں رونق ہی رونق تھی...... گھر میں ٹھہرے مہمانوں کو مختلف گاڑیوں میں ہوٹل پہنچایا جا رہا تھا۔

مہندی کے فنکشن کے لیے پورے ہال کو گیندے کے تازہ پھولوں سے بڑے خوب صورت انداز میں سجایا گیا تھا۔ داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

''سمیرا...... لڑکیاں ابھی پارلر سے نہیں آئیں......؟ بہت دیر لگا دی انہوں نے؟'' داؤد چوہدری نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

''ابھی ایشو کی کال آئی تھی، وہ کہہ رہی تھی کہ کسی کو پارلر بھیجیں وہ سب تیار ہیں۔''

''ہاں تو ڈرائیور کو بھیج دو...... انہیں لے آئے۔''

''ڈرائیور تو آپ کی پھپھو کلثوم اور ان کی بیٹی کو ائر پورٹ لینے گیا ہوا ہے۔'' سمیرا بیگم کی اطلاع پر داؤد چوہدری نے ہال میں نگاہ دوڑائی۔

''جنید اور اقصم کہاں ہیں؟ دونوں میں سے کوئی بھی جا کر لڑکیوں کو لے آئے۔''

''وہ دونوں تو زارون کو سیلون سے لینے گئے ہوئے ہیں...... میں عمر سے کہتی ہوں وہ پارلر سے لڑکیوں کو لے آئے۔''

''ہاں جلدی انہیں بلا لو...... تقریباً تمام مہمان آ چکے ہیں......'' داؤد چوہدری نے کہا اور آگے بڑھ کر اپنے بزنس فرینڈ توقیر ہمدانی اور ان کی مسز کو ویلکم کرنے لگے۔

''عمر بیٹا جاؤ ذرا تم لڑکیوں کو پارلر سے لے آؤ۔'' سمیرا بیگم نے عمر کے پاس آ کر کہا۔ اور اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔

''دیکھو تو سب مہمان آ چکے ہیں اور یہ ابھی تک وہیں کی وہیں بیٹھی ہیں۔''

''ڈونٹ وری ممانی...... میں وہیں جا رہا ہوں ابھی مناب کی کال آئی تھی مجھے۔''

''اوکے بیٹا۔'' سمیرا بیگم ان کے کندھے پر تھپکی دے کر آگے بڑھ گئی تھیں۔ ڈاکٹر عمر نے پارلر کی پارکنگ میں پہنچ کر مناب کو کال کر کے اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔

اگلے پانچ منٹ کے بعد وہ تینوں پارلر سے نکل کر باہر آئیں تو ڈاکٹر عمر، ایشال کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے زیادہ تر اسے مغربی لباس میں ہی دیکھا تھا...... مگر آج ایشال نے شاکنگ پنک کلر کا شرارہ اور اس پر جامنی کلر کی لانگ شرٹ کے ساتھ بڑا سا یلو دوپٹا کندھے پر لے رکھا تھا۔ اس کے دوپٹے کے چاروں کناروں پر شاکنگ پنک کلر کی بنارسی پٹی لگی ہوئی تھی اور اسے چونکہ اتنا بڑا دوپٹا لینے کی عادت نہیں تھی سو دوپٹا اور شرارہ سنبھالتے ہوئے ہیل پہن کر چلنے میں اسے تھوڑی مشکل پیش آ رہی تھی...... ایشال نے ماتھے پر کشمیری ٹیکا بھی لگا رکھا تھا...... پہلی بار اس نے ہاتھوں پر مہندی لگوائی تھی اور چوڑیاں بھی پہنی تھیں...... آج وہ مکمل طور پر مشرقی حسن کا پیکر لگ رہی تھی...... چند لمحے تو ڈاکٹر عمر اس سے نظریں ہی نہیں ہٹا پائے تھے۔

''بھیا کیسی لگ رہی ہیں ہم تینوں؟'' وہ تینوں ان کے قریب آئیں تو مناب نے ڈاکٹر عمر سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یقین کرو تم تینوں بالکل بھی پہچانی نہیں جا رہی ہو...... بلیومی......'' ڈاکٹر عمر نے ایک نظر ایشال پر ڈالتے

ہوئے مسکراتے ہوئے مناب کو جواب دیا اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے۔

''عمر بھائی آپ کو تو لڑکیوں کی تعریف بھی ڈھنگ سے نہیں کرنی آتی۔ کیا کرے گی آپ کی بیوی بیچاری......؟'' عنایہ مسکراتے ہوئے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ مناب بھی اس کے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی...... ڈاکٹر عمر بے ساختہ مسکرا دیے۔

''بھئی میں تو ایسا ہی ہوں...... میری بیوی کو مجھے ایسے ہی قبول کرنا پڑے گا۔'' ایشال ان کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی...... ڈاکٹر عمر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پارکنگ سے نکالنے لگے۔

''پھر تو بہت مشکل ہے شاید ہی کوئی لڑکی آپ سے شادی کرنے پر ہامی بھرے۔'' عنایہ نے انہیں چھیڑا۔

''یہ تو اور بھی اچھا ہے...... مجھے شادی جیسے جھنجٹ میں پڑنا ہی نہیں پڑے گا۔'' ڈاکٹر عمر مسکراتے ہوئے گاڑی مین روڈ پر لے آئے۔

''لو جی یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں۔'' مناب نے خفگی سے محاورہ بولا۔

''عمر بھائی آپ ہماری زیادہ سے زیادہ تعریف کیا کریں تاکہ آپ کو لڑکیوں کی تعریف کرنے کی عادت پڑے۔'' عنایہ نے انہیں مشورہ دیا۔

ڈاکٹر عمر نے گیئر چینج کرنے کے لیے اپنے دھیان میں ہاتھ بڑھایا تو ان کا ہاتھ ایشال کی چوڑیوں سے بھری کلائی سے مس ہوا...... ڈاکٹر عمر اور ایشال نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے دونوں نے ایک دوسرے سے نظریں چرالی تھیں۔

''بھئی مجھے کیا ضرورت ہے ایسے الٹے سیدھے کام کرنے کی۔''

''بھیا آپ بالکل بھی رومینٹک نہیں ہیں۔'' مناب نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

''بھئی میں تو ولی اور زارون کے نقشِ قدم پر نہیں چل سکتا۔'' وہ مسکرائے۔

''آپ کی شادی ہم اتنی خوب صورت لڑکی سے کریں گے کہ آپ کو خود بخود زارون اور ولی بھائی کے نقشِ قدم پر چلنا پڑے گا۔'' عنایہ نے پیش گوئی کی...... ڈاکٹر عمر نے بے ساختہ گردن موڑ کر اپنے ساتھ خاموش بیٹھی اپنے ہاتھوں کو گود میں رکھی ایشال کو دیکھا۔

''آئی ایگری......'' مناب نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

جب وہ ہوٹل پہنچے تو ڈاکٹر عمر نے جلدی گاڑی سے نکل کر عنایہ کے لیے دروازہ کھولا دوسری طرف سے مناب نے بھی گاڑی سے نکل کر ادھر آ کر عنایہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور وہ اندر بڑھ گئی تھیں۔ جبکہ ایشال گاڑی سے نکل کر اپنا دوپٹا سنبھالتی گاڑی کا دروازہ بند کر کے آگے بڑھی مگر اگلے ہی لمحے لڑکھڑا کر رک گئی...... اس کے دوپٹے کا پلو گاڑی کے دروازے میں آ گیا تھا۔

ڈاکٹر عمر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اس کے دوپٹے کا پلو نکالا...... ایشال نے اپنا دوپٹا کھینچ کر کندھے پر ڈالا اور آگے بڑھ گئی...... لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ سجائے وہ چند لمحے اسے جاتا دیکھتے رہے اور پھر خود بھی اس کے پیچھے چل دیے...... تمام مہمان ہال میں لگی ٹیبلز پر براجمان تھے۔ اعتصم بھی زارون کو سیلون سے لے آیا تھا۔

مہندی کے فنکشن کے لیے تمام لڑکوں کے لیے اسکائی بلو کلر کے کُرتے وائٹ شلواریں اور ایک جیسے پٹکے ڈیزائن کیے گئے تھے۔

مناب نے ہاف سلیوز گہرے نیلے رنگ کی شرٹ کے ساتھ ریڈ چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا...... اور کندھوں پر ریڈ کلر کا دوپٹا ڈال رکھا تھا...... سوٹ کے ساتھ ہم رنگ چوڑیاں...... کانوں میں چھوٹے، چھوٹے بندے اور

ماتھے پر بڑا سا کشمیری ٹیکا لگائے وہ ہمیشہ کی طرح اقصم کا دل بے ایمان کر رہی تھی اقصم کی گستاخ نگاہیں بار، بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں......اس کا ہنستا مسکراتا چاند سا چہرہ......اس کے دل کا سکون غارت کر رہا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں ہے تیری اس بزدل محبت کا جو تیرے دل میں چھپ کر روز اس کی ہمراہی کی خواہش کرتی ہے......اور تو اس خواہش کو حسرتوں کا ایک نیا راستہ دکھا کر لبوں پر چپ کا تالا لگا لیتا ہے۔'' جنید نے عقب سے آکر اقصم کے کندھے پر بازو پھیلا کر اس کی نظروں کے تعاقب میں مناب کو دیکھا جو ایشال اور علینہ کے پاس کھڑی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔

''محبت کی کہانی بڑی عجیب ہوتی ہے جنید......کبھی کبھی نہ اس کے آغاز کا پتا چلتا ہے اور نہ انجام کا......محبت کا بھوت جسے چمٹ جائے وہ اس کی خوشیوں، خواہشوں اور مسکراہٹوں کا گلا گھونٹ کر نکلتا ہے۔'' وہ حسرت سے کہہ رہا تھا۔

''جنید میرا دل کبھی، کبھی بہت دہائی دیتا ہے......بین کرتا ہے، جس دن مناب ولی کی دلہن بن کر اس کے گھر کو اپنی محبت سے آباد کرے گی......اس دن میری محبت پاگل ہو کر میری جان لے لے گی یار۔'' اقصم کے لہجے میں بے پناہ درد تھا۔

''بکواس نہ کر......اللہ نہ کرے تجھے کچھ ہو......بس ابھی سے اپنے دل کو سمجھانا شروع کر دے......وہ تیرے لیے بنی ہی نہیں تھی۔''

''یہ سوچتا ہوں تو دکھ اور بڑھ جاتا ہے......کاش میرا دل ایک کاغذ ہوتا جس پہ لکھا اس کا نام میں آسانی سے ربڑ کے ساتھ مٹا دیتا......مگر یہ دل کا معاملہ ہے جنید......دل پر لکھے نام اتنی آسانی سے نہیں مٹتے......'' اسی اثنا میں اقصم کے موبائل کی بیپ بجی۔

''جی زارون بھائی۔'' اقصم نے کال پک کی۔

''یار جنید اور تم کہاں ہو؟ اگر تم دونوں کو لڑکیاں تاڑنے سے فرصت مل جائے تو ڈریسنگ روم میں آؤ۔'' دوسری طرف سے زارون کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کیا کہہ رہے تھے زارون بھائی؟'' جنید نے سوالیہ انداز میں اقصم کی جانب دیکھا۔

''بلا رہے ہیں ہم دونوں کو......'' اقصم نے موبائل اپنی پاکٹ میں ڈالا اور دونوں ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔

پلان کے مطابق مناب، ایشال، علینہ اور عنایہ کی فرینڈ تازہ گیندے کے پھولوں کی بنی چادر کو چاروں کونوں سے پکڑے......اس چادر کے تلے زارون کو ہال میں لائیں......بہترین ساؤنڈ سسٹم پر فاسٹ میوزک کی بیٹ پر زارون لائٹ گرین کلر کے راسلک کرتے، وائٹ شلوار اور گلے میں اورنج پٹکا ڈالے ہال میں مسکراتے ہوئے ڈانس کرتا داخل ہوا تھا......پنڈال میں موجود سب لڑکے لڑکیوں نے تالیوں اور وسلنگ سے زارون کا استقبال کیا تھا۔

سمیرا بیگم نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما تھا اور زارون اسٹیج پر رکھے خوب صورت سے جھولے میں بیٹھ گیا......جسے گیندے کے پھولوں سے نہایت خوب صورتی سے سجایا گیا تھا......اب اسی جگہ سے اقصم، جنید، ڈاکٹر عمر......اور ارسل گیندے کے پھولوں سے بنی خوب صورت ڈولی اٹھائے ہال میں داخل ہوئے......ہال میں اب گانا ''تیری اور'' گونج رہا تھا۔ اسٹیج کے قریب ہی ڈولی نیچے رکھ دی گئی تھی......داؤد چوہدری نے آگے بڑھ کر عنایہ کو ڈولی سے نکالا اور وہ ان کے ساتھ اسٹیج تک آئی تھی۔ عنایہ نے ڈارک گرین اور اورنج کمبی نیشن کا خوب صورت انارکلی فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا......ماتھے پر ٹیکے کی صورت، کانوں اور کلائیوں میں پھولوں کا زیور پہنے اس کا سادہ سا دلکش روپ زارون کے دل میں اتر گیا تھا......زارون نے آگے بڑھ کر

عنایہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے جھولے تک لے آیا...... دونوں اب مسکراتے ہوئے ہال میں موجود افراد کو دیکھ رہے تھے۔ فوٹو گرافرز اور مووی میکرز دھڑا دھڑ ان مناظر کو کیمرے کی آنکھ میں مقید کر رہے تھے...... زارون نے اپنے کرُتے کی پاکٹ سے اپنا قیمتی موبائل نکالا تھا...... عنایہ اور زارون نے ایک دوسرے کے قریب ہو کر موبائل پر اپنی (سیلفی) تصویر بنائی تھی...... اس کے بعد ایشال، مناب، علینہ اور دیگر لڑکیاں مہندی کے خوب صورت سجے ہوئے تھال جن پر چھوٹے، چھوٹے دیے روشن تھے اٹھا کر لائیں اور باقاعدہ مہندی کی رسم کا آغاز کیا گیا...... رسم کے دوران اسٹیج پر خوب ہنسی مذاق بھی کیا گیا تھا...... اس کے بعد روایتی کھانوں کا اہتمام تھا...... ڈنر کے بعد ڈانس پرفارمنس شروع ہونے والی تھی۔

''ایشو تمہیں یاد ہے ناں...... تم شرط ہار چکی ہو اور تمہیں کیا کرنا ہے؟'' ڈانسنگ فلور کی طرف جاتے ہوئے اقصم نے اسے یاد دلایا۔

''تم نے میرے ساتھ چیٹنگ کی تھی...... اس لیے میں اس شرط کو نہیں مانتی۔''

''اگر تم نے عمر بھائی کو آج ڈانس نہ کروایا تو...... تو تمہیں پلنٹی کے طور پر ہم سب کو ڈنر کروانا پڑے گا۔'' اقصم نے اپنا ٹیکا درست کرتے ہوئے دھمکی دی۔

''ڈونٹ وری...... تم سب کو ڈنر کروانا...... عمر بھائی کو ڈانس کروانے سے کہیں ایزی ہے...... کروادوں گی ڈنر میں۔'' اس کا انداز کچھ ایسی بیچارگی لیے تھا اقصم اور علینہ مسکرا دیے...... پنڈال میں بیٹھا ارسل مسلسل ایشال کو ستائشی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... اقصم، ایشال اور علینہ تینوں ڈانسنگ فور پر آئے تو ''کدی ساڈی گلی بھل کے وی آیا کرو......'' بج رہا تھا گانے پر ان تینوں کی پرفارمنس کیا شروع ہوئی...... اسٹیج کے اردگرد پنڈال سجائے تو جوان لڑکے لڑکیوں نے وسلنگ، ہوٹنگ اور تالیاں بجا کر ان کی پرفارمنس کو انجوائے کیا...... جنید اور ارسل بھی پنڈال سے نکل کر ڈانسنگ فلور کی طرف بڑھ گئے تھے۔

اسٹیج پر بیٹھے زارون اور عنایہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے یہ سب ہنگامہ انجوائے کر رہے تھے۔

ایشال اور علینہ ڈانس کے دوران سامنے بیٹھے داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم کا ہاتھ پکڑ کر ڈانسنگ فلور پر لے آئیں...... داؤد بھی سمیرا کا ہاتھ پکڑے بچوں کی خوشی کی خاطر ہلکا پھلکا ساتھ دے رہے تھے۔ ڈاکٹر عمر کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی...... ان کی نظریں ایشال پر مرکوز تھیں...... آج وہ بہت حسین لگ رہی تھی...... اور قدرے نروس انداز میں ڈانس کر رہی تھی اور یہ یقیناً ڈاکٹر عمر کی موجودگی کی وجہ سے ہی تھا۔ اقصم پرفارم کرتے، کرتے اچانک سامنے بیٹھی مناب کا ہاتھ پکڑ کر ڈانسنگ فلور پر لے گیا تھا۔

''چھوٹو...... یہ، یہ کیا کر رہے ہو......؟ تم جانتے ہو مجھے یہ ڈانس وانس بالکل بھی نہیں آتا۔'' بلند آواز اور فاسٹ میوزک میں مناب کی التجا سوائے اقصم کے اور کوئی نہیں سن سکا تھا۔

''ڈونٹ وری...... مجھے تو آتا ہے ناں...... میں آپ کو ڈانس اسٹیپس کرواتا ہوں۔'' اقصم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور میوزک بیٹ پر کپل ڈانس کے انداز میں گھمایا اور اپنی طرف کھینچ لیا۔

''چھوٹو...... یہ...... یہ کیا کر رہے ہو؟ چھوڑو میرا ہاتھ، میرا سر چکرا رہا ہے۔'' مناب نے گڑبڑا کر سرگوشی کی...... مگر اس نے مناب کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

''ویسے آپ تو بہت بورنگ لڑکی ہیں۔'' اقصم اس کو زبردستی ڈانس کرواتے ہوئے بولا۔ دوسری طرف جنید نے بھی ہمت دکھاتے ہوئے ڈاکٹر عمر کو بازو سے پکڑ کر زبردستی ڈانسنگ فلور کی جانب دھکیل دیا تھا۔

ڈاکٹر عمر کرتے شلوار میں ملبوس گلے میں پٹکا ڈالے مسکراتے ہوئے سب کے بیچ ہل، ہل کر کلیپنگ (تالیاں)

.....کرنے میں مصروف تھے......ڈاکٹر عمر نے ستائشی نگاہوں سے ایشال کو دیکھا۔اس لمحے وہ بھی انہی کو دیکھ رہی تھی۔دونوں نے گڑبڑا کر نگاہیں چرائی تھیں۔سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے،ہال میں لگی ٹیبلز پر نور بیگم اور ساجدہ بیگم بھی دور بیٹھی ان سب کے ہلا گلا کرنے پر مسکرا رہی تھیں۔

ہال میں اب ایک بار پھر میوزک چینج کیا گیا تھا......اب زارون اور عنایہ کو پرفارم کرنا تھا۔

جینے لگا ہوں پہلے سے زیادہ......

پہلے سے زیادہ تم پر مرنے لگا ہوں......

زارون نے اسٹیج پر بیٹھی عنایہ کو محبت بھرے انداز میں گلاب کی ادھ کھلی کلی پیش کی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈانسنگ فلو پر لے آیا......رومینٹک سونگ پر رومینٹک پرفارمنس نے مہندی کی اس محفل کو چار چاند لگا دیے تھے۔

☆☆☆

اگلے دن صبح زارون اور عنایہ کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا گیا تھا۔رخصتی رات کے فنکشن میں ہونا تھی......نور منزل میں تو جیسے خوشیاں ہی خوشیاں اتر آئی تھیں۔سب ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔زارون کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔دوپہر کے بعد عنایہ پارلر چلی گئی تھی......ایشال،مناب،اور علینہ بھی اس کے ساتھ ہی گئی تھیں۔

رات کے فنکشن کے لیے ایشال نے خوب صورت ٹیل ڈریس اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا......اور بالوں کو خوب صورت جوڑے کی شکل میں جکڑ رکھا تھا......جبکہ مناب نے بلیک کلر کی شفون کی ساڑی پہن رکھی تھی اس کے سیاہ سلکی بال کھلے ہوئے تھے۔نیچرل سے میک اپ میں......اس کا دبلا پتلا سڈول سراپا اور پھر بلیک ساڑی وہ بہت جچ رہی تھی۔سب نے بے ساختہ ان دونوں کی تعریف کی تھی......مووی میکر نے عنایہ اور زارون کے بارے میں گھر کے تمام افراد کے تاثرات بھی ریکارڈ کیے تھے......زارون اور عنایہ سیلون گئے ہوئے تھے۔گھر کے سب افراد اب فائیو اسٹار ہوٹل روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے مناب،گیسٹ روم (جو آج کل مناب اور ساجدہ بیگم کا مشترکہ روم تھا) سے نکل کر لاؤنج کی طرف آئی تو پپو کو کچھ ضروری ہدایات دیتی سمیرا بیگم نے اسے آواز دی۔

''مناب بیٹا جا کر ذرا اقصم کو دیکھو......لڑکیوں کی طرح نہ جانے کب سے اپنے کمرے میں گھسا تیار ہو رہا ہے۔تمہارے ماموں نے کہہ دیا ہے کہ آدھے گھنٹے تک ہمیں ہر حال میں ہوٹل پہنچنا ہوگا۔'' سمیرا بیگم نے فکرمندی سے مناب کو بتایا۔

''جی ممانی میں جا کر دیکھتی ہوں اسے۔'' مناب ساڑی کا پلو سنبھالتی سیڑھیاں چڑھنے لگی......اوپر آ کر اس نے اقصم کے کمرے کا دروازہ ناک کیا۔

''یار جو بھی ہے آ جاؤ'' اندر سے جھنجلائی ہوئی آواز میں جواب دیا گیا۔

مناب دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔

اقصم اپنی شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا......مناب کو اپنے سامنے اپنے فیورٹ ڈریس میں دیکھ کر چند لمحے کے لیے وہ مبہوت ہوا......دل اسے اکثر دیکھ کر ایسی خواہش کرتا تھا جو پوری نہیں ہوسکتی تھیں......پاگل تھا ناں......کسی اور کا گھر روشن کرنے والی روشنی سے اپنے دل کے اندھیروں کو روشن کرنا چاہتا تھا۔

''چھوٹو......تم پچھلے ایک گھنٹے سے اپنے کمرے میں گھسے عورتوں کی طرح تیار ہو رہے ہو......فار گاڈ سیک اب نکل آؤ اپنے کمرے سے......ممانی تمہارا پوچھ رہی ہیں۔''

''آرہا ہوں یار...... وہ ایکچوئیلی میرے کف لنکس نہیں مل رہے ہیں، آپ پلیز مجھے ڈھونڈ دیں۔'' اقصم نے اسے واپس جاتے ہوئے دیکھا تو بہانے سے روک لیا۔

''چھوٹو تم بھی ناں...... بہت بھلکڑ ہو...... تم جانتے ہو مجھے چیزیں ڈھونڈنے سے کتنی چڑ ہے۔'' مناب بیزاری سے آگے بڑھی اور اس کے روم کے ڈریسنگ ٹیبل کی درازوں میں کف لنکس ڈھونڈنے لگی اور اقصم فرصت سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا سراپے اپنے بے چین دل میں اتارتا رہا۔

''چھوٹو یہاں تو کہیں نہیں مل رہے۔ تم کوئی اور کف لنکس لگالو......'' مناب ڈریسنگ ٹیبل کی آخری دراز چھان لینے کے بعد پلٹی۔

''یار میں نے وہ ڈائمنڈ کے کف لنکس آج کے فنکشن کے لیے آکسفورڈ اسٹریٹ سے خریدے تھے۔ اتنے فینسی......'' وہ بیچارگی سے بولا۔

''چھوٹو تم یاد کرو، تم نے رکھے کہاں تھے؟'' آخری دراز بھی دیکھ لینے کے بعد وہ اقصم کی جانب پلٹی اور اس نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

''مجھے اگر یاد ہوتا تو میں آپ کو لف لنکس ڈھونڈنے کے لیے کیوں کہتا۔'' بٹن بند کرنے کے بعد وہ بیڈ پر بیٹھ کر شوز پہنے لگا حالانکہ وہ جانتا تھا اس نے کف لنکس کہاں رکھے تھے۔ مناب اس کی الماری کی طرف بڑھی...... اب وہ الماری کی ایک، ایک دراز کھول کر دیکھ رہی تھی...... اقصم نے شوز پہننے کے بعد بیڈ پر رکھا بلیک کوٹ اٹھا کر پہنا اور ٹائی ہاتھ میں پکڑے...... اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔

''چھوٹو تم نے مجھے تھکا دیا ہے، میں ساری الماری دیکھ چکی ہوں...... اب یہ آخری دراز رہ گئی ہے اگر اس میں بھی نہ ملے تو کوئی اور کف لنکس لگالینا۔'' جھنجلائی ہوئی مناب نے دراز کھولی تو سامنے اقصم کی چیزوں کے ساتھ ایک خوب صورت سی ڈبیا رکھی تھی۔

''یہ تو نہیں؟'' وہ ڈبیا پکڑے اقصم کی جانب پلٹی...... اقصم اس کے عقب میں ہی کھڑا تھا۔

''ارے یہی تو ہیں کف لنکس...... تھینکس اگین آپ نے ڈھونڈ دیے۔'' اقصم اپنی مسکراہٹ چھپائے اس کے ہاتھ سے ڈبیا لے کر کف لنکس لگاتے ہوئے بولا۔

''اوکے اب جلدی سے نیچے آجاؤ۔'' مناب دروازے کی جانب بڑھی۔ اپنے کمرے میں اس کی موجودگی اقصم کو بہت اچھی لگ رہی تھی اور اسی لیے وہ بہانے، بہانے سے اسے کمرے میں روک رہا تھا۔

''ارے رکیں تو......'' اقصم نے اسے آواز دی۔

''اب کیا مسئلہ ہے......؟ کوئی اور چیز تو نہیں ڈھونڈنی......؟'' مناب جھنجلائے انداز میں پلٹی۔

''میرا دل گم ہوگیا ہے وہ چرالیا ہے تم نے...... اسے واپس کردو مجھے'' اس کے دل سے اِک ہوک سی اٹھی جو لبوں پر آکر ہمیشہ کی طرح دم توڑ گئی تھی۔

''بھیا نے مجھے کافی بنانے کو کہا تھا...... میں تمہیں بلانے یہاں آگئی...... اب بھیا مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔''

''ہاں تو آپ بنا دیجیے گا عمر بھائی کو کافی...... مجھ سے ٹائی کی ناٹ نہیں لگ رہی پلیز آپ لگادیں...... ورنہ اس کوشش میں مزید آدھا گھنٹا ضائع ہوجائے گا میرا۔'' اقصم کے لہجے میں التجا تھی اس نے ٹائی مناب کی طرف بڑھائی۔

''چھوٹو تم تو اتنی اچھی ٹائی کی ناٹ لگالیتے تھے؟ بھول گئے کیا؟ اس عشق نے تمہاری بالکل ہی مت مار کے رکھ دی ہے۔'' مناب نے حیرت اور مصنوعی خفگی سے اس کے ہاتھ سے ٹائی پکڑی۔

''عشق تو اچھے بھلے انسان کو اسٹوپڈ اور پاگل بنا دیتا ہے میں تو صرف ٹائی کی ناٹ لگانا بھولا ہوں۔'' اقصم نے اپنے مقابل کھڑی اس کے دل کے موسموں سے انجان مناب کو دیکھا۔ بے اختیار اس کا جی چاہا کہ وہ اسے خود سے اور بھی قریب کر لے..... اسے دل کے نہاں خانوں میں کہیں چھپا لے جہاں اس کے سوا کوئی مناب کو نہ دیکھ سکے..... لائٹ سی پنک لپ اسٹک اور اسموکی آئیز میک اپ نے اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کو اور بھی خوب صورت بنا رکھا تھا وہ زیادہ میک اپ نہیں کیا کرتی تھی مگر آج کل اسے سجا سنورا دیکھ کر دل اور بھی بے ایمان ہو رہا تھا۔

''چھوٹو، کچھ زیادہ ہی لمبے ہو گئے ہو تم..... تھوڑا نیچے جھکو اور قریب آؤ ذرا..... مجھ سے ناٹ ٹھیک طرح سے نہیں لگ رہی.....'' مناب اپنے ہی دھیان میں بولتی جھنجلائی تو اقصم اپنی مسکراہٹ چھپاتا مزید اس کے قریب آ گیا۔

''میرے بس میں ہو تو کبھی ایک منٹ کے لیے بھی تم سے دور نہ جاؤں۔'' مناب اس کی ٹائی کی ناٹ لگانے لگی۔

خدایا وصل کا سامان کر دے
اسے میرے لیے آسان کر دے
وہ سانس لیتی ہے کسی اور کا نام لے کر
اسے لکھ دے صرف میرے مقدر میں
اسے میرا، صرف میرا کر دے

اقصم کا دل چیخنے لگا..... گزرتے وقت سے التجائیں کرنے لگا..... کہ یہیں رک جائیں یہ پل..... تھم جائے یہ گزرتا ہوا وقت..... مگر وقت کب رکتا ہے..... کب کسی کی سنتا ہے..... دفعتاً عجلت میں جنید اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا مگر اندر کا منظر دیکھ کر حیرت سے دروازے میں ہی رک گیا تھا۔

''لو لگ گئی ہے ٹائی کی ناٹ۔'' مناب ٹائی کی ناٹ لگانے کے بعد پلٹی تو عقب میں جنید کو کھڑا پایا۔

"hi how are you?" جنید کھسیا کر مسکراتے ہوئے بولا تو مناب بھی دھیرے سے مسکرا دی۔

"I am fine" مناب ساڑی کا پلو سنبھالتی کمرے سے باہر نکل گئی تھی اور جنید لبوں پر کمینی سی مسکراہٹ سجائے اقصم کی طرف بڑھا۔

''اوئے بڑا رومینٹک سین چل رہا تھا یہاں۔'' جنید نے اسے آنکھ مارتے ہوئے پوچھا۔

''ایویں ہر وقت بکواس نہ کیا کرو..... مجھے ٹائی کی ناٹ لگانی نہیں آ رہی تھی۔ اسی لیے میں نے مناب کو کہا اور وہ.....'' اقصم نے مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

''میں تو تجھے بڑا سیدھا سادہ انسان سمجھتا تھا مگر قسم سے تو، تو اچھا خاصا خبیث انسان ہے..... یہ کیوں نہیں کہتا کہ جان بوجھ کر ٹائی لگوانے کے بہانے تو اس کی قربت حاصل کر رہا تھا۔'' جنید کے تفتیشی انداز پر اقصم نے قہقہہ لگایا۔

''عشق میں ایسے چھوٹے موٹے جھوٹ اور مکاریاں تو چلتی ہیں ناں یار.....'' اقصم نے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے خود پر پرفیوم اسپرے کیا۔

''چل پھر لا لے! اولی کی آنے سے پہلے مار لے ایسے چھوٹے موٹے جھوٹ اور کر لے ایسی مکاریاں..... یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔'' جنید نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر دھپ رسید کی اور اقصم کے ہاتھ سے پرفیوم پکڑ کر خود پر بھی اسپرے کیا۔

(جاری ہے)

تم قتل کرو ہو کہ کرامات

سمیرا یونس ہارون

"تم جانتے ہو حسن! کہ میرے پھیرے اس گلی کے کیوں لگتے ہیں؟" ہارون ظفر نے اپنے ساتھ چہل قدمی کرتے اپنے کزن کم دوست حسن سے دریافت کیا۔

"نہیں... میں بھلا کیسے جان سکتا ہوں؟ میں کیا دلوں کا حال معلوم کرلینے والا بابا ہوں؟" اس نے بے پروائی سے کاندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

ہارون نے اپنے بائیں جانب گردن ترچھی کرتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا اور گویا ہوا۔

''وہ سفید بنگلے کی بالکونی میں دیکھو۔'' ہارون نے اپنی نگاہوں کا رخ بدلا اور سفید کوٹھی کی بالکونی کی طرف موڑا۔
''تیرے باس کی بیٹی ہے ناں......؟'' ہارون نے سوالیہ نگاہیں حسن کے چہرے پر جمائیں۔
حسن نے اثبات میں گردن ہلائی۔
''بس اسی کی کشش کھینچ لاتی ہے۔'' ہارون نے کہا۔
حسن نے ایک نظر دور کھڑی زینب منیر پر ڈالی اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔
''مطلب......؟'' حسن نے کسی قدر اچنبھے سے کہا۔ ''یعنی اگر صاف لفظوں میں کہا جائے تو جملہ کچھ یوں ترتیب پائے گا کہ ہارون ظفر کو زینب منیر سے محبت ہو گئی ہے؟'' اس نے ہارون کی سمت ''ایم آئی رائٹ......'' والی نگاہوں سے دیکھا۔
''معلوم نہیں......'' ہارون نے لب بھینچ کر کندھے اچکائے...... ''میرا دل ابھی اس نتیجے پر نہیں پہنچا۔''
''خدا کرے تو اس نتیجے تک پہنچے بھی نہ۔'' وہ مکر رہا تھا یا حقیقت بیان کر رہا تھا۔ حسن اس بات سے قطع نظر کہہ اٹھا۔ ہارون نے اس کی بات پر چونک کر اس کی سمت دیکھا۔
''وجہ اس دعا یا بد دعا کی؟'' وہ واک کرتے ہوئے اس سفید بنگلے کو کہیں پیچھے چھوڑ آئے تھے۔
''ہارون! تم ابھی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔'' حسن نے کسی قدر جھنجلا کر کہا۔
''وہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اپنی ٹانگ کی صحیح کارکردگی کھو بیٹھی ہے اور اب اس کی چال میں واضح لنگڑاہٹ دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ میں اگر کچھ نہیں جانتا تو تم وہ بتاؤ......'' ہارون نے چند لمحے اسے دیکھ کر کہا۔ حسن نے اس کی بات پر گہری سانس لے کر لب بھینچے۔
''اس کا سیدھا مطلب یہی نکلتا ہے ہارون کہ تم اس کی محبت میں مبتلا ہو گئے ہو ورنہ یہ بات اتنی آسانی سے نظر انداز کی جانے والی نہیں۔'' وہ اس کی صورت تکتے ہوئے گویا ہوا۔
حسن کی بات پہ اس نے کاندھے اچکائے۔
''خدا جانے۔'' وہ اب بھی اس بات سے منکر تھا۔

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں یہاں محض اس کی وجہ سے آتا ہوں۔ اس کے خیال سے میرے ذہن میں ''پیار کا پہلا شہر'' کی پاسکل کی تصویر ابھرتی ہے اور......''
''ایک تو یہ لکھاری حضرات......'' حسن نے جھنجلا کے اس کی بات کاٹی۔ ''بات چاہے آٹے دال کے بھاؤ کی ہو، وہ اس میں بھی کسی نہ کسی رائٹر یا ناول کی گنجائش نکال ہی لاتے ہیں۔'' وہ کافی ''بے ادب'' قسم کا بندہ تھا۔ اسے ادب سے چنداں لگاؤ نہیں تھا۔ مگر وہ پھر بھی ہارون کا یہ پسندیدہ ناول اس کی زبانی پانچ بار سن چکا تھا۔ اب اس کے نام پر ہی چڑ جانے کا اس کا حق بنتا تھا۔
''خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔'' اس نے کسی قدر ناراضی سے کہا۔ ''کتابوں کا ذکر اتنا ارزاں نہیں ہوتا کہ ہر خاص و عام گفتگو میں اس کی بات لے بیٹھے۔'' وہ ایک رائٹر تھا اور ایسی کسی بھی بات پر ناراض ہونے پر حق بجانب بھی۔
''تم پر اب کتابی گفتگو کا دورہ پڑ چکا ہے سو میں چلا اب۔'' حسن نے قدم موڑے اور مخالف سمت چلنے لگا۔
''ٹھہر یار! بات سن۔'' ہارون اس کے پیچھے لپکا اور اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر کسی قدر لجاجت سے بولا۔
''تو بس پہلی ملاقات کا بندوبست کر دے، باقی کام میرا۔''
حسن نے شوخی سے ''اوہو'' کے انداز میں سیٹی بجائی۔

☆☆☆

آج کل اس کے چہرے پہ دھنک کے ساتوں رنگ دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ اپنی معذوری کو گویا یکسر فراموش کر بیٹھی تھی اور ہواؤں میں اُڑ رہی تھی۔ احساس محرومی اور مایوسی سے مکمل کنارہ کیے ہوئے وہ کسی نئی دنیا میں جی رہی تھی۔
''کیا محبت اتنی بااختیار ہوتی ہے کہ وہ لمحوں میں انسان کو یوں بدل دے۔'' حسن اس کی ست رنگی صورت دیکھتا اور سوچتا۔
دن کا بیشتر حصہ اپنے بنگلے کی چار دیواری میں گزارنے والی لڑکی اب باہر آنے جانے لگی تھی۔ ضرورتاً بولنے والی زینب اب فون پہ گھنٹوں کسی سے باتیں کرتی رہتی۔

''گویا ہارون ظفر کی کوششیں رائگاں نہیں جار ہیں۔'' حسن نے اندازہ لگایا تھا۔

☆☆☆☆

وہ کراچی چھٹیاں گزارنے آیا تھا۔ چھٹیاں ختم ہونے والی تھیں سو اب اس کا قیام بھی اختتام پزیر ہوا چاہتا تھا۔ وہ الماری سے کپڑے نکال کر بیگ میں رکھ رہا تھا۔ جب اچانک حسن کمرے میں آیا۔

''یار! میں ریگل میں تھا جب زینب کی کال آئی۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔''

''اچھا!'' ہارون نے بے تاثر لہجے میں کہا اور پھر اپنے سابقہ کام میں مصروف ہو گیا۔

''تبھی سے میں سوچ رہا ہوں اس نے براہِ راست تجھے کال کیوں نہیں کی؟'' حسن نے سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑا اور کھوجتی نگاہیں ہارون کے چہرے پہ جما دیں۔

''کیونکہ میں نے اپنا نمبر بند رکھا ہوا ہے۔'' ہارون نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

''نہیں تو...... میں نے ابھی ایک بیل ماری ہے تمہارے نمبر پر۔ آن تھا تمہارا نمبر۔'' حسن ماننے سے انکاری ہوا اور یوں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''مجھ سے تم کچھ نہیں چھپا سکتے۔''

''جو نمبر زینب کے پاس ہے، وہ زینب کے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ سو تم نہیں جان سکتے کہ وہ نمبر آن ہے یا آف۔'' ہارون نے پیکنگ مکمل کر کے بیگ سائڈ پر رکھا اور صوفے پہ بیٹھ کر دونوں ٹانگیں سامنے سینٹرل ٹیبل پر پھیلا لیں۔

''یعنی تم نے اسے نمبر دینے کے لیے نئی سم خریدی تھی؟'' وہ متحیر سا اس کے برابر آ بیٹھا۔

''بالکل!'' اس نے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے باندھتے ہوئے کہا۔

''وجہ؟''

''نہ پوچھو تو بہتر ہے۔'' اس نے ذرا سی گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔

''لیکن میں پوچھنا چاہوں تو......؟''

''تو......؟'' اس نے گہری سانس لے کر ہاتھ سینے پہ باندھے۔

''تو گفتگو میں رائٹر اور ناول کا ذکر تمہیں سننا پڑے گا۔'' اس نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے اسے گویا سبب جاننے سے باز رکھنا چاہا۔

''کوئی مسئلہ نہیں...... وجہ جاننے کے لیے ''سہہ'' لوں گا۔'' اس نے اپنی مجبوری سے آگاہ کیا۔

''وجہ کوئی اتنی خاص نہیں۔'' ہارون نے قدرے بے پروا لہجے میں کہا۔

''آج کل میں ایک معذور لڑکی پہ ناول لکھ رہا ہوں۔ سو ایک معذور لڑکی کے احساسات، خیالات، جذبات اور سوچیں معلوم کرنے کے لیے مجھے اس سے زیادہ سہل طریقہ اور کوئی نہیں لگا کہ زینب سے روابط بڑھائے جائیں۔ سو اس سے دوستی میں نے محض اسی مقصد کے تحت کی تھی۔ اب جب میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں تو پھر اب مزید کیوں اس قصے کو طول دوں۔ کل جا رہا ہوں تو سوچا تمام قصے، کہانیاں یہیں ختم کر کے جاؤں۔'' اس نے اپنے تئیں قصہ تمام کیا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا۔

''یعنی تم فقط ایک ناول لکھنے کے لیے کسی لڑکی کے جذبات سے کھیلتے رہے ہو؟'' حسن نے ریموٹ ہارون کے ہاتھ سے چھینا اور ٹی وی آف کر دیا۔ وہ اس کی...... بے حسی پر حیران تھا۔

''زیادہ جذباتی نہ بن...... یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں۔'' اس نے حسن کے ہی انداز میں ریموٹ واپس چھینا۔ ''میری مجبوری تھی اور اتنی اجازت میں نے خود کو دے رکھی ہے۔'' اس نے ٹی وی دوبارہ آن کیا اور والیوم فل کر دیا۔ وہ اس والیم میں حسن کی آواز دبانا چاہتا تھا اور شاید اپنے ضمیر کی بھی۔

حسن پُرتاسف انداز میں اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ ''کیا کوئی ایسا بھی کر سکتا ہے!''

مکمل ناول

ٹھنڈی پھوار

فرحین اظفر

مئی کے تپتے ہوئے مہینے کا ایک جھلستا ہوا دن تھا۔ گرمی کی شدت سے کوئل کی کوک دم توڑ گئی تھی۔ کوؤں کی چونچیں پیاس سے کھل گئی تھیں اور ننھی چڑیاں۔۔۔ اپنے گھونسلوں میں سر دیے بے دم پڑی تھیں۔

چھت کی نیچی منڈیر سے پوری گلی میں چھایا سناٹا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ گرمیوں میں شام میں گھروں کی چھتیں، صحن اور برآمدے جتنے آباد ہوں دوپہریں اتنی ہی سنسان ہوتی ہیں۔ اس نے منڈیر



سے اپنا غٹرغوں کرتا ہوا خالی پیٹ لٹکا کر ایک نظر گلی میں جھانکا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی دو گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ کے بعد لائٹ آئی تھی گلی کے سارے ہی گھر جن کے مکین قیلولے میں مصروف تھے۔ اتنی گرم اور لمبی دوپہروں میں اور کیا بھی کیا جاتا یا سویا جاتا یا پھر کوئی بد نصیب میری طرح بھی...... اس نے اپنی سوچ کو ادھورا ہی منڈیر تلے پھینک کر پلٹ کر چھت پر ایک نظر ڈالی۔

صاف ستھری دھلی دھلائی اسی نہیں تو ساٹھ گز کی چھت تھی جو چند لمحے قبل اس قدر گرمی میں اس نے جھاڑو سے شڑاپ شڑاپ دھوئی تھی اور ابھی چند منٹ میں ہی اس پر بہتا ہوا پانی سوکھنے جیسا ہو گیا تھا۔ کہیں کہیں صاف ستھرا اسیمنٹ بھی نظر آنے لگا تھا۔ گرمی اتنی شدید تھی کہ چھت دھوتے میں ہی اس نے دھار والا پائپ اپنے سر کی طرف کر دیا اور موٹی سی پانی کی بوچھاڑ نے اسے چوٹی سے ایڑھی تک بھگو کر شانت کر دیا۔ لیکن یہ صرف جسمانی شانتی تھی۔ وہ اس گزرتی دوپہر کی گرمی اور گھنٹا بیشتر ہونے والے مکالمے کو سوچتی تو ساری گرمی اسے اپنے دماغ پر چڑھتی محسوس ہوئی تھی۔

گرمی سے بے حال، خشک گلے اور گیلے جسم کے ساتھ اس نے جوں ہی گھر میں قدم رکھا تھا تو بریانی کی تیز اشتہا انگیز خوشبو نے اس کی بھوک کو دس گنا بڑھا دیا تھا۔ چادر اور بیگ اپنے کمرے کے بیڈ تک بھی بہ مشکل پہنچا پائی تھی اور کچن کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔

''ہاں بریانی پکائی ہے، آپ کی پسند کا رائتہ اور سلاد کے ساتھ کولڈ ڈرنک بھی رکھی ہے لیکن......'' امی نے اپنا اگلا فرمانِ شاہی جاری کیا۔

''ہیں...... ابھی؟''

''جی ابھی......''

''لیکن ابھی تو امی بہت دھوپ اور گرمی ہے میں...... میں کل صبح دھو دوں گی اسکول جانے سے پہلے۔'' اس کی آواز منمناتی ہوئی تھی۔ اپنے ارادے کی حقیقت سے وہ خود بھی واقف تھی۔

''شوق سے دھونا کل صبح بھی...... لیکن ابھی اگر کھانا چاہیے تو جا کے چھت دھوؤ...... ورنہ بریانی بھی کل صبح ہی کھالینا۔'' ان کی آواز میں قطعیت تھی۔ بات مکمل کر کے انہوں نے ہاتھ سے اسے ایک طرف ہٹایا اور کچن کے دروازے میں تالا ڈال کر چابی ساتھ لے گئیں۔

گو کہ چھت دھل چکی تھی۔ لیکن اب اس کی بھوک ویسی تابڑ توڑ نہیں رہی تھی۔ جیسی اسکول سے واپسی پر تھی۔ نل کے پاس جا کر اس نے پائپ نکالنے سے پہلے ایک بار پھر خود کو پوری طرح بھگویا۔ جسم و جاں میں تازگی اور ٹھنڈک کی لہر سی اتر گئی۔ کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا اور وہ ایک، ایک کر کے سیڑھیاں اترتی ہوئی جانتی تھی کہ سجی ہوئی ڈائننگ ٹیبل اس کی منتظر ہوگی اور ہوا بھی یہی......

گرما گرم بھاپ اڑاتی بریانی، رائتہ، سلاد اور اس کی من پسند کولڈ ڈرنک کے ساتھ نہ صرف امی بلکہ ابا بھی اس کے منتظر تھے۔

''السلام علیکم ابا!'' اس نے بجھے، بجھے انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام...... ارے یہ تم کیسے گیلے کپڑے لے کر یہاں آ گئیں۔ سارا فرش گیلا کر دیا۔'' ابا نے سلام کا جواب دیتے ہی ناگواری سے اسے ٹوکا۔ اور وہ جو ابا سے امی کی شکایت کرنے کا سوچ رہی تھی دل مسوس کر رہ گئی۔

''کوئی بات نہیں اسرار صاحب...... میری بیٹی بہت تھک گئی ہے، اسے کچھ مت کہیں ابھی...... جاؤ سنبل بیٹا جلدی سے چینج کر کے آ جاؤ تمہاری پسند کا لنچ انتظار میں ہے۔'' اس نے کھانے والی نظروں سے اپنی ماں کو گھورا۔ اور پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ دل تو چاہ رہا تھا کھانے سے صاف انکار کر دے کہ وہ کوئی آپ کے ہاتھ کے کھانوں کی بھوکی نہیں نہیں کھائے گی تو مر نہیں جائے گی مگر ہائے یہ بے وفا پیٹ...... خوشبو پاتے ہی ایسی دہائیاں دینے لگا جیسے کھانا نہ ملا تو واقعی مر ہی تو جائے گا۔ وہ بھوک کی بہت کچی تھی۔ یہ بات شمع اسرار اچھی طرح جانتی تھیں...... ہاں اسرار صاحب کی دوسری بیگم اور

اس کی سوتیلی ماں......

شدید احساسِ بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

اسے کپڑے تبدیل کر کے ڈائننگ ٹیبل پر جانا ہی تھا...... وہ دل ہی دل میں کلستی واش روم میں جا گھسی۔

☆☆☆

گلابی اور سفید کامبی نیشن کا سوٹ اس کی سفید رنگت پر خوب کھل رہا تھا۔ آج شگفتہ پھپھو نے اپنا گھر مکمل ہو جانے کی خوشی میں سب خاندان والوں کی دعوت کی تھی۔ رات کے کھانے سے پہلے قرآن خوانی کا بھی اہتمام کیا تھا۔

اس کی دائیں کلائی میں سفید موتیوں کی لڑی تھی۔ ویسا ہی ایک، ایک سفید موتی اس کے کانوں میں اٹکا تھا۔ آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر ہلکا گلابی لپ گلوز لگائے وہ محفلِ میلاد و قرآن خوانی میں تمام چھوٹی بڑی لڑکیوں میں ممتاز دکھائی دے رہی تھی۔

''واہ بھئی...... آج تو سنبل بی بی خوب لشکارے مار رہی ہیں۔'' یہ پھپھو کی منجھلی بیٹی لائبہ تھی جو عمر میں اس کے برابر لیکن خیالات میں اس سے کہیں آگے تھی۔

''ہونہہ...... اسے لشکارے مارنا کہتے ہیں۔'' اس کا موڈ دو دن پہلے سے خراب تھا۔ جب سے چھت دھوئی تھی تب سے......

''کیوں، کیا ہوا اچھا بھلا تو ہے۔''

''لو اسے اچھا بھلا کہتے ہیں؟ نہ ڈھنگ سے میک اپ کرنے دیا نہ جیولری پہننے دی ہے۔''

''مامی کی بات کر رہی ہو؟'' لائبہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

''اور کون ہے میری زندگی کی مصیبت......''

''ہم...... م...... م یہ تو ہے، تمہاری لکس بہت سمپل لگ رہی ہیں۔'' اس نے جھٹ سے بیان بدل دیا۔

''اور نہیں تو کیا...... ہر بات میں روک ٹوک، ہر کام میں سوال جواب...... یہ پہنو، یہ کھاؤ، یہ کرو، وہ نہ کرو...... زندگی مجھے تو عمر قید جیسی لگتی ہے۔''

دل میں ابھی تک دو دن پہلے والی زبردستی کا غم تازہ تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اسی وقت کچن میں روشی باجی داخل ہوئیں۔ وہ لوگ اس وقت میلاد کے بعد سلاد، رائتے اور میٹھے کی ڈشز کا جائزہ لینے آئی تھیں کہ سب تیار ہے یا نہیں...... اور وہ لائبہ کے ساتھ باتوں میں لگ گئی۔ روشی باجی کے چہرے سے لگ تو نہیں رہا تھا کہ انہوں نے کوئی بات سنی ہوگی۔ پھر بھی اسے ایک لمحے کے لیے خفت سی محسوس ہوئی۔ اگلے ہی لمحے وہ لائبہ سے گلے ملتی لڑکی کو دیکھ کر بے نیاز بن سی گئی۔

''سن بھی لیں تو کیا ہے، میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔''

سر جھٹک کر اس لڑکی کو ستائشی نظروں سے دیکھنے لگی۔ جسے اس نے اس سے پہلے کبھی پھپھو کے گھر میں نہیں دیکھا تھا۔

''ان سے ملو سنبل...... ابو کے دوست کی بیٹی ہیں ساشا...... اور یہ میرے ماموں کی بیٹی سنبل......'' لائبہ نے تعارف کروایا تو سنبل خواہ مخواہ کنفیوز ہوگئی کیونکہ ساشا اس وقت بہت ماڈرن اور اسٹائلش کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اس نے خوب شوخ شاکنگ پنک کلر کی جرسی کی شارٹ شرٹ اور بلیک ٹائٹس پہنی ہوئی تھی۔ اور اس کے ساتھ شاکنگ پنک اور بلیک پرنٹ کا چھوٹا سا اسکارف گلے میں ڈال رکھا تھا۔ اونچی پونی ٹیل اور بڑی، بڑی بالیوں کے ساتھ وہ کسی ڈانس پارٹی کی مہمان لگ رہی تھی۔ جبکہ اس کے برعکس سنبل کا کاٹن کا ہلکے رنگوں کا سوٹ، بے حد ہلکی جیولری اور میک اپ سے مبرا چہرہ ایک الگ ہی پاکیزہ اور معصوم سا تاثر دے رہا تھا۔۔ وہ لڑکی جس کا نام لائبہ نے ساشا بتایا تھا اتنی ہی تیز اور چبھتے ہوئے رنگ کی لپ اسٹک اور آئی لائنر اور مسکارا لگائے ہوئے تھی۔

سنبل کو بے اختیار ہی اپنا وجود اس کے آگے دھیما پڑتا ہوا لگنے لگا۔ ساشا کی اس قدر چمکتی دمکتی پرسنالٹی کے آگے وہ خود کو بجھا ہوا محسوس کرنے لگی۔ اسے شمع اسرار پر از سر نو غصہ آنے لگا۔ اس نے آنے سے پہلے کتنا زور لگایا تھا کہ اسے یہ مریضوں اور

بڈھوں والے گلابی رنگ کے بجائے وہ سرخ و سیاہ امتزاج والا لباس پہننے دیں۔ جس کے گلے اور دامن پر سلور رنگ لگے تھے۔ آخر صرف میلاد اور قرآن خوانی تو نہیں تھی ناں......

شگفتہ پھپو کے یہ بڑے سارے گھر کی دعوت تھی آخر......

''لڑکی ہو......لڑکی بن کر رہو...... چلو عورت بننے کی ضرورت نہیں۔'' وہ بہت نرم لہجے میں تنبیہہ کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ سنبل کبھی کبھی ان سے بدتمیزی کی حد تک تلخ ہو جاتی تھی۔

'' ہونہہ......آپ کا بس چلے تو مجھے عورت بننے سے پہلے ہی بیوہ بنا دیں۔'' اس وقت بھی غصے کے مارے جو اس کے منہ میں آیا اس نے بک دیا۔ شمع بھی ایک دم ہی چپ کر گئیں اور فوراً ہی باہر نکل کر اپنا عبایا پہننے لگیں۔ پھر انہوں نے اسے مجبور نہیں کیا...... لیکن اس کا اپنا دل اتنا خراب ہو چکا تھا کہ وہ یونہی تیار ہو کر آ گئی۔ حالانکہ پھپو کے گھر کی اس دعوت کا اسے ہفتوں سے انتظار تھا۔

بات صرف دعوت کی نہیں تھی وہ اس دعوت پر سب سے زیادہ خوب صورت لگنا چاہتی تھی اور اس کی وجہ کوئی اور نہیں...... اس کا اپنا پھپھی زاد فاران تھا۔ جس کی آنکھوں میں چھپے پسندیدگی کے رنگ اب چھپے نہیں رہے تھے بلکہ اس پر پوری طرح عیاں ہو چکے تھے۔

''کہاں کھو گئیں......؟'' لائبہ نے اس کے آگے ہاتھ ہلایا وہ ایک دم چونکی۔

''کچھ نہیں...... یہاں بہت گرمی ہے...... چلو باہر چلیں۔''

''ہوں...... ویسے تمہیں دیکھ کر لگتا نہیں کہ تمہیں گرمی لگ رہی ہوگی۔'' ساشا ان لوگوں کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے بے تکلفی سے بولی۔

''دراصل تم نے اتنے کول کلرز پہنے ہیں کہ ان کو دیکھ کر ویسے ہی ٹھنڈک کا احساس ہو رہا ہے۔'' وہ کمال کی سادگی بھرے لہجے میں اس کی تعریف کر رہی تھی۔ سنبل حیرت میں گھر گئی۔ جبکہ لائبہ نے چڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

☆☆☆

''ماشاءاللہ سے آج میری بیٹی شگفتہ آپا کے یہاں سب سے الگ اور خوب صورت لگ رہی تھی۔'' وہ ابا کے لیے چائے بنا کر لائی تو شمع اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔ اس سے جواباً مسکرایا بھی نہیں گیا۔

''ہونہہ...... سب سے الگ تو ٹھیک ہے لیکن سب سے خوب صورت...... یہ کیوں نہیں کہتیں کہ سب سے الگ نمونہ اور سب سے دقیانوسی پیس لگ رہی تھی۔'' اس نے کوفت سے دل میں سوچا۔

ایک تو تھکن سے اس کا انگ، انگ دکھ رہا تھا اوپر سے ابا کی چائے کا آرڈر...... دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن چونکہ ابا نے خود بہت پیار سے اس سے کہا تھا۔ اس لیے مانتے ہی بنی۔ یہ بھی خیال تھا کہ اس سے چائے بنوانے کے لیے یقیناً امی نے ہی ابا کو اکسایا ہوگا۔

''ٹھیک ہی کہتی ہیں پھپو...... تمہاری ماں کو اپنے سنگار سے فرصت ملے تو تمہیں بجنے سنورنے دے ناں۔''

اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے ایک تنفر بھری نگاہ شمع پر ڈالی۔ جو اپنی کلائیوں سے سونے کی باریک اور نفیس چوڑیاں اتار کر مخملیں باکس میں رکھ رہی تھیں۔

اس کے دل میں کسی نے چٹکی بھری...... یہ چوڑیاں اس کی مرحومہ ماں عابدہ کی تھیں۔

☆☆☆

شمع اسرار، سنبل اسرار کی سوتیلی ماں اس وقت اس کی زندگی میں داخل ہوئیں جب وہ بچپن اور لڑکپن کی درمیانی دہلیز پر کھڑی تھی۔

اسے اچھی طرح وہ دن یاد تھا۔ جب انہوں نے دلہناپا چھوڑ کر گھر کا انتظام سنبھالا تھا اور پہلے ہی دن چند بے حد معمولی سے کام اس کے ذمّے لگائے تھے۔

دودھ والے سے دودھ کی بوتلیں لے کر فریز کرنا......اور جمعدار کو کچرا دینا۔ اس سے زیادہ بہت ہوا تو بزر بجاتی واشنگ مشین کا بٹن گھما دینا یا چھت سے دھلے اور سوکھے ہوئے کپڑے اتار لانا۔ ابتدائی چند

دنوں میں اس نے نئی امی کی آمد کی خوشی میں بھاگ، بھاگ کر یہ کام کیے۔ نئی امی اس کی فرمانبرداری سے بہت خوش اس سے خوب پیار کرتیں...... ان کے آنے سے پہلے دادی اور پھپھو نے اُن کے بارے میں جو ڈراؤنی باتیں اور غلط سلط اندازے لگائے تھے وہ اس سے بالکل مختلف تھیں۔ اس کی پسند کے کھانے بناتیں، اسے ہوم ورک کرواتیں، کہانیاں سناتیں، یہاں تک کہ فارغ وقت میں اس کی ڈولز کے ساتھ کھیل بھی لیتیں۔

پھر ایک دن جب پھپھو دوپہر کے کھانے پر ان ہی کے یہاں بیٹھی تھیں۔ ایک واقعہ ہوگیا۔ جو خوشگوار تھا یا ناخوشگوار اس کا فیصلہ الگ، الگ لوگوں نے الگ، الگ طرح سے مرتب کیا۔

اس روز موسم بہت خوب صورت تھا۔ صبح سے ہلکی، ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ حسبِ معمول وہ دودھ والے کی بیل سن کر دودھ لینے باہر نکلی اور جب وہ دونوں ہاتھوں میں دودھ کی بوتلیں پکڑ کر واپس آرہی تھی تو گیلے صحن کے فرش پر اس کا پیر پھسل گیا۔

دھڑام کی آواز کے ساتھ وہ پوری کی پوری پشت کے بل گری...... سر کا پچھلا حصہ بری طرح پکے فرش سے ٹکرایا۔ کانچ کی بوتلیں فرش پر ایک چھناکے سے ٹوٹیں اور کئی ایک کانچ اس کی ہتھیلیوں اور پیروں میں چبھ گئے۔

''ہے، ہے کیا ہوا میری بچی......'' سب سے اونچی آواز پھپھو کی اور سب سے پھرتیلے قدم امی کے تھے۔ سر میں شدید درد کے ساتھ جسم میں کئی جگہ سے خون کی بوندیں ابھر آئیں۔

''سنبل کیا ہوا میری جان......؟'' امی نے تیزی سے آکر اسے گود میں اٹھایا اور بہ مشکل گود میں لے کر اندر تک آئیں...... سنبل اس وقت دس سال کی تھی...... اتنی بڑی بچی کو گود میں اٹھا کر اندر تک لانے میں وہ بری طرح ہانپ گئیں۔ لاؤنج کے صوفے پر اسے لٹا کر وہ اس کے پیروں کے پاس بیٹھ کر سانس درست کرنے لگیں۔

”ہائے اللہ میری بچی..... کیسے گر گئی۔“ پھپو اتنے میں اس کے سر پر پہنچ چکی تھیں۔

پھپو اور ماں کی ہمدردی پا کر اس کے رونے میں اور تیزی سے آ گئی۔

”لو بھابی آپ یہاں مزے سے بیٹھ گئیں، دیکھیں تو ذرا جگہ جگہ سے خون بہہ رہا ہے۔ اور کہاں لگی۔“ انہوں نے ذرا کی ذرا صورتِ حال سنبھالتی شمع کو واویلا مچا کر ہڑبڑا دیا۔ سنبل بھی بری طرح گھبرا کر چیخنے لگی۔ ابا ایک دم گھبرا کر اپنے کمرے سے نکلے۔

”میں نے پہلے بھی بھابی سے کہا تھا کہ میری بچی بہت نازک ہے۔ اس سے یوں گھر کے کام کاج کروانے کی کیا ضرورت ہے..... لو یہ کوئی عمر ہے اس کی اتنے، اتنے کام کرنے کی۔“

امی کے بارے میں کہی گئی پہلی برائی اس وقت اس کے کچے ذہن میں ترازو ہو گئی۔ اس کے بعد دوسری اور پھر تیسری اور پھر ایسی نہ جانے کتنی ہی باتیں۔

”شمع نے تمہیں بالکل ہی گھر گھسنی بنا کر رکھ دیا ہے۔“

”اتنی جلدی کیا تھی تم کو یہ بڑے، بڑے دوپٹے لادنے کی۔ بالکل دادی اماں لگتی ہو۔“ لائبہ اس پر بے لاگ تبصرے کرتی، اس کا دل جلتا رہتا۔

یہ سچ تھا کہ شمع نے سنبل کی پرورش بالکل ایسے خطوط پر کرنے کی کوشش کی تھی۔ جیسا کہ شریف اور سادہ عورتیں اپنی بیٹیوں کی کرتی ہیں۔ خصوصاً ان بیٹیوں کی جن کے نقش تیکھے، رنگت گلاب اور اٹھان غضب کی ہو۔

یہی معاملہ سنبل کا تھا۔ رنگت اور نقوش اس نے اپنی مرحوم ماں عابدہ کے چرائے تھے تو قد اپنے باپ سے لیا تھا۔ دبلی، لمبی، پتلی، گوری، تیکھی..... خوب صورتی کے سارے ہی پیمانے اسے ماپنے کو بے قرار رہتے..... اور وہ خود اپنے وجود سے بے خبر..... نہ جانے کتنے سالوں سے ماں کے خلاف دل میں بغض و عناد پال رہی تھی۔ وہ ماں جس کے ساتھ سب سے پہلے سوتیلی کا سابقہ لگانا بھی اس نے اپنی دادی اور پھپو سے سیکھا تھا۔

شمع نے اسے گھرداری سکھانے کی کوشش کی تو ظالم کہلائیں..... غیر ضروری بناؤ سنگار سے وقت سے پہلے روکا تو سخت گیر..... کسی بات پر سرزنش کی تو سخت مزاج اور اگر سزا دے ڈالی تو پھر تو..... بے رحم..... بے حس اور جانے کیا، کیا..... سوتیلی تو وہ تھیں ہی..... شمع اپنے ساس اور نند، شگفتہ کی تمام باتیں سنتی اور سمجھتی تھیں مگر انہوں نے کبھی ان کی باتوں کا برا منایا تھا نہ ہی دل پر لیا تھا۔

انہوں نے اول دن سے ہی اسرار صاحب پر واضح کر دیا تھا کہ وہ اس گھر میں ان کی بیوی بعد میں اور سنبل کی ماں پہلے ہیں۔ وہ بن ماں کی بچی ہے اور چونکہ سوئے اتفاق شمع نے بھی اپنے بہت بچپن سے ہی ماں کی جدائی دیکھی اور سہی تھی۔ لہٰذا وہ سنبل کی محرومیوں کو بہت بہتر طریقے سے سمجھتی ہیں۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ پوری سچائی اور خلوص دل سے سنبل کی ماں بننے کی کوشش کریں گی اور کوشش کریں گی کہ سنبل کو ماں کی کمی بھی محسوس نہ ہو..... وہ انہیں ہی اپنی سگی ماں سمجھے اور کبھی زندگی کے کسی مرحلے پر ان سے کوئی غیریت محسوس نہ کرے۔

اسرار صاحب کو ان کی بات ان کی شخصیت ہی کی طرح بے حد پسند آئی تھی۔ دراصل وہ اسرار صاحب سے عمر میں کافی کم تھیں۔ گو کہ بالکل جوان نہیں تھیں لیکن بڑھاپے سے بھی کوسوں دور تھیں۔ ذرا سا اوڑھ پہن لیتیں تو اپنی عمر کے کافی برس چرا لیتیں۔ سنبل کی ماں تو لگتیں لیکن اسرار صاحب کی بیگم ہرگز نہیں..... اسرار صاحب کی پہلی شادی بھی اپنی بہن اور ماں کی مہربانیوں سے کافی دیر سے ہوئی تھی۔ اور دوسری اور بھی دیر سے..... اس لیے صرف ایک ہی بیٹی کے باپ ہونے کے باوجود وہ ادھیڑ عمری سے جا لگے تھے اور اس عمر میں ایسی بیوی کا مل جانا جو صورت کے ساتھ، ساتھ سیرت میں بھی عام خواتین سے کچھ بڑھ کر تھی۔ اور سب سے بڑھ کر ابھی تک کنواری تھی اُن کے لیے

کسی نعمت کے مل جانے سے کم نہیں تھا۔

دنوں میں ہی ''شمع'' ان کے دل کی شمع بن گئیں۔ ان کا جادو اسرار صاحب کے سر چڑھ کر بولنے لگا۔ وہ ان کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہتے...... اور شمع ان کی تابعداری پر کبھی شرما جاتیں اور کبھی جی بھر کے خوش ہوتیں۔

ہو تو یہ بھی سکتا تھا کہ شوہر کی اس قدر طرف داری پا کر شمع کے اندر سوتیلی ماؤں والے حاسدانہ جذبے پرورش پا جاتے...... اور وہ اپنی نند اور ساس کا جلاپا، اپنی بیٹی کو ستا کر نکالتیں۔ لیکن یہی ان کی خاصیت تھی جس نے اسرار صاحب کو ان کا دیوانہ بنا دیا تھا۔ اور اسرار صاحب کی یہی دیوانگی تھی جس سے ان کی ماں اپنی زندگی میں اور بہن شگفتہ اب تک جلی مری جاتی تھیں۔

اسی حسد کی آگ میں جلتے ہوئے انہوں نے سنبل کے دل میں بھی ماں کے خلاف منفی جذبات پیدا کر دیے تھے۔

شمع سب جانتی، بوجھتی اور سمجھتی تھیں لیکن انہوں نے کبھی اپنی صفائی یا وضاحت میں سنبل سے ایک لفظ تک نہیں کہا...... ان کے خیال میں سنبل نادان تھی، معصوم تھی اور ایسی خاندانی سیاستوں میں کودنے کے لیے ابھی اس کی عمر بہت کم تھی۔ وقت آنے پر وہ خود ہی سمجھ جاتی اور یہ وقت کب آنا تھا۔ یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

وقت دبے پاؤں کچھوے کی سی چال چلتا، دو سال مزید آگے نکل گیا تھا۔

فاران کو ملک سے باہر نوکری مل گئی تھی اور وہ جاتے، جاتے سنبل کے ہاتھ میں انتظار اور امید کے جگنو تھما گیا تھا۔ سنبل ابھی محض سترہ سال کی کچے ذہن کی لڑکی تھی۔ اس نے بھلا دنیا دیکھی ہی کتنی تھی۔ فاران کے جذبوں کی سچائی اور خلوص کو پرکھے بغیر ہی وہ دل سے اس کی اسیر ہو چکی تھی اور اس بات کی خبر فاران اور اس کے علاوہ صرف لائبہ کو تھی۔ یا اگر پھپھو کے علم میں ایسی کوئی بات تھی بھی تو اب تک انہوں نے سنبل پر ظاہر نہیں کی تھی۔

فاران نے لائبہ کے ہاتھ اس کے لیے موبائل بھجوایا اور اس نے شمع سے چھپا کر کمرے میں ہی رکھ لیا...... فاران کو لائبہ نے جب سنبل کی اس حرکت کا بتایا تو وہ بہت محظوظ ہوا۔ دونوں بہن، بھائی اس کی دیدہ دلیری کا مذاق اڑاتے رہے۔

فاران اس کے خوابوں میں نئے رنگ بھرنے والا پہلا شخص تھا۔ وہ اس کے خیالات میں اس کی محبت میں اس بری طرح غرق ہو چکی تھی کہ اب اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچنا بھی محال تھا۔

اس وقت بھی رات کے بارہ بج رہے تھے اور سنبل، فاران کے ساتھ میسج پر بات کر رہی تھی۔ اچانک ہی دروازے پر دستک کے ساتھ شمع کی آواز سنائی دی۔

''سنبل بیٹا! سو گئیں کیا؟''

اس نے تیزی سے موبائل تکیے کے نیچے چھپا دیا...... پھر دوپٹا درست کر کے دروازہ کھولا تو سامنے ہی وہ دودھ کا گلاس لیے کھڑی تھیں۔ سنبل کے چہرے پر ناگواری چھا گئی۔

''دودھ لے کے آئی تھی۔''

اس نے جلدی سے دودھ کا گلاس پکڑا اور ایک منٹ میں خالی کر دیا۔ شمع اس کی پھرتی پر حیران رہ گئیں۔

''سو گئی تھیں کیا......؟''

''جی مجھے تو کافی دیر ہو گئی تھی سوئے ہوئے۔'' اس کا چہرہ اور آواز کی تازگی جھوٹ کی چغلی کھا رہے تھے۔ شمع بنا کچھ بولے پلٹ گئیں۔ سنبل جس طرح دروازے پر اڑ کے کھڑی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ انہیں اپنے کمرے میں بلانے کے موڈ میں نہیں ہے۔

''او کے سو جاؤ، میں ذرا نبیل کو بھی دودھ دے دوں۔''

نبیل، سنبل سے بارہ سال چھوٹا...... شمع اور اسرار صاحب کی اکلوتی اولاد تھا۔ اسی حساب سے وہ ان دونوں کا بے حد لاڈلا تھا۔ سنبل اپنے بھائی سے بھی خار کھاتی تھی۔

حالانکہ لاڈلا ہونے کے باوجود شمع نے اس کی تربیت کے لیے بھی وہی اصول وضوابط لاگو کر رکھے تھے جو سنبل کے لیے تھے۔ لیکن سنبل کو یہ بات کون سمجھاتا۔

''کیا ہوا کہاں رہ گئی تھیں؟'' دروازہ لاک کر کے اس نے تکیے کے نیچے سے سیل فون نکالا تو فاران کے ان گنت پیغامات اس کے منتظر تھے۔

''کچھ نہیں...... امی تھیں...... دودھ لے کر آئی تھیں۔''

''اس عمر میں بھی وہ تمہیں بچوں کی طرح ٹریٹ کرتی ہیں، تم مانو یا نہ مانو...... وہ آنے بہانے تمہارے کمرے میں چھاپے مارتی ہیں کہ کہیں تم کوئی غلط کام تو نہیں کر رہیں۔''

''ہاں مجھے پتا ہے، وہ مجھے کوئی بہت ہی بدکردار اور چھچھوری لڑکی سمجھتی ہیں۔ حالانکہ اس کمرے میں غلط کام کرنے کے لیے... نہ کمپیوٹر ہے، نہ نیٹ اور نہ ٹی وی...... یہ فون بھی آپ نے بھجوا دیا...... ورنہ میں تو آپ سے بات کرنے کو ترس جاتی۔'' حسب عادت اور حسب معمول اس نے ذکر چھڑتے ہی شمع کے خلاف زہر اگلا...... اور فاران اس کی بے وقوفوں والی بات پر دل ہی دل میں ہنس دیا۔ کیونکہ اگر اس میں ذرا بھی عقل ہوتی تو وہ خود ہی جان لیتی کہ رات گئے کمرے میں گھر والوں سے چھپ کر کسی لڑکے سے باتیں بھگارنا کسی باکردار لڑکی کا کام نہیں ہوسکتا۔ چاہے وہ کزن ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی حرکات، چھچھورے پن کے دائرے میں ہی داخل ہوتی ہیں۔

اس نے یہ تک نہ سوچا کہ شمع اگر مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کرتی ہیں تو اس میں عجیب یا برا کیا ہے۔ آخر کو میں ان کی بچی ہی ہوں لیکن سنبل کی آنکھوں پر بندھی ان کی عداوت کی پٹی اتنی دبیز تھی کہ وہ اس دبیز پٹی کی سیاہی کے پیچھے سے شمع کی شخصیت کی اچھائیاں دیکھنے سے قاصر تھی۔

دوسری طرف فاران، شمع کے خلاف سنبل کے اس طرح بولنے پر ہمیشہ خوش ہوتا تھا۔ کیونکہ فاران وہ پہلا اور شاید آخری شخص تھا جس کی گھر میں وقت بے وقت آمد پر شمع نے اپنی شادی کے فوراً بعد ہی پابندی لگا دی تھی۔

''فاران اب بچہ نہیں ہے، بڑا ہو رہا ہے اور سنبل بھی بڑی ہو رہی ہے۔ سمجھدار تو ماشاءاللہ وہ ہے ہی ایسے میں فاران کا گھر میں ہر وقت آنا جانا ٹھیک نہیں۔ اس عمر میں لڑکے ویسے بھی بہت جلد باز اور منتقمی سے ہو جاتے ہیں۔ ان میں جذباتیت اور نادانی اپنے عروج پر ہوتی ہے۔'' اسرار صاحب، بیوی کی معاملہ فہمی کے فوراً ہی قائل ہو گئے تھے۔ شگفتہ نے البتہ بھاوج کی غیر موجودگی میں فاران اور اپنی بیٹیوں صدف، لائبہ اور لبنیٰ کے سامنے بہت واویلا کیا۔

''لو بھئی...... اب تم لوگ اکلوتے ماموں سے بھی گئے۔ دیکھا آتے ہی کیسی راجدھانی سنبھالی ملکہ عالیہ نے...... خیر سے اب بھانجا اپنے ماموں کے گھر بھی غیروں کی طرح وقت اور اجازت لے کر جائے گا اور وہ بھی گھر والوں کے ساتھ۔'' انہوں نے اپنے بھائی کو بھی اس معاملے میں گھسیٹا تھا۔

''میں پوچھتی ہوں بھائی جان...... کیا میرا بچہ کوئی غنڈا موالی یا بدمعاش ہے جسے گھر آنے سے منع کر دیا بیگم صاحبہ نے۔''

''ارے بھئی گھر آنے سے نہیں بلکہ میرے آفس ٹائم میں آنے سے منع کیا ہے۔'' وہ جز بزسے ہو گئے۔ اب بہن سے وہ باتیں کہہ کر انہیں اپنی شامت تو نہیں بلوانی تھی۔ لیکن بات جب شمع کے سامنے آئی تو وہ خاموش نہ رہ سکیں۔

''میں نے کوئی غلط تو نہیں کی آپا...... بلکہ اگر دیکھیں تو میں نے دونوں بچوں کی بھلائی کے لیے کہا ہے۔'' انہوں نے اتنے مدلل انداز میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا کہ شگفتہ قائل ہوئیں یا نہیں...... مگر خاموش ضرور ہو گئیں...... البتہ فاران کے دل میں شمع کے لیے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے برائی آ گئی۔ کیونکہ وہ اپنے ماموں کے گھر صرف وقت گزارنے نہیں جاتا تھا۔ وہ بہانے، بہانے سے اسرار صاحب سے پیسے مانگتا رہتا......

اسرار صاحب بھی اکلوتے بھانجے کی محبت میں بھی منع نہیں کرتے، ان کا کمپیوٹر آن کر کے گھنٹوں گیم کھیلتا، کبھی کبھی بغیر پوچھے ان کے سامنے ہی ان کے فون سے کال ملا لیتا اور اپنے دوستوں سے لمبی، لمبی باتیں کرتا شمع صرف اسرار صاحب کے لحاظ میں اس کی حرکتیں برداشت کرتیں لیکن انہوں نے نوٹ کیا کہ فاران اکثر سنبل سے کام کرواتا، کبھی پانی منگواتا، کبھی اسے زبردستی گیم میں اپنا حریف بنا کر کھیلتا، اسے پڑھائی کے دوران اٹھا کر کبھی چائے تو کبھی شربت کی فرمائشیں......

پھر ایک دن تو حد ہی ہوگئی۔ جب انہوں نے فاران کو لاؤنج کے صوفے پر پاؤں پسارے دیکھا یہ منظر ان کے نیا نہیں تھا لیکن ہاں کچھ اور نیا ضرور تھا۔ سنبل کی وہاں موجودگی اور وہ حرکت جو وہ مجبوراً کر رہی تھی۔

فاران اس سے اپنے پیر دبوا رہا تھا غالباً وہ کرکٹ کھیل کر آیا تھا۔ پسینے میں شرابور ہو کر اس نے اپنی ٹی شرٹ اتار کر دور اچھال دی تھی۔ سنبل مجبوراً زمین پر بیٹھی اس کی آڑھی ترچھی پھیلی ٹانگیں دبا رہی تھی۔

اس منظر نے تو شمع کے اندر غصے کی ایک لہر دوڑا دی تھی۔ انہوں نے نہ صرف سنبل کو ڈانٹا بلکہ فاران کو بھی ہر وقت منہ اٹھا کر چلے آنے سے منع کر دیا۔

وہ دن تھا اور آج کا دن فاران نے ہمیشہ سنبل کے دل میں اس کی ماں اور اپنی ممانی کے خلاف برائی ڈالی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سنبل ان سے اس حد تک دل برگشتہ تھی۔

☆☆☆

وقت کا پہیا شب و روز کو اوپر تلے روندتا ہوا گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ دو سال اور گزرے اور اس نے انٹر میڈیٹ کا ایگزام اچھے نمبروں سے پاس کرلیا۔ شمع چاہتی تھیں کہ وہ آگے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لے...... لیکن اس نے محض ان کی ضد میں آگے پرائیویٹ امتحان دینے کا ارادہ کرلیا...... ابا نے بھی



غزل

فقط تجھ سے عہدِ وفا چاہتے ہیں
محبت میں ہم اور کیا چاہتے ہیں

یہاں ہیں کئی آرزو مند اپنے
مگر ہم وفا آشنا چاہتے ہیں

ذرا سی جگہ اپنے قدموں میں دینا
کہ ہم اِک ترا آسرا چاہتے ہیں

یہ کہنے کو گھر ہے مگر بے اماں ہے
کہ ہم سر چھپانے کو جا چاہتے ہیں

مرے دل کو بہلا کے باتوں میں اپنی
اندھیرے میں روشن دیا چاہتے ہیں

کلام: ہما بیگ، کراچی

بہت کہا کہ اچھے خاصے سائنس کے مضامین چھوڑ کر آرٹس لینا بے وقوفی کے سوا اور کچھ نہیں..... لیکن اس کا تو اپنا دل ہی پڑھائی سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ وہ تو اب ہر وقت بس فاران سے شادی کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ حالانکہ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی۔ لیکن فاران نے اپنی لچھے دار باتوں سے اسے اس طرح اپنے بس میں کر لیا تھا کہ وہ اسی کی آنکھوں سے دیکھتی اور اسی کے دماغ سے سوچتی تھی۔

پرائیویٹ امتحان بھی وہ مارے باندھے ابا کی وجہ سے دے رہی تھی ورنہ بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اُڑ کر فاران کے پاس پہنچ جائے۔

ان ہی دنوں اسرار صاحب کے ایک دوست کے یہاں سے اس کا پروپوزل آ گیا..... خاندان اچھا تھا۔ شکل صورت اچھی، نوکری اچھی، سب کچھ اچھا ہی اچھا تھا..... اسرار اور شمع سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ سنبل کی جان پر بن گئی۔

اس نے اسی رات فاران کو فون کیا لیکن اس نے ریسیو نہیں کیا۔ وہ اور اس کے بعد اس نے کتنی بار کال کی لیکن وہ پتا نہیں کہاں مصروف تھا کہ روز ایک بیل پر فون اٹھانے والا لمحے بھر میں اس کے میسج کا جواب دینے والا جانے کون سے اہم کاموں میں مصروف تھا۔ سنبل کے دل کو پنکھے لگ گئے۔ اس نے دھڑا دھڑ کئی میسج کر ڈالے لیکن دوسری طرف ہنوز خاموشی تھی۔

کافی دیر وہ یونہی بے چینی سے کمرے میں پھرتی رہی پھر اسے خیال آیا۔ ابا نے پھپھو کو بلا کر اس پروپوزل کے بارے میں بتایا تو تھا۔ یقیناً فاران کو بھی پتا چل گیا ہوگا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ وہ اس قدر خاموش تھا۔

اس کا دل یک دم ڈوب سا گیا۔

☆☆☆

تین دن بعد اس کی فاران سے بات ہوئی اس نے جو بات سنبل کو بتائی اسے سن کر وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''امی نے پروپوزل کا سنتے ہی میرے اور تمہارے بارے میں بات کی تھی لیکن وہ تمہاری والدہ محترمہ ہیں ناں انہوں نے فوراً ہی انکار کر دیا۔''

''کیا..... واقعی.....؟'' اسے حد درجے حیرت نے آگھیرا۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے اپنے گھر میں اس کی موجودگی میں ہی اس کے بارے میں اتنے بڑے فیصلے کر لیے جائیں گے اور خود اسی کو خبر نہیں ہوگی۔

وہ سوچ، سوچ کر کڑھتی رہی اور انتظار کرتی رہی کہ کب شمع اس سے اس بارے میں بات کرنے آئیں اور وہ انہیں کھری، کھری سنائے اور صاف کہہ دے کہ وہ فاران کے علاوہ کسی اور سے ہرگز شادی نہیں کرے گی لیکن اس کے کچھ بھی کہنے کی نوبت نہیں آئی۔

ایک شام آفس سے واپسی پر چائے کے بعد اسرار صاحب نے اسے کمرے میں بلایا اور اس کا رشتہ طے ہو جانے کی خوش خبری اسے سنائی۔ وہ ہکا بکا جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی۔

شمع بہت غور سے اس کے چہرے کے تاثرات جانچ رہی تھیں۔ اسرار بھی اس کی خاموشی اور سنجیدگی پر کچھ حیران ہوئے۔ اپنے تئیں انہوں نے اسے خوش خبری سنائی تھی لیکن اس کے چہرے پر خوشی کے تو کوئی آثار نہیں تھے البتہ گھبراہٹ صاف واضح تھی۔

''کیا بات ہے میری بیٹی کچھ پریشان ہو گئی؟''

''جی..... جی ابا.....'' اس سے مارے دکھ کے بات کرنی مشکل ہو گئی۔ اس نے کب سوچا تھا کہ اتنی آسانی سے اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور وہ بھی اس کے علم میں لائے بغیر.....

''کیوں..... اس میں پریشانی والی کیا بات ہے بیٹا! یہ موڑ تو ہر لڑکی کی زندگی میں آتا ہی ہے۔ تم اس سب سے انجان تو نہیں..... ایک نہ ایک دن آخر تمہیں یہ گھر چھوڑ کر.....'' ابا کی بات ادھوری رہ گئی۔ سنبل ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

''ارے، ارے کیا ہوا..... سنبل بیٹا۔'' شمع نے ایک دم اٹھ کر اسے خود سے لگا لیا۔ وہ اسی طرح روتی

رہی۔ ورنہ دل تو کر رہا تھا کہ اس عورت کو دور دھکا دے، دے مگر یہ ممکن نہیں تھا کیونکہ ابا سامنے بیٹھے تھے۔ شاید ابا وہاں نہ ہوتے تو وہ یہ بھی کر گزرتی۔

شمع نے اسے پیار کیا پھر اٹھ کر اس کے لیے پانی لے کر آئیں۔ وہ گلاس ہاتھ میں لے کر بیٹھی سوں، سوں کرتی رہی...... لیکن پانی پیا نہیں۔

''کوئی مسئلہ ہے، کوئی بات ہے، کوئی پریشانی ہے تو ہم سے کہو بیٹا...... ہم تمہارے ماں، باپ ہیں کوئی غیر تو نہیں ہیں۔''

''ابا بس...... میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' بہت جھجک کر روکتے، روکتے وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''ارے بس اتنی سی بات...... تو بھئی کس نے کہا ہم ابھی فوراً ہی تمہاری شادی کر دیں گے۔ سال دو سال تو......''

''ابا میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتی۔ نہ ابھی نہ آگے کبھی...... کبھی بھی نہیں، میں ہمیشہ آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔'' اس کا گلا رندھ گیا۔ (کاش ابا سمجھ لیں کہ وہ کتنی مشکل میں ہے) رات سوئے اتفاق فاران کا فون خود ہی آ گیا۔ اس نے فی الفور پوری بات اس کے گوش گزار کر دی۔ اسے بے تحاشا حیرت ہوئی جب فاران نے جواب میں کوئی بے تابی یا بے چینی دکھانے کے بجائے چپ سادھ لی۔

''کیا ہوا...... فاران! تم چپ کیوں ہو گئے؟''

کافی دیر تک جب وہ کچھ نہ بولا تو بالآخر بے چین ہو کر سنبل نے ہی پوچھ لیا۔

''سوچ رہا ہوں یہ جو مشکل کھڑی ہو گئی ہے اس کا کیا حل نکلے گا۔''

''کیا حل نکلے گا تم سیدھے، سیدھے پھپو کو بھیج دو ابا کے پاس...... اور اس کے علاوہ کیا حل نکل سکتا ہے۔''

''ہونہہ...... بھیجا تو تھا ماموں کے پاس، ممانی نے کورا جواب دے دیا تھا۔ وہ پھر سے انکار کر دیں گی۔ ایک کام ہو سکتا ہے۔'' وہ رک، رک کر بولا۔

''کیا...... کیسا کام؟'' ادھر اتنی ہی بے تابی تھی۔

''تم ایسا کرو فی الحال اس منگنی کو ہو جانے دو۔''

''کیا......؟'' سنبل حیرت اور صدمے سے چیخ ہی پڑی۔ ''کیا کہہ رہے ہو تم۔''

''آہستہ بولو، کوئی سن لے گا، چلا کیوں رہی ہو...... دیکھو میں تمہارے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں۔ اس طرح مجھے امی کو منانے کا ٹائم مل جائے گا۔ ایکچوئیلی مامی نے جس طرح انہیں انکار کر دیا اس سے انہیں بہت انسلٹ فیل ہوئی ہے۔ وہ اتنی جلدی دوبارہ آنے کے لیے رضامند نہیں ہوں گی۔ تم منگنی کر لو...... ماموں کو دو سال کے لیے شادی سے منع کر دو اس طرح تمہارے لیے آنے والے پرپوزلز کا راستہ بند ہو جائے گا۔ اور مجھے امی کو دوبارہ بھیجنے کے لیے وقت مل جائے گا۔'' فاران غیر مستقل بنیادوں پر جو حل اس کے سامنے رکھ رہا تھا وہ ناقابلِ قبول ہوتے ہوئے بھی اسے قبول کرنا ہی تھا۔

اس نے امی اور ابا کی رضا پر سر جھکا دیا۔ ہلکی پھلکی دھوم دھام سے اس کی منگنی کر دی گئی۔ شادی حسبِ وعدہ دو سال بعد جب وہ گریجویشن کر لیتی تو ہونا قرار پائی۔

اس کے دل میں ایک مستقل بے یقینی اور بے چینی کی سی کیفیت نے ڈیرے ڈال لیے۔ اس کے دل سے شمع کے لیے رہی سہی انسیت بھی جاتی رہی۔ کیونکہ فاران نے اسے بتایا تھا اس کے پرپوزل پر سب سے پہلے انکار کرنے والی وہی تھیں۔

پڑھائی سے اس کی دلچسپی مکمل طور پر ختم ہو گئی تھی لیکن منگنی کو دو سال تک کھینچنے کے لیے پڑھائی کا بہانہ ضروری تھا ورنہ ابا شاید فوراً ہی اس کی شادی کا سوچنے لگتے۔

فاران کا فون بہت کم آتا۔ اس نے میسجز کرنا بھی تقریباً چھوڑ رکھے تھے۔ ایک دو بار بات ہوئی تو اس نے جاب کی مصروفیت کا بہانہ بنا دیا۔ اس کی ترقی ہونے والی تھی۔ اور وہ جلد از جلد پروموشن کے لیے دن رات محنت میں لگا ہوا تھا۔ ایسے میں رات دیر گئے تک

کام کر کے آنے کے بعد اس میں اتنی ہمت نہیں بچتی تھی کہ وہ سنبل سے دیر تک باتیں کرے۔

سنبل ہر بات کی طرح اس کی اس بات پر بھی ایمان لے آئی۔ پھر جب کئی دن فاران سے بات نہیں ہو سکی تو اسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ آج وہ پردیس میں اتنی جان توڑ محنت آخر اسی کے لیے تو کر رہا تھا تاکہ آئندہ وہ سنبل سے رشتے کی بات کرے تو ماموں، مامی کے پاس انکار کی کوئی وجہ نہ ہو...... کیونکہ اسی نے سنبل کو بتایا تھا کہ شمع نے فاران کی نوکری اور کم آمدنی کو بنیاد بنا کر اس کے رشتے سے انکار کیا تھا۔ اب وہ واپس آ کر پاکستان میں اپنا بزنس شروع کرنے کی نیت سے پیسے جوڑ رہا تھا۔

☆☆☆

دو، دو پل کر کے دو سال گزر ہی گئے۔

فاران نے ایک بار بھی پاکستان کا چکر لگایا...... نہ پھپھو کو اس کے رشتے کے لیے ان کے یہاں بھیجا...... ہاں لیکن ان کی اور لائبہ، لبنیٰ کی آمد دوسرے سلسلوں میں خوب رہی...... ایک بار وہ لائبہ کی بات پکی ہونے کی مٹھائی لے کر آئیں...... اس کے رشتے کا سلسلہ گھر میں کافی دنوں سے چل رہا تھا۔ ابا نے ہی چھان بین کروائی اور معاملہ او کے کر دیا تھا۔ دوسری بار لائبہ کی شادی کی تاریخ کی مٹھائی لے کر آئیں۔ ایک بار اس کی شادی کے سلسلے میں کچھ رقم کی ضرورت تھی۔ ایک مرتبہ یونہی ملنے ملانے پھر ایک دن وہ لبنیٰ کی منگنی کی مٹھائی۔

ہر بار پھپھو کی آمد پر اس کے دل میں امید بندھتی کہ شاید اس بار وہ اس کی اور فاران کی بات کریں لیکن وہ دنیا جہان کی باتیں کرتیں۔ فاران کا بھی تذکرہ چھڑ جاتا...... وہ وہاں کتنی محنت کر رہا تھا اور پھر بھی اسے اس کی محنت کا مطلوبہ صلہ مل کے نہیں دے رہا تھا۔ لوگ تو باہر جاتے ہی ڈالروں میں کھیلنے لگتے ہیں وغیرہ وغیرہ......

نہ وہ گھر کے کاموں میں دلچسپی لیتی...... نہ چھوٹے بھائی میں جو اسی کی طرح گھر میں کسی بہن بھائی کی محبت کو ترس گیا تھا۔ نتیجتاً اس نے گھر سے باہر دوست بنا لیے تھے۔ گھر میں بند رہنے کے لیے سنبل تھی جو سارا، سارا دن نہ جانے کس سوچوں میں ڈوبی رہتی۔ نہ اسے اپنا ہوش تھا نہ اپنے منگیتر کا...... جس نے دو سال میں بے شمار مرتبہ اس سے بات کرنے کی کوشش کی اور وہ محض ہوں، ہاں سر میں درد اور تھکن کا بہانہ کر کے رہ گئی۔

بی اے کے امتحانوں سے فراغت پاتے ہی ابا کو اس کی شادی کا خیال آ گیا...... دو سال کا عرصہ مکمل ہو چکا تھا۔ اِدھر اور سسرال میں دونوں جگہ تیاریاں عروج پر تھیں اور وہ پاگلوں کی طرح فاران سے رابطہ کرنے کی کوشش میں لگی رہتی۔

☆☆☆

اُدھر فاران جانے کون سی مصروفیات میں گم تھا کہ نہ تو سنبل کا کوئی فون اٹینڈ کرتا نہ ہی کوئی میسج کرتا...... ایسے ہی ایک دن جب پورا دن لگا کر اس نے بیسیوں بار فاران کو کالیں کیں اس کو لاتعداد میسج بھیجے تب کہیں جا کے اس نے رات کو گیارہ بجے کال اٹینڈ کی اور بے حد جلدی میں اس کی بات سن کر فون بند کر دیا۔

سنبل جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی...... نہ فاران نے توجہ سے اس کی بات سنی تھی نہ دھیان دیا تھا۔ تو پھر جواب دینا یا کوئی تسلی آمیز بات ہی کرنا تو بہت دور رہا۔

''آخر...... آخر فاران میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ کیا وہ مجھ سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔'' تین دن ان ہی الٹی سیدھی سوچوں میں گزر گئے۔

ایک دن بعد شام میں اس کے سسرال والوں کو شادی کی تاریخ لینے کے لیے آنا تھا۔ شمع اسی سلسلے میں کی گئی شاپنگ اسے دکھانے آئی تھیں۔ جب اس کی غیر معمولی سنجیدگی اور خاموشی انہیں چونکا گئی۔

''کیا بات ہے سنبل...... اب کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ سارا، سارا دن کمرے میں بند رہتی ہو، کیا خود سے ہی باتیں کرتی رہتی ہو۔'' انہوں نے یونہی ایک بات کی تھی لیکن وہ چوری سی بن گئی۔

''نہیں، نہیں...... میں کیوں کروں گی خود سے باتیں۔ آ...... آپ نے کیا میری آواز سنی تھی۔'' وہ ایک دم گھبرا کر پوچھنے لگی۔

''نہیں بھئی...... میں تو یونہی کہہ رہی تھی۔ اچھا یہ سوٹ دیکھو کیسا ہے۔ کلر کامبی نیشن بالکل تمہاری پسند کا ہے اور......''

''امی پلیز...... ہٹائیں اسے مجھے نہیں دیکھنا۔'' وہ اچانک ہی بیزار ہوگئی۔

''لیکن کیوں بیٹا......''

''بس......'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

''کل تمہارے سسرال والے آرہے ہیں...... کل ہی پہننا ہے، اس لیے دکھا رہی تھی۔''

''کل...... کیوں آرہے ہیں وہ لوگ...... اور کس قدر فارغ لوگ ہیں۔ جب دیکھو منہ اٹھا کر چلے آتے ہیں۔ مفت خورے......''

''سنبل! ہوش میں ہو تم یہ کس طرح بات کررہی ہو اپنے...... وہ آئندہ تمہارا ہونے والا گھر ہوگا۔''

''اور پلیز آپ ختم کریں یہ روایتی ڈائیلاگ...... مجھے نہیں کرنی کوئی شادی وادی کسی سے بھی۔''

''تم کیوں اس طرح کی باتیں کررہی ہو سنبل! کیا تمہاری سیف سے کوئی بات ہوئی ہے۔''

''سیف......؟'' وہ بے ساختہ ''کون سیف......'' پوچھتے، پوچھتے رک گئی۔ اسے یاد آگیا تھا کہ یہ اس کے منگیتر کا نام تھا۔

''نہیں...... اس سے بھلا کوئی بات کیا ہوگی۔ میری اور ان کی تو آپس میں بات ہوتی ہی نہیں۔''

شمع اسے کھوجتی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر شدید بیزاری رقم تھی۔

''سب ٹھیک ہے ناں سنبل بیٹے...... تم خوش تو ہو ناں اس منگنی سے، اس رشتے سے۔'' اس نے جھنجلا کر گہری سانس لی۔

''میں امی، میں بس...... تھوڑا ٹائم چاہتی ہوں۔ اس رشتے کے لیے خود کو تیار......''

''اور کتنا وقت چاہیے تمہیں...... دو سال تو ہوگئے ہیں۔ وہ لوگ اب اور انتظار نہیں کریں گے۔'' شمع کو اس کی ہر بات اور اسے اور الجھاتی جارہی تھی۔

''امی میں......! میں سیف سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' بالآخر اس نے ان سے حتمی بات کرنے کا ارادہ کرہی لیا۔ شمع ہکا بکا رہ گئیں۔

''کیا کہا تم نے...... ذرا پھر سے کہنا۔'' انہیں لگا انہیں سننے میں مغالطہ ہوا ہے۔

''آپ نے ٹھیک سنا ہے امی...... میں سیف سے نہیں، فاران سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' شمع کے پیروں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ ان کے اندر ایک لفظ بولنے کی طاقت نہیں بچی...... وہ چند لمحے یونہی اسے دیکھتی رہیں۔ پھر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

سنبل نے ان کے جاتے ہی ایک گہری سانس لے کر خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی...... پھر اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ اس کی ہتھیلیاں نم ہورہی تھیں۔

☆☆☆

رات میں ہی ابا کے کمرے میں اس کی طلبی ہوگئی۔ وہ جانتی تھی یہ وقت تو آنا ہی تھا مگر...... مشکل یہ تھی کہ اس سلسلے میں فاران سے بات کیے بغیر وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

''ابا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے امی سے صرف یہ کہا تھا کہ میں سیف سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ یہ مجھ سے وجہ پوچھنے لگیں تو فوری طور پر میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا، اس لیے میں نے فاران کا نام لے لیا...... ورنہ...... ورنہ ایسی کوئی بات نہیں...... فاران کو تو پتا تک نہیں ہے کہ میں......''

وہ خود جانتی تھی اس کی دلیل کتنی لولی لنگڑی تھی۔ اسرار صاحب کافی دیر خاموش رہے۔ وہ سر جھکائے اپنے لب کاٹتی رہی۔

''میں ذرا نبیل کو دیکھ لوں......'' شمع نے جان بوجھ کر ان باپ، بیٹی کو تنہائی میں سکون سے بات کرنے

کا موقع دیا اور وہاں سے اٹھ گئیں۔
"کیا یہی سچ ہے جو تم کہہ رہی ہو۔"
اب شمع کمرے میں نہیں تھیں۔ وہ کھل کر اپنی بات کہہ سکتی تھی۔ لیکن یہ اتنا بھی آسان نہ تھا۔
"جی......جی ابا......"
"تو پھر تم نے اپنی امی سے یہ کیوں کہا کہ تمہیں سیف سے شادی نہیں کرنی۔"
"بس میرا شادی کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"
ابا گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ یہاں تک کہ وہ ان کے بولنے کا انتظار کرتے، کرتے اٹھ کر باہر نکل آئی۔ سامنے لاؤنج میں نبیل بیٹھا دودھ پی رہا تھا۔ شمع اس کا سر سہلا رہی تھیں۔ اسے باہر نکلتے دیکھا تو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ لیکن سنبل ان کو لفٹ ہی کب کرواتی تھی۔ جو اُن کی نظروں کا نوٹس لیتی۔
☆☆☆
ابا نے جانے کیا کہا کہ اس کے سسرال والے ایک ہفتے بعد آنے پر رضا مند ہوگئے۔ اس نے سکون کی سانس لی۔ یہ سکون عارضی تھا مگر اس کے لیے غنیمت تھا۔ وہ اس امید میں تھی کہ اس ہفتے فاران سے ضرور بات ہو جائے گی۔
ایک شام بالکل اچانک لائبہ چلی آئی اور آتے ہی سیدھی اس کے کمرے میں آ گئی۔
"لائبہ تم......اس طرح اکیلی......" وہ حیران ہی تو رہ گئی۔
"ہاں، تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس کا انداز اور لہجہ بہت اکھڑا ہوا سا تھا۔
"کیا بات کرنی ہے بیٹھو......"
"میں بیٹھنے نہیں، یہ کہنے آئی ہوں کہ تم فاران کا پیچھا چھوڑ دو۔"
"کیا......؟" وہ دھک سے رہ گئی۔
لائبہ نے اتنی غیر متوقع بات اس قدر دھڑلے اور اچانک سے کی تھی۔ وہ بھی کھلم کھلا اس نے ہڑ بڑا کر جلدی سے کمرے کا دروازہ لاک کیا۔
"ہاں، میری سسرال بہت پیسے والی ہے۔ وہ میرے بدلے فاران کو اپنا داماد بنانا چاہتے ہیں گھر میں سب راضی ہیں، بہتر ہوگا کہ اب تم بھی سنبھل جاؤ۔"
اس کے انداز میں اس قدر حقارت اور بے گانگی تھی کہ سنبل کی آنکھیں بے ساختہ نم ہوگئیں۔
"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں خود ہی ان کے پیچھے لگ گئی ہوں حالانکہ......"
"حالانکہ قصور وار میرا بھائی بھی ہے، میں جانتی ہوں لیکن اب وہ اس سارے تماشے کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ میں اسی لیے تم سے کہنے آئی ہوں۔"
"تماشا..میری محبت تماشا بن گئی؟" اس نے دل میں سوچا۔
"تم کیوں کہنے آئی ہو......اگر وہ مجھ سے اتنے ہی تنگ آ گئے ہیں تو خود کہیں ناں......" پھر اس نے بھی تڑخ کر بات کی۔
"خود کہے گا تو تمہیں زیادہ تکلیف ہوگی۔"
"تم میری تکلیف کی پروا مت کرو، اسے کہو ہمت ہے تو خود بات کرے مجھ سے۔" اس کی آواز بھرّا گئی۔ اس نے خود کو ضرورت سے زیادہ ہی بہادر بنا کر پیش کیا تھا مگر اب اور نہیں......وہ تیزی سے واش روم میں گھس گئی اور جب منہ دھو کر واپس آئی تو لائبہ جا چکی تھی۔
اس کا دل اتنا دکھا ہوا تھا کہ وہ یہ تک نہ پوچھ سکی کہ اتنی جلدی جانا تھا تو آئی کیوں تھی۔ شمع اسے ان ہی عجیب سی نظروں سے گھور رہی تھیں۔ جن سے اسے الجھن ہو رہی تھی۔
☆☆☆
"تمہارے ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سیف کے گھر والے آنے کا کہہ رہے ہیں، بہتر ہوگا کہ اگر تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو تم اپنے ابا کو خوش نظر آؤ۔ وہ تمہاری طرف سے بہت فکر مند ہیں۔ تم جانتی ہو ناں......ان کا بی پی شوٹ کر جاتا ہے ٹینشن سے اور تم نے فاران کا نام لے کر انہیں اچھی خاصی

ٹینشن دے دی ہے۔'' شمع اس سے بہت سخت لہجے میں بات کررہی تھیں۔ وہی لہجہ جو اپنی بات منوانے کے لیے اپنالیتی تھیں۔

''کاش آپ میری سگی ماں ہوتیں...... تو آج مجھے یہ سب نہ کہہ رہی ہوتیں۔''

''کیوں؟ ایسا کیا برا کہہ دیا میں نے تم سے۔ وہی بات کی ہے جو ایک ماں کو کرنی چاہیے کہ اپنے باپ کی تکلیف میں اضافہ مت کرو...... اور کیا۔'' وہ تنک گئیں۔

اس لڑکی نے ہمیشہ ہی انہیں مشکل میں ڈالے رکھا تھا۔ اب بھی فاران کا نام لے کر اس نے پہلے شمع اور پھر اپنے ابا کو پریشان کیا...... بعد میں صاف مکر گئی...... اسرار صاحب کے سامنے شمع کو شرمندگی ہوئی حالانکہ انہوں نے کچھ جتایا نہیں تھا۔

''اور یہ لائبہ کیوں آئی تھی اس دن؟'' انہوں نے اچانک سوال کیا سنبل اس سوال کے لیے تیار نہیں تھی۔ گڑبڑا سی گئی۔

''بس یونہی آئی تھی۔ ذرا دیر بیٹھی اور بس......''

''اگر اتنی سی دیر کے لیے آئی تھی تو فاران کو باہر سے ہی کیوں ٹہلا دیا تھا اس نے؟'' سنبل کے اوپر کوئی بم سا پھٹا۔

''کیا...... فاران؟...... فاران......؟'' اس سے آگے بولا ہی نہیں گیا۔

''ہاں فاران چھوڑنے آیا تھا اسے...... کیوں کیا ہوگیا؟''

سنبل جواب دینے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ اس کی رنگت فق ہوچکی تھی اور دماغ اپنے ٹھکانے پر نہیں تھا۔ شمع الجھی، الجھی سی اسے دیکھتی رہیں۔ پھر بڑبڑاتی ہوئی پلٹ گئیں۔

وہ اس لہجے اور اس انداز میں سنبل سے بات نہیں کرتی تھیں لیکن سنبل نے انہیں بے حد ستا کر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

وہ زندگی میں پہلی بار یوں بہانہ بنا کر گھر سے نکلی

تھی۔ اس نے شمع سے مارکیٹ جانے کے لیے کہا تھا۔ اور یہ بھی کہ وہ نبیل کو ساتھ بھیج دیں۔ شمع ایک روز بعد آنے والے سسرالیوں کے لیے تیاریوں میں مصروف تھیں۔ اس لیے زیادہ مباحثہ کے بغیر انہوں نے نبیل کو اس کے ہمراہ کر دیا۔

''دیکھو نبیل، میں ذرا دیر کے لیے پھپھو کے گھر جاؤں گی۔ تم پلیز امی کو اس بات کا پتا مت لگنے دینا۔'' اس نے بے حد رازدارانہ انداز میں اسے سمجھایا تھا۔

نبیل محض سر ہلا کر رہ گیا۔ سنبل دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد کرنے لگی۔ اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ نبیل واقعی اپنا منہ بند رکھے گا۔ ماں سے سامنا ہوتے ہی یا بعد میں باتوں، باتوں میں ان کو بتا دے گا کہ سنبل جھوٹ بول کر......

''فاران پاکستان میں موجود ہے، اور مجھے خبر تک نہیں۔'' جتنی بھی حیرت کی جاتی کم ہی ہوتی۔ کل تک اس کے ساتھ گھنٹوں باتیں کرنے والا اسے اپنے ساتھ شادی، محبت کے خواب دکھانے والا آج اتنا بیگانہ کیوں بن گیا تھا۔ آخر کیا وجہ ہوئی کہ وہ اس قدر بدل گیا...... ''اور یہ لائبہ کیا کہہ رہی تھی...... کیا فاران خود اسے گھر تک چھوڑنے آیا یہ...... یہ سب کہنے کے لیے...... اف میرے اللہ......''

اس کا دل کوئی بار، بار دھڑکنے سے روک کر مٹھی میں بھینچ لیتا...... سانس گھٹنے لگتی اور وہ بے طرح بے چین ہو جاتی۔ نبیل اتنا بھی ناسمجھ بچہ نہیں تھا...... وہ بغور سنبل کی بے چین کیفیت نوٹ کر رہا تھا۔ لیکن اپنے سے دس سالہ بڑی باجی سے اس کبھی اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ وہ کوئی بھی سوال کر سکتا۔

''تم اِدھر رکشے میں ہی بیٹھو...... میں ابھی آتی ہوں۔''

وہ صرف فاران کو اپنی شکل دکھانے آئی تھی۔ یہ جتانے کے لیے پاکستان آنے کی جو خبر وہ اس سے چھپانا چاہتا تھا۔ وہ اس کے علم میں آ چکی ہے۔ وہ واقعی ناسمجھ اور معصوم لڑکی تھی۔ شمع نے اس کی پرورش ہی ایسی کی تھی ورنہ اگر وہ ذرا بھی چالاک ہوتی تو خود ہی سمجھ جاتی کہ اگر فاران کو اپنی آمد کی پردہ پوشی کرنی ہوتی۔ تو وہ کبھی لائبہ کو لے کر ان کے گھر چھوڑنے نہ آتا۔ کسی لڑکے سے کمرا بند کر کے گھر والوں سے چھپ کر باتیں کر لینا بہت آسان تھا لیکن اس کی باتوں کی سچائی کو پرکھنا کم از کم سنبل جیسی لڑکی کے لیے تقریباً ناممکن تھا۔ تبھی قدرت اس کے سامنے حقیقت واضح کرنے کے لیے خود ہی اسے وہاں تک کھینچ لائی تھی۔

لاؤنج کا دروازہ معمولی سا کھلا ہوا تھا۔ اور لائبہ کی تیز آواز باہر تک آ رہی تھی۔

''میرا نہیں خیال وہ اتنی آسانی سے چپ بیٹھے گی۔''

''اب تم نے صاف، صاف کہہ دیا ناں کہ میرا کوئی انٹرسٹ نہیں اس میں تو چپ بیٹھنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں بچے گا اس کے پاس۔'' یہ فاران کی آواز سی تھی۔

سنبل کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ فاران کی آواز اور اس کی بات دونوں ہی ناقابلِ یقین تھیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تم سیریس تھے ہی نہیں...... تو اسے دو سال تک بے وقوف کیوں بنائے رکھا۔'' لائبہ بول رہی تھی اور فاران کا جواب جاننے کے لیے اس کا پورا وجود سماعت بن گیا۔

''میں صرف مامی کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ بہت تکلیف ہوتی تھی ناں انہیں میرے وہاں جانے سے ...... میں ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ لاکھ پہرے بٹھائیں سنبل کبھی ان کے اختیار میں نہیں آئے گی۔ اب پتا چلے گا ناں انہیں...... جب میں اسے فون کروں کہ جس لڑکی کو انہوں نے اپنے تئیں سات پردوں میں چھپا کر رکھا تھا وہ کتنی بڑی ایکٹریس اور کتنی باکردار و باحیا لڑکی ہے۔'' فاران کی آواز میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت تھی...... تحقیر ہی تحقیر، حقارت ہی حقارت...... یہ وہی فاران تھا جو چند ہفتے پہلے تک اس کی محبت کا دم بھرتا تھا۔ اس کی اپنی ماں کے خلاف اس کے کان بھرتا...... زہر اگلتا اور اسے مستقل شمع کے خلاف اکساتا ہی رہتا تھا۔

آج اسے سمجھ آرہی تھی کہ شمع نے برسوں پہلے گھر میں اس کا داخلہ بند کر کے کتنی دور اندیشی سے کام لیا تھا...... یہ تو وہ خود ہی تھی...... حاسد، کم عقل اور عاقبت نا اندیش...... جس نے اس شخص کو اپنے بیڈ روم تک میں گھسا لیا...... جس کا داخلہ دہلیز کے اندر ہی ممنوع ہو چکا تھا۔

فاران نے صرف اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اسے استعمال کیا تھا اور بس......

''تم جب گئی تھیں تو اس کے فون کی رنگ ٹون آن کر دی تھی ناں......'' فاران لائبہ سے کیا پوچھ رہا تھا۔

سنبل سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل تھا۔ یوں لگ رہا تھا ابھی کھڑے، کھڑے گر کر ختم ہو جائے گی۔ لیکن نہیں...... ابھی تو بہت کچھ ہونا باقی تھا۔ ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے لاؤنج کے دروازے کا ہینڈل چھوڑا اور الٹے سیدھے پڑتے قدم لے کر باہر بھاگی۔ جہاں رکشے میں اس کا بھائی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ بھائی جس کی طرف اس نے کبھی پیار بھری ایک نگاہ نہیں ڈالی تھی۔ آج وہی چھوٹا سا بچہ اسے اپنا سہارا سا محسوس ہو رہا تھا۔

تمام راستہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ نبیل تعجب سے اسے دیکھتا رہا مگر وہ اس سے سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اور کر بھی لیتا تو سنبل کے پاس بھلا کوئی جواب تھا کہاں......؟

☆☆☆

محبت کی حدوں کو پا گئی ہوں
میں اُس کے در سے واپس آگئی ہوں

لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ گھر میں قدم رکھتے وقت اس نے شدت سے دعا کی کہ اس کا امی سے سامنا نہ ہو...... وہ وقت شاید دعا کی قبولیت کا تھا۔ جبھی وہ سیدھی اپنے کمرے میں آگئی۔ دروازہ لاک کرنے سے پہلے وہ نبیل کو بلا کر منہ بند رکھنے کی ہدایت کرنا نہیں بھولی تھی۔

دروازے کو لاک کر کے اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ بیڈ پر گر کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

''میرے اللہ...... میں کتنی اندھیروں میں تھی، مجھ سے کیسی بھول ہوئی۔'' وہ رو رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی اور پچھتا رہی تھی۔

فاران سے خفیہ تعلق رکھنے کا پچھتاوا...... اپنی ماں کو ہمیشہ غلط سمجھنے کا پچھتاوا...... پھپھو اور ان کے بچوں پر اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر دوسروں کو قابلِ بھروسا جاننے کا اور سب سے بڑھ کر اپنے باپ کو دھوکا دینے کا......کون، کون سے پچھتاوؤں... اور افسوس کے اژدہے اسے نگلنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

کافی دیر رو چکنے کے بعد کسی خیال نے اسے کرنٹ مارا۔

''فون...... کہاں ہے فون...... لائبہ نے اسے سائلنٹ موڈ پر سے ہٹا دیا۔ لیکن، کب...... کیا وہ یہ کرنے کے لیے آئی تھی اور اتنے دن فاران سے رابطہ نہیں ہوا اس لیے میں نے فون کو دیکھا تک نہیں؟ لیکن لیکن فون ہے کہاں......'' اس نے تکیے الٹ پلٹ کیے سائڈ ٹیبل کی درازیں اور پھر پورا کمرا چھان مارا فون کہیں نہیں تھا اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور شمع نے اسے پکارا۔

''آ...... آ...... رہی ہوں۔''

اس نے جلدی سے واش روم میں جا کر منہ دھویا...... گو کہ اتنی دیر گریہ و زاری کے نشانات اتنی جلدی مٹنے والے نہ تھے لیکن...... وہ جانتی تھی شمع کو فضول کا تجسس اور سوالات کی بھرمار کرنے کی عادت نہیں تھی۔ تولیے سے چہرہ خشک کر کے اس نے بکھرے بال سمیٹے اور دروازہ کھول دیا۔

سامنے ہی شمع کھڑی تھیں...... ہاتھ میں اس کا فون لیے اس کی تو جان ہی نکل گئی۔

''بس یہی ذلت باقی رہ گئی تھی۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

''یہ فون شاید لائبہ کا ہے، اس دن آئی تھی ناں...... تبھی چھوڑ گئی ہوگی۔ چارجنگ نہیں تھی بند پڑا ہے، تم رکھ لو بعد میں دے دینا۔''

اس کی اڑی ہوئی رنگت اور کھلے ہوئے منہ کو خاطر میں لائے بغیر وہ مسکراتے ہوئے بات مکمل کر کے واپس مڑ گئیں۔

وہ فون ہاتھ میں پکڑے وہیں کھڑی رہ گئی۔ خدا نے اس کی جاتی ہوئی عزت رکھ لی تھی۔

دروازہ بند کر کے اس نے ایک سکون بھری گہری سانس لی۔ پھر ہاتھ میں پکڑا فون پوری طاقت اور نفرت سے کارپٹ پر دے مارا...... اور خود وہیں بیٹھ کر پھر سے رونے لگی۔

☆☆☆

چند دن اور آگے سرکے تھے اور اس کے اندر آنے والی ایک نمایاں تبدیلی کو سب نے محسوس کر لیا تھا۔

وہ بے حد مطمئن اور پُرسکون دکھائی دینے لگی تھی۔ ایک بے حد پُروقار اور سادہ دعوت میں اس کے منگیتر اور گھر والوں کو بلا کر شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ اس نے کھانے میں موجود تمام ڈشز بطورِ خاص اپنے ہاتھوں سے تیار کیں اور سب سے داد وصول کی۔ وہ ایک دن پہلے سے کام کاج، گھر کی صفائی ستھرائی میں لگ گئی۔ اور پھر دعوت والے دن بھی صبح سے اور مہمانوں کے جانے کے بعد بھی کچن میں شمع کا ہاتھ بٹاتی رہی۔ بالکل آخر میں جب وہ دھلے برتن سلیب پر ایک ترتیب سے رکھ رہی تھی تاکہ صبح تک پانی خشک ہو جائے اور وہ انہیں کیبنٹس میں رکھ سکے۔ تب شمع کچن میں داخل ہوئیں۔

''بس کرو دستبل بیٹا اب...... تھک گئی ہو۔ جا کر سو جاؤ چائے بنا رہی ہوں۔ تمہارے لیے بھی رکھ دوں......؟'' وہ بے حد محبت سے اس کے پاس آ کر بولیں۔ پھر ایک دم اس کی پیشانی چوم لیں۔

''ماشاء اللہ سے آج تو میری بیٹی کی چھب ہی نرالی تھی۔ اس قدر خوب صورت لگ رہی تھی میری بیٹی......'' شمع اس سے ہمیشہ اسی طرح میری بیٹی اور میرا بیٹا کہہ کر بات کرتی تھیں مگر اس سے پہلے وہ ان محبت بھرے کلمات کو ہمیشہ دکھاوے اور ڈھکوسلے کا نام دیتی آئی تھی۔

آج اس کی آنکھیں کھلی تھیں تو ہاتھوں میں سوائے شرمندگی اور ندامت کے کچھ باقی نہیں رہا تھا۔

''آپ چلیں امی...... میں لے کر آتی ہوں چائے۔'' اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

☆☆☆

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ شمع کو ہر بات صاف، صاف بتا دے گی۔ کس طرح اس نے دو سال تک فاران سے تعلق رکھا اور بعد میں اس نے اسے دھوکا دیا۔ وہ اپنی ہر غلطی کا اعتراف کر کے ان سے معافی مانگ لے گی۔ تبھی جب روزانہ کی طرح شمع اس کے لیے رات میں دودھ کا گلاس لے کر آئیں تو اس نے انہیں کمرے میں ہی روک لیا۔

''میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ مجھے معاف کر دیں امی...... ہر اس غلط فہمی کے لیے جو میں نے جان بوجھ کو آپ کے خلاف دل میں رکھی اور ہر اس بدتمیزی کے لیے جو......'' وہ دھیرے، دھیرے ان سے سب کچھ کہتی چلی گئی کہ...... کس طرح فاران دو سال تک اسے بے وقوف بناتا رہا...... اور وہ بنتی رہی۔ اس نے ان کو اور ابا کو اندھیرے میں رکھا۔ اور فاران کی چھوٹی باتوں پر یقین کر کے دل میں عناد پالا۔

آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے بہتے رہے لیکن اس نے بات ادھوری نہیں چھوڑی۔

''وہ مجھ سے جو بھی بات کرتا رہا میں اس پر یقین کرتی رہی۔ اور یہ فون یہ بھی میرا نہیں...... لائبہ کا نہیں...... اسی کا دیا ہوا فون تھا۔ اُف امی...... پلیز مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی۔'' شمع کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ انہوں نے اس کے آنسو پونچھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''اسی لیے تو کہتے ہیں کہ ماں، باپ کے علاوہ

اور کوئی اولاد کا ان سے بڑھ کر بھلا نہیں چاہ سکتا اگر تم مجھ پر نہ سہی اپنے ابا پر اعتماد کرلیتیں تو نوبت یہاں تک نہیں آتی خیر...... اب بھی شکر ہوا کہ تم نے بروقت اس کی باتیں سن لیں...... تمہیں سچائی کا پتا چل گیا۔ اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں۔'' وہ دھیرے، دھیرے اس کا سر سہلاتی رہیں...... انہیں اپنی اس بیٹی سے بالکل سگی اولاد کی طرح پیار تھا۔ انہوں نے اسے پیدا نہیں کیا تھا۔ پیدائش کے فوراً بعد اسے گود نہیں لیا تھا، نہ گھٹی پلائی تھی نہ شہد چٹایا تھا...... لیکن انہوں نے اسے اس عمر میں پایا تھا جب لڑکیاں سمجھ داری کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھنے کے لیے کسی پُراعتماد سہارے کی متلاشی ہوتی ہیں اور یہ ہاتھ ایک ماں سے بڑھ کر بھلا اور کس کا ہوسکتا ہے۔

شمع چونکہ خود بہت چھوٹی عمر میں اپنی ماں سے محرومی کا دکھ جھیل چکی تھیں۔ اس لیے انہیں سنبل کی شکل میں اپنا عکس دکھائی دیتا تھا۔ وہ سنبل کو ان تمام محرومیوں سے بچا کر رکھنا چاہتی تھیں جو خود انہوں نے دیکھی تھیں۔ وہ اسے کسی احساسِ کمتری کا شکار نہیں بنانا چاہتی تھیں لیکن افسوس سنبل کے کچے ذہن میں ان کی محبتوں کے بجائے دوسروں کے حاسد رویوں نے زیادہ جلدی اپنا رنگ چڑھا لیا لیکن شکر تھا کہ آج یہ رنگ اتر گیا تھا۔ ان کی بیٹی کے دل کے آئینے میں ان کا عکس جھلملا رہا تھا۔

''امی ایک بات پوچھوں؟ لیکن آپ کوئی غلط مطلب نہیں لیجیے گا۔''

''میں نے پہلے کبھی تمہاری کسی بات کا مطلب غلط لیا ہے کیا۔''

''جب میرے لیے یہ رشتہ آیا تو تب پھوپھی تو فاران کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ تب آپ نے کیوں انکار کردیا تھا؟'' شمع اس کی بات سن کر مسکرا دیں۔

''تمہارا رشتہ پھپھو نہیں لائی تھیں بلکہ تمہارے ابا نے پھپھو سے تمہارے اور فاران کے رشتے کی خود بات کی تھی کیونکہ وہ چاہتے تھے تم بیاہ کر اپنی پھپھو کے

گھر جاؤ۔''

سنبل کا منہ کھل گیا۔ اس سے حیرت کے مارے بات مکمل نہیں کی گئی۔

''لیکن شگفتہ آپا نے تب ہی انکار کردیا تھا...... اور میں نے ان سے کہا بھی کہ سنبل بہت سگھڑ اور سلیقہ مند لڑکی ہے...... آپ کو باہر سے ایسی محبت کرنے والی بہو شاید ہی مل سکے۔''

''لیکن، لیکن...... فاران نے تو مجھ سے کہا تھا کہ پھپھو رشتہ لائی تھیں اور...... آپ نے......''

''ہاں وہ رضامند ہوگئی تھیں...... لیکن پھر انہوں نے ایک ایسی شرط رکھی کہ مجھے ہی انکار کرنا پڑا۔''

''کیسی شرط......؟''

شمع ایک گہری سانس لے کر اس کی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کو تکنے لگیں۔

''انہوں نے کہا کہ اگر یہ گھر ہم تمہارے نام کردیں تو وہ تم کو بہو بنائیں گی۔''

''کیا......؟'' سنبل کے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''اتنی خود غرضی، اتنی لالچ۔ امی...... سگے رشتوں میں؟'' وہ ایک بار پھر شمع کے سینے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

''اسی لیے تو کہتے ہیں رشتے جذبات سے بنتے ہیں۔ احساس سے بنتے ہیں۔ خون سے نہیں...... سگا، سوتیلا کچھ نہیں ہوتا...... خون سفید ہوجائے تو اولاد ماں، باپ کو نہیں پہچانتی اور بھائی، بھائی کو کچھ نہیں سمجھتا۔''

شمع کی آواز ان کی آنکھوں کی طرح نم ہوگئی۔ جانے کیوں ان کی آواز میں کوئی انجانے سے دکھ بولنے لگے تھے۔

''لیکن مجھے خوشی ہے کہ میری بیٹی نے میرے خلوص اور محبت کو پہچان لیا۔'' ان کا لہجہ بشاش ہوگیا۔ سنبل انہیں دیکھ کر مسکرادی اور انہوں نے دھیرے اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔



ہمارے شمع ہدایت کی

اختر شجاعت

قرآن حکیم ...... وحی الٰہی

تمام تر حمد و ثنا اللہ رب العزت کے لیے ہے جو تمام کائنات کا خالق، مالک اور رزاق ہے...... اے اللہ تو نے ہمیں وہ کتاب عطا کی جسے تو نے نور بنا کر اتارا اور تمام کتب سماویہ پر اسے گواہ بنایا...... اور ہر اس کلام پر جسے تو بیان فرمایا اسے فوقیت بخشی۔ جس کے ذریعے حلال و حرام الگ، الگ کر دیے...... وہ قرآن جس کے ذریعے شریعت کے احکام واضح کیے وہ کتاب وہ وحی آسمانی جسے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا...... جسے وہ نور بنایا جس کی پیروی سے ہم گمراہی و جہالت کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرتے ہیں اور اس شخص کے لیے شفا قرار دیا جو اس پر اعتقاد رکھتے ہوئے اسے سمجھنا چاہے اور خاموشی کے ساتھ اسے سنے جو اس کے سیدھے راستے پر چلنے کا ارادہ کرے وہ گمراہ نہیں ہوتا۔ بارالٰہا! جبکہ تو نے ہمیں اس کی (قرآن) تلاوت کے سلسلے میں مدد فرمائی اس کی حسن ادائیگی کے لیے ہماری زبان کی گرہیں کھول دیں تو پھر ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو اس کی پوری طرح حفاظت و نگہداشت کرتے ہیں۔

اے اللہ......! تو نے اسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اجمال کے طور پر اتارا اور اس کے عجائب و اسرار کا پورا، پورا علم انہیں عطا کیا...... اے اللہ! جس طرح تو نے ہمارے دلوں کو قرآن کا حامل بنایا اور اپنی رحمت سے اس کے فضل و شرف سے آگاہ کیا...... اور یوں محمدؐ پر جو قرآن کے خطبہ خواں اور انؐ کی آل پر رحمت نازل فرما...... آمین۔

اے اللہ! قرآن کے ذریعے گناہوں کا بھاری بوجھ ہمارے سر سے اتار دے...... (آمین)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے انتہا محبت کرتا ہے اسی لیے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے قرآن حکیم جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایسا مظہر ہے جس کی مثال اس کائنات میں نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے کہ......

''یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔''
(سورۂ بقرہ)

قرآن حکیم کتاب اللہ قرأت اور تلاوت کی جانے والی وہ کتاب جو کتبِ سابقہ کا حاصل ہے۔ تمام علوم کا مجموعہ...... وہ کتاب جس کا اولین تعارف یہ ہے کہ ہدایت ہے جس کی ہدایات و احکام حکمت اور دانائیِ رب کا مظہر ہیں۔

وہ کتاب جو حقائق کو روشن کرے...... خیر و برکت والی کتاب، اہلِ ایمان کو روشنی عطا کرنے والی کتاب...... اللہ کا نور اور اللہ کی معرفت عطا کرنے والی کتاب...... صراط مستقیم بتانے والی کتاب...... حق و باطل کو الگ کرنے والی کتاب...... دوسری آسمانی کتابوں کو اپنے اندر محفوظ رکھنے والی کتاب......

قرآن حکیم کو قولِ رسولؐ بھی کہا گیا ہے...... قرآن حکیم اللہ جل جلالہ کا وہ عظیم کلام ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوا۔

وہ عظیم کلام جس کے لیے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ''جب میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے باتیں کروں تو میں نماز پڑھتا ہوں اور

جب چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کلام کرے تو میں قرآن حکیم پڑھتا ہوں۔''

☆☆☆

قرآن حکیم علم و دانش کا خزانہ ہے اور ہدایت و نصیحت کا پروانہ...... اپنی خصوصیات میں دو عالم میں یکتا و یگانہ...... اس کا نازل ہونا...... اس کا لکھا جانا، اس کا پڑھا جانا، اس کا جمع کیا جانا، اس کا محفوظ کیا جانا...... اس کا دیکھتے ہی دیکھتے پھیل جانا...... اس کا ہر دل میں گھر کر جانا...... اس کا انسانی علم و دانش پر چھا جانا...... دنیا کی... بے شمار زبانوں میں اس کی تفسیریں لکھے جانا...... اس کے ترجمے کیے جانا...... اس کا ادب و احترام، اس کا فضل و کمال سب عجیب سے عجیب تر ہے۔

دنیا کی کوئی کتاب قرآن حکیم کی کسی بھی خصوصیت کا مقابلہ نہیں کرسکتی...... اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن حکیم پڑھنے والا جب قرآن پڑھتا ہے تو اس کی زبان پر خدا کا کلام جاری ہوتا ہے۔ وہ زمین سے اٹھتا ہے اور آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ زبان غلام کی اور کلام آقا و مولیٰ کا۔

اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... ''جب تمہارا خدا سے باتیں کرنے کو جی چاہے تو قرآن پڑھا کرو......''

''اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت بقیہ کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی اپنی ادنیٰ ترین مخلوق پر......''

''اس قرآن کریم میں تمہارے مسائل کا حل موجود ہے۔''

''کثرتِ تلاوت سے یہ قرآن حکیم کبھی پرانا نہیں ہوگا۔''

''تم میں سے بہترین وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔''

☆☆☆

قرآن حکیم ایک خوانِ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسان کے لیے بچھایا گیا ہے۔ اب جس کا جی چاہے اس سے فائدہ اٹھائے...... میزبان بے نیاز ہے جو کچھ ہے مہمان ہی کے لیے ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

''انسانی قلوب ظروف ہیں، ان کو قرآن سے بھر دو اور قرآن کے علاوہ کسی چیز سے نہ بھرو۔''

''بے شک یہ قرآن اللہ کا دستر خوان ہے جو کچھ اس سے سیکھنا چاہے تو ضرور سیکھیے بلاشبہ وہ گھر خیر سے بالکل خالی ہے جس میں اللہ کی کتاب کا کوئی حصہ نہ ہو...... اس کی مثال ایسے ویرانے کی سی ہے جس کا کوئی آباد کرنے والا نہ ہو......

تو آئیں اس عظیم الشان کلام کے بارے میں کچھ جاننے کی کچھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن کریم کے پانچ حقوق ہیں یا احکامات ہیں۔

1۔ قرآن حکیم پر ایمان لانا۔
2۔ آدابِ تلاوت کرنا۔
3۔ تفہیم قرآن، سمجھنا، جاننا۔
4۔ عمل کرنا۔
5۔ تبلیغ...... اس کو دوسروں تک پہنچانا۔

قرآن حکیم جس زبان میں نازل ہوا ہے وہ ام القریٰ کی عربی معلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کو فصاحت و بلاغت کا ایک لافانی معجزہ بنادیا ہے۔ ہمارے پاس جو کلام پاک موجود ہے وہ بالکل اسی طرح اور اسی حالت میں ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں تھا۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے سامنے تمام آیات اور سورتوں کو ترتیب دلوایا تھا...... جب کوئی سورت نازل ہوتی آپؐ فرماتے کہ اس سورت کو فلاں جگہ رکھو...... بعد میں کتابی صورت میں حضرت عثمان غنیؓ نے اس کو شکل دی۔

پوری کتاب (قرآن) کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ اس میں اپنی جگہ سے کچھ بھی نہیں ہٹایا جاسکتا...... نہ سورۂ کو نہ آیت کو نہ ہی کسی لفظ کو...... اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

قرآن حکیم ایک ہی قدر کی رات میں لوحِ محفوظ سے پہلے آسمان پر اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے 23 سال میں نازل ہوا۔

قرآن کریم کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حجاز کے علاقے میں ہوا۔ قرآن کریم وہ اللہ کا عظیم کلام یا وحی الٰہی ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہوا۔

☆ قرآن حکیم کے پاروں کی تعداد...... 30 ہے۔

☆ قرآن حکیم میں سورتوں کی تعداد...... 114 ہے۔

☆ قرآن حکیم میں منزلوں کی تعداد...... 7 ہے۔

☆ قرآن حکیم میں آیات کی تعداد...... 6236 ہے۔

☆ قرآن حکیم میں کل تعداد رکوع کی 558 ہے۔

☆ قرآن حکیم کی آیاتِ سجدہ کی تعداد 14 ہے۔

☆ قرآن حکیم کی مکی سورتیں 86 اور مدنی سورتیں 28 ہیں۔

مکی سورتوں میں عموماً ایمانیات، اخلاقیات انبیا اور ذکرالٰہی کا بیان ہے۔ جبکہ مدنی سورتوں میں غزوات، قتال، احکامات، نفاق معاملات کا ذکر ہے۔

☆ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات آسمانوں پر معراج کی رات میں عطا کی گئیں۔

☆ قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ (سورۂ حجر۔9)

☆ دورِ حضرت ابوبکر صدیقؓ میں قرآن حکیم کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا اور دورِ عثمان غنیؓ میں ایک متفقہ رسم الخط پر جمع کیا گیا۔

☆ قرآن حکیم کے سب سے پہلے حافظ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں...... قرآن حکیم کا سب سے پہلا ترجمہ فارسی زبان میں ہوا تھا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تفسیر قرآن کا امام کہا جاتا ہے۔

☆ قرآن حکیم میں دو طرح کی آیات ہیں۔

1۔ محکم 2۔ متشابہات

محکمات: یہ وہ آیتیں ہیں جن کے معنی واضح ہیں جبکہ۔

متشابہات: یہ وہ آیات ہیں جن کے معنی ہم پر واضح نہیں...... مثلاً اللہ کی کرسی...... اللہ کا چہرہ...... اللہ کا ہاتھ......

☆ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

☆ قرآن حکیم میں سب سے بہترین قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو قرار دیا گیا ہے۔

☆ سورۂ مریم قرآن حکیم کی وہ واحد سورت ہے جو ایک خاتون کے نام پر ہے۔

☆ قرآن حکیم کی 29 سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔

☆ حضرت زید بن حارثؓ وہ صحابی ہیں جن کا نام قرآن حکیم میں آیا ہے۔

☆ سورۂ مجادلہ پارہ 28 کی ہر آیت میں لفظ اللہ آیا ہے۔

☆ قرآن حکیم میں چھ یا سورتیں انبیا کے ناموں پر ہیں...... سورۂ یونسؑ...... سورۂ ہودؑ، سورۂ یوسفؑ، سورۂ ابراہیمؑ، سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سورۂ نوحؑ۔

☆ قرآن حکیم کے ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں...... یعنی الم میں ا پر دس ل پر دس م پر دس...... یعنی 30 نیکیاں ملیں گی۔

☆ قرآن حکیم کی ایک آیت کو سمجھنا 100 رکعات نفل نماز سے افضل ہے۔

☆ قرآن حکیم کی پہلی مکمل نازل ہونے والی سورت سورۂ فاتحہ ہے۔

☆ حروف مقطعات کی تعداد 14 یہ وہ حروف ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ نے نہیں بیان کیے......

تو نوٹ کیجیے کہ وہ قرآن حکیم کی تلاوت پر ثواب ضرور ملے گا مگر ترجمہ، تفسیر سمجھنے سے ہدایت ملے گی...... اور یہ ہدایت قرآن حکیم ہی کرے گا اسی کلام ربانی سے ہدایت ملے گی، اس کلام کے مطالب کی وسعت، حکمت و گہرائی تک رسائی ہر فرد کی اپنی ذہنی اور فکری حیثیت اور اس کے مقام کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی مکمل تشریح ایک ہی ذاتِ مقدسہ کی زندگی ہے...... جو قولاً فعلاً عملاً اور نوراً ان آیات کی آئینہ دار ہے...... اور یہ عظیم ہستی مقدسہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے...... انؐ ہی کے وسیلے سے، ان ہی کی اتباع اور ان ہی کی محبت سے اسرار قرآن کھلتے ہیں...... تو قرآن وہ ہے جو صاحبِ قرآن سے ملائے اور صاحبِ قرآن وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اللہ سے ملائیں۔

☆☆☆

قرآن پاک کا کلام گویا اللہ تعالیٰ کا خط ہے اپنے بندوں کے نام...... حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں...... کہ ”جو لوگ تم سے پیشتر تھے وہ قرآن حکیم کو نامہ سمجھتے تھے جو اللہ

تعالیٰ کی طرف سے انہیں پہنچا...... رات کو وہ اس پر غور کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے اور تم نے اس کا درس اختیار کرلیا ہے کہ اس کے حروف و اعراب کو درست کرتے ہو اور اس کے احکام پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہو۔" آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ حق سبحانہ کا یہ فرمان ہے کہ "جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں۔"

ارشاد نبویؐ ہے کہ "میری امت کی افضل ترین عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔"

حضرت ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ "قرآن کریم ضرور پڑھا کرو اور ان لٹکے ہوئے صحائف سے دھوکا مت کھاؤ اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب نہیں دے گا جس کے سینے میں قرآن ہو......" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "جب تم علم حاصل کرنا چاہو تو قرآن سے ابتدا کرو اس لیے کہ قرآن کریم میں اولین و آخرین کا علم ہے۔" حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ "قرآن حکیم کی ہر آیت جنت کا ایک درجہ ہے اور تمہارے گھروں کا چراغ ہے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر اپنے رہنے والوں پر وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کی برکتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اس میں ملائکہ آتے ہیں اور شیطان نکل جاتے ہیں۔ اور جس گھر میں اللہ کی کتاب نہیں پڑھی جاتی وہ گھر اپنے رہنے والوں کے لیے تنگ ہو جاتا ہے۔ اس کی برکتیں کم ہو جاتی ہیں۔ اس سے ملائکہ نکل جاتے ہیں اور شیطان آجاتے ہیں۔"

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے ارشاد فرمایا...... کہ "حافظ قرآن اسلام کا علمبردار ہوتا ہے۔ قرآن کی عظمت اور تقدس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لہو سہو اور لغو کاموں میں مشغول نہ ہو۔" حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ "جب کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو فرشتے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہیں۔"

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم! قرآن سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور قرآن کے بعد کوئی حاجت نہیں۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تین اعمال ایسے ہیں جن سے حافظہ بڑھتا ہے اور بلغم ختم ہو جاتا ہے۔

1۔ مسواک کرنا۔

2۔ روزہ رکھنا۔

3۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔

ایک عالم دین کہتے ہیں کہ "جب کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور درمیان میں بات چیت بھی کرتا رہتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے ہمارے کلام سے کیا تعلق؟"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "جو شخص نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے اسے ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں حاصل ہوں گی۔ اور جو شخص نماز میں بیٹھ کر قرآن پاک پڑھے اسے ہر حرف کے عوض پچاس نیکیاں ملیں گی۔ اور جو شخص نماز نہ پڑھنے کی حالت میں باوضو ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے اسے پچیس نیکیاں حاصل ہوں گی۔ رات کا قیام افضل ترین عبادت ہے۔ اس لیے کہ رات کو یکسوئی ہوتی ہے اور دل ہر طرح کے تفکرات سے آزاد ہوتا ہے۔"

حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ "سجدوں کی کثرت دن میں ہوتی ہے اور طول قیام رات میں ہوتا ہے۔" حضور اقدس کا مبارک فرمان ہے کہ "جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی۔"

حضور اقدس کا ارشاد ہے کہ "جو شخص قرآن شریف پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کو ایک تاج پہنایا جائے گا جو نور سے بنا ہوا ہوگا اور اس کے والدین کو ایسے دو جوڑے پہنائے جائیں گے کہ تمام دنیا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی...... وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ! یہ جوڑے کس صلے میں ہیں تو ارشاد ہوگا کہ تمہارے بچے کے قرآن شریف پڑھنے کے عوض۔"

حدیث مبارکہ ہے کہ "جو شخص اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف سکھلا دے اس کے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو شخص حفظ کرائے اس کو قیامت میں چودھویں رات کے چاند کے مشابہ اٹھایا جائے گا اور

اس کے بیٹے سے کہا جائے گا کہ پڑھنا شروع کر جب بیٹا ایک آیت پڑھے گا باپ کا ایک درجہ بلند کیا جائے گا حتیٰ کہ اسی طرح پورا قرآن شریف ہو۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا...... حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔"

"جو شخص اٹک، اٹک کر قرآن پاک پڑھتا ہے اسے ڈہرا ثواب ملتا ہے۔"

☆☆☆

حدیث مبارکہ ہے کہ "محافل قرآنی پر ہونے والی پہلی برکت یہ ہے کہ اللہ کے فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں...... دوسری برکت یہ ہے کہ اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے...... تیسری برکت یہ ہے کہ ان پر سکینت طاری ہوتی ہے...... اور چوتھی برکت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا ذکر اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے فرماتا ہے۔"

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "قرآن شریف کو سیکھو پھر اس کو پڑھو اس لیے کہ جو شخص قرآن شریف سیکھتا ہے اور پڑھتا ہے اور تہجد میں اس کو پڑھتا ہے اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو...... اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور جس شخص نے سیکھا اور پھر سو گیا اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی ہے جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے۔"

حضور اقدسؐ کا مبارک فرمان ہے کہ "کلام اللہ شریف کا حفظ پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور قرآن پاک میں دیکھ کر پڑھنا دو ہزار تک بڑھ جاتا ہے۔"

دل کی مثال ایک آئینے کی سی ہے جس قدر وہ دھندلا ہوگا معرفت کا انعکاس اس میں کم ہوگا اور دل کا آئینہ جس قدر صاف اور شفاف ہوگا اسی قدر اس میں معرفت کا انعکاس واضح ہوگا...... گناہوں کی کثرت اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کی وجہ سے دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو پانی لگ جانے سے زنگ لگ جاتا ہے۔ اور کلام پاک کی تلاوت اور موت کی یاد ان کے لیے صیقل (صفائی) کا کام دیتا ہے۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے پوچھا گیا کہ ان کی صفائی کی کیا صورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔"

آقائے دو جہان کا فرمان ہے کہ "جن گھروں میں کلام پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ مکانات آسمان والوں کے لیے ایسے چمکتے ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لیے آسمان پر ستارے۔"

حدیث میں متعدد جگہ اس کی ترغیب آتی ہے کہ "اچھی آواز سے قرآن شریف کو مزین کرو۔" ایک جگہ ارشاد ہے کہ "اچھی آواز سے کلام اللہ شریف کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔"

☆☆☆

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ کے نواح میں جا رہے تھے ایک جگہ فساق کا مجمع ایک گھر میں جمع تھا وہاں ایک گویا جس کا نام زاذان تھا گا رہا تھا اور سارنگی بجا رہا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی آواز سن کر ارشاد فرمایا۔

"کیا ہی اچھی آواز تھی اگر قرآن شریف کی تلاوت میں ہوتی۔" اور پھر اپنے سر پر کپڑا ڈال کر گزرتے چلے گئے...... زاذان نے ان کو بولتے ہوئے دیکھا تو لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی ہیں...... اور یہ ارشاد فرما گئے ہیں اس پر اس بات کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ حد نہیں...... قصہ مختصر وہ اپنے سب آلات توڑ کر حضرت ابن مسعودؓ کے پیچھے لگ گئے اور پھر علامۂ وقت ہوئے۔

متعدد روایات میں اچھی آواز سے تلاوت کی تعریف آئی ہے مگر اس کے ساتھ ہی گانے کی آواز میں پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا...... "قرآن والو! قرآن

جیسا کہ اس کا حق ہے کلام پاک کی اشاعت کرو اور اس کو اچھی آواز سے پڑھو اور اس کے معنی میں تدبر کرو تاکہ تم فلاح کو پہنچو اور اس کا بدلہ (دنیا میں) طلب نہ کرو..... کہ آخرت میں اس کے لیے بڑا اجر و بدلہ ہے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا..... کہ "جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کے لیے دو چند نیکی لکھی جاتی ہے اور جو تلاوت کرے اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔"

کلام پاک کا سننا بھی بہت اجر رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس کو پڑھنے سے بھی افضل بتلایا ہے..... حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ حضور اقدسؐ منبر پر تشریف فرما تھے..... ارشاد فرمایا..... "مجھے قرآن شریف سنا....." میں نے عرض کیا..... کہ حضور اقدسؐ پر تو خود نازل ہوا ہے..... حضور کو کیا سناؤں..... ارشاد ہوا کہ "میرا دل چاہتا ہے کہ سنوں....." اس کے بعد انہوں نے سنایا تو حضور اقدسؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

☆☆☆

بندے کو چاہیے کہ تلاوت میں مشاہدہ کرے کہ وہ کلام اللہ کی تلاوت کے ذریعے اپنے آقا (رب) سے مخاطب ہے..... اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کا متکلم ہے اور اس نے بندے کی زبان پر اپنا ذکر و وصف ایک حد تک جاری کیا تاکہ اسے بھی کچھ مل جائے..... حضرت امام جعفر صادقؓ فرماتے ہیں کہ "اللہ کی قسم! اللہ عزوجل نے اپنے کلام میں مخلوق کے لیے جلوہ افروزی فرمائی مگر لوگ دیکھتے ہی نہیں....." ایک بار حالتِ نماز میں آپؓ پر غشی طاری ہوگئی اور گر گئے۔ جب آپؓ کو ہوش آیا تو اس کا سبب پوچھا تو فرمایا..... "میں اپنے دل میں ایک آیت بار، بار پڑھتا رہا آخر میں نے متکلم سے یہی آیت سنی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھ کر میں اپنے جسم پر قابو نہ رکھ سکا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ "حافظ قرآن کو مناسب ہے کہ جب لوگ سوئے پڑے ہوں تو یہ اپنی رات کو ممتاز بنائے..... اور دن کو جب لوگ کھانا کھائیں تو یہ اس کو مبارک بنائے اور جب لوگ خوش ہوں تو یہ غمگین ہو اور جب لوگ لغو گوئی کریں تو یہ خاموش رہے اور جب لوگ اپنے کپڑوں اور رفتار میں فخر کریں تو یہ خشوع کرے۔"

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ "عالم اور حافظ قرآن کے لیے مناسب نہیں کہ سخت گیر، جھگڑالو اور دنیا کی طرف راغب ہو۔" سرکار مدینہؐ نے فرمایا۔ قرآن حکیم میں 30 آیات کی ایک سورت ہے جو آدمی کے لیے شفاعت کرے گی یہاں تک کہ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

وہ سورۂ ملک (تبارک الذی بیدہ الملک) ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ "جس نے سورۂ ملک ہر رات پڑھی اللہ تعالیٰ اسے عذابِ قبر سے محفوظ رکھے گا..... اور ہم اس سورت کو سرکار مدینہ کے عہد مبارک میں "مانعہ" کہتے تھے۔

حضرت علامہ یافعیؒ فرماتے ہیں کہ ملک یمن میں، میں نے بعض صالحین سے سنا ہے کہ ایک میت کو جب دفن کر کے لوگ واپس آنے لگے تو قبر میں سے ایک گرجدار دھماکے کی آواز آئی اور اس قبر سے ایک کالا کتا نکل کر بھاگا..... ایک نیک شخص جو وہیں پر موجود تھے انہوں نے اس کتے سے کہا..... تیرا ناس ہو تو کون بلا ہے؟ وہ بولا میں اس میت کا برا عمل ہوں..... انہوں نے پوچھا یہ جو آواز آئی تھی یہ چوٹ تیرے لگی تھی یا پھر میت کے.....؟ کہا کہ یہ میرے ہی لگی تھی وجہ اس کی یہ تھی کہ اس کے پاس سورۂ یٰسین وغیرہ جن کا یہ ورد کرتا تھا آ گئیں اور مجھے اس کے پاس جانے تک نہ دیا اور مار کر نکال دیا..... اللہ اکبر.....

☆☆☆

قرآن مجید پڑھنے کے کچھ آداب ہیں جنہیں جاننا ضروری ہے کہ یہ کلام الٰہی محبوب و حاکم کا کلام ہے اس لیے محبت و ادب برتنا ضروری ہے۔

حضرت عکرمہؓ جب قرآن مجید پڑھنے کے لیے کھولا کرتے تھے تو بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے اور زبان پر جاری ہوتا تھا کہ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ تو بندہ نوکر بن کر نہیں چاکر بن کر نہیں بلکہ بندہ بن کر آقا و مالک محسن و منعم کا کلام پڑھے۔

☆ مسواک اور وضو کے بعد کسی یکسوئی کی جگہ میں نہایت وقار کے ساتھ قبلہ رو بیٹھے اور نہایت حضور قلب اور

خشوع کے ساتھ پڑھے۔
☆آیاتِ رحمت پر دعائے مغفرت ورحمت مانگے اورآیات عذاب ووعید پراللہ سے پناہ چاہیے۔
☆ازخود تلاوت میں رونا نہ آئے تو رونے کی سعی کرے..... کوشش تو کرے.....
☆دورانِ تلاوت کسی سے کلام نہ کرے اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو پھر کلام پاک بند کر کے بات کرے پھراس کے بعد اعوذ پڑھ کر دوبارہ شروع کردے۔
☆پڑھنے میں جلدی نہ کرے ترتیل وتجوید سے پڑھے۔
☆خوش الحانی سے پڑھے..... قرآن پاک کی عظمت دل میں رکھے۔
☆دل کو وساوس وخطرات سے پاک رکھے۔
☆اللہ تعالیٰ کی شان اور رفعت وکبریائی کو دل میں رکھے۔
☆معانی کا تدبر کرے اور لذت کے ساتھ پڑھے۔
☆کانوں کو اس قدر متوجہ بنادے کہ گویا حق سبحانہ و تقدس کلام فرمارہے ہیں اور یہ سن رہا ہے۔
☆اتنے قرآن شریف کا حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہوجائے ہر شخص پر فرض ہے اور تمام کلام پاک کا حفظ کرنا فرضِ کفایہ ہے۔
☆قرآن مجید بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ کسی نمازی، مریض یا سوئے ہوئے کو ایذا نہ پہنچے۔
☆قرآن مجید یاد کر کے بھلا دینا گناہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن پڑھ کر بھول جائے قیامت کے دن کوڑھی ہوکر آئے گا۔
☆قرآن مجید کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اس کی طرف پیٹھ نہ کی جائے اور نہ ہی پاؤں پھیلائے جائیں۔
☆تلاوت کے وقت ظاہری پاکی طہارت کے ساتھ، ساتھ دل کو بھی گندے خیالات، برے جذبات اور ناپاک مقاصد سے پاک رکھیے۔
☆وقتِ سحر اور نمازِ تہجد میں قرآن شریف پڑھنے کی بہت زیادہ کوشش کیجیے۔
☆تلاوت کے ساتھ، ساتھ ترجمہ وتفسیر بھی پڑھتے رہیے..... (تاکہ آپ کو معلوم ہوسکے کہ آپ کا خالق آپ سے کیا کہہ رہا ہے)
☆حقوقِ آیات کا لحاظ رکھیے..... اور آیاتِ سجدہ پر سجدہ کیجیے۔
☆آیات تسبیح آئے تو تسبیح وتکبیر کہیے۔
☆آیات استغفار آئے تو استغفار کرے۔
☆بشارت کی آیات پڑھ کر شکرادا کیجیے۔
☆تلاوت قرآن مجید سے فارغ ہونے کے بعد اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں اور بے عملیوں پر کثرت سے استغفار کیجیے..... تلاوت کے بعد خصوصی دعا بھی فرمائیے۔

☆☆☆

یہ عظیم کلام قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے..... حکمت بھرا کلام ہے فیصلہ کُن کلام ہے اور یہ قرآن ہی سیدھا راستہ ہے..... جو اس سے دور ہوا وہ ذلت ورسوائی کے گڑھے میں گرتا چلا گیا ہے۔
حاصلِ کلام یہ ہے کہ قرآن حکیم کا صرف پڑھ لینا ہی مقصد نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا اس کی روحِ حقیقی ہے۔ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس غلام کی سی ہے کہ جب اس غلام کو اس کے مالک کی چھٹی (خط) پہنچے اور مالک چند کام کرنے کے لیے اسے تاکید کرے لیکن وہ غلام مالک کے بتائے ہوئے کام سرانجام دینے کے بجائے چھٹی (خط) خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا رہے اور اس کے حروف درست نکالے تلفظ پر زور دیتا رہے لیکن اس کے تاکیدی احکام پر ہرگز عمل نہ کرے..... بتائے ہوئے کام جوں کے توں چھوڑ دے..... تو کیا اس کا آقا اس غلام سے خوش ہوگا؟ مالک اس کو انعام دے گا یا سزا کا مستحق قرار دے گا؟
ہر اہلِ ایمان کا فرض ہے کہ اس کتاب مبین کے پیغام کو سمجھے اور نہ صرف خود اس پر عمل کرے بلکہ اپنی اولاد، اپنے زیرِ کفالت افراد اور ماتحتوں اور ملازموں کو بھی ان احکامات پر عمل کرنے کا پابند بنائے..... کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ"
قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا ایک پیغامِ ہدایت ہے جو مردہ قلوب کے لیے حیاتِ ابدی کا آبِ حیات ہے..... آج افسوس صد افسوس ہمارے معاشرے میں 95 پرسنٹ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے ایک بار بھی قرآن کا ترجمہ نہیں

پڑھا...... کاش وہ سمجھ سکیں کہ حضور اقدسؐ وہ نور ہیں جن کی روشنی میں کلام اللہ کی تجلیات مومن پر منکشف ہوتی ہیں اور روح میں سرور و نشاط پیدا ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور قرآن نے ہم کو محبت میں لگایا...... اب ہم فساد میں لگ گئے...... قرآن میں بڑی کشش ہے، اس کی تلاوت سن کر مسلمانوں کے ہی نہیں غیر مسلموں کے دل بھی راغب ہوتے ہیں' یہ آفاقی کلام ہے' ہمارے اسلاف قرآن پڑھتے بھی تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے مگر ہم صرف باتیں بناتے ہیں، بہت کم ہیں جو پڑھتے ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں..... دنیا کے تقریباً ہر مذہب و ملت کے دانشوروں نے قرآن کریم کو پڑھا ہے۔ اور اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے...... یہاں میں صرف چند سے کے حوالے دے رہی ہوں۔

1۔ سر ولیم میور...... ''شاید دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے' جس کا متن قرآن پاک کی طرح تیرہ صدیوں تک اپنی اصلی حالت میں رہا ہو۔''

2۔ ڈاکٹر میسل...... ''قرآن انتہائی لطیف اور پاکیزہ زبان میں ہے، اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی انسان اس کی مثل نہیں بنا سکتا۔ یہ لازوال معجزہ مردہ زندہ کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔''

3۔ ایم۔ کے گاندھی...... ''میں نے تعلیمات قرآنی کا مطالعہ کیا ہے مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے، مجھے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئی ہے کہ یہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔''

4۔ چارلس فرانس پورٹر...... ''دنیا کی کوئی کتاب اتنی نہیں پڑھی جاتی جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے۔''

5۔ گوئٹے (جرمن شاعر و فلسفی)...... ''قرآن کی یہ حالت ہے کہ اس کی دلفریبی بتدریج فریفتہ کرتی ہے...... پھر متعجب کرتی ہے اور آخر میں ایک تحیر آمیز رقت میں ڈال دیتی ہے۔''

6۔ عمانویل ڈی اش...... ''قرآن مجید مردہ عقل اور علم کو زندہ کرتا ہے۔''

7۔ ہاروگ ہرش فیلڈ...... ''ہم کو یہ دیکھ کر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ قرآن مجید سائنسی علوم کا سرچشمہ ہے۔''

8۔ نپولین...... ''مجھے امید ہے کہ میں دنیا کے تمام دانا اور باشعور لوگوں کو یکجا کر کے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک لاثانی نظام قائم کروں گا کیونکہ صرف یہی تعلیمات ہی انسان کو مسرتوں سے روشناس کر سکتی ہیں۔''

اور بہت سارے دوسرے غیر مسلموں کی رائے موجود ہے...... ان کے افکار و خیالات پڑھ کر اندازہ ہو جائے گا کہ غیر مسلموں کی نظر میں بھی قرآن حکیم صحیح اور سچا ہے...... بے مثل و بے نظیر ہے کسی انسان کی طاقت نہیں کہ ایسی ایک بھی آیت لکھ سکے۔

بہر حال قرآن حکیم کے بہت سے علوم ہیں بہت سے عجائبات ہیں بہت سے معجزات ہیں۔ نظر و دلوں نے اس کا مشاہدہ کیا...... کیا، کیا بیان کیجیے اور کہاں تک بیان کیجیے...... قرآن وہ لازوال کلام ہے کسی کی کیا مجال کہ خواصی کا حق ادا کرے۔

قرآن حکیم سب کا ہے...... اور سب اس کے ہیں...... قرآن اللہ کا کلام ہے اور سب اللہ کے بندے ہیں تو بندگی کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم اس کے ہر حکم کو مانیں اور اس سیدھے راستے پر چلیں جو قرآن نے ہمیں دکھایا ہے...... جب ہی ہم منزل کو پا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پاک سمجھ کر پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی رقت سے دعا گو ہوں کہ قرآن کا موضوع اتنا وسیع اور گہرائی لیے ہوئے ہے کہ کسی طرح بھی اس پر لکھنے کا حق ادا نہیں ہو سکتا...... تو اس مضمون کو تحریر کرتے ہوئے کہیں کوئی غلطی کوئی کوتاہی، کوئی کمی دانستہ یا نادانستہ ہوگئی ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور معافی کی طلبگار ہوں...... اللہ مجھے معاف فرمائے...... اور اس تحریر کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے اس میں تعاون کرنے والوں کے لیے اس کو قبول کرتے ہوئے اس کو ہمارے لیے توشہ آخرت بنا دے...... آمین۔

اس مضمون کی تیاری میں میں نے جن بے حد قابلِ احترام ہستیوں کے کتب سے مضامین لیے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے...... آمین۔



میری سکھی پاکیزہ اور اُس کی صحبت کے اثرات

شائستہ زریں

گزشتہ ماہ سالگرہ نمبر 1 کے سروے میں ہمارا سوال تھا کہ: پاکیزہ کو بحیثیت سنگی ساتھی کیسا پایا؟ اور اس کی صحبت کا کیا اثر قبول کیا؟ سالگرہ نمبر 2 کا سروے بھی اسی کا تسلسل ہے۔

عذرا باجی نے سالگرہ کے پیغام میں کہا کہ

''جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ پاکیزہ ادب اپنے عہد کی بنیادی اقدار، واقعات اور معاملات کو اپنا موضوع بناتا ہے اور اس کے ساتھ وہ دوسرے عصری تقاضوں کو بھی اسی انداز سے سمیٹتا ہے کہ وہ پڑھنے والوں کو نہ صرف عام فہم لگیں بلکہ انہیں راستہ بھی دکھائیں۔ ادب قوموں کی شناخت اور اُن کی پہچان ہے اسی طرح ماہنامہ پاکیزہ کی تحریریں بھی ہماری پہچان ہیں۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ ہمارے یہاں شائع ہونے والی تحریریں پڑھ کر بہت سے لوگوں کو آگاہی ہوتی ہے۔''

اور عذرا باجی کے اس پیغام میں کوئی دو رائے نہیں ہیں۔ بے حد خوشی کی بات ہے کہ سالگرہ نمبر 1 اور اب سالگرہ نمبر 2 کے سروے میں شریک پاکیزہ بہنوں کے خیالات اس کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔ یہ امر ہمارے لیے باعثِ فخر کہ پاکیزہ کے قارئین میں ماشاءاللہ ... چودہ برس کی بچیوں سے لے کر 85 برس کی عمر کی معزز اور محترم خواتین یکساں ذوق شوق کے ساتھ شامل ہیں۔ ماہِ رواں کے سروے کا امتیاز یہی ہے کہ اگر نگینہ ضیا بنگش کی سولہ سالہ بیٹی مہرین ضیا بنگش شامل ہیں تو نوشین ساجد کے ساتھ، ساتھ آپ کی 75 سالہ والدہ محترمہ اصغر ممتاز جو پاکیزہ کی دیرینہ قاری اور ریٹائرڈ ہیڈ مسٹریس ہیں وہ بھی سروے میں شریک ہیں۔ یہ سطور لکھتے ہوئے بہت خوشی اور فخر محسوس کر رہی ہوں کہ جس ہستی کا ہاتھ تھام کر میں نے قلم پکڑنا اور لکھنا سیکھا تھا، بچپن ہی میں مجھے ''کتاب سے بڑھ کر ہمنشینی کچھ بھی نہیں'' کا درس دینے والی، میری فطری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور انہیں اعتماد بخشنے والی میری سچی و اچھی نقاد جو میری کل کائنات اور پاکیزہ کی مستقل قاری ہیں میری امی محترمہ زیب ستار بھی سروے میں شریک ہیں۔ یہ محض میرا ہی نہیں پاکیزہ کا بھی اعزاز ہے کہ نوجوان نسل کی نمائندہ خواتین کے ساتھ، ساتھ بزرگ نسل کی دو نمائندہ خواتین بھی ہماری شریکِ سفر ہیں۔ اب پاکیزہ کی سکھیوں سے ملاقات کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ پاکیزہ اُن کے لیے کیا ہے!

زیب ستار (خاتون خانہ)

پاکیزہ شروع ہی سے میرا پسندیدہ ڈائجسٹ رہا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میری بیٹی پاکیزہ کے لیے لکھتی ہے۔ پاکیزہ میں شائع ہونے والے افسانے، ناول ہمیشہ بامقصد ہوتے ہیں۔ میری بینائی اب چونکہ کمزور ہوگئی ہے اس لیے پاکیزہ کا تفصیلی مطالعہ نہیں کر پاتی۔



زیب ستار

اداریہ بہت عمدہ ہوتا ہے، انجم کا اخلاص اور محبت لائق ستائش ہے۔ بہنوں کی محفل میں شریک ہونے والے ایک خاندان کی طرح لگتے ہیں۔ اختر شجاعت کی دین کی باتیں پڑھ کر دلی خوشی ہوتی ہے۔ اللہ اختر کے ذوق وشوق اور علم میں خوب اضافہ کرے، آمین۔ ذکیہ بلگرامی ناول اور افسانے بھی بہت اچھے لکھتی تھیں لیکن یادوں کی مالا تو بہت ہی اثر انگیز ہے۔ نزہت اصغر نے شعروادب کے مرحومین پر بہت عمدہ تعزیتی مضمون لکھا تھا۔ نزہت مصنفات سے انٹرویو میں سوال بہت اچھے اُٹھاتی ہیں۔ پاکیزہ ایک ایسا ساتھی ہے جو سب کو فیض پہنچاتا ہے۔ اگر سیکھنا چاہیں تو سیکھنے والوں کے لیے اس میں بہت کچھ ہوتا ہے، عذرا رسول کو پاکیزہ کی سالگرہ کی دلی مبارباد۔

اصغر ممتاز (ریٹائرڈ ہیڈ مسٹریس)

پاکیزہ سے میرا بہت پرانا رشتہ ہے۔ میں نے نہ صرف خود اس سے بہت کچھ سیکھا بلکہ اپنے بچوں کو بھی اس کے ذریعے زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ پاکیزہ ہر وقت میرے سرہانے کے ساتھ اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کے یہ شب و روز اس کے دم سے سہل ہو گئے ہیں اور اس کا قرب سکون کا باعث ہے۔ صرف مجھے ہی نہیں بلکہ میرے بعد کی نسل کو بھی پاکیزہ سے اپنی رفاقت پر فخر ہے کہ پاکیزہ میں شائع ہونے والے مواد سے ہم سب نے فیض اُٹھایا ہے۔ زندہ باد پاکیزہ......

ذکیہ ایوب (مستقل تبصرہ نگار)

پاکیزہ ایک ایسا دوست جو ہر خوشی اور غم میں ہمارے ساتھ رہا۔ اس خوب صورت رسالے کو بیج سے پودا اور پودے کو تناور درخت کی شکل میں ڈھلتے ہوئے دیکھا۔ اس درخت کی چھاؤں سے ہماری بہت سی ساتھی ہم کو چھوڑ کر چلی گئیں مگر دنیا کے دستور کے مطابق یہ اپنی منزلیں طے کرتا رہا۔ جب سے انجم کے ہاتھ میں اس کا اسٹیئرنگ آیا ہے رفتار خاصی تیز ہو گئی ہے، اللہ معراج بھائی کے لگائے ہوئے اس پیڑ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ ہماری نئی مصنفات بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں، گزرے سالوں میں عظمٰی کے سفرنامے پڑھتے ہوئے ہم بھی ہم سفر ہو جاتے تھے۔ بہنوں کی محفل کو تو جانِ پاکیزہ کہوں گی۔ میکے کی طرح سب بہنیں، بیٹیاں، نانیاں، دادیاں آتی ہیں اپنا حال سناتی ہیں دوسرے کا سنتی ہیں خوشیوں غموں میں شریک ہوتی ہیں، دعاؤں کے حصار میں جلترنگ پڑھ کر تو ٹینشن فری ہو جاتے ہیں۔ آج کل ذکیہ بلگرامی آپا اور اختر شجاعت کی ایمان افروز تحریریں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ روحانی مشورے کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ بہت اچھے انداز میں ہمارے ذہنوں کی گرہیں کھولنے کے لیے دعائیں اور وظیفے بتائے جاتے ہیں۔ جزاک اللہ! انجم کے ناول کا آغاز تو بہت اچھا ہے ابھی تو پڑھنا منع ہے، انشاء اللہ ٹھیک ہونے کے بعد ایک ساتھ پڑھوں گی۔ ان دنوں آنکھ کے آپریشن کے بعد کا احتیاطی دور چل رہا ہے۔ شائستہ زریں کے سروے بھی حالات و وقت کے مطابق اچھے ہوتے ہیں۔ سوالات بھی دلچسپ اور جوابات بھی۔ نزہت اصغر بھی اپنی بزم بہت اچھی طرح سجاتی ہیں۔ اداریہ سے لے کر ہومیو کلینک تک اور بہنوں کی محفل کے آغاز اور اختتام پر درود پاک، آیت کریمہ اور دعائیں یہ سب ہم کو دعائیں مانگنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں۔ اللہ ماہنامہ پاکیزہ کو بے شمار ترقی نصیب ہو اور اس کے سجانے والے صحت وسلامتی کے ساتھ رہیں۔



ذکیہ ایوب

گلشاد نذیر (تبصرہ نگار)

نہایت ہی مخلص اور دیانتدار ساتھی پایا۔ جس طرح دو سہلیاں آپس میں ہر بات شیئر کر لیتی ہیں، اُسی طرح میں نے پاکیزہ سے اپنے تمام غم اور خوشیاں بانٹی

ہیں۔میری پاکیزہ سے دوستی تقریباً تیس سال پرانی ہے ۔تعلقات بھی بہت پائیدار ہیں۔اپنی شادی اور بچوں کی مبارکباد اگر میں نے پاکیزہ بہنوں سے قبول کی تو میرے والد اور شوہر کی وفات پر لکھے جانے والے بہنوں کے تعزیتی خطوط میرے لیے تسلی کا باعث بنے، یہ میری تنہائیوں میں میرا بہترین رفیق ہے۔نام کی طرح پاکیزہ اور شائستہ خیالات جس طرح انسانی شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح پاکیزہ نے بھی اپنے نام کی لاج رکھی ہے۔پاکیزہ کی صحبت نے دوسروں کے غم اور خوشی میں شریک ہونا سکھایا اس کی صحبت نے بُرے بھلے کی تمیز بھی سکھائی۔


گلشاد نذیر

جس طرح انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح پاکیزہ بھی ہماری شخصیت کا آئینہ دار ہے۔

نوشین ساجد (تبصرہ نگار)

جب سے ہوش سنبھالا اور کتاب اور قلم سے دوستی کرنی سیکھی پاکیزہ کو اپنا ہمدرد اور غمگسار دوست پایا۔ایسا دوست جس نے زندگی کی مشکلات سے نبرد آزما ہونا سکھایا، زندگی کی تلخیوں کو امرت سمجھ کر پی جانے کا حوصلہ دیا۔باجی انجم کی خلوص سے بھرپور حوصلہ دیتی آواز اور پاکیزہ کے ساتھ اور اس کی محبت نے اُمنگوں اور اُمیدوں سے ہمارا دامن بھر دیا۔شکریہ انجم باجی شکریہ پاکیزہ......

حیا بخاری (مصنفہ)

وقت کسی کے لیے نہیں رُکتا ایسے میں جو لوگ دوسروں کے لیے نئی راہیں کھولتے وقت کے ساتھ، ساتھ آگے بڑھتے ہیں، وقت اُن ہی کی قدر کرتا ہے اور پاکیزہ ایک ایسا ہی دوست ثابت ہُوا جو وقت کے ساتھ، ساتھ تبدیلی، جدت، شائستگی اور معیار کے ساتھ ہمیں زندگی کی ہر راہ میں کچھ کر گزرنے کی نصیحت کرتا رہا۔کئی بند گلیوں کے لیے ہماری رہنمائی کی اپنی کہانیوں کے ذریعے کیونکہ کہانیاں ہی تو ہماری زندگی سے احساسات، جذبات اور واقعات چُن چُن کر مرتب کی جاتی ہیں سو میرے لیے پاکیزہ بہترین سہیلی...... کہ دوست وہی اچھا جو وقت پر آپ کو نیک صلاح دے۔تلخ و شیریں بات بلا خوف کہے، خوشی و غم دونوں کی اہمیت واضح کرے۔دُنیا کی بہترین صحبت کتاب کی ہی ہے۔چونکہ پاکیزہ بھی ایک کتاب ہے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ زندگی کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو اُجاگر کرنے والی کتاب ہمیشہ دل کے قریب محسوس ہوتی ہے چونکہ اس کا تعلق بالواسطہ اور بلاواسطہ ہماری زندگی ہی سے ہوتا ہے اور یہی میری سہیلی پاکیزہ کی خاصیت ہے۔

ہاجرہ ریحان (مصنفہ)

وہ جو کہتے ہیں ناں کہ دوست وہی اچھا جو آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے مگر ایسا دوست جو آپ کو ساتھ ہی دُنیاداری بھی سکھاتا جائے اُس کو دوست کم اُستاد یا پھر گرو کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔پاکیزہ سے دوست، سہیلی سے زیادہ اُستاد شاگرد جیسا کچھ رشتہ ہے۔میں نے جب بھی رجوع کیا الحمدللہ ہمیشہ پاکیزہ نے بڑا مثبت جواب دیا۔پاکیزہ کا در ہمیشہ میرے لیے کھلا رہا۔فارغ وقت میں گزشتہ شمارے پڑھ لیے اور ایک نیا نکتہ ہاتھ آیا تو اُس سے بھی بہت کچھ سیکھ لیا۔پاکیزہ ایک نہیں بہت سے خوش خلق، خوش گفتار اور انسانیت کی بھلائی کا جذبہ لیے بہت ہی نرم مزاج لوگوں کا مجموعہ ہے۔میں خوش نصیب ہوں کہ ایسی سہیلی مجھے ملی جس سے میں ہی نہیں بہت سے لوگ جُڑے ہوئے ہیں اور اس سے دل کو اور بھی خوشی ملتی ہے اور اثر اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ ہم نے بھی قلم پکڑ لیا اب کیا، کیوں اور کیسے؟ کی فکر نہیں کہ سہیلی جو راستہ دکھانے کو ہر وقت موجود ہے۔پاکیزہ زندہ باد۔

شازیہ کریم (ایف ایم کمپئیر، اینکر پرسن)

زندگی کے وہ بے شمار مسائل جو ہم اپنی عام زندگی میں اپنے اردگرد دیکھتے ہیں اُنہیں بہت باریکی سے پاکیزہ کے افسانوں، ناولوں اور جلترنگ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم اُسے اس طرح محسوس نہیں کر سکتے جس طرح کے پڑھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جب کبھی میرا دل اُداس ہوتا ہے تو جلترنگ پڑھ کر میری اُداسی دور ہو جاتی ہے۔ بطور سہیلی پاکیزہ میرے لیے بہت خاص ہے، ہم بات کرتے ہوئے کبھی، کبھی لفظوں کا درست استعمال نہیں کرتے پاکیزہ پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ ان الفاظ کا استعمال کس حسن و خوبی سے کیا گیا جیسے مالا میں موتی اور میں نے اپنی سکھی پاکیزہ کا اثر تو بہت زیادہ قبول



شازیہ کریم

کیا جس کا نتیجہ ہے کہ اب ایف ایم اور ٹی وی پر پروگرام کے دوران میں اس کی باتیں کوٹ کرتی ہوں اور مجھے بہت سارے موضوعات بھی مل جاتے ہیں بات کرنے کے لیے۔ پاکیزہ میرے لیے رہنما بھی ہے اور دکھ سکھ کا ساتھی بھی۔

ارم ناصر (خاتونِ خانہ)

جب بھی کام کاج سے فراغت ملتی ہے پاکیزہ کے ساتھ میرا وقت نہ صرف اچھا گزرتا ہے بلکہ کارآمد بھی ثابت ہوتا ہے کہ پاکیزہ کے مستقل سلسلے دلچسپی کے ساتھ، ساتھ میری معلومات ہی میں نہیں علم میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ مختلف سماجی موضوعات پر لکھے



ارم ناصر

جانے والے قسط وار ناول ہوں یا افسانے میرے لیے کسی خزانے سے کم نہیں کہ ان کے ذریعے بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے۔ پاکیزہ کی صحبت کا اثر بہت ہی مثبت پڑا کہ مطالعے کا شوق بڑھ گیا۔ رات کو سونے سے پہلے جب تک کچھ پڑھ نہ لوں نیند نہیں آتی اور یوں اس سے میں بہت کچھ پا لیتی ہوں اور وہ بھی بے طلب۔ بے لوث محبت کرنے والی سہیلی ایسی ہی تو ہوتی ہے۔

قرۃ العین کامران

پاکیزہ اپنے نام کی طرح زندگی کے تمام پہلوؤں میں جلترنگ بکھیرنے کے لیے کافی ہے۔ معلومات میں اضافے سے لے کر زندگی کے تمام پیچ و خم اور مدوجزر سمجھنے کے لیے پاکیزہ کی تحریریں کسی امرت جام کا کردار ادا کرتی ہیں گویا پاکیزہ نام ہے خوشی کی بوندوں کے رقص کا جو جب، جب کسی اُداس دل پر پڑتی ہیں تو دل کے ویران کونوں سے ہر درد نکال دیتی ہیں۔ پاکیزہ ایک ایسا ساتھی ہے جو

خوشیوں، بہترین وقت اور نفسیاتی الجھنیں سلجھانے کے بدلے کسی چیز کا متقاضی نہیں قوس قزح کے مانند بکھرے اس کے جلترنگ ہر دل پر راج کرتے ہیں پاکیزہ جیسے پُر خلوص اور مہربان دوست سرمایۂ حیات ہوتے ہیں، بہنوں کی محفل کی صحبت نے میرے اخلاق اور ہمدردی کو مزید نکھار دیا۔

سنیعہ یاسر (طالبہ)

میرے ساتھی کی سب سی انوکھی بات یہی ہے کہ جو نام وہی پہچان اور پرفیکٹ بھی۔ اس کاغذی کتاب میں



سنیعہ یاسر

جہاں بھر کی معلومات...... جس سے خوشی بھی ملتی ہے کہ ہم اس کا بھرپور فائدہ جو اُٹھاتے ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہر عمر کی خواتین کے لیے مواد موجود ہے۔ اور وہ بھی سب کا سب دلچسپ اور با مقصد ہے اس سے میں نے بہت سی اچھی باتیں سیکھیں خاص طور پر بہنوں کی محفل کے طفیل خود بھی خوش رہنا اور اوروں کو بھی خوش رکھنا سیکھا۔

مھرین ضیا بنگش (طالبہ)

بہت اچھا پایا کیونکہ اس سے مجھے بہت اچھی، اچھی باتیں سیکھنے کو مل رہی ہیں۔ خاص طور پر ہم نوجوان نسل کے لیے بہت ہی سبق آموز تحریریں ہوتی ہیں اور پاکیزہ کے مستقل سلسلوں سے ہماری دینی معلومات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ شمع ہدایت واقعی ہماری ہدایت کا ذریعہ ہے۔ یادوں کی مالا سے بہت قیمتی موتی چُنتے ہیں۔ بہنوں کی محفل سے دکھ سکھ بانٹنے کا ہنر سیکھا، جلترنگ ساری تھکن سمیٹ لیتا ہے۔ پاکیزہ اب میرے ساتھ، ساتھ میری سہیلیوں کا بھی ساتھی بن گیا ہے جو نہ صرف پاکیزہ ذوق وشوق سے پڑھتی ہیں بلکہ میری طرح اس سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔ پاکیزہ میں شائع ہونے والے مراسلات اور اقوالِ زرّیں میں اپنی ڈائری میں نہ صرف لکھنے لگی ہوں بلکہ کئی باتوں پر عمل بھی کرتی ہوں۔ مجھ میں بھی لکھنے کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر ماہ پاکیزہ کے لیے کچھ نہ کچھ لکھتی رہوں دعا ہے کہ پاکیزہ خوب خوب ترقی کرے اور ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتا رہے۔

☆☆☆

معزز قارئین! گزشتہ ماہ انجم باجی نے بہنوں کی محفل میں لکھا تھا کہ

”ہماری زندگی میں لفظوں کی کتنی اہمیت ہوتی ہے۔ اس بات کا اندازہ آپ اس حقیقت سے بھی لگا سکتے ہیں کہ اگر ہمارے لفظ کسی کے زخموں کے لیے مرہم بن جائیں یا کسی ٹوٹے ہوئے دل کو سی دیں تو لکھنے والے کی شخصیت کسی معالج کی سی ہو جاتی ہے۔ اگر ہمارے لفظ کسی کی تنہائی کا مداوا بن جائیں تو لکھنے والے کی شخصیت ایک دوست اور ساتھی کی بھی ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے لیے ہماری تمام مصنفات صرف خاص ہی نہیں بلکہ خاص الخاص ہیں...... جو آپ سب کی دوست بھی ہیں اور معالج بھی۔“

بلاشبہ پاکیزہ کی مسیحائی اپنے قارئین کے لیے مسلّم ہے۔ دلی دعا ہے کہ

تیرا خاورِ درخشاں تا ابد رہے سلامت
تیری صبحِ نور افشاں کبھی شام تک نہ پہنچے

(آمین)

وہ آئے بزم میں......



نزہت اصغر





پُرتنوع موضوعات سے سطحِ قرطاس کو سجاتی

خوب صورت تحریروں کی خالق

عقیلہ حق سے مزیدار گفتگو

عزیز قارئین! سب سے پہلے تو آپ کا بہت شکریہ کہ ہماری اس کاوش کو خلوصِ دل سے آپ سب سراہ رہے ہیں اور آپ کی تعمیری تنقید اور مشورے ہماری رہنمائی بھی کر رہے ہیں۔ انشآاللہ اسی طرح مصنفات کی سحر انگیز آمد سے یہ محفل سجتی رہے گی۔ آپ کی فرمائشیں سر آنکھوں پر...... آج کی ہماری اس بزم کی رونق عقیلہ حق کی عاقلانہ اور قابلِ عمل گفتگو سے فزوں تر ہوگئی ہے۔

عقیلہ حق سے ہم نے روٹین سے تھوڑا ہٹ کر بھی

سوالات کیے ہیں جو یقیناً آپ کو پسند آئیں گے۔ان کی ڈگریوں اور کورسز کی بابت جان کر ہم تو بہت متاثر ہوئے کہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون کس طرح سے زندگی کے دیگر معاملات میں اپنی تعلیم کو بروئے کار لا رہی ہیں اور تعلیم کا اصلی مقصد بھی یہی ہے کہ آپ علم کی شمع اپنے کردار، اعمال و افعال سے روشن رکھیں اور آنے والوں کے لیے قابلِ تقلید مثالیں قائم کریں۔اب مزید انتظار نہیں کروائیں گے آیئے عقیلہ حق سے دلچسپ مگر متانت سے بھرپور گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......عقیلہ حق آپ کو اپنی اس بزم میں خوش آمدید کہتے ہوئے شکریہ بھی ادا کرتی ہوں کہ آپ نے اپنی گھریلو اور لکھنے پڑھنے کی مصروفیات سے وقت نکالا......کیسا لگ رہا ہے اپنے پاکیزہ کی مہمان بننا؟

عقیلہ حق ❖......میرا جواب جاننے سے پہلے آپ سب لوگ میری طرف سے پاکیزہ کی سالگرہ کی دلی مبارکباد قبول کیجیے اور آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ نے بندیٔ ناچیز کو اس قابل سمجھا۔مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے کہ آج میں پاکیزہ کی مہمان بنی ہوں۔اس عزت افزائی پر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے حد مشکور ہوں کہ اس نے میرے عیبوں کو چھپا کر دنیا میں مجھ کو معتبر کیا۔

پاکیزہ ✧......یہ بتائیں کہ آپ کے اہلِ خانہ آپ کی ان مصروفیات سے کس حد تک متاثر ہوتے ہیں یا آپ ایسی نوبت آنے نہیں دیتیں؟

عقیلہ حق ❖......پیاری نزہت اصغر......الحمدللہ میرے اہلِ خانہ قطعی طور پر میری مصروفیات سے متاثر نہیں ہوتے، دراصل میں اس مزاج کی عورت ہوں جو اپنی زندگی میں اللہ، رسولؐ کے بعد جس چیز کو اہمیت دیتی ہے وہ اس کا گھر ہوتا ہے......الحمدللہ میں لکھتی بھی ہوں اور دوسری مصروفیات بھی ساتھ، ساتھ جاری رکھتی ہوں لیکن میرے میاں صاحب میرے بچے یا میری روٹین سب معمول کی طرح چلتے رہتے ہیں جس دن مجھے یہ احساس ہوا کہ میری مصروفیات میرے گھر کو متاثر کررہی ہیں اس دن میں اپنے آپ کو ایک ناکام عورت قرار دوں گی......کیونکہ اگر آپ اچھی بیٹی، بیوی اور ماں نہ بن سکیں تو آپ کچھ بھی نہیں بن سکتیں۔

پاکیزہ ✧......آپ اپنی گھریلو ذمے داریاں نبھاتے ہوئے کس طرح پڑھنے اور لکھنے کے لیے وقت نکالتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖......بالکل ٹائم نکال لیتی ہوں کیونکہ لکھنے سے میری روح کو تسکین ملتی ہے، عموماً نماز فجر کے بعد یا رات کے اس پہر لکھتی ہوں جب سارے گھر والے محوِ خواب ہوتے ہیں......اگر کبھی ایسا ہو کہ میں لکھ رہی ہوں اور گھر میں میری ضرورت پڑ جائے تو کہانی چاہے کتنے ہی اہم موڑ پر ہو میں قلم رکھ دیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......اگر آپ کے اس قلمی سفر کا نکتۂ آغاز معلوم کروں تو کب اور کیسے اندازہ ہوا کہ آپ کچھ اچھا لکھ سکتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖......لکھتی تو میں اسکول کے زمانے سے تھی بس ایک دن میری بھانجی حنا رضوان میرے پیچھے پڑ گئی کہ آپ افسانے کیوں نہیں لکھتیں تو سوچا چلو ٹرائی کر لیتی ہوں اور جب لکھا......تو اللہ کا شکر ہے قلم آج تک روانی سے چل رہا ہے۔(اللہ قلم چلتا رکھے)

پاکیزہ ✧......اب تک کی تحریروں کی کوئی گنتی یا کوئی مجموعے؟

عقیلہ حق ❖......کہانیاں تو بے شمار لکھی ہیں، دو افسانوی مجموعے اور ایک ناول آچکا ہے اور ایک ضخیم ناول انشاءاللہ جلد ہی آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔(انشاءاللہ)

پاکیزہ ✧......ہم نے سنا کہ آپ نے ایک عرصہ ملک سے باہر گزارا تو آپ کی تحریروں میں وہاں کے تجربات و مشاہدات کس حد تک شامل ہوئے؟

عقیلہ حق ❖......ڈیر نزہت، سفر اور دیارِ غیر انسان کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے اور میری کہانیوں میں وہ مشاہدہ جھلکتا بھی ہے۔

پاکیزہ ✧......کن موضوعات کو عام طور پر مرکزِ نگاہ و تحریر بناتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖......میں مختلف موضوعات پر لکھتی

ہوں، ہر وہ موضوع جو اچھوتا ہو...... جو دل کو لگ جائے، میں اس پر قلم ضرور اٹھاتی ہوں، میں اپنے موضوعات میں مرد و زن میں تفریق نہیں کرتی۔ (ہاں یہ تو ہے، آپ کے موضوعات تنوع لیے ہوتے ہیں)

پاکیزہ ✧......ظاہر ہے مرد و زن کے مختلف رشتوں میں باہمی روابط ہی موضوعات بنتے ہیں مگر آپ نے عورت کی مظلومیت کی روایتی ڈگر سے ہٹ کر بھی کام کیا...... کیا کہنا چاہتی ہیں اس سلسلے میں؟

عقیلہ حق ✧......آپ صحیح کہہ رہی ہیں، میں نے عورت کی روایتی مظلومیت کی ڈگر سے ہٹ کر بھی لکھا کیونکہ یہ میرا مشاہدہ ہے یا آپ تجربہ سمجھ لیں بہت سارے مرد بھی مظلوم ہوتے ہیں، میں نے بہت سے مردوں کو اپنے بچوں کے لیے، خاندان کے لیے گھر بچاتے، گھر بساتے بھی دیکھا ہے اور میرے خیال سے قارئین میری اس بات سے اتفاق بھی کریں گے۔ (جی بالکل مرد کا کردار بھی برابر کا اہم ہوتا ہے)

پاکیزہ ✧......لکھنے لکھانے کے اس عمل سے شہرت بھی خوب ملتی ہے، لوگ جاننے لگتے ہیں، تعریفیں ہوتی ہیں اور تھوڑی بہت آمدنی بھی، یہ سب کیسا لگتا ہے؟

عقیلہ حق ✧......بہت اچھا لگتا ہے، جب کوئی مجھ سے کہتا ہے ارے آپ عقیلہ حق ہیں، وہی عقیلہ حق جنہوں نے فلاں افسانہ یا ناول لکھا ہے تو شناخت کا وہ لمحہ اتنا اچھا لگتا ہے کہ ہر چیز اس کے آگے معمولی لگنے لگتی ہے۔

پاکیزہ ✧......ویسے آج کل تو ماشاء اللہ چینلز کے باعث لکھاریوں کی اہمیت و حیثیت دو چند ہو گئی ہے...... کیا خیال ہے آپ کا؟

عقیلہ حق ✧......جی آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں لیکن میرے خیال سے ہم کو میڈیا کی بنیاد پر قلمکاروں کی



میرے بچے میرا روشن مستقبل (ماشاءاللہ)

درجہ بندی نہیں کرنی چاہیے۔ (ہونا تو نہیں چاہیے مگر...)

پاکیزہ ✧......جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو کیا سوچا تھا کہ کیا بنیں گی رضیہ بٹ، اے آر خاتون، بشریٰ رحمٰن، سلمیٰ کنول یا بانو قدسیہ یا ایسی ہی کوئی ادیبہ......؟

عقیلہ حق ✧......میں اپنی سینئر رائٹرز کی عزت کرتی ہوں، ان کا احترام کرتی ہوں لیکن میں رضیہ بٹ یا بشریٰ رحمٰن بننا نہیں چاہتی، میری اپنی ایک شناخت ہے، میں عقیلہ حق ہوں اور مجھے عقیلہ حق ہی رہنا ہے...... لیکن یہ ضرور ہے کہ ان تمام رائٹرز کو پڑھ، پڑھ کر ہی میں نے لکھنا سیکھا ہے...... یہ سب یا اور بھی بہت ساری رائٹرز میری استاد ہیں...... میں ان کی برابری کیسے کرسکتی

ہوں۔(ہاں ہر ایک کی الگ پہچان ہوتی ہے)

پاکیزہ ✧......ویسے کلاسیک نام ہم نے خود نہیں لیے مگر آپ نے مطالعہ تو خوب کیا ہوگا؟

عقیلہ حق ❖......الحمدللہ میں اور کتاب دو لازم و ملزوم چیزیں ہیں...... کتب بینی کا شوق مجھے ورثے میں ملا ہے میرے والد شفیق احمد بہت اعلیٰ ادب پڑھتے تھے اور بچپن سے ہی میں ان کی لائی ہوئی کتابیں، پڑھتی تھی تو سب کے ہی کام سے واقفیت ہے۔

پاکیزہ ✧......آج کل کے بھی مصنفین کو آپ پڑھتی ہوں گی کیا کہیں گی آج کی رائٹرز کے بارے میں، مطلب ان کی تحریروں اور موضوعات کے بارے میں؟

عقیلہ حق ❖......جی میں انجم انصار صاحبہ، رفعت سراج، بشریٰ رحمٰن اور عمیرہ احمد کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں، آج بھی رہنمائی کے لیے میں بشریٰ رحمٰن کی کتابیں سرہانے رکھتی ہوں اور مجھے خوشی ہے آج کی رائٹر حقیقت سے قریب تر موضوعات پر لکھ رہی ہیں اور یہی وقت کا تقاضا بھی ہے۔(جی بالکل)

پاکیزہ ✧......افسانہ، ناولٹ، ناول، ڈراما کیا لکھنے میں مزہ آتا ہے اور روانی ہے؟

عقیلہ حق ❖......الحمدللہ میں نے افسانہ، ناولٹ، ناول اور ڈراما سب ہی لکھا لیکن افسانہ لکھنا مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کی پہلی تحریر پر قریبی عزیزوں کے کیا تاثرات دیکھنے اور سننے کو ملے؟

عقیلہ حق ❖......الحمدللہ سب ہی بے حد خوش ہوئے۔

پاکیزہ ✧......اب شوہرِ نامدار کس حد تک تبصرہ کرتے ہیں؟

عقیلہ حق ❖......ہائے نزہت کیا پوچھ لیا، شوہرِ نامدار کا تبصرہ؟ میری پیاری بہن، انہوں نے آج تک میری کوئی تحریر پڑھی ہی نہیں لیکن جب کوئی تعریف کرتا ہے تو بہت خوش ہوتے ہیں...... دراصل میرے میاں کی اردو بھی خاصی کمزور ہے۔(اوہو)

پاکیزہ ✧......بچوں کو بھی اردو یا انگریزی ادب اور رسائل سے شغف ہے؟

عقیلہ حق ❖......جی اتنا زیادہ نہیں ہے، ان کو اسکول کی کتابوں سے ہی فرصت نہیں ملتی لیکن پھر بھی انہیں جب بھی وقت ملتا ہے وہ انگریزی اور اردو دونوں ادب پڑھتے ہیں...... الحمدللہ میرے بچے اسکول کے بہترین بچوں میں شمار ہوتے ہیں، میں اپنے اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔(ماشاءاللہ)

پاکیزہ ✧......ہاں آپ کی بھی تعلیمی قابلیت تو ماشاءاللہ قابلِ فخر اور لائق تحسین ہے۔ آپ کے والدین تو یقیناً فخر کرتے ہوں گے؟

عقیلہ حق ❖......تعلیمی قابلیت، چلیے بتاتی ہوں، میں نے زوولوجی میں ایم ایس سی کیا۔ ایم ایس سی میں، میں نے پوزیشن لی پھر ایم فل اور پھر جناب ہیماٹولوجی میں PHD کا تھیسس لکھا لیکن اس کا تھوڑا سا کام رہ گیا ہے کوشش کر رہی ہوں ختم کرلوں۔ شادی کے بعد امریکا سے Comm unication, body language‘cosmetic science..... کے کورسز کیے اور 20 سے زائد out standing ایوارڈ حاصل کیے، people skill کے امتحان کو سو فیصد نمبروں سے پاس کیا اور شکاگو یونیورسٹی سے پانچ سال کی اسکالرشپ لی، الحمدللہ کالج کی بہترین مقررہ اور شاعرہ رہی اور سندِ امتیاز حاصل کی۔ لیکن افسوس جن کی دعائیں میرے ساتھ چلتی ہیں، میرے ماں، باپ وہ میری کامیابیوں کے اس سفر کو نہیں دیکھ سکے...... یہ دکھ ہر خوشی کے موقع پر غمگین کر دیتا ہے...... اللہ میرے والدین کو کروٹ، کروٹ جنت نصیب کرے...... (الٰہی آمین)

(ارے وہ تو اُس دنیا سے بھی ہمارے لیے دعا گو رہتے ہیں اور ہماری کامیابیوں پر اظہارِ مسرت بھی کرتے ہیں)

پاکیزہ ✧......ماشاءاللہ عقیلہ آپ تو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں تو آپ نے کبھی اس لحاظ سے کیریئر بنانے کی کوشش کیوں نہیں کی...... چلیں لکھاری تو آپ ہیں ہی پھر خالص ہاؤس وائف......؟



عقیلہ حق ❖...... کیریئر تو میں نے بنایا میرے خیال سے (میرے شوہر اس خیال سے ہو سکتا ہے متفق نہ ہوں) میں ایک اچھی بیوی اور لائف پارٹنر ہوں، میں ایک ماں ہوں، میرے بچے میرا کیریئر ہیں ، رہی بات یہ کہ میں نے کہیں جاب وغیرہ کیوں نہیں کی...... تو نزہت مجھے بہت شوق تھا اپنی کوالیفکیشن کے لحاظ سے بڑی سی کرسی پر بیٹھنے کا لیکن عمر کے ساتھ ساتھ سوچ میں پختگی آتی ہے، اب وہ سب باتیں بچپنا لگتی ہیں، میرے شوہر نے یہ بات مجھے ابتدائی دنوں میں سمجھادی تھی کہ آپ کی ضرورت مجھ کو اور میرے گھر کو زیادہ ہے اور میں مکان میں رہنے نہیں گھر بسانے آئی تھی، میں نے ان کی بات بخوشی تسلیم کی...... میں 9 تا 5 تک کی مستقل جاب نہیں کرتی لیکن میں پچھتر فیصد اپنے شوہر کا کاروبار ضرور سنبھالتی ہوں، 25 فیصد وہ مقام ہوتا ہے جہاں شمیم صاحب کا جانا یا ہونا لازمی ہوتا ہے ورنہ شاید میں وہ بھی دیکھ لیتی۔ جہاں تک لکھاری ہونے کا تعلق ہے تو بحیثیت ایک تعلیم یافتہ عورت میں نے سوچا کہ میری زندگی میں اپنی بھی کچھ achievement ہونی چاہیے سو میں نے پوری توجہ اپنے بچوں پر لگادی ان کو اپنا کیریئر سمجھ لیا۔ تو جناب وجیہہ اور کائنات میرا کیریئر ہیں...... رہی بات ہاؤس وائف کی تو جو عورت گھر کو گھر کی ذمے داریوں کو بخوبی نہ سنبھال سکے میرے خیال سے باہر کی دنیا میں وہ کتنی ہی کامیاب کیوں نہ ہو، وہ ایک ناکام عورت ہوتی ہے...... اگر آپ کا گھر مسائل کا شکار ہے، اگر آپ کا شوہر ناخوش ہے اور اگر آپ کے بچے توجہ کے طالب ہیں تو اونچی سی کرسی پر بیٹھی دنیا کے مسائل حل کرتی آپ...... یا میں...... بالکل قابلِ گرفت ہیں، الحمدللہ کھانا پکانے سے لے کر بچوں اور شوہر کی ہر بات اور ٹائم کا خیال رکھنا میرے لیے قابلِ فخر ہے لیکن یاد رہے...... میں نے اپنی شخصیت کو کہیں کھونے نہیں دیا، ساری مصروفیات کے ساتھ گھر کے کسی کونے میں بیٹھی کاغذ اور قلم سنبھالے میں اپنی شخصیت کو دنیا سے منوانے کی کوشش کرتی ہوں...... اللہ پاک میری مدد کرے...... (بہت خوب)

پاکیزہ ❖...... ذرا اپنی ان ڈگریز اور کوالیفکیشن کی عام قاری کے لیے وضاحت بھی کردیں یعنی یہ اسکلز وغیرہ......؟

عقیلہ حق ❖...... جی بالکل ...... یہ تو آپ جانتی ہیں کہ میرا کام thalassaemia پر ہے...... یعنی ان بچوں پر جو خون کی کمی کو ماں، باپ اور خاندان سے اپنی جین میں لے کر آتے ہیں اور اس کی بڑی وجہ قریبی رشتوں میں ہونے والے نسل در نسل رشتے ہیں۔

cosmetical sciences کو عام زبان میں آپ بیوٹی سائنس بھی کہہ سکتے ہیں لیکن امریکا میں اس کا دائرہ بہت وسیع ہے یہاں ہمارے ملک میں تو

جس کا دل چاہتا ہے بیوٹیشن کا کورس کرنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ (مستند بیوٹیشنز سے معذرت کے بعد) اب تو یہ ٹرینڈ چل گیا ہے' یہ سننے کو ملتا ہے کہ میری ساس نے گھر کے کام کاج چھوڑ دیے اور ایک پارلر میں کام شروع کر دیا اور اب وہ ڈیفنس کے ایک بڑے پارلر میں پینٹ شرٹ پہنی خواتین کا فیشل کر رہی ہیں۔ امریکا میں یہ 1800 گھنٹے کا کورس ہوتا ہے جس کی 6000 سے 10,000 ڈالرز فیس ہوتی ہے آپ کو کورس ختم ہونے کے بعد اسٹیٹ سے لائسنس ضرور لینا ہوتا ہے اور میں کیونکہ ایک عورت ہوں اور بجنا سنورنا ہر عورت کی خواہش ہے تو بس اس خواہش اور شوق کے ساتھ میں نے یہ کورس کیا لیکن میں ایک دفعہ پھر واضح کر دوں کہ آپ یہ کورس کرنے والے کو صرف بیوٹیشن نہ سمجھیے گا۔

body language میرے خیال سے یہ کورس ہر شخص کو کرنا چاہیے اس سے ہم اٹھنے بیٹھنے کے انداز، لباس، ہاتھ، پیروں کی حرکت اور چہرے کے تاثرات سے انسان کے مزاج موڈ اور عادات کا بخوبی اندازہ لگا لیتے ہیں۔ کمیونیکیشن...... یہ کورس میں نے اپنے شوہر شمیم حق صاحب کی خواہش پر کیا......لوگ کیا کہہ رہے ہیں ان کی باڈی کیا کہہ رہی ہے لفظوں کا چناؤ، لہجے کا استعمال کب' کہاں اور کتنی بات کرنی ہے...... کہاں خاموش ہونا ہے اور کہاں صرف مسکرانا ہے...... جو شخص آپ سے بات کر رہا ہے تو یہ دیکھنا کہ وہ کہہ کیا رہا ہے اور کہنا کیا چاہتا ہے......اس کورس میں شامل ہے......people skill بھی' اپنی speaking power بڑھانا، لوگوں کے مزاج کے مطابق ان کے معیار کے مطابق ان سے روابط رکھنا......اس کے علاوہ بھی بہت سارے کورسز الحمدللہ میں نے کیے اور انہیں اپنی زندگی میں بہت استعمال کیا کیونکہ جب میں شادی کے بعد امریکا پہنچی تو شمیم صاحب نے مجھ سے کہا، یہاں کی آب و ہوا لوگوں کو بہت جلد تبدیل کر دیتی ہے عورتیں یہاں آکر بہت جلد پتلون تو پہن لیتی ہیں، بال بھی ڈائی کر لیتی ہیں اس حلیے میں تو یہاں بھکاری بھی ملے گا آپ

اس معاشرے سے ان کی اچھی باتیں سیکھیے......اور پھر میں نے اس سوسائٹی میں رہ کر ان لوگوں کے درمیان سے اچھی چیزیں چننے کی کوشش کی، میں گندی مکھی نہیں بنی جو صرف گندگی پر جا کر بیٹھتی ہے، میں نے کوشش کی کہ میں شہد کی مکھی کی طرح صرف پھولوں کا میٹھا رس چوسوں ......(واہ کیا مثال دی ہے)

پاکیزہ ✧......پھر تو آپ انسانی شخصیت کا بطورِ خاص تجزیہ بھی کرتی ہوں گی؟

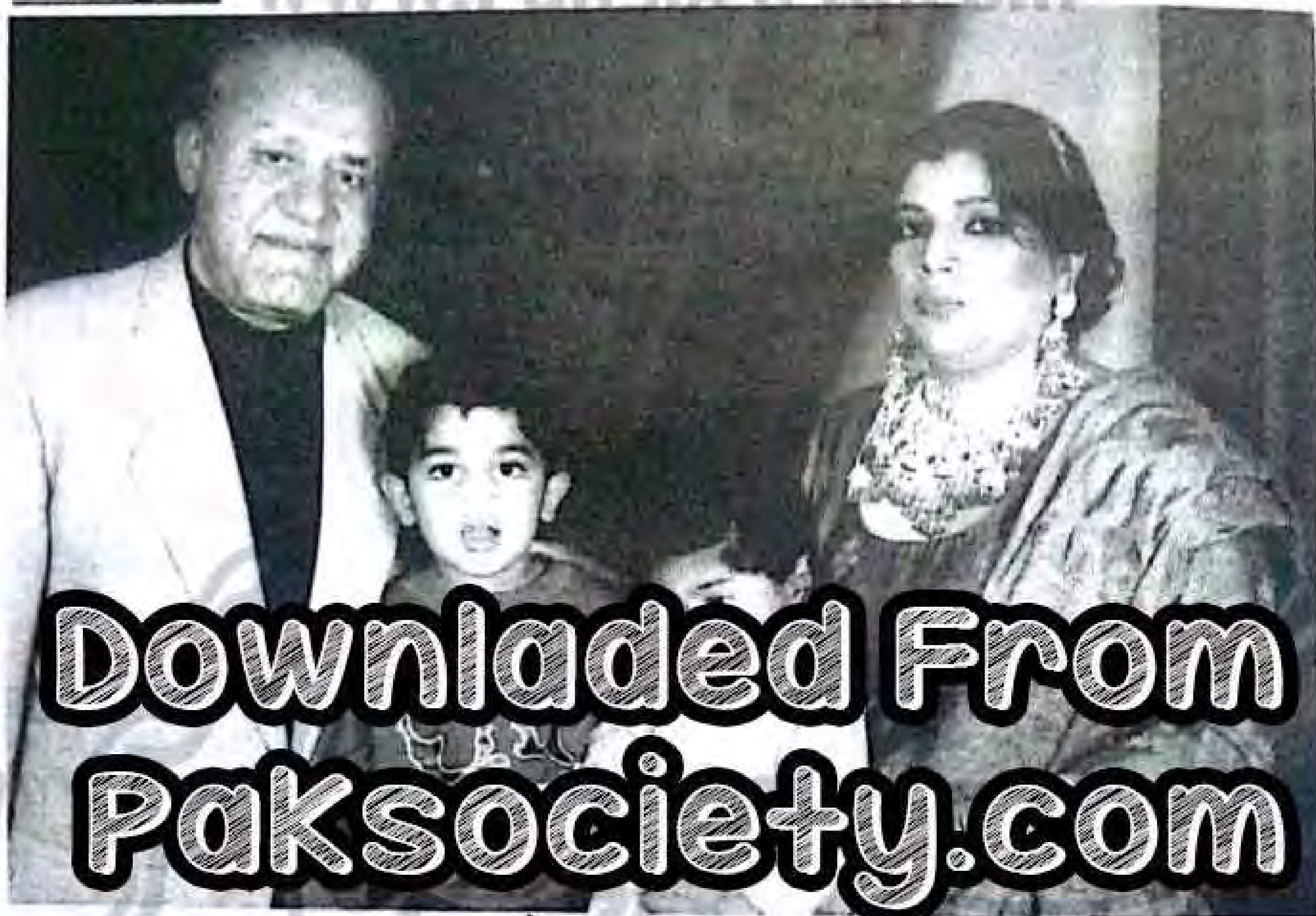
عقیلہ حق ✤......جی الحمدللہ لیکن لوگوں کو بہت کم احساس ہونے دیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......ہاں اپنے فیملی بیک گراؤنڈ سے بھی آگاہ کریں...... مطلب کچھ تعارف تو ہو جائے ناں......؟

عقیلہ حق ✤......میرے والدین کا تعلق دہلی کے ایک معزز خاندان سے ہے، جوئیلری کا بزنس ہمارا خاندانی بزنس ہے، ہم چھ بہنیں اور چار بھائی ہیں۔

پاکیزہ ✧......بچپن کیسا گزرا...... کتنی شرارتیں، سزائیں اور انعامات پائے؟

عقیلہ حق ✤......بچپن بہت سادہ سا گزرا، میں بنیادی طور پر ایک پڑھنے لکھنے والی بچی تھی......فرمانبردار سی......تھوڑی تمیزدار سی بھی، (واہ بھئی) میری بڑی بہن یاسمین مجھے پڑھاتی تھیں اور میں بھی ہر وقت سر جھکائے پڑھتی رہتی تھی۔ شرارتیں بہت کم، کم کیں، الحمدللہ میں زندگی میں کبھی سیکنڈ کلاس نہیں آئی ہمیشہ اسکول و کالج کی بہترین طالبہ رہی...... میرے ٹیچرز مجھ کو چاہتے تھے، میری کاپیاں اسکول کے ریکارڈ میں رکھی جاتی تھیں الحمدللہ میں اسکول سے یونیورسٹی تک بہترین مقررہ، بہترین شاعرہ رہی۔ بہت سارے کوئز مقابلے جیتے، مختلف ادوار میں ڈرامے کیے اور ایوارڈ جیتے، کلاس لیڈر رہی......اسکول میں بہترین طالبہ کا ایوارڈ لیا اور پتا نہیں کیا، کیا...... بس اگر آپ میرے گزرے وقت کے بارے میں ان لوگوں سے پوچھیں گے جنہوں نے سولہ سال کی عقیلہ حق کو دیکھا ہے تو وہ کہیں گے عقیلہ، کتاب



ذہین اور خوب صورت عقیلہ حق اپنی حسین و خوشحال فیملی کے ہمراہ (ماشاء اللہ)

اور نماز...... میں یا کتاب پڑھتی تھی یا لمبی، لمبی نمازیں...... الحمدللہ مجھے بچپن سے اللہ کے دربار میں کھڑے ہونے کی سعادت ہے۔ (واہ بھئی بہت خوب، کافی متاثر کن کارکردگی رہی تبھی تو بچے بھی لائق فائق ہیں)

پاکیزہ ✧......اپنے لڑکپن کے دور اور آج کے دور میں کیا فرق پاتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖...... بہت فرق ہے نزہت، جب ہم چھوٹے تھے تو چھوٹے، چھوٹے ہی ہوتے تھے اور بڑے لوگ بڑے لیکن اب ادب، آداب، تہذیب جیسے خود ساختہ بولڈنیس اور کانفیڈنس میں کہیں گم ہوگئی ہے۔ (جی بالکل)

پاکیزہ ✧......کیا آج بھی گھروں میں لڑکا اور لڑکی کی پرورش اور تربیت میں امتیاز روا رکھا جاتا ہے؟

عقیلہ حق ❖...... پتا نہیں وہ کون سے گھرانے ہیں جہاں بیٹے اور بیٹی میں تفریق ہوتی ہے، ہمارے والدین نے تو ہم کو بغیر کسی امتیاز کے بہت محبت اور برابری سے پالا ہے...... میرے والد تو اپنی بیٹیوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ ہم چھ بہنیں ہیں لیکن ہماری شخصیت پر ہمارے والد کی گہری چھاپ ہے...... ہماری امی نے یا ہمارے والد نے کبھی ہم کو بوجھ نہیں سمجھا...... میری سمجھ میں نہیں آتا لوگ بیٹے اور بیٹی میں فرق کیوں رکھتے ہیں۔ ارے بھائی، اللہ جن سے خوش ہوتا ہے ان کو بیٹی دیتا ہے...... بیٹے اگر نعمت ہیں تو بیٹی رحمت ہوتی ہے...... لیکن پھر بھی کچھ گھرانوں میں آج بھی مجھے بیٹی اور بیٹے میں امتیاز نظر آتا ہے۔ (بے شک یہ افسوس کا مقام ہے)

پاکیزہ ✧...... یہ سب کیوں؟ کیا پڑوسی معاشرے کا اثر یا اسلامی تعلیمات سے دوری؟

عقیلہ حق ❖......میرے خیال سے اسلامی تعلیمات سے دوری، ایمان کی کمزوری اور کمزور عقائد......اس کی وجہ ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کے اپنے گھر کا کیا ماحول ہے؟

عقیلہ حق ❖......الحمدللہ، اللہ نے مجھے نعمت بھی دی

اور رحمت بھی دی...... میں اپنے دونوں بچوں میں توازن رکھتی ہوں، ماشاء اللہ میری بیٹی کائنات اور بیٹا وجیہہ حق دونوں حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ اسکول کے بہترین طالب علم بھی ہیں، غلطی بیٹی کرے یا بیٹا غلطی، غلطی ہوتی ہے اور میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ گربہ کشتن روزِ اول...... میں یہ سوچ کر نہیں ٹالتی ارے بچے ہیں بڑے ہو کر سمجھ جائیں گے نہیں ایسا نہیں ہوتا اگر وہ غلطی کرتے ہیں تو اسی وقت سمجھاتی ہوں، اچھا کام کرتے ہیں تو شاباش بھی بہت کھلے دل سے دیتی ہوں اور ویسے بھی بچوں کے سامنے لمبی، لمبی تقریریں اور مثالیں دینے سے بہتر ہے کہ ہم اپنی شخصیت کو ان کے لیے نمونہ بنائیں...... میں نماز پڑھتی ہوں تو میری بیٹی خود بخود نماز پڑھنے لگی۔ اگر گھر میں بڑے ایک دوسرے کا احترام کریں گے تو بچے خود بخود با ادب رہیں گے، مختصر یہ کہ اولاد پالنے کے لیے سب سے پہلے ماں، باپ کو بہت کچھ چھوڑنا اور سہنا پڑتا ہے۔ جبھی آپ معاشرے کو اچھے انسان دے سکتے ہیں، ورنہ خود رو جھاڑیوں کی طرح پلی اولاد سب سے پہلے ہمارے لیے ہی اذیت کا سبب بنے گی۔ (اللہ ہم سب کو اپنی اولادوں کی بہترین تربیت کی توفیق عطا کرے۔ الٰہی آمین)

پاکیزہ ✧...... فرمانبردار بیٹی تو آپ ہوں گی...... فرمانبردار بیوی کس حد تک ہیں...... مطلب دل مار کر حکم ماننا یا خوشی، خوشی......؟

عقیلہ حق ❖...... پیاری نزہت، فرمانبردار بیٹی ہی ہمیشہ فرمانبردار بیوی بنتی ہے۔ میرے خیال سے عورت کو پانی کی طرح ہونا چاہیے کہ جس برتن میں ڈالو اسی کی بناوٹ اختیار کر لے اور جب مان لیا کہ مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت پر فضیلت دی ہے تو پھر بحث کس بات کی...... میرے خیال سے وہ عورتیں بہت پُرسکون زندگی گزارتی ہیں جو ہر ایک کا مقام پہچانتی ہوں...... الحمدللہ میں اپنے شوہر کے مزاج میں، خوشی، خوشی ڈھلی ہوں ان کو بدلنے کی کوشش کے بجائے میں خود بدل گئی...... یوں زندگی بہت آسان ہو گئی۔ (اللہ آپ کو سدا خوش رکھے)

پاکیزہ ✧...... زندگی کے کسی موڑ پر یہ خیال آیا کہ قلمکار کیوں بن گئی؟

عقیلہ حق ❖...... میں قلمکار بننے پر بہت خوش ہوں ہاں یہ خیال ضرور آتا ہے کہ کافی دیر سے لکھنا شروع کیا۔

پاکیزہ ✧...... اچھا کچھ مزیدار سوالات بھی ہو جائیں کہ کب دل چاہا کہ چیخیں، چلائیں یا شور مچائیں؟ مطلب کسی ناپسندیدہ فرد کو دیکھ کر یا غیر متوقع صورتِ حال پا کر؟

عقیلہ حق ❖...... نہیں میں چیختی چلاتی نہیں، میں فوری طور پر مسئلے کا حل سوچتی ہوں اور زندگی میں سارے ہی لوگ تو ہمارے پسندیدہ نہیں ہوتے ناں تو خاموش رہنا سب سے بہتر ہے۔

پاکیزہ ✧...... کسی اجنبی خاتون سے کہیں انتظار گاہ میں بات کرنی پڑ جائے تو کیسے آغاز کرتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖...... پہلے میں یہ غور کرتی ہوں کہ خاتون اندازاً کتنی عمر کی ہوں گی، اگر ینگ لڑکی ہو تو میرا سوال ہوتا ہے کیا آپ پڑھتی ہیں اگر ذرا عمر زیادہ ہو اور میں سمجھ نہیں پا رہی کہ وہ شادی شدہ ہیں یا نہیں یقیناً اسٹوڈنٹ تو ہیں نہیں تو پھر اکثر میرا سوال ہوتا ہے...... آپ کی کیا مصروفیات ہیں، میرے خیال سے اس سوال میں بہت سارے سوالات چھپے ہیں۔ (بہت اچھے)

پاکیزہ ✧...... دکان دار سے شاپنگ کرتے ہوئے کس حد تک بارگیننگ (بھاؤ تاؤ) کرتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖...... دیکھیے بھاؤ تاؤ کرنا سنت ہے، اس کو میں اس طرح بیان کر سکتی ہوں کہ ایک خاتون چار ہزار کا سوٹ لے سکتی ہے لیکن ہو سکتا ہے دوسری خاتون کی اتنی حیثیت نہیں ہے تو برابر میں کھڑی خاتون کے دل کو تکلیف پہنچ سکتی ہے کہ اس عورت کے لیے یہ رقم کچھ نہیں اور میرے لیے اتنی بڑی...... (واہ) لیکن چھوٹے دکانداروں، ٹھیلے والوں اور بزرگوں سے میں بھی بھاؤ تاؤ نہیں کرتی کیونکہ وہاں میں یہ سوچتی ہوں کہ ہمارے لیے تو شاید سو پچاس کچھ حیثیت نہیں رکھتے لیکن ان کے لیے اہم ہیں، وہاں میں اپنے اللہ کے لیے بعض اوقات


عقیلہ حق اپنے کورس کی تکمیل پر ایوارڈ لیتے ہوئے

مہنگی چیزیں بھی خرید لیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......خریدی ہوئی چیز گھر آکر خراب نکل آئے تو فوراً ہی واپس کرنے چل پڑتی ہیں یا گھر میں ہی بک، بک جھک، جھک کرتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖......جی نزہت، کبھی کبھی ہوتا ہے کہ خریدی ہوئی چیز خراب بھی نکل آتی ہے فوراً ہی واپس کرنے تو شاید میں کبھی نہیں گئی کیونکہ میرا ایک شیڈول ہوتا ہے، اس کے تحت میرے سارے کام ہو رہے ہوتے ہیں لیکن ہاں میں رسید پر سے فون نمبر ڈھونڈتی ہوں اور پھر دکاندار کو فون کر کے بتاتی ضرور ہوں کہ سامان میں یہ گڑبڑ ہے کیونکہ غلطی صرف اس کی نہیں ہوتی، میری بھی تو ہوتی ہے آخر میں نے اسی وقت کیوں توجہ نہیں دی تھی۔ پھر اگر ایمرجنسی نہ ہو تو جب ٹائم ملتا ہے جا کر بدلوا لیتی ہوں اور اگر ضروری چیز ہو تو بھی دوسرے کام نمٹا کر جاتی ہوں اور اگر دکاندار واپس نہ کرے تو اس یقین کے ساتھ واپس آجاتی ہوں کہ جو اللہ رسول کی بات نہیں مانتا اس کے نزدیک مجھ گناہ گار کی بات کی کیا حیثیت...... جہاں تک رہی گھر میں شور شرابے کی بات تو وہ میں کبھی نہیں کرتی، چھوٹی، چھوٹی باتوں کی وجہ سے میں اپنے پیارے گھر کو مکان نہیں بنا سکتی۔

پاکیزہ ✧......آس پڑوس سے کیسے تعلقات ہیں، مختلف کھانوں کے تبادلے ہوتے ہیں یا نہیں......؟

عقیلہ حق ❖......الحمدللہ! پڑوسی سے اچھے تعلقات کا حکم تو میرے نبی پاک کا ہے۔ زندگی کی مصروفیات میں سے کسی کے گھر جانے کا وقت تو نہیں ملتا لیکن ہاں کھانوں وغیرہ کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

پاکیزہ ✧......کیا ہمارے ہاں کی یہ روایات غائب ہوتی جا رہی ہیں کہ پڑوسیوں سے آج کل بات چیت ہی نہیں ہوتی، کیوں ٹھیک کہا ناں؟

عقیلہ حق ❖......ہاں زندگی بہت مصروف ہوگئی ہے، پڑوس میں آنا جانا تو تقریباً ناممکن ہو گیا ہے لیکن کبھی

پاکیزہ ✧......بھئی عقیلہ آپ کے مزیدار جواب سننے کے لیے ہی تو یہ پوچھ رہی ہوں برا تو نہیں لگ رہا ناں؟

عقیلہ حق ❖......نہیں میری بہن نزہت برا لگنے والی کیا بات ہے! میرے لیے تو بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ نے اور ماہنامہ پاکیزہ نے مجھ کو اتنی عزت دی، آپ کا بے حد شکریہ......(آپ کا بھی شکریہ)

کبھار ٹیلیفون پر بات چیت رکھتی ہوں اور میں جتنا حق ادا کرسکتی ہوں ضرور کرتی ہوں اور ویسے بھی مائی ڈیئر نزہت میرا تو نام بھی عقیلہ حق ہے ٹھیک کہا ناں۔ (ہاں بھئی کافی عقل مند خاتون ہیں آپ تو ماشاءاللہ)

پاکیزہ ✧......اچھا ایک تعلیم یافتہ خاتون معاشرے اور پھر اپنے بچوں کے لیے کس طرح رہنما مددگار اور استاد ثابت ہوسکتی ہے، خاص طور پر معاشرے اور گھر دونوں حساب سے بتایئے گا؟

عقیلہ حق ❖......نزہت میری بہت پیاری بہن میرے خیال سے آپ کے اس سوال کا میں پچھلے سوالوں میں جواب دے چکی ہوں لیکن پھر بھی کہتی ہوں...... بہت سے لوگ بہت بڑی بڑی ڈگریاں رکھتے ہوئے بھی جاہل ہوتے ہیں، میرے نزدیک تعلیم یافتہ ہونے کا مطلب ڈگری نہیں کیونکہ ڈگری تو آپ کے تعلیمی اخراجات کی رسید ہوتی ہے تو بات ڈگریوں کی نہیں ہورہی تعلیم کی ہورہی ہے۔ ڈگریوں کے علاوہ میری تعلیم میں بہت اہم کردار میری امی سعیدہ بیگم اور میرے والد شفیق احمد (اللہ پاک ان دونوں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، آمین) کا ہے...... میں نے اپنی زندگی خاص کر اپنے والد کی دی گئی تعلیمات کی روشنی میں گزاری کیونکہ امی کا انتقال بہت جلد ہوگیا تھا۔ ہماری زیادہ تر تربیت ہمارے والد صاحب نے کی تو مائی ڈیئر نزہت جو تعلیم مجھے والدین سے ملی اور جو ڈگریاں میں نے یونیورسٹیز سے حاصل کیں ان دونوں نے مل کر میری زندگی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ جب میں گھر سے باہر جاتی ہوں تو یونیورسٹیز سے حاصل کی ہوئی ڈگریز میرے ہاتھوں میں ہوتی ہیں جب میں کچن میں ہوتی ہوں تو میری امی کی تربیت میرے ساتھ ہوتی ہے اور جب میں شوہر اور اپنے بچوں کے درمیان میں کسی ایشو پر بات کرتی ہوں تو میرے والد کی نصیحتیں اور تعلیم سے میرا دامن بھرا ہوتا ہے (سبحان اللہ)

پاکیزہ ✧......اپنے محلے، شہر اور پھر ملک کو کیسا دیکھنا چاہتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖......بہت پُرامن، جہاں ہر شخص اپنے آپ کو محفوظ سمجھے، جہاں ہر ایک کی بہن، بیٹی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ ہو۔

پاکیزہ ✧......اس سلسلے میں آپ کا کیا کردار ہے یا پھر ہونا چاہیے؟

عقیلہ حق ❖......جب تک ہر شخص اپنا کردار ادا نہیں کرے گا، معاشرہ تبدیل نہیں ہوسکتا۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

میں معاشرے کے لیے دامے درمے سخنے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہوں اور وقت و حیثیت کے مطابق کرتی بھی ہوں۔ (بہت خوب)

پاکیزہ ✧......گاڑی سے بے خیالی ہی میں سہی کوئی ریپر کسی ٹافی کا ہی ریپر باہر پھینکا یا کسی اور کا ایسا عمل نوٹس کرتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖......مجھے سخت برا لگتا ہے یہ عمل، الحمدللہ ...نہ خیال سے اور نہ بے خیالی میں، میں نے کبھی چلتی گاڑی سے ایک کاغذ تک باہر نہیں پھینکا۔ اور نہ ہی میرے بچوں کو عادت ہے کیونکہ بعض اوقات آپ کی تھوڑی سی بے پروائی کسی بڑے حادثے کا سبب بن سکتی ہے، میرے بچے اکثر گاڑی میں آئس کریم وغیرہ کھاتے ہیں، میں چھوٹے شاپرز گاڑی میں رکھتی ہوں اور سارا کچرا اس میں ڈالتی ہوں اور پھر گھر آکر ڈسٹ بن میں ڈال دیتی ہوں کسی انجانے حادثے کا وبال اپنے سر لینے سے بہتر ہے آدمی تھوڑا محتاط ہوجائے۔ (جی بالکل)

پاکیزہ ✧......ہم کیوں ایک ذمّے دار، محبِ وطن شہری نہیں ہیں یا بن پاتے ہی نہیں؟

عقیلہ حق ❖......کیونکہ ہم ''سب'' میں کی گردان میں مصروف ہیں ہم سب کا ایک ہی جملہ ہوتا ہے ''میں'' کیوں کروں؟، ''میں'' ہی کیوں کروں؟ جبکہ ہم بھول رہے ہیں بہت سارے ''میں'' مل کر ہی ''ہم'' بنا ہے۔ (بہت خوب کہا)

پاکیزہ ✧......اپنے چھوٹوں کو اکثر کیا نصیحتیں

کرتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖......با ادب با نصیب، بے ادب بد نصیب۔

پاکیزہ ✧......کسی شخصیت کے کردار کی اعلیٰ صفات کیا ہونی چاہئیں؟ یا یوں سمجھیں کن صفات کی بدولت کوئی اعلیٰ کردار یا اعلیٰ شخصیت کہلاتا ہے؟

عقیلہ حق ❖......میرے نزدیک کسی بھی شخصیت کا پیمانہ اس کے ماں، باپ کے ساتھ اس کا سلوک ہے، اگر وہ دنیا میں پہلے احسان کرنے والوں کے ساتھ اچھا ہے تو پھر وہ سب کے ساتھ اچھا ہے۔ اس کے علاوہ عاجزی، انکساری اور اعلیٰ اخلاق ایک لفظ نہیں مجموعۂ صفات ہے۔ (خدا تعالیٰ ہم سب میں اعلیٰ اخلاق کے اوصاف پیدا کرے اور پھر برقرار رکھنے کی بھی توفیق عطا کرے، الٰہی آمین)

پاکیزہ ✧......مگر یہاں تو اپنی اپنی نظر میں ہر کوئی ان صفات کا حامل ہے تو پھر خرابیاں کس میں ہیں؟

عقیلہ حق ❖......ہم جب تک دوسروں کی آنکھوں کا تنکا دیکھتے رہیں گے ہمیں اپنی آنکھ کا شہتیر کبھی نظر نہیں آئے گا۔ میں سمجھتی ہوں سب سے زیادہ برائیاں مجھ میں ہیں اگر میں سارے معاشرے کو صحیح نہیں کر سکتی لیکن اپنے آپ کو تو درست کر سکتی ہوں ناں۔ میری پیاری نزہت، آپ اور قارئین میرے لیے دعا کریں۔ اللہ پاک مجھ کو ان اچھی عادتوں سے نوازے جو اس کو پسند ہیں۔ (آمین)

پاکیزہ ✧......فلم بینی اور ٹی وی بینی کا شوق کس حد تک ہے؟ زیادہ تر کیا دیکھتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖......میرے پاس فلم، ٹی وی اور میوزک کے لیے ٹائم ہی نہیں ہوتا بس ٹی وی پر نیوز دیکھ لیتی ہوں یا کسی خاص اینکر کا ٹاک شو......

پاکیزہ ✧......کہاں صرف شوہرِ نامدار کے ساتھ اور کس جگہ صرف اپنی بہترین سہیلی کے ساتھ اور کہاں صرف بچوں کے ساتھ جانا پسند کرتی ہیں؟

عقیلہ حق ❖......میاں صاحب جہاں لے جائیں میں خوش ہوتی ہوں، ویسے وہ بہت کم ہی کہیں جاتے ہیں اور لے جاتے ہیں، بہترین سہیلی عذرا رسول کے ساتھ اکثر ڈنر پر جب ہم دونوں اکیلے ہوتے ہیں تو باتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا مگر تمام گفتگو تعمیری اور معلوماتی ہوتی ہے فضول گوئی ہم دونوں کو ہی پسند نہیں...... ریسٹورنٹ والے حیرت سے دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ کب ہم جائیں اور وہ تالا لگائیں...... ہاہاہا...... اور میرے بچے جہاں خوش میں ان کی خوشی میں خوش ہر وہ جگہ جہاں میرے بچے کہتے ہیں، میں پوری کوشش کرتی ہوں ان کو لے کر جاؤں۔

پاکیزہ ✧......پاکیزہ سے دوستی کا ناتا کب اور کیسے جڑا؟

عقیلہ حق ❖......پاکیزہ اور میں ساتھ، ساتھ بڑے ہوئے ہیں، میں جب چھوٹی تھی تو ہمارے گھر ماہنامہ پاکیزہ اور سسپنس ڈائجسٹ آتا تھا۔ اور ایک دفعہ جب میری چھوٹی بہن شازیہ قمر نے لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو میرے والد مرحوم شفیق احمد نے نصیحت کی کہ بیٹا پاکیزہ میں لکھو تو شازیہ نے افسانہ پاکیزہ کے لیے لکھا اور شائع بھی ہوا...... پھر جب میں نے افسانہ نگاری شروع کی تو میرا پہلا افسانہ پاکیزہ میں ہی شائع ہوا اور پھر جو سلسلہ چلا تو آج میں آپ کے روبرو ہوں۔ (انشاءاللہ ... یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا)

پاکیزہ ✧......لکھنے کے علاوہ عقیلہ آپ کی اور کیا مصروفیات ہیں؟

عقیلہ حق ❖......مصروفیات؟ یا اللہ کس دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ صبح فجر سے پہلے اٹھتی ہوں تہجد، نماز اور پھر ناشتے کے بعد بچوں کو اسکول چھوڑنے کے لیے جاتی ہوں، کھانا پکاتی ہوں' گروسری بھی میں ہی کرتی ہوں، میاں کا کاروبار بھی دیکھتی ہوں، میکے اور سسرال کو بھی نبھاتی ہوں، بچوں کے ساتھ کھیلتی ہوں تو میاں کی آؤ بھگت بھی کرتی ہوں۔ دوستوں، بہن، بھائیوں اور رشتے داروں سے ہیلو ہائے بھی کرتی ہوں ساتھ' ساتھ۔ chartered کی Lion broadcasters

president بھی ہوں۔ شریف اکیڈمی جرمنی کی ممبر بھی ہوں، کالم کونسلٹ کی ممبر بھی ہوں اور اپنا چھوٹا موٹا جوئیلری کا بزنس بھی کرتی ہوں۔ اپنی کیئر بھی کرتی ہوں اور مزے کی بات دوستوں کی شاپنگ بھی کرتی ہوں لیکن الحمدللہ ان تمام مصروفیات میں بھی میرا گھر متاثر نہیں ہوا، میرے بچے ماشاء اللہ ہر سال پوزیشن لیتے ہیں، کبھی نہ اسکول سے لیٹ ہوئے اور نہ غیر حاضر، الحمدللہ آپ گھڑی میں ٹائم میرے گھر کے کھانے کے اوقات سے ملا سکتے ہیں، میرے میاں ظہر کی نماز کے بعد دوپہر کا کھانا اور مغرب کے بعد ڈنر کرتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ ٹیبل پر آکر بیٹھے ہوں اور کھانا سرو ہو، ان کے آنے سے پہلے ٹیبل تیار ہوتی ہے، میں شاور لے کر اچھے سے کپڑوں میں تیار ہوتی ہوں۔ کھانے کے بعد پھر ہم چائے پیتے ہیں، شمیم تسبیح لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور میں کسی کتاب کی ورق گردانی کرتی ہوں یا کچھ لکھ لیتی ہوں تو دس بجے سارا گھر آرام سے بستروں میں چلا جاتا ہے۔

(ارے واہ ایسی زبردست روٹین...... اللہ آپ اور آپ کی فیملی کو شاد و آباد رکھے، آمین)

پاکیزہ ✧...... ارے کچھ پسند ناپسند کا بھی اظہار کردیں...... کیسا لباس اچھا لگتا ہے، خوشبو، ذائقہ، ڈش، موسم، کوئی تفریحی مقام، کوئی یادگار جملہ...... کوئی پسندیدہ شعر......؟

عقیلہ حق ✤...... مجھے سادہ پُر وقار اور ایسا لباس اچھا لگتا ہے جو میری شخصیت کے لحاظ سے ہو، رنگ مجھے سیاہ پسند ہے لیکن کوشش کرتی ہوں رنگ موسم کے لحاظ سے بھی پہنوں، خوشبو مجھے کچے آٹے، گیلی مٹی کی بہت اچھی لگتی ہے۔ ذائقہ جو بھی خوش ذائقہ ہو، میں بنیادی طور پر کھانے پینے کی اس قدر شوقین عورت ہوں نہیں، موسم مجھے سردی کا اچھا لگتا ہے۔ جہاں میرے بچے اور میاں ساتھ ہوں، بس وہ تفریحی مقام دنیا کا سب سے حسین مقام ہوتا ہے۔ یادگار جملے تو بہت سارے ہیں لیکن میرے والد کا ایک جملہ میرا سرمایہ ہے انہوں نے کہا تھا......

''بیٹا جس سے تم خوش، اس سے میں خوش، اس سے میرا خدا خوش...... جس سے تم ناراض اس سے میں ناراض اس سے میرا خدا ناراض۔''

پسندیدہ اشعار

یہ دعا ہے کوئی گلہ نہیں، میرے ہم سفر، میرے ہم نشیں
میری زندگی وہ گلاب ہے کہ جو کبھی بھی کھلا نہیں
تجھے زندگی میں وہ سکوں ملے جو مجھے کبھی بھی ملا نہیں

میری شاعری...گو کہ آپ نے کچھ پسندیدہ شعروں کی بات کی تھی لیکن یہاں میں کچھ اپنی شاعری بھی پیش کرنا چاہتی ہوں۔

کاش میں ایک کچی قبر ہوتی
جہاں تو
کبھی تو سماتا
آج اکتیس دسمبر کی سرد رات
تیرے لہجے سے زیادہ
سرد نہیں ہے
اب
میرے دل میں کوئی
اور
داخل نہیں ہوسکتا
کیونکہ
اس میں قید ہیں کسی کی محبتیں، خواہشیں اور شدتیں
اور
میں نے دل کو تالا لگا کر
چابی گہرے سمندر میں
پھینک دی ہے

پاکیزہ ✧...... ماشاء اللہ عقیلہ اب اتنے سالوں کے قلمی سفر میں کیسا لگتا ہے؟

عقیلہ حق ✤...... بہت اچھا لگتا ہے جب کوئی مجھے پہچانتا ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے...... لیکن ابھی مجھے بہت کچھ لکھنا ہے، بہت ساری باتیں، فیلنگز اپنے قارئین کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی ہوں اللہ تعالیٰ ہمت اور وقت دے۔ (الٰہی آمین)

پاکیزہ ✧......پاکیزہ میں اور کیا دلچسپ دیکھنا چاہتی ہیں؟ کیا آپ اس کے معیار سے مطمئن ہیں؟

عقیلہ حق ❖......الحمد للہ پاکیزہ ایک مکمل رسالہ ہے۔ عذرا رسول کی قیادت، انجم انصار صاحبہ اور نزہت آپ سب کی محنت کے بعد میرے خیال سے کسی کو اس کے معیار سے شکایت نہیں ہو سکتی۔

پاکیزہ ✧......کن رائٹرز کی کہانیوں سے سیکھا، انسپائر ہوئیں اور کیا کچھ اپنانے کی کوشش کی؟

عقیلہ حق ❖......جی بالکل میں نے آپ کی تمام سینئرز اور جونیئرز سے سیکھا، ہر ایک کے پاس بہت کچھ ہے، میں امرتا پریتم، راجندر سنگھ بیدی، گلزار اور ممتاز مفتی کے ساتھ، ساتھ بشریٰ رحمٰن اور عمیرہ احمد سے بہت متاثر ہوں اور میری تحریروں میں کہیں، کہیں شاید ان کے انداز کی جھلک بھی نظر آتی ہے کہ انسان کے سیکھنے اور پسند نا پسند کا سلسلہ تو آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔

پاکیزہ ✧......اپنے قارئین کے لیے بھی ضرور دعائیہ کلمات سے نوازیں اور ہمارے پاکیزہ کے لیے بھی؟

عقیلہ حق ❖......اللہ پاک آپ پر، مجھ پر، تمام عالم اسلام پر سب پر اپنی رحمتوں کا نزول کرے۔ ہمارے دلوں کو مومنوں کا دل بنا دے اور ہم سے ریا کاری سے پاک، منافقت سے مبرا عمل کروائے۔ (آمین) اللہ تعالیٰ پاکیزہ کو اسی طرح پاکیزگی سے پروان چڑھائے، عذرا رسول صاحبہ کے دل اور گھر میں سکون رکھے، ان کو ان کے بچوں کی خوشیاں دکھائے۔ اللہ تعالیٰ معراج رسول بھائی کو صحت اور تندرستی دے......اللہ کے لیے کون سی بڑی بات ہے وہ تو تنکے میں جان ڈال سکتا ہے...... اللہ پاک عذرا کا سہاگ سلامت رکھے۔ (الٰہی آمین) انجم باجی کا محبت سے گندھا لب و لہجہ ہمیشہ سلامت رہے، آمین۔ انجم باجی، نزہت، آمنہ اور سب ادارے کے لوگوں کو اللہ دین اور دنیا کی نعمتوں سے نوازے، آمین۔ (عقیلہ اتنی پیاری اور پُرخلوص دعاؤں کے لیے عذرا صاحبہ، انجم باجی اور ہم سب بے حد شکریہ ادا کرتے ہیں)

پاکیزہ ✧......اس بزم کو آپ نے کیسا پایا؟ اس پر بھی اپنی رائے، تجویز، تنقید، تبصرہ اور تھوڑی سی تعریف بھی کر دیجیے (ہاں بھئی ہم بھی کچھ پھولے سمائیں ناں)

عقیلہ حق ❖......یہ محفل محبتوں اور پھولوں سے گندھی بہت ہی پیاری محفل ہے، اس میں آ کر مجھے بے حد اچھا لگا، میں آپ سب کی اور نزہت اصغر صاحبہ آپ کی محبتوں کی مقروض ہو گئی ہوں، اللہ آپ سب کو خوش رکھے، آمین۔

پاکیزہ ✧......آج کی نوجوان نسل کو کیسا پاتی ہیں، ان کے لیے کوئی بھی نصیحت؟

عقیلہ حق ❖......میرے والد مرحوم کہتے تھے بیٹا ایک وقت ایسا آئے گا جب ماں، باپ کی بے عزتی کرنا، بڑے چھوٹوں سے بدتمیزی اور بدلحاظی فیشن اور بولڈنیس کی نشانی ہو گی اور میں سمجھتی ہوں آج کل وہی دور ہے...... اور نصیحت کیا کروں سوائے اس کے باادب بانصیب بے ادب بدنصیب...... (اللہ سب کو بانصیب کرے)

☆☆☆

عقیلہ حق آپ کا ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کرتی ہوں کہ اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر اس بزم کو پذیرائی بخشی......

تو قارئین آپ کو یہ گفتگو بلکہ دوستانہ ماحول میں کی گئی گپ شپ یقیناً پسند آئی ہوگی۔ اس سلسلے میں اپنے خیالات، تنقید کسی بھی قسم کی آرا سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ انہی کلمات کے ساتھ اور اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتے ہیں کہ خوش رہنا، خوش رکھنا، خوش ہونا اور اپنے پیاروں کو خوش دیکھنا بھی سیکھیے......اللہ ہم سب کا مددگار ہو......

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

میری ماں

عظمیٰ آفاق سعید

ماں اللہ کا سب سے خوب صورت تحفہ ہے۔ جس کی طرف محبت سے دیکھنا بھی عبادت کے زمرے میں آتا ہے۔ ماں کی محبت کی مثال دی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کی ممتا کو کسی ترازو میں تولا جا سکتا ہے۔ وہ ہماری ماں ہی ہوتی ہے جو ناراض ہو کر بھی اپنی اولاد سے ناراض نہیں رہ سکتی اور جس کی ہر خوشی اور ہر دعا اپنی اولاد سے شروع ہوتی ہے۔ وہ لوگ واقعی بہت بدنصیب ہوتے ہیں جن کے پاس اُن کی ماں ہوتی ہے اور وہ اس کی قدر نہیں کرتے، ان سے تند و تیز لہجے میں بات کرتے ہیں اور بہت سے بدنصیب تو اپنے اس خزانے کو خیراتی اداروں تک میں چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان کا انتظار ہی کرتی رہ جاتی ہیں۔ وہ کبھی واپس نہیں پلٹتے مگر وہ اولاد واقعی خوش قسمت ترین ہوتی ہے جو اپنے والدین کا خیال پھولوں کی طرح کرتی ہیں اور وہ لوگ واقعی بہت سعادت منداور خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جن پر اُن کی مائیں ناز کرتی ہیں۔

قارئینِ کرام ماؤں کے عالمی دن کے حوالے سے ہماری چند مصنفات کی رائے آپ بھی پڑھیے۔

میری ماں میری دوست

یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ میں انجم انصار کی بیٹی ہوں، میری ماں صرف میری دوست ہی نہیں وہ میری بیسٹ فرینڈ ہیں۔ وہ میری مشفق استاد ہیں کہ آج بھی بلکہ ہر روز ان سے کوئی نہ کوئی اچھی بات سیکھتی ہوں۔ میں نے اپنی ماں سے سادگی سیکھی ہے۔ نہ ان کی باتوں میں بناوٹ ہے اور نہ ان کے رویّے میں...... وہ سب کی دوست ہیں اور سب کی غم خوار...... اکثر ان کے پاس روتے دھوتے فون آتے ہیں...... جن کو وہ بڑے پیار سے سمجھاتی ہیں اور بعد میں خود اشک بار ہو جاتی ہیں۔ میری ماں اپنی نواسیوں کی بھی دوست ہیں اور اپنی پوتیوں کی بھی...... میری اپنی نندیں میری امی سے مل کر بہت خوش ہوا کرتی ہیں اور کہتی ہیں آنٹی سے بات کر کے بہت اچھا لگا کرتا ہے۔ اللہ میری ماں کو سلامت رکھے...... اور ان کا سایہ ہم سب کے سر پر قائم رکھے آمین، کہ ان کو دیکھ کر اور بات کر کے میرا دل ہمیشہ غنی رہتا ہے۔

ماں کا ساتھ

☆ یاسمین رشید، کراچی

میری زندگی میں میری ماں کا ساتھ بہت ہی مختصر تھا میں صرف 15 سال کی تھی جب میری ماں مجھ سے جدا ہو گئیں۔ مگر جو ساتھ بھی رہا آج تک ذہن پر نقش ہے، ماں کی محبت کا انداز ہی اتنا جدا ہوتا ہے کہ کوئی محبت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہر ماں کا دل و دماغ اولاد کے ساتھ ہی لگا ہوتا ہے۔ ایسا کوئی بھی رشتہ نہیں کر سکتا اس لیے ماں کا ساتھ جیسا ساتھ میری نظر میں کوئی نہیں۔

فرشتہ صفت

☆ دُرِ شہوار (روشی)

کہتے ہیں ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے اور میری ماں واقعی جنتی تھیں۔ دنیا میں آنے والا فرشتہ جو شاید دنیا میں غلطی سے آ گیا تھا۔ حسن اور اخلاق کا مرقع، محبت سے گندھی جو آج بھی ہر دم میرے دل میں بستی ہیں۔

سب کی مددگار

☆ ڈاکٹر ممتاز ضیا

میری ماں کو اللہ تعالیٰ کروٹ، کروٹ جنت نصیب

کرے، آمین.....ان کی ہر بات ہی پیاری تھی ان کے دل میں ہر شخص کے لیے محبت، پیار، خلوص ہی تھا۔وہ نفرت، بغض حسد اور کینہ سے مبرّا تھیں اور دل و جان سے ہر شخص کی مدد اور حاجت روائی کے لیے تیار رہتی تھیں۔

ماں تو ماں ہوتی ہے

☆تسنیم ماپارا، کراچی

میری ماں اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور بلند درجات سے نوازے، آمین۔ ایک ملنسار و خوش اخلاق شخصیت کی حامل تھیں۔ خاندان بھر کے ہر بڑے چھوٹے سے دوستانہ تعلقات تھے۔ نہایت دین دار خاتون تھیں۔ پڑھنے لکھنے کی شوقین تھیں۔ فہرست بہت طویل ہے بس اتنا کہوں گی کہ ماں تو ماں ہوتی ہے۔

سب سے میٹھا رشتہ

☆شگفتہ شفیق، کراچی

دنیا کا سب سے میٹھا اور قیمتی رشتہ ماں کا ہے جس لفظ کو ادا کرتے ہی میری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں کیونکہ میں فقط 14 سال کی تھی کہ ماں بالکل اچانک ہارٹ اٹیک میں ہم کو چھوڑ کے چل دیں اور ہم خالی ہاتھ رہ گئے۔ جس ماں کے ہونے سے زندگی میں رنگ بھر جاتے ہیں جو سارے خاندان کو موتی کی طرح ایک مالا میں پرو کر رکھتی ہے۔ اس کے جانے کے بعد ہم بہت ہی اکیلے رہ گئے۔ اللہ نے دنیا کی ہر نعمت سے نوازا لیکن دل کا ایک کونہ ہمیشہ خالی ہی رہا۔

سب کی مائیں

☆ناہید فاطمہ حسنین

میرا خیال ہے کہ مائیں سب کی بہت پیاری ہوتی ہیں۔ ہر ایک کو اپنی ماں جنت کی حور ہی لگتی ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔ میں بہت سوچوں کہ کس بات کو چنوں کہ کون سی بات بہت پیاری ہے تو شاید فیصلہ نہ کر سکوں۔ اُن کی چند بہت اہم خوبیاں یہ ہیں کہ وہ ہم سب بہن بھائیوں کی دوست تھیں، وہ بہت ینگ ایج میں بیوہ ہو گئی تھیں انہوں نے ماں اور باپ دونوں بن کر ہماری پرورش کی..... اور یوں اس طرح وہ ہماری ماں، باپ ٹیچر، سہیلی سبھی کچھ بن گئیں۔ اور آخر وقت تک انہوں نے اپنے یہ تمام کردار نبھائے۔ ہمیں کبھی بھی بہت اہم مسئلہ اُن سے ڈسکس کرتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہوئی۔ جب سے وہ زندگی میں نہیں ہیں خود کو ادھورا محسوس کرتی ہوں۔

میری قابل ماں

☆سیما مناف

میری ماں.....آج میں جو کچھ بھی ہوں وہ اپنی ماں کی دعاؤں اور ان کی تربیت کی وجہ سے ہوں۔ وہ ہمارے خاندان کی سب سے تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ جنہوں نے صرف دو جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن اُن کے پاس بیٹھ کر ہر کسی کو یہ گمان ہوتا تھا کہ ان کے پاس بہت سی اعلیٰ ڈگریاں ہوں گی۔ سیاست، ادب، کھیل و ثقافت، مذہب جس موضوع پر بھی ان سے بات کی جاتی تھی لگتا تھا کہ وہ اسی فیلڈ میں ماہر ہیں لیکن جب سننے والوں کو تعلیم کا پتا چلتا تھا تو وہ حیران رہ جاتے تھے۔ آج میں کوشش کرتی ہوں کہ ان کے جیسی بن سکوں تاکہ لوگ کہیں کہ میں اپنی امی جیسی ہوں۔ لیکن میں ان جیسی نہیں بن سکتی۔ جیو امی.....

ہر دم مسکرانا

☆غزالہ رشید

ماں کی صرف ایک بات تو بتا نا ذرا..... مشکل ہے جنہوں نے لکھنا، پڑھنا سکھایا، خود اعتمادی اور ہر دم مسکرانا..... ہر حال میں مسکرانا..... وہ ماں ہے میری کہ قلم کی سیاہی ختم ہو جائے لیکن یادیں ہیں کہ چاروں طرف پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ ان کی ایک بات جو یاد رہے گی وہ ان کی شخصیت، اُن کا مزاج ان کا حسنِ سلوک ہے۔

ان کی محبت

☆شائستہ اعجاز احمد

آج میں جو کچھ بھی ہوں اپنی والدہ کی وجہ سے

ہوں، ان کی محبت اور تربیت پر مجھے بہت ناز ہے ماشاءاللہ .... ہم سب بہنیں اپنے گھروں میں اور سسرالوں میں عزت و وقار کے ساتھ ذمے داریاں نبھا رہے ہیں، یہ سب ہماری ماں کا کرشمہ ہے۔ بیٹیوں اور بہوؤں سب کے ساتھ ان کی محبت برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و تندرستی' درازیٔ عمر عطا کرے اور ان کے ہاتھ ہمیشہ ہم لوگوں کے حق میں دعاؤں کے لیے اٹھے رہتے ہیں۔ ہمارا خاندان اور باہر کے لوگ ان کے سگھڑاپے، سلیقے' ان کے ہاتھ کے کھانوں اور خاطر داری کو سراہتے ہیں' وہ ہر طرح کی ضرورت ہر ایک کی پوری کرتی ہیں کوئی ضرورت مند کبھی خالی نہیں جاتا۔ اللہ ان کو بہت دے، الٰہی آمین۔

سب سے خوب صورت تخلیق

☆ سیمارضا، کراچی

اللہ تعالیٰ کی سب سے خوب صورت تخلیق ماں ہے۔ میری امی آج بھی میرے ساتھ ہیں' دکھ میں، درد میں تکلیف میں خوشی میں ماں جیسی عظیم ہستی جسے میں امی کہتی ہوں، ان کے جانے کے بعد بھی جن کی چھاؤں میں سب اچھا لگتا تھا۔ ان کے جانے کے بعد چھاؤں رخصت ہوگئی..... مگر ماں دل میں آباد ہے اور وجود میں بس گئی ہے آنکھیں موندتی ہوں تو ماں ہے اور آنکھیں کھولتی ہوں تو ماں ہے۔

ماں

☆ صبیحہ شاہ

چھوٹا سا سوال..... لیکن جواب اتنا چھوٹا سا ہو نہیں سکتا..... میری امی ایک ہمہ جہت و ہمہ صفت خاتون تھیں..... اس محفل میں بیٹھ کر ری کال کرنا اور لکھنا..... بڑا مشکل کام..... پھر بھی کچھ تو کہنا ہے..... مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ امی میرے گھر آئی ہوئی تھیں۔ ایک مانگنے والی گیٹ پر آئی جسے میں نے اس کے مناسب حلیے خصوصاً چوڑیوں سے مزین ہاتھ، مہندی سے رنگی پوروں کو دیکھ کر جھڑک دیا اور خالی ہاتھ لوٹایا..... امی نے پوچھا کہ کون تھا... میں نے بتایا تو ان کا لہجہ و انداز مجھے آج بھی یاد ہے..... کہنے لگیں..... اچھا؟ اس لیے اسے کچھ نہیں دیا؟ اگر اللہ تعالیٰ بھی تم سے یہ کہنے لگے کہ تمہارا فریج اور کچن اشیا خور و نوش سے بھرا ہوا ہے..... الماری کپڑوں سے بھری ہے..... جھولی خوشیوں سے بھری ہے..... (ماشاءاللہ) پھر کیوں پانچ وقت جھولی پھیلا کر میرے در پر آکھڑی ہوتی ہو؟ تو..... یقین جانیں..... میں اندر سے لرز گئی..... اور آج تک میں کسی مانگنے والے کو جھڑک نہیں سکتی۔

تعریف کیا ہوگی

☆ رخ چوہدری

اللہ تعالیٰ نے جنت ماں کے قدموں تلے رکھ دی اس سے زیادہ ماں کی تعریف کیا ہوگی۔

کچھ نہیں کہہ سکتی

☆ عقیلہ حق

میں امی جی کے بارے میں کیا کہوں ..... نہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس کچھ نہیں لکھ سکتی لیکن ہاں..... میری امی واقعی ماں تھیں..... ایسی ماں کہ آج خود دو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود میں روز ان کو یاد کرتی ہوں، ان کی کمی اور ضرورت محسوس کرتی ہوں، ان جیسی بننے کی کوشش کرتی ہوں..... خدا ان کو کروٹ، کروٹ جنت نصیب کرے..... آمین۔

ماں کے لیے

☆ ہما بیگ، کراچی

ماں صرف ماں ہوتی ہے شاید دوسری کوئی ایسی ہستی نہیں جو ہمارے لیے دلوں میں خلوص اور ہونٹوں پر بلا معاوضہ دعا دیتا ہو... آج بھی جب گھر سے قدم نکالتی ہوں دل میں صرف امی کا خیال ہوتا ہے کہ ان سے دعا کرواؤں..... مگر ہاں..... میری بیٹی غزل مجھ کو ایک ماں ہی کی طرح چاہتی اور خیال رکھتی ہے۔ اللہ پاک اس کو سلامت رکھے۔

☆☆☆

پُربہار تقریب

رخ چوہدری

ایک وقت تھا کہ شہر میں مختلف قسم کی ادبی تقریبات ہوا کرتی تھیں اور ہم بھی دعوت نامہ ملنے پر بھائی کی منت سماجت کر کے یا مظلوم بن کر پہنچ ہی جایا کرتے مگر گزشتہ چند سال سے تقریبات بھی نہیں ہو رہی تھیں یا ہمارے بھائی صاحب نے تقریبات منعقد کرنے والوں سے ساز باز کر رکھی تھی کہ ''جی آپ دن رات تقریبات کیجیے میڈم ہزاروں کتابیں لکھیے ان کی رونمائی کی تقریبات منعقد کیجیے مگر برائے مہربانی...... میری بہنوں رخ چوہدری، ناہید چوہدری کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے ورنہ کان پکڑ کر مجھے تقریب میں لے جائیں گی اور میری مصروفیت برباد ہو جائے گی۔''

مگر ہمارے چھوٹو بھائی ذیشان چوہدری صاحب نہیں جانتے ہماری ساری دوستیں کتنی اچھی، مخلص اور محبت کرنے والی ہیں تبھی تو ہماری عزیز از جان دوست رضوانہ پرنس جو کہ ٹرانسپیرنٹ شخصیت کی مالک ہیں نے ہمیں فون پر نوید سنائی کہ ''رخ ہماری نئی کتاب اِک نئے موڑ پر کی رونمائی ہے بھئی دیکھو وقت پر پہنچ جانا۔''

ایک تو رضوانہ پرنس کے بات کرنے کا شاہی انداز اوپر سے اپنائیت بھرے لہجے میں محبت بھرا اصرار 5 مارچ ہفتے کا دن چھوٹو کا آفس آف ہاہاہا...... مزہ آ گیا۔ اب بچ کر کہاں جائے گا بھیا......

اور بھیا نے ہمیں پورے چار بجے الصفا ہال میں لا پھینکا جہاں آف وائٹ سوٹ میں اپنی خوب صورت مخصوص مسکراہٹ لیے رضوانہ بہت خوش تھیں۔ تقریب میں ان کی فیملی کے لوگ تھے ..... لندن سے بطورِ خاص آئے ان کے بھائی شاہین، کزنز اور ان کی ساتھی رائٹر

...... رضوانہ پرنس بڑی محبت سے ہر آنے والے کو ریسیو کر رہی تھیں۔ رضوانہ کی محبت سمیٹ کر آگے بڑھے تو نظر ایک ایسی شخصیت پر پڑی کہ ان کی ذاتی حیثیت تو الگ بات ہے مگر اس خاتون کی میری زندگی میں بے حد اہمیت ہے...... ماں نہیں مگر ممتا ماں جیسی ہے۔ انجم انصار آسمانی کلر کے سوٹ میں اپنی باوقار پرسنیلٹی اور دھیمی سی مسکان کے ساتھ ہمیں دیکھ کر آگے بڑھیں۔ انجم کی کسی بھی تقریب میں موجودگی کم از کم میرے لیے بہت اطمینان کا باعث ہوتی ہے۔ انجم پیار سے احوال پوچھتی رہیں۔



رُخ چودھری

''اتنا ٹائم ہو رہا ہے دیکھو تو سیما رضا ابھی تک...... اور وہ آ گئی۔'' ابھی رضوانہ پریشان ہو کر کہہ ہی رہی تھیں کہ سیما رضا اسکن کلر کے سوٹ میں اپنے مخصوص انداز میں آ گئی۔ سیما رضا کو اس تقریب کی کمپیئرنگ کرنی تھی، وہ ہاتھ میں چند کاغذات لیے ہمیشہ

کی طرح پُراعتماد نظر آئیں۔

"ارے بھئی یہ عذرا رسول اور نیلوفر عباسی ابھی تک نہیں پہنچیں فون کرو بھئی ان لوگوں کو......" رضوانہ بوکھلا رہی تھیں۔ تقریب منعقد ہوئی اس کو ان کی کزن ٹوٹو نے ڈیکوریٹ کیا اور رضوانہ کے ڈریس کی مناسبت سے آف وائٹ اسٹیج کے دائیں بائیں خوب صورت پھولوں کی سجاوٹ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

اسی دوران سیما مناف آگئیں ان کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ پچھلے دنوں ان کی طبیعت خراب رہی تھی، آج ماشاء اللہ ٹھیک اور فریش تھیں اور لیجیے رضوانہ پرنس پھر آئیں۔ "حد ہوگئی یار اتنا ٹائم ہو رہا ہے عذرا اور نیلو نہیں پہنچیں......"

"رضوانہ اسٹیج پر رکھی کرسیاں سرکا دیں بھئی، آپ کی خوب صورت کتابوں اور خاص کر آپ کی پیاری مسکراتی تصویر کرسیوں کے پیچھے چھپ رہی ہے۔" سیما مناف بولیں۔

"ہیں اچھا، ہم نے تو دھیان ہی نہیں دیا۔ بس وہ ہم بزی اتنے تھے کہ خیر ہم ابھی ٹوٹو سے کہتے ہیں۔"

پھر کرسیاں ہٹائی گئیں۔ "رخ تم بتاؤ یوں ٹھیک ہے ناں۔" رضوانہ نے مجھے بھی مشاورتی کمیٹی میں شامل کیا پھر کرسیوں کی شفلنگ میں ہال کچھ دیر کے لیے اسمبلی ہال لگنے لگا۔

"ہاں اب ٹھیک ہے۔" رضوانہ اپنی دوستوں کو دیکھ کر بولیں۔ انجم اور سیما مناف سیٹنگ سے مطمئن ہوئیں تو اسی وقت عذرا رسول، نیلوفر عباسی، منزہ سہام مرزا، غزالہ رشید، ناہید فاطمہ، کاشف چوہان اور لیجیے دیکھتے ہی دیکھتے رضوانہ کی تقریب ڈھیر سارے مہمانوں سے سج گئی شاید دعوت سے زیادہ مہمان تشریف لے آئے تھے تب ہی تو مزید کرسیوں اور صوفوں کی ضرورت پڑ گئی۔ اور یہ سب اس پیاری سی خاتون کی محبت میں آئے تھے جو اس وقت خاصی بوکھلاہٹ ....کا شکار تھیں کبھی انجم سے مشورہ لے رہی تھیں تو کبھی سیما رضا کو اسٹیج کی ہدایات دے رہی تھیں۔ لیجیے دوست محمد فیضی صاحب تشریف لے آئے۔

رائٹرز سیلفیاں لے رہی تھیں، شگفتہ شفیق اپنے نام کی طرح شگفتہ شخصیت کی مالک ہیں سیلفی لینے اور دینے سے انکاری تھیں۔ "ارے بھئی ہماری تصویر بہت بری آتی ہے۔" "تو میری کب اچھی آتی ہیں۔" یہ کہہ کر ہم سب نے ایک دوسرے کی خوب تصویریں لیں۔

سیما رضا اسٹیج کی کارروائی شروع کرچکی تھیں سب سے پہلے انہوں نے رضوانہ پرنس کی شخصیت اور ان کے کام کو بے حد خوب صورت انداز میں سراہا۔ اسٹیج پر نیلوفر عباسی، عذرا رسول، انجم انصار، دوست محمد فیضی خود تقریب کی شہزادی رضوانہ پرنس تھیں جو اپنے شاہین بھائی کو دیکھے جارہی تھیں جو اُن کے بچپن کے واقعات حاضرین سے شیئر کررہے تھے۔ رضوانہ کی آنکھوں میں بچپن کے مناظر، پاپا، مما کی محبت آنسو بن کر اتر آئی تھی مگر انہوں نے کمالِ ضبط سے اسے اپنی بھیگی مسکان میں چھپالیا۔

نیلوفر عباسی نے مختصر مگر جامع انداز میں رضوانہ پرنس کو سراہا، عذرا رسول نے بھی کچھ باتیں کچھ یادیں شیئر کیں پھر غزالہ رشید نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ شگفتہ شفیق اور ناہید فاطمہ نے اپنے خیالات کو شعری رنگ دیا...... سامعین نے پسند آنے والے اشعار پر مکرر مکرر کا شور بھی مچایا۔ دوست محمد فیضی صاحب نے حسبِ سابق اپنی باتوں سے خوب تالیاں بجوائیں۔ محفل میں موجود شیروانی صاحب نے کچھ مزاحیہ باتیں شیئر کیں۔ ان تمام باتوں اور تقریری مقابلے کے درمیان رضوانہ اسٹیج پر سر اور نظریں جھکائے جانے کن خیالوں میں گم تھیں یا اپنی ان تعریفوں سے یوں بے نیاز گویا ان سب باتوں سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ عجز اور انکساری اس پیاری سی خاتون پر ختم ہے۔ ماشاء اللہ پانچ کتابیں لکھ ڈالیں مگر انکساری ویسی ہی ہے۔ پنک شرٹ اور سفید شلوار دوپٹے میں یہ منزہ سہام تھیں۔ انہیں کافی دنوں بعد دیکھا، پہلے وہ بہت سنجیدہ رہتی تھیں تو اپنی عمر سے زیادہ نظر آتی تھیں اس بار ان کو مختلف اور شوخ روپ میں دیکھا تو عمر سے کم نظر



رضوانہ پرنس کی کتاب کی تقریب رونمائی میں دائیں سے عذرا رسول، شگفتہ شفیق، نیلوفر عباسی، رضوانہ پرنس، انجم انصار اور سیما رضا ردا

آئیں ۔ انہوں نے بہت سچائی سے اپنی اور رضوانہ کی تفریح بیتیاں شیئر کیں...... رضوانہ کی پیاری مسکراہٹ ان باتوں پر سچائی کی مہر لگاتی رہتی...... آخر میں رضوانہ نے نہایت انکساری اور پیار سے سب کا شکریہ ادا کیا اور اپنی عزت اور کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

اور پھر کسی بھی تقریب کا وہ مرحلہ جس کے سب منتظر ہوتے ہیں بس ایک آواز آنے کی دیر ہوتی ہے کہ اٹیک...... پھر کیا تھا...... اسی اٹیک میں سائرہ غلام نبی اور ڈیر ریحانہ امجد بخاری ایک دم آ کر گلے ملیں تو خود ساختہ تمام شکوے گلے دور ہو گئے کہ جی چینل میں جا کر یہ لڑکیاں بدل گئی ہیں ۔ انجم انصار کا خاکہ ڈبل بیڈ جس نے رضوانہ کی تقریب کو چار چاند لگا دیے کچھ دیر کے لیے ماحول زعفران ہو گیا تھا۔ خوشگوار قہقہوں سے ہال گونج رہا تھا۔ انجم انصار ہم خواتین کی انور مقصود ہیں، ان کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ ابھی ایسا کچھ کہہ دیں گی کہ ضبط کے باوجود قہقہے پھوٹ پڑیں گے۔ رضوانہ پرنس آپ بے حد اچھی دوست ہیں...... اسی طرح کتابیں لکھیں، تقریبات کریں اور ہم سب کو بلائیں، اب اجازت سب خوش رہیں، الٰہی آمین......

رائٹرز لنچ

وقت تو لنچ کا ایک ڈیڑھ بجے کا ہی ہوتا ہے...... لیکن یہ لنچ تھا اہلِ قلم خواتین کا جن کی تحریروں کے سب شیدائی ہیں۔ تو وقت بھی کچھ ڈھائی تین بجے کے بعد کا تھا۔ سیما مناف کا خوب صورت فلیٹ تیسری منزل پر ہے اور تیسری منزل تک پہنچنے کے لیے لازماً رائٹرز کو سیڑھیاں چڑھنی پڑیں۔ اور جن قلمکاروں نے میری طرح پنسل ہیل پہنی ہوگی شاید میری طرح کئی بار لڑکھڑائی ہوں گی۔ بہرحال ہر سیڑھی پر لڑکھڑائے بھی اور سیما مناف کے کھانوں کی خوشبو بھی تیز تر ہوتی گئی۔ ناہید اور میں ہانپتے کانپتے سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ دوسرے فلور پر ہی

کھانوں کی مہک کے ساتھ چڑیوں کے چہچہانے کی آواز بھی آنے لگی گیٹ کھلتے ہی سامنے جو منظر تھا جسے دیکھ کر برملا کہا جاسکتا ہے کہ اعلانِ جنگ ہو چکا کھانے کے ساتھ انصاف کا...... بھئی کھانا کھل چکا تھا اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب نہ ماں، بیٹی کو پہچانتی ہے نہ بیٹی، ماں کو...... نہ باپ، بیٹے کو...... سب کو اپنی، اپنی پلیٹ کی فکر ہوتی ہے۔ رشتوں سے زیادہ...... عجیب روزِ محشر کا سا سماں ہوتا ہے...... کھانا کھلنے کے بعد کا منظر......

میں اور ناہید شاید آخری مہمان تھے۔ اتنی دیر ہوگئی تھی ہمیں پہنچنے میں۔

''السلام علیکم......'' بھوک اور روزِ محشر والے منظر نے مجھے بوکھلا دیا تو جلدی سے شائستہ عزیز کو سلام کر کے پلیٹ کی تلاش میں ویٹرس کو دیکھا۔ میں نے اور ناہید نے اپنے ڈائننگ پروگرام کو بیگ کی اندرونی زپ والی جیب میں رکھا کہ کہیں بار، بار ہمیں کھانے کے دوران تنگ نہ کرے، ہاتھ نہ روکے...... پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ کود پڑے مزے دار کھانوں کے سمندر میں...... ''رخ، دہی بڑے لو بے حد لذیز ہیں۔'' رضوانہ نے مشورہ دیا۔

''ہائے ہائے...... سیما کیا غضب کے تم نے پائے بنائے ہیں۔'' کہیں سے آواز آئی۔

''واہ سیما کیا پائے ہیں...... یہ مٹن پلاؤ ہے، یہ چکن قورمہ، چکن کڑھائی......'' بیچاری مرغی بھی کیا سوچ رہی ہوگی کہ یہ انسان بھی عجیب ہے ایک طرف تو ایک دوسرے کو کہتے پھرتے ہیں بھئی چکن مت کھایا کرو اس کو کھانے سے خطرناک بیماریاں ہو جاتی ہیں مگر مجال ہے جو یہ انسان باز آئے ہمارے قتلِ عام سے...... سچ تو یہ ہے کہ ہمارے بغیر ان کی ہر محفل اور تقریب ادھوری ہے۔

''ارے بھئی پائے اور نکال کر لاؤ ختم ہوگئے ہیں ڈش میں۔'' پائے پر ہر کوئی ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ پائے اپنی ڈیمانڈ پر اتر آئے۔

''ارے بھئی ہم تو مٹن پلاؤ پر پائے ڈال کر کھا رہے ہیں، بہت مزہ آرہا ہے۔ رخ تم بھی کھاؤ......'' رضوانہ کے مشورے پر فوراً عمل کرتے ہوئے پلاؤ پر پائے ڈال کر کھائے۔ ''اوووم کیا لطف آرہا ہے۔''

''کیسے لوگ ہیں یار کہنے کو مٹن پلاؤ بہت پسند ہے مگر مجال ہے جو یہ خواتین ہم مردوں کو اہمیت دے جائیں۔ مٹن پلاؤ پر رائتہ سلاد کو تو مسلط کیا ہی جاتا تھا اب یہ ہمارے ہی قبیلے کی آنٹی بچھیا کے پائے ہم پر لاد دیے پر ذائقے کا کریڈٹ آنٹی کے پائے کو دے رہی ہیں۔ دہائی ہے جائیں تو جائیں کہاں...... حقوقِ نسواں کا بل بھی پاس ہو چکا ہے۔''

''رخ ذرا کانٹا دینا۔'' یہ کون دہشت گرد تھا جو کھانے کی میز پر کسی ڈش کے بجائے کانٹا مانگ رہا تھا۔ ہماری رائٹرز کو چھونے کے لیے پلٹ کر دیکھا تو وہ دہشت گرد منزہ سہام تھیں اتنا حسین دہشت گرد تو چلے گا۔

''ارے امتل تم نے بہت دیر کردی یار......'' آج کے اس لنچ آپریشن کی جنرل سیما مناف کی اطلاع پر سب نے امتل اور واصفہ کو ویلکم کیا تو معلوم ہوا کہ آخری مہمان ہم نہیں یہ خواتین ہیں۔

قارئین لنچ آپریشن بڑی کامیابی سے جاری ہے ڈش پر ڈش آرہی ہے، جارہی ہے مگر کچھ خواتین جو نظر نہیں آرہیں چلیں ان کو ڈھونڈتے ہیں اور وہ بھی موبائل کیمرے کی آنکھ سے...... جی یہ خوب صورت سی خاتون جو لڑکی سی لگ رہی ہیں ایک عدد ساسو ماں ہیں، ماہنامہ پاکیزہ کی ملکۂ حسن اور اخلاق کی ملکہ جب بولتی ہیں تو عذرا رسول بہت پیاری لگتی ہیں۔ سامنے والا پریشان کہ ان کو دیکھے یا سنے۔ ماشاء اللہ حسین خاتون...... ان کے برابر میری فیورٹ شخصیت انجم انصار پاکیزہ کی مدیرہ ہیں۔ مگر میرے سمیت ہر کسی کی دوست اپنے بہترین مشوروں سے مطمئن کر دینے والی اور یہ جو انتہائی شوخ حسینہ ہیں۔ رضوانہ پرنس ہیں ان کی کزنز سے سنا تھا کہ یہ ہر محفل کی جان ہوا کرتی تھیں اور آج ہم کہتے ہیں جس محفل میں رضوانہ نہیں، ہمیں تو وہاں جانا نہیں کچھ ایسا قلبی ناتا ہے ان سے۔ صبیحہ شاہ چپ سی بیٹھی تھیں شاید کھا چکی تھیں۔ سیما مناف کے اس لنچ کی خاص بات یہ تھی کہ ملک کے چار بڑے پرچوں کی مالکان اور مدیرائیں

شریک تھیں...... ویسے تو ان کی ایک دوسرے سے کم، کم ہی ملاقات ہوتی ہوگی مگر اس وقت تھی شکر والی مثال یعنی گھل مل گئی تھیں۔ عقیلہ حق، ناہید فاطمہ، سکینہ فرخ، شگفتہ شفیق کی باتوں کو انجوائے کرتی ہوئی ہمارے کیمرے کی آنکھ سے بچ نہ پائیں۔

قلفی کھولتی ہوئی رفعت سراج کو ہم نے رنگے ہاتھوں پکڑلیا رنگے ہاتھوں تو پکڑوایا سیمارضا نے رضوانہ پرنس کو جو بی اماں کی طرح پان منہ میں ڈال رہی تھیں۔

سیمارضا کی نشان دہی پر ہم نے رضوانہ پرنس کے پان سے رنگے ہاتھوں اور ہونٹوں کو اپنے کیمرے میں قید کرلیا تو سب کی ہنسی پر معصومیت سے پوچھنے لگیں۔ ''کیا ہماری ویڈیو بن رہی ہے۔''

''جی وہ تو بن چکی۔''

ان خوب صورت لمحات کو کس طرح محفوظ کیا جائے کہ بار، بار انجوائے کیا جائے...... ویڈیو والا آئیڈیا اللہ کی طرف سے آیا تھا اور یہ آئیڈیا منزہ سہام کو بہت پسند آیا ...... پھر وہ باتوں میں مصروف ہوگئیں۔

''خاتون بات سنیں۔'' ہم نے منزہ سے کہا اور جیسے وہ چونک کر مڑیں ویڈیو بن گئی اس میں بہت حسین لگیں۔ آج کی میزبان نہایت محبت بھری ہیں۔ محبت کرتی ہیں، بانٹتی ہیں اب بھی بولائی سی پھر رہی تھیں لیکن دوستوں کی خدمت میں کوئی کمی نہیں رہ گئی ہو۔

''سیما کی کیا زیادتی ہوگئی۔'' تو گرین ٹی بھی آگئی۔ کھانے اور سویٹ کے بھاری بھر کم استعمال کے بعد نازک اندام رائٹرز تھک سی گئی تھیں۔ رضوانہ اور غزالہ رشید نے انتاکشری شروع کردیا۔ قارئین کرام کاش میں آپ کو ان خوب صورت لمحات کی اصل خوب صورتی بتا سکتی یا ویڈیو سینڈ کرسکتی کہ ہمیں کتنا مزہ آیا۔ رضوانہ اور غزالہ کی گانوں میں نوک جھوک تو ہو رہی تھی مزے دار جملوں نے ماحول کو زعفران بنا دیا تھا۔ سائرہ غلام نبی، سیمارضا، واصفہ سہیل خواتین ڈائجسٹ کی جنگ لڑتی رہیں۔ امتل صبور بڑی متین سی مسکراہٹ کے ساتھ سب کچھ دیکھتی رہیں۔

نہیں بھئی یہ کوئی ماڈل گرل نہیں ہیں میں بھی یہ سمجھی تھی کہ سیما مناف نے کیا کسی ماڈل گرل کو بھی بلایا ہے۔

یہ عامرہ شاہد ہے جنہوں نے چند مگر بہت خوب صورت شعر سنائے اور ...... اور قارئین یہ جو لڑکی کیمرے سے مسلسل چھپ رہی ہے دیکھیے تو کون ہے۔

''رخ میری ویڈیو اچھی نہیں آتی......'' یہ پیاری سی لڑکی ریحانہ امجد بخاری ہے'' تو ہم کون سا مس ورلڈ نظر آتے ہیں۔'' یہ کہہ کر ریحانہ کو کیمرے میں قید کرلیا......

پھر جانے کس کی فرمائش پر رفعت سراج نے اپنی خوب صورت آواز میں گیت سنایا۔ امتل صبور بڑی عقیدت سے سنتی پائی گئیں...... رفعت کی پیاری، پیاری بیٹیاں بھی نظروں کے حصار میں رہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ پارٹی ایسی ہے کہ میزبان بھی خاتون اور مہمان بھی خواتین کوئی مرد نہیں تو خواتین بڑی خوش تھیں...... مگر یہ کیا کیمرے میں اچانک ایک صاحب نظر آئے سب ہی چونکے ڈھلکے دوپٹے درست کیے گئے...... ارے یہ تو منیر بھائی ہیں، رفعت سراج کے میاں جی جو میزبان سیما مناف اور امتل سے باتیں کررہے تھے۔ قارئین میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ اس یادگار لنچ کا ایک، ایک لمحہ آپ سے شیئر کروں وہ ویڈیو سینڈ کروں، پر کھتوں مجھے اپنی وڈیو میں تین خواتین پر بہت پیار آیا۔ عذرا رسول پان کھاتی بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ رضوانہ پرنس جن کے ہونٹوں پر پان لگا تھا۔ اور انجم انصار کی دبی، دبی مگر شریر ہنسی جس کو وہ ناہید کی اوٹ میں چھپ کر روک رہی تھیں بہت پیاری لگ رہی تھی۔

تو ڈیئر قارئین رائٹرز لنچ کے ساتھ کیسا لگا، ڈشز آپ کو کیسی لگیں ضرور بتایئے گا۔ یہ سب کی سب سیما مناف نے بنائی تھیں اس دن پتا چلا سیما اچھی رائٹر کے ساتھ بہت اچھی شیف بھی ہیں...... یار زندہ صحبت باقی آپ سب خوش آباد رہیے...... اپنے احوال کا اختتام اس شعر پر کرتی ہوں۔

کان بہت عزیز تھے ورنہ
کتنی شوخیاں نوک قلم تک آئی تھیں

☆☆☆

باتیں بہار و خزاں کی

زندگی رات دن کی گردش ہے
کچھ خزاں کی ہے کچھ بہار کی بات

عزیز بہنو! ہم ہمیشہ ہی سے کچھ نہ کچھ نیا اور دلچسپ کرتے چلے آئے ہیں سو آج بھی ایک مختصر مگر جامع سوالنامہ حاضر خدمت ہے تا کہ آپ کی اپنی شخصیت کے بھی کچھ نہاں پہلو سب کے سامنے آئیں اور آپ کے ذاتی افکار، خیالات اور تجربات سے ہم سب بھی آگاہ ہوں اور لطف بھی اٹھائیں۔ امید ہے آپ کو یہ اچھوتا سلسلہ بہت پسند آئے گا۔

سوالات حاضر خدمت ہیں۔

☆ نرگس تبسم ......صابہ موہڑہ، چکوال

1- ایک عورت کیسے اپنی شخصیت کو پُر اثر بنا سکتی ہے۔ میرے خیال میں ہر عورت چاہے ہاؤس وائف ہو یا سروس کرنے والی...... اپنے، اپنے ہنر کی بدولت اپنی شخصیت کو پُر اثر بنا سکتی ہے۔ مگر سب سے پہلے اپنے گھر اور بچوں پر لازمی توجہ دیں کہ یہ کوئی بات نہ ہوتی کہ ایک عورت کی دنیا تعریف کر رہی ہو اور اس کے بچے اس کے بیان کی نفی کی تفسیر بنے ہوں...... اچھے سمجھدار اور باتمیز بچے بھی عورت کی اچھی شخصیت کی پہچان ہیں......اس کے علاوہ اچھا اخلاق بھی

2- زندگی میں بہت سے واقعات رونما ہوئے مگر ایک واقعہ ایسا ہے کہ جس نے میری زندگی کا رخ بدل کر مجھے اپنے رب کے بہت قریب کر دیا...... چونکہ واقعے کی تفصیل لمبی ہے سو ڈ کر رہنے دیں مگر اس سے میں نے بہت کچھ سیکھا ضرور......

3- پاکیزہ رسالے کا نام ہی پاکیزہ نہیں بلکہ اس کا معیار بھی پاکیزہ ہے۔ اپنے منفرد انداز، معلوماتی مواد کی بنا پر مجھے بہت پسند ہے۔ سب ہی سلسلے پسند ہیں۔ خاص کر بہنوں کی محفل، جلترنگ، اداریہ، دین کی باتیں ہوں یا کوئی بھی سلسلہ، ہر سلسلہ اپنی جگہ لاجواب ہے۔ اب تو پاکیزہ میں اتنا کچھ اور اتنا اچھا پڑھنے کو مل رہا ہے کہ نیا سلسلہ لگے بھی تو صفحات ہی بڑھانے پڑھیں گے۔ ہم پرانے سلسلے بالکل بھی بند کرنا پسند نہیں کریں گے۔ بہر حال نیا جو بھی ہوگا...... اچھا اضافہ ہی ہوگا اور خوش آئند بھی......

4- پاکیزہ مصنفات کی تعریف ہی کروں گی سب اچھا ہی لکھ رہی ہیں۔ مگر ایک بات کہنا چاہوں گی کہ پاکیزہ واحد رسالہ ہے جیسے ہم بلا تفریق اپنی بچیوں کو ایک قسم کی تربیت کے لیے پڑھنے کو دیتے ہیں تا کہ ان میں شعور پیدا ہو......تو



مصنفات سے التجا ہے کہ ایسی کوئی کہانی مت لکھیں......جن میں گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کی حوصلہ افزائی ہو...... کہ کچے ذہن صرف اینڈ کو سمجھتے ہیں جو کہانی کا انجام ہوگا بچیاں ویسا ہی اثر قبول کریں گی۔ ویسے تو پاکیزہ کی سب بہنیں ان باتوں کا خیال رکھتی ہیں......مگر کہنے میں تو کوئی حرج نہیں کہ کہیں نئی لکھاری کچھ ایسا ویسا نہ لکھ دے......

5- اپنا تعارف دو جملوں میں......

وجود اپنا ہو سب کے واسطے گو دھوپ میں سایہ
کسی کی آنکھ پُرنم ہو......کبھی ہم ایسا غم نہ دیں

☆ نفیسہ آرا......راس الخیمہ یو اے ای

1- سوال اگرچہ مختصر مگر جواب وضاحت طلب ہے۔ زندگی گورکھ دھندا بذاتِ خود نہیں بلکہ ہمارے اپنے افعال، اعمال اور سوچ اسے گورکھ دھندا بنا کر رکھ

1۔ روز و شب کے اس گزرتے گورکھ دھندے میں خواتین اپنی شخصیت کو کیسے پُراثر بناسکتی ہیں، آپ کا مشورہ اپنے تجربے کے حوالے سے......

2۔ آپ کی زندگی کا کوئی دلچسپ قصہ، واقعہ یا لمحہ جس نے آپ کے فکر وخیال کا رخ موڑ دیا۔

3۔ پاکیزہ کے مختلف سلسلے کیوں پسند ہیں؟ اور آپ کون سا ایسا سلسلہ شروع کرنا چاہیں گی جو سب کو پسند بھی آئے؟

4۔ پاکیزہ مصنفات سے آپ کیا کہنا چاہتی ہیں......کوئی دل کی بات؟

5۔ اپنے تعارف کو دو جملوں یا دو اشعار میں بیان کیجیے۔

آپ کے قیمتی خیالات کا انتظار رہے گا۔ آپ چاہیں تو اپنی تصویر بھی ارسال کرسکتی ہیں۔

دیتی ہے۔ ورنہ بحیثیت مسلمان ہمیں تو بہت سادہ اور اطاعت گزار بندے کے مانند رہتا ہے جس سے نہ اپنی زندگی مسائل کا شکار ہو اور نہ دوسروں کی ......بس اسلامی تعلیمات اور بہترین معاشرتی اقدار پر عمل کر کے خواتین تو کیا مرد بھی اپنی زندگی کو پُراثر اور خوب صورت بنا سکتے سکتے ہیں۔ میں نے تو اپنے والدین سے بھی سیکھا ہے اور ماشاء اللہ سے بچوں کی تربیت بھی اسی طرح کر رہی ہوں۔ اللہ کی مدد شاملِ حال رہی تو سب بہتر ہی ہوگا انشاء اللہ......

2۔ یہ سوال بھی کافی ٹرن لیے ہوئے ہے۔ بچپن میں جو کچھ ہم سوچتے تھے نوعمری میں آکر بالکل بدل گیا۔ دنیا دیکھنا شروع کی تو طرح، طرح کے کرشمے نظر آئے سوچ اسی کے مطابق ہوگئی...... نوعمری سے نوجوانی اور جوانی کے مراحل طے کیے تو بالکل ہی بدل گئے۔ پھر لڑکی کی زندگی شادی اِک ایسا موڑ ہوتی ہے جس سے خیالات کیا دل و دماغ سب ہی بدل کر رہ جاتا ہے جہاں اپنی ذات کو پیچھے رکھ کر دوسروں کی ذات کے بارے میں سوچنا اور ان کے خیالات کے مطابق عمل کرنا...... ظاہر ہے اس سے بڑھ کر اور بڑی تبدیلی کیا ہوسکتی ہے۔ بس انہی سرد و گرم اور پھر خوشگوار اور ناخوشگوار ماحول میں زندگی کے شب و روز گزرتے چلے گئے اور الحمدللہ والدین کی تربیت نے قدم، قدم پر ساتھ دیا سو اللہ کے فضل و کرم سے اچھی گزر رہی ہے۔

3۔ پاکیزہ کے سلسلے چونکہ مختلف ہیں عام شعبۂ زندگی کا احاطہ کرتے ہیں......اور ان میں ورائٹی ہے......مزیدار ہیں اور معلوماتی بھی...... ہاں کبھی کبھی مضامین کسی بھی اچھے موضوع پر ضرور شائع ہونا چاہیے......اس میں ہم پردیسیوں کے لیے بھی صفحات رکھیں کہ اپنے، اپنے ملکوں کی سرگرمیاں اور حالات بھی بتائیں...... یہاں مختلف قومیتوں کے لوگوں کی بڑی دلچسپ باتیں ہوتی ہیں......اور اردو سمجھنے والے پاکیزہ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

4۔ پاکیزہ مصنفات سے دل کی بات تو سب کے سامنے کیسے کروں بھئی...... ہاں اتنا کہوں گی آپ سب بہت اچھا لکھ رہی ہیں بس کبھی کبھی کوئی کہانی بور بھی ہوجاتی ہے مگر زیادہ تر اچھی کہانیاں شامل ہوتی ہیں...... نئے نام تو آتے ہیں مگر پھر غائب بھی ہوجاتے ہیں...... اچھے موضوعات لائیں اور غریب اور مزدور طبقے کے اوپر بھی کہانیاں لکھیں۔ تمام مصنفات کو بے حد سلام......

5۔ کیا تعارف کرواؤں کہ ہم سادہ دل، سادہ لوح اور سادہ مزاج ہیں۔

مجھے بارش کی چاہت نے ڈبویا
میں پختہ شہر کا کچا مکاں ہوں

☆ مسز فرخندہ،......مدینہ سیداں

زندگی کے اس گورکھ دھندے میں خزاں بھی آتی ہے اور بہاریں بھی یہ خواتین پر منحصر ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ان کا کیا اثر لیتی ہیں۔ اپنے آپ کو پُراثر کیسے بنایا

جائے تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کو دل میں رکھیں دل غنی رکھیں چاہے ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو بانٹ کر کھائیں۔ صدقہ کریں اگر توفیق ہے تو قربانی ضرور کریں، دوسروں کے کام آئیں...... بیماروں کی عیادت کریں۔ نماز پڑھیں گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کی کوشش میں لگے رہیں۔ صرف اچھا لباس پہن کر اور ڈھیر سارا میک اپ کرنے پر آپ کی شخصیت پُراثر نہیں بن سکتی۔

2- میری زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ ہے جس سے میں نے بہت کچھ سیکھا...... میرے بچپن کی بات ہے ایک دن ہم سب گھر والے گاؤں میں صحن میں سوئے تھے۔ میں ہر روز کمروں کی کنڈیاں لگاتی تھی جب سونے کا وقت ہوتا تھا ایک دن میں ایک کمرے کی کنڈی لگانا بھول گئی میری امی مرحومہ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے (آمین) انہوں نے پوچھا کہ تمام کمروں کو کنڈیاں لگا دی ہیں۔ کیونکہ ان دنوں ہمارے گاؤں میں بہت چوریاں ہو رہی تھیں۔ میں نے کہا لگا دی ہیں۔ سخت گرمی کا موسم تھا سب درمیان میں پنکھا لگا کر سو گئے۔ رات کو امی جان کی آنکھ کھل گئی اور سامنے والا دروازہ کھلا دیکھ کر انہوں نے میرے بڑے بھائی کو جگایا کہ اٹھو کمرے میں چور ہے میں نے جب یہ سنا تو چادر سر پر تان لی میرا بڑا بھائی بہت بہادر تھا اس نے سر پر پگڑی باندھی۔ ڈنڈا ہاتھ میں لیا اور چھلانگ لگا کر کمرے میں گھس گیا۔ اندر سخت اندھیرا تھا۔ میرے بھائی نے ڈنڈے مار، مار کر پرچھتی کے سارے برتن توڑ دیے اور کہا کہ تو جو کوئی بھی ہے بچ کر نہیں جا سکتا...... اتنی دیر میں بجلی آگئی ہم سب بھائی کے پیچھے گئے تاکہ چور مل کر پکڑ لیں۔ مگر یہ کیا تمام برتن ٹوٹ چکے تھے۔ تھوڑی دیر میں تمام محلے والے بھی صحن میں جمع ہو گئے۔ ہوا یوں کہ میں کنڈی لگانا بھول گئی تھی جب ہوا چلی تو دروازہ کھل گیا۔ بعد میں جو ہنسی کا دورہ پڑا مگر میری امی جان ٹوٹے ہوئے برتنوں کے پاس بیٹھ کر افسوس کرنے لگیں کہ میرے اتنے قیمتی برتن ٹوٹ گئے۔ مجھے بھی جھڑکیاں دیں مجھے یہ سبق ملا کہ اگر کوئی کام بھول جاؤ تو دوبارہ دیکھ لو ورنہ نقصان ہو سکتا ہے۔ اور بے پروائی سے کام نہ لو...... بڑوں کی بات دھیان سے سنو......

3- پاکیزہ کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں چاہے کہانیاں ہوں اداریہ ہو سلسلے وار ناول ہوں، منی ناول ہوں، مکمل ناول ہوں، ناولٹ ہوں، افسانے ہوں...... خصوصی مضامین یادوں کی مالا پڑھ کر دل میں روحانیت پیدا ہوتی ہے۔ شمع ہدایت، مختلف موضوع اچھے اور دل پر اثر کرنے والے اور ہدایت دینے والے ہیں۔ نزہت اصغر نے جو سلسلہ بیادِ رفتگاں شروع کیا ہے کہ ہم جانے والوں کو بھولے نہیں...... بہت اچھا سلسلہ ہے ان کے اچھے کارنامے ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ شائستہ زریں...... نے عورت آپ ہی قاتل آپ ہی مسیحا...... بہت اچھا سلسلہ شروع کیا ہے ایک عورت کو دوسری عورت کا استحصال کرتے وقت سوچنا چاہیے کہ کل کو یہ وقت آپ پر بھی آ سکتا ہے۔ اسے اپنی ہم جنس کی مدد کرنی چاہیے مرد کے پیچھے لوڑ لوڑ پھرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا...... مرد، عورت پر کم ہی ظلم کرتے ہیں ہمیشہ عورت ہی عورت کی دشمن ہوتی ہے۔ عورتوں آئندہ احتیاط کرو اپنے اوپر ظلم نہ کرو...... یہ تمام سلسلے اچھے ہیں۔

4- پاکیزہ مصنفات سے میں یہی کہوں گی کہ ماشاء اللہ آپ بہت محنت کر رہی ہیں بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ بہت اچھے پیغامات دے رہی ہیں اگر کوئی ایسا منفی کردار ہو تو اسے اپنی کہانی سے جلد نکالنے کی کوشش کیا کریں...... مثلاً سارہ، اسجد کا کردار اس کردار کو موڑ کر اچھائی کی طرف بھی لایا جا سکتا ہے تاکہ قلم کی حرمت برقرار رہے۔ باقی سب اچھا ہے، میں سب کو مبارک باد دیتی ہوں۔ اچھی رائٹر کی کہانی حقیقت کو کچھ نہ کچھ چھو رہی ہو تو دلوں پر حکومت کرتی ہے۔

5- میں بظاہر کسی گنجان شہر میں رہتی ہوں
مگر یہ شہر نہیں آباد کھنڈر میں رہتی ہوں
ہر ایک لمحہ جہاں مدتوں پر بھاری ہے
میں اس خیال کے حیرت کدے میں رہتی ہوں



بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ......!

☆حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا...... اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو...... یاالٰہی دونوں جہاں میں ازل سے ابد تک سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے...... الٰہی آمین۔

☆☆☆

☆پیاری بہنو! میں سوچ رہی تھی کہ سب سے پہلے آپ کو پاکیزہ کے سالگرہ نمبر دو کی مبارک باد دوں گی اور یہ بھی بتاؤں گی کہ ہمارا سالگرہ کا شمارہ بے حد پسند کیا گیا ماشاء اللہ...... اور پھر میں مدرز ڈے کے حوالے سے سب ماؤں کو سلام کر کے اپنی ماں کی ایک چھوٹی سی بات بھی آپ سے شیئر کروں گی۔ انہوں نے بہت پہلے مجھ سے کہا تھا ’’اگر کسی کی بات کی راز داری کر لی جائے تو اللہ ہماری راز داری کیا کرتا ہے۔‘‘ مگر اس وقت ان کی بات سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی اپنے پیاروں کے ساتھ بیٹھ کر غیبتوں کے نہ صرف شامیانے کھڑے کیے بلکہ ہر ستون پر چراغاں کیا آپ بھی ممکن ہے ایسا ہی کرتے ہیں یا شاید ہنسنے ہنسانے اور خوشی کا مفہوم ہی اب یہ رہ گیا ہے کہ دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھا جائے اور ان پر ہنسا جائے مگر آج میں رو رہی ہوں ندامت سے آپ بھی میرے لیے دعا کیجیے گا کہ اللہ مجھے معاف فرمائے اور میں آپ کے لیے دعا کروں گی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک توفیق عطا فرمائے...... آمین اور اس وقت میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں...... لاہور میں ہونے والے بم دھماکے سے جس میں ہزاروں گلشن اجڑ گئے...... اور ان سے وابستہ بے شمار لوگ خوشی کا مفہوم تک بھول گئے...... یا خیبر پختونخواہ میں آنے والے تیز و تند سیلاب کی نذر ہو جانے والی ہلاکتوں پر اپنے دکھ کا اظہار کروں یا پھر ان حیا باختہ گیسٹ ہاؤسز کا ذکر کروں جہاں بیڈ رومز میں خفیہ کیمرے اس وجہ سے لگائے گئے تھے کہ وہاں آنے والوں کو بلیک میل کیا جائے اور وہاں آنے والی خواتین کو اپنا روبوٹ بھی بنایا جائے (اور بنایا بھی گیا) یا پھر میں ان لوگوں کو برا بھلا کہوں جو معصوم کلیوں کو مسلسل اپنی زیادتی کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ ایک واقعے کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا واقعہ ہوتا چلا جا رہا ہے یا میں ان اساتذہ کا منہ کالا کروں جو استاد کا محترم رشتہ بھول کر صرف نفس کے غلام بن گئے اور یا پھر پانا مالیکس کا ذکر کروں کہ اس حمام میں سب ہی ایک جیسے ہیں (استغفر اللہ) اس لیے آج میں آپ سے کچھ نہیں کہہ رہی کچھ بھی نہیں...... مگر بس صرف اتنا ضرور کہوں گی کہ جس طرح ایک چڑیا نے اپنے منہ میں پانی کی بوند بھر کر آگ بجھانے میں اپنا کردار ادا کیا تھا یہی کچھ ہمیں کرنا ہے...... اچھی بات، سچی بات، نیک بات کو آگے پھیلانے والوں کو اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا رحم کرم اور فضل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆آیئے اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درودِ ابراہیمی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیتِ کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

✖ معروف و محبوب اداکارہ اور مصنفہ نیلوفر عباسی کے اعزاز میں محترمہ عذرا رسول نے ایک تقریب سن سیٹ کلب ڈیفنس میں منعقد کی جس میں مصنفات نے بھی شرکت کی۔ اس تقریب میں محترمہ عذرا رسول نے کلماتِ تشکر کے بعد ان سے اپنی پہلی ملاقات کا احوال بتایا یہ تقریب اس لحاظ سے بھی منفرد تھی کہ اس میں مصنفات نے نیلوفر عباسی سے ان کی اداکاری کے ساتھ، ساتھ ان کے لکھنے کے حوالے سے بھی سوالات پوچھے...... ہمارے علاوہ جن مصنفات نے ان سے سوالات کیے ان کے نام یہ ہیں۔ شگفتہ شفیق، غزالہ رشید، عقیلہ حق، سیما رضا ردا، رخ چوہدری، تسنیم ماپارا، ناہید فاطمہ اور ڈاکٹر ممتاز ضیا اور زبردست سی ہائی ٹی سے پہلے ہم نے جلترنگ کا ایک خاکہ بھی سنایا۔

☆ گزشتہ دنوں تسنیم ما پارا ولڈ فیس، کراچی نے اپنی رہائش گاہ پر مصنفات کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا جس میں محترمہ عذرا رسول، یاسمین رشید، نزہت اصغر، عقیلہ حق، عطیہ عمر، رضوانہ پرنس، شائستہ اعجاز، نعمانہ ایک اور تسنیم ما پارا کی عزیز سہیلی عارفہ اور تسنیم کی بیٹی فریحہ نے بھی بطور خاص اپنی سسرال سے آکر شرکت کی۔

☆ اس سہ ماہی میں ریڈیو پاکستان FM93 سے معروف مزاح نگاروں کے ساتھ ساتھ نئے مزاح نگاروں کے بھی مضامین ان کی اپنی آواز میں ہر اتوار کو نشر کیے جا رہے ہیں۔ اس پروگرام کے لیے میں نے اور عظمیٰ آفاق نے اپنے خاکے ریکارڈ کرائے۔

★ نبیلہ فردوس کا ناول چاند جلتا رہا شائع ہو گیا ہے۔ یہ ایک عام فہم اور دلچسپ طرز تحریر کی حامل کتاب ہے۔ جو پڑھتے ہوئے بچی آپ بیتی معلوم ہوتی ہے۔ اس ناول کو پڑھتے ہوئے مجھے اتنا مزہ آیا کہ میں نے اسے ایک نشست میں پڑھ ڈالا۔ اس طرح کی کہانیوں میں جزئیات نگاری اتنی تفصیل سے بیان نہیں کی جاتی جیسے ہیروئن کی کنکی صباحت وابستہ جس کے سفر کا لرزہ خیز واقعہ اس میں شامل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور سگی بہن کی بے اعتنائی کو صرف اجاگر بھی کرنا چاہیے تھا۔ مگر بحیثیت مجموعی یہ ایک اچھا ناول ہے جس کی قیمت صرف تین سو روپے ہے جو آپ کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ کتاب منگوانے کا پتا دعا پبلی کیشنز احمد مارکیٹ اردو بازار، لاہور فون نمبر 042.37233585 نبیلہ بھی آپ کو مبارک......

★ عظمیٰ آفاق سعید کی کتاب ذرا سا گھوم لوں میں تین ملکوں کا دلچسپ سفر نامہ ہے۔ جس کا انتساب ہمارے نام ہے۔ کتاب کے فلیپ پر محترمہ عذرا رسول، عامرہ شاہد اور دیگر مصنفات کی رائے شائع کی گئی ہے۔ کراچی میں یہ کتاب ویلکم بک رپورٹ اردو بازار سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ لاہور اور دیگر شہروں کے قارئین کتاب کے پبلشر محمد علی قریشی، ملاہور سے ان فون نمبرز پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ 042.37652546.042.37668958 اور کتاب بذریعہ وی پی بھی منگوا سکتے ہیں۔

★ معروف شاعرہ، سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا کی ذہین ترین بیٹی حورین فیصل نے ایک بار پھر انٹرنیشنل ایوارڈ حاصل کر کے ہر جگہ اپنی دھوم مچا دی۔ (ماشاء اللہ، مبارک باد)

★ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور سرکاری اسکول کی معلمہ امینہ عندلیب، سلانوالی کا اس سال بھی ان کے مضمون کا رزلٹ سو فی صد رہا۔ اتنی بیماری میں بھی ایک قابل ٹیچر کے شاندار رزلٹ کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ سرگودھا تعلیمی ڈویژن کو ایسی ٹیچر کو تو ایوارڈ دینا چاہیے۔

★ گزشتہ دنوں ہماری اسلام آباد میں مقیم دو مصنفات اسٹریٹ کرائمز کی زد میں آگئیں...... جی ہاں...... رفاقت جاوید سے کوئی ان کا والٹ چھین کر بھاگ گیا اور یہی کچھ صائمہ اکرم کے ساتھ ہوا کوئی چھلاوا نما لڑکا ان کے ہاتھ سے پرس چھین کر یہ جا وہ جا...... (بے حد افسوس ہوا)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

★ پاکیزہ کی شاعرہ پروین عذرا تشنہ، کراچی ان دنوں علیل ہیں۔

★ پاکیزہ کی شاعرہ عالیہ ضیا، کراچی کی طبیعت ناساز ہے۔

★ پاکیزہ کی مستقل قاری شہلا ظفر کی طبیعت ان دنوں زیادہ خراب ہے۔

★ پاکیزہ کی شاعرہ فریدہ فری یوسف زئی، لاہور بستر علالت پر ہیں۔

★ پاکیزہ کی مستقل قاری پروین چوہدری، لاہور بیمار ہیں۔

★ مصنفہ حیا بخاری، ڈیرہ اسماعیل خان کی طبیعت ناساز ہے۔

★ ہم سب کی لاڈلی شاعرہ اور تبصرہ نگار امینہ عندلیب، سلانوالی کو بھی آپ کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔

انتقالِ پُرملال

★ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ کے شوہر عبدالرزاق بیگ انتقال کر گئے۔

★ اس ماہ ڈاکٹر آرزو عظیم کے والد سید خالد جیلانی کی برسی ہے۔

★ اس ماہ ناظم آباد، کراچی کی ہر دلعزیز شخصیت محترمہ بسم اللہ بیگم کی برسی ہے۔

ہ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار شگفتہ ناصر، فیصل آباد کے والد اور بھائی کی اس ماہ برسی ہے۔
نوٹ: تمام مرحومین کی مغفرت کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

☆☆☆

ہ سمیرا حمید فاروق، کراچی سے۔ ''سب سے پہلے اپنی فیورٹ رائٹر شیریں حیدر کا انٹرویو پڑھا، بہت اچھا لگا۔ بے حد خوب صورت خاتون ہیں۔ تصاویر بہت اچھی لگیں اور جوابات بھی...... مگر اپنی پرسنل لائف کے بارے میں بھی مزید بتانا چاہیے تھا۔ نایاب جیلانی کے ناول کی قسط اس ماہ قدرے آگے بڑھی ہے۔ نگہت سیما نے ماضی میں لمبی چھلانگ لگائی تھی شکر ہے کہ تانے بانے جڑتے جارہے ہیں۔ ''در ثمن بلال بھی اچھا لکھ رہی ہیں۔ اور آپ کا ناول مجھے اس وجہ سے بھی پسند آرہا ہے کہ موضوع مختلف ہے اور دوسرے جملوں کی چٹکیاں بھی مزید لطف دیتی ہیں۔ سالگرہ نمبر کا جلترنگ بہت ہی پسند آیا۔ میں ایک بات اپنی قلم کار بہنوں سے کہنا چاہتی ہوں کہ ہیرو اور ہیروئن کے نام اتنے مشکل نہیں رکھا کریں کہ پڑھتے ہوئے بھی دھچکے سے لگیں تو پسندیدگی کا گراف بھی کم ہوگا......'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے۔)

ہ اسما، کراچی سے۔ ''کسی بھی رسالے کے لیے پہلی مرتبہ اپنی کچی رائے دے رہی ہوں (خوش آمدید) اس دفعہ کے جلترنگ نے مجھے بھی کچھ کہنے کا موقع دیا۔ میں پہلے تو پڑھ کر بے حد ہنسی اور آپ کو اپنی شہر سے آنے والی ساس کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں کہ وہ کھانے پینے کی ماشاء اللہ اس قدر شوقین تھیں کہ جب وہ جارہی تھیں تو کہنے لگیں...... جو تم کاکے کو اسکول کے لیے دیتی ہو، اس کے ڈبے میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ جی ہاں وہ نگٹس، ساتھ لے کر گئی تھیں۔'' (پیاری اسما بچہ اور بوڑھا تو برابر ہوجاتا ہے ناں...... جلترنگ کی بات تو ہنسنے ہنسانے کے حوالے سے تھی، مگر حقیقت میں ہمیں اپنے بزرگوں کے کھانے پینے کا اپنے بچوں کی طرح ہی خیال رکھنا چاہیے)

ہ رفاقت جاوید، اسلام آباد سے۔ ''انجم سب سے پہلے تمہارا ناول گم شدہ محبت پڑھا اور بہت ہی اچھا لگا۔ ایک ایک پیراگراف میں زندگی سانس لیتی نظر آئی۔ واہ...... اختر شجاعت نے جس موضوع پر لکھا ہے اسی موضوع پر میں ان دنوں کتاب لکھ رہی ہوں۔ اس لیے مجھے بہت اچھا لگا۔ عقیلہ حق کی کہانی بھی پڑھی اور مجھے اچھی لگی۔ میری جانب سے تمام مصنفات کو بے حد مبارک باد دیں کہ مارچ کے شمارے اور اپریل کے شمارے کی تمام تحریریں بہترین رہی ہیں اور سب کو بے حد سلام بھی......'' (پسندیدگی کا شکریہ، ہماری مصنفات بھی آپ کو سلام کہتی ہیں)

ہ شمازیہ، گجرات سے۔ ''اعتبارِ وفا کے سلسلے میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں نگہت سیما سے کہ بابر نے جب وسیم سے کہا تھا کہ مردہ بچہ وہاں رکھ آؤ اور لڑکی کو کوٹھے پر دے آؤ پھر مجھے کہنا یہ ہے کہ اگر چندا کی دو بیٹیاں ہوتیں تو تب تو ایک اس نے کوٹھے پر بھجوادی تھی اور دوسری لڑکی جو اس کے پاس ہے وہ ارتقاع ہے...... حالانکہ بابر نے کہا کہ لڑکا رہنے دو اور لڑکی لے جاؤ...... اگر لڑکی وہاں چلی گئی تھی (لڑکی تو گئی ہی نہیں تھی) تو اس کے پاس بیٹا ہونا چاہیے تھا...... پھر یہ ارتقاع کون ہے؟ (آپ سے عرض ہے وہی قسط دوبارہ پڑھیں آپ کو بات سمجھ آجائے گی) شیریں حیدر کا انٹرویو بے حد اچھا لگا بلکہ اب تک آنے والے انٹرویوز میں سب سے اچھا لگا۔ انجم باجی اب بات کروں گی آپ کے ناول گم شدہ محبت کی...... پڑھ کر بہت ہی اچھا لگ رہا ہے۔ اس مرتبہ عظمیٰ آفاق کی لکھی ہوئی تقریب کی کوریج پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ عذرا آنٹی کی تصویر بہت پیاری تھی...... ہاں ہمیں عظمیٰ آفاق کی تحریر ہر ماہ چاہیے......'' (اس محفل میں خوش آمدید اور آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

ہ شبانہ شوکت، حیدر آباد سندھ سے۔ ''پاکیزہ آیا تو سب سے پہلے ذرا سا گھوم لوں کی تقریب کا احوال پڑھا اور بہت انجوائے کیا خاص طور پر یہ لفظ اپنے گھر کی اتنی صفائی کی وہ اپنا، اپنا سا نہیں لگ رہا تھا...... عظمیٰ آفاق کی تحریر میں نہ شوبازی ہوتی ہے اور نہ ہی وہ خود نمائی کے گن گاتی ہیں۔ سادہ انداز ہوتا ہے جو پڑھنے والوں کے دل موہ لیتا ہے۔'' (شبانہ اب تمہاری یہ ڈھیر ساری تعریف پڑھ کر عظمیٰ یقیناً اپنا ویٹ بڑھا لے گی)

ہ سدرہ، فیصل آباد سے۔ ''پاکیزہ میرا واحد دوست ہے۔ میں کہیں بھی نہیں جاتی حتیٰ کہ میکے بھی نہیں۔ انجم باجی آپ کی

باتیں مجھے سہارا دیتی ہیں...... اس ماہ میں میمونہ صدف کا مکمل ناول پڑھ کر بہت روئی...... رضوانہ پرنس نے بھی بہت اچھا لکھا۔ دُرِثمن بلال بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ بہنوں کی محفل میں جا کر ایک سکون سا ملتا ہے جیسا کہ کسی اپنے سے مل کر لگتا ہے۔ میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ مجھے پاکیزہ کتنا پسند ہے...... میں جلترنگ بار، بار پڑھتی ہوں، گم شدہ رائٹر جو ہیں ان کو ہمیشہ پڑھ کر بھی اچھی لگتا ہے اور دیکھ کر بھی اچھا لگا۔'' (پیاری سدرہ اس محفل میں خوش آمدید اور پسندیدگی کا شکریہ)

✤ فرحانہ پروین، راول پنڈی سے۔'' سالگرہ نمبر زبردست لگا...... سرورق بھی لاجواب اور تحریریں بے مثال...... سب سے پہلے گم شدہ محبت کی قسط پڑھی اور بہت پسند آئی۔ اب دل ہمارا صبا کے ساتھ، ساتھ دھڑک رہا ہے۔ شیریں حیدر کے انٹرویو کے بارے میں اگر یہ کہوں کہ یہ اب تک شائع ہونے والے انٹرویوز میں سب سے بہترین تھا جوابات کے حوالے سے بھی اور خوب صورت تصاویر کے لحاظ سے بھی کیا شیریں آنٹی واقعی بہت خوب صورت ہیں۔ (جی ہاں) عظمیٰ آفاق، ہالہ احمد، اور میمونہ صدف کی تحریریں پسند آئیں۔ نایاب اچھا لکھ رہی ہیں۔ آپ سے ایک شکایت ہے کتنی بار آپ سے کہا ہے کہ جلترنگ میں خاکہ۔ ڈبل بیڈ دوبارہ شائع کریں...... بہت ہی مزے کا تھا۔'' (بیٹا ہمارا خاکہ ڈبل بیڈ کوئی پانچ مرتبہ تو شائع ہو چکا ہے اچھا پھر لگا دیں گے۔ اس ماہ تو امینہ عندلیب کی پسند کا خاکہ لگایا ہے۔ ہاں ہماری تمام مصنفات شکریہ ادا کر رہی ہیں)

✤ مسز نزہت اشفاق، کراچی سے۔'' مجھے نایاب جیلانی کا ناول اپنے نئے موضوع کی وجہ سے بہت ہی پسند آیا ہے۔ عظمیٰ آفاق کی کتاب ذرا سا گھوم لوں میں آہستہ، آہستہ مزے لے، لے کر پڑھ رہی ہوں۔ یہ لڑکی جیسا بولتی ہے ویسا ہی بے دھڑک لکھ بھی دیتی ہے۔ شیریں حیدر میری پسندیدہ مصنفہ ہیں۔ ان کو پڑھ کر تو ہمیشہ خوشی ہوتی ہے مگر انہیں دیکھ کر بھی بہت اچھا لگا مگر ان کے انٹرویو کا پارٹ 2 بھی آنا چاہیے جس میں ان کی باتیں ان کی نجی زندگی کے حوالے سے ہونی چاہئیں۔ (جی ضرور، شیریں تیار ہو جاؤ بھئی) ہاں گم شدہ محبت اور بہنوں کی محفل کا کوئی جواب نہیں۔'' (شکریہ)

✤ فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی سے۔'' کئی دن پہلے آپ سے فون پر بات ہوئی بہت دل خوش ہوا جس طرح میں آپ کی تحریر آپ کے انداز اور آپ کے خیالات سے متاثر ہوں اسی طرح آپ کی آواز اور آپ کے اندازِ گفتگو سے متاثر ہوئی۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور آپ کی نیکیوں کا آپ کو بہت اچھا اجر فرمائے، آمین۔ میں ایک عرصے سے امریکا میں رہتی تھی اب کچھ دنوں سے پاکستان آ گئی ہوں۔ کافی عمر ہو گئی ہے اور اس عمر میں ایک مددگار کی ضرورت ہوتی ہے جو مغربی دنیا میں مہیا ہونا مشکل ہے۔ وہاں بھی پاکیزہ پڑھتی تھی مگر خط نہیں لکھ سکی۔ لکھنے لکھانے کا تھوڑا شوق ہے۔ (اب آپ کے خط کا انتظار رہا کرے گا) پاکیزہ کی بہت سی چیزیں پسند ہیں، آپ کا اداریہ، بہنوں کی محفل کا شروع اور آخر کا حصہ، خاص کر پسند آتا ہے۔ مصنفات میں بھی بہت سی بہنیں بہت اچھا لکھتی ہیں۔ عمیرہ احمد، نمرہ احمد، عنیزہ سید، مسز عظمیٰ آفاق اور بہت سی بہنوں کا شکریہ جو اتنا اچھا لکھ رہی ہیں۔ (نوازش) ایک بات یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اکثر ناموں کے مطلب سمجھ میں نہیں آتے۔ بہنوں سے کہنا ہے کہ جب نیا نام استعمال کریں تو صرف پہلی بار اس کا مطلب بریکٹ میں لکھ دیا کریں...... عذرا رسول کو ان کی محبتوں اور خوب صورت الفاظ کے لیے بہت شکریہ اور سلام کہہ دیں۔'' (فریدہ اس محفل میں خوش آمدید...... آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے اور آپ کی شاعری ہمیں بے حد پسند آئی ہے۔)

✤ ذکیہ ایوب، کراچی سے۔'' سب کا بے حد شکریہ جنھوں نے میرے لیے دعائیں کی...... سالگرہ کا شمارہ پڑھا اس مرتبہ سارے افسانے ہی شاندار تھے۔ رضوانہ، نگہت اعظمی، ہالہ احمد، نیلم احمد بشیر، عقیلہ غرض ہر کہانی پسند آئی۔ شیریں حیدر نے پس آئینہ میں تو خوب بدلہ لیا۔ تمہارا ناول پڑھا...... مگر ندیم خان جس کو میں پہلے بہت غصے والا سمجھ رہی تھی۔ اب مجھے وہ سوفٹ لگا ہے تحریر کی سیڑھیاں اترتے چڑھتے مزہ آئے گا۔ اس مرتبہ بہنوں کی محفل کے صفحات اٹھارہ تھے اس لیے زیادہ مزہ آیا۔ عظمیٰ آفاق کا اندازِ بیان خوب صورت مگر تصویریں بھی بے حد خوب صورت تھیں۔ انجم تم تو آسٹریلیا سے اسمارٹ ہو کر آئی ہو...... آج کل تو پیر کی انگلیوں میں بھی انگوٹھیاں پہنی جا رہی ہیں ہماری مصنفات کو کیا اس کا شوق نہیں ہے۔ سالگرہ نمبر کا خصوصی تحفہ شیریں حیدر کا انٹرویو ہے۔ نزہت کے سوالات تو لاجواب ہیں ہی مگر شیریں حیدر نے جوابات بھی بہت اچھے دیے ہیں۔ ان کی تصاویر بھی اچھی تھیں۔ اختر شجاعت سے کہنا ہے کہ اپنا مضمون اتنا زیادہ طویل نہ رکھا کریں۔ بات کو سمجھنے کے لیے مختصر نویسی بھی اچھی لگتی ہے۔ شائستہ زریں کا سروے بھی بہترین رہا ہے۔'' (شکریہ)

✉ سنبل ملک اعوان، لاہور۔ پیاری بیٹی تمہارا خط پڑھا۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو اور ہمیشہ ہر ایک کے کام آیا کرتی ہو۔ اللہ

تمہیں اس کا اجر ضرور دے گا تم کسی بھی بات سے پریشان مت ہوا چھے لوگوں کی آزمائش زیادہ ہوتی ہے۔ میری ڈھیر ساری دعائیں تمہارے لیے ہیں۔

✉ فریدہ بیگم، کراچی۔ ہاں میرا فون نمبر تبدیل ہو گیا ہے۔ آپ نے شاید بہنوں کی محفل میں اس کی اطلاع نہیں دیکھی ہوگی آپ اور دیگر بہنیں میرا نیا نمبر نوٹ کر لیں۔ اور دن میں صرف گیارہ بجے سے شام پانچ بجے تک فون کریں۔ رات میں فون کر کے ہرگز پریشان نہ کریں۔ 021.36964779

✎ پروین چوہدری، لاہور سے۔ ”تم مجھے نہیں جانتی لیکن میں تمہیں 36 سال سے بخوبی جانتی ہوں۔ پاکیزہ کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں اس کے لیے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اس میں کچھ ایسی بات ہے کہ جسے میں نے 36 سال سے سینے سے لگا رکھا ہے۔ پاکیزہ کے علاوہ تمہارے ادارے کے باقی ڈائجسٹ سرگزشت، جاسوسی اور سسپنس باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آئے لیکن ان کا ساتھ نہیں چھوٹا بلکہ دلکش بھی پڑھا میں نے اس کا نام انمول سوچا تھا لیکن بات نہیں بنی اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں بہت بیمار...... اب میں مجبور ہو کر تمہیں خط لکھ رہی ہوں اگر تم میرا یہ کام کر دو تو بڑی مہربانی ہوگی اور بے حد دعائیں دوں گی۔ میرا پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ میں بیمار ہوں، شوگر، بلڈ پریشر، جوڑوں کے درد، پیٹ کی تکلیف، کانوں سے سنائی نہیں دیتا ذکیہ آپا۔ میرے لیے بھی دعا کریں۔ اللہ مجھے محتاجی اور معذوری سے بچائے، آمین۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میری بیٹی ماشاء اللہ شادی شدہ ہے آج سے بیس سال پہلے اس کے سر کے بال اتر گئے جسم کے کسی حصے میں بال نہیں ہیں بہت علاج کرایا وظیفے بھی کیے فرق نہیں پڑا جب بال اترے تو خدانخواستہ کوئی بیماری نہیں تھی بغیر کسی وجہ کے اتر گئے ہیں۔ اب اس کی بہو آنے والی ہے، وہ بہت پریشان ہے اس کے لیے دعا کریں۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں پہلے اپنے آبائی گھر میں رہتی تھی اس کی دیوار کے ساتھ ہمارا 22 مرلے کا پلاٹ تھا جس میں ہم نے پھل کے درخت اور سبزی لگائی ہوئی تھی اس وجہ سے ہمارے گھر میں کیڑے آنے لگے۔ کیڑے کالے جیسے قبرستان میں ہوتے ہیں موٹے، موٹے اگر وہ کسی کو کاٹ لیتے تھے تو اس کی جان نکل جاتی تھی ان کیڑوں نے گھر کا کوئی حصہ نہیں چھوڑا۔ سارے گھر میں پھیل گئے۔ ہمارے ڈیپ فریزر کے نیچے کی پلیٹ کھا گئے ہم نے وہ گھر سیل کر دیا اور اس پلاٹ پر نیا گھر بنایا اب یہ گھر سنگ مرمر اور ٹائل کا بنا ہوا ہے اس گھر میں کوئی کچی جگہ نہیں چھوڑی لیکن اس گھر میں لال بیگ آنا شروع ہو گئے ہیں اس گھر میں ہمیں بیس سال ہو گئے ہیں اور یہ کیڑے ہمارے لیے عذاب بن گئے ہیں۔ بہت دوائیں اسپرے کیں جو ہو سکا کر رہے ہیں‘ صفائی گھر میں بہت رکھتے ہیں گھر والے بے حد پریشان ہیں ہمارے ہمسایوں کے گھر میں ایک کیڑا بھی نہیں ہے اور ہمارا گھر کیڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ شاید کسی کی بددعا لگی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ للہ میرے لیے دعا کر دیں میں نے وظیفے کیے نفلیں مانیں میں بے حد پریشان ہوں۔ اللہ پاک انجم بیٹے تمہیں جزائے خیر دے میرا یہ کام کروا دو ساری زندگی تمہارے لیے دعا گو رہوں گی۔“ (قارئین کرام! ہماری اس بہن کے لیے کوئی دعا، کوئی آزمودہ علاج ہو تو ضرور بتائیں۔ کیڑوں کے بارے میں اس طرح سے قبل کبھی نہیں سنا...... پروین بہن آپ پریشان مت ہوں۔ ہم سب آپ کے لیے ضرور دعا کریں گے۔ آپ اپنے گھر میں روزانہ سورۂ بقرہ پڑھنے کا اہتمام ضرور کریں۔ اور استغفار کا ورد بھی کریں)

✎ مسز نگہت غفار، کراچی سے۔ ”یادوں کی مالا بے حد معتبر اور قابل احترام ہستی ذکیہ صاحبہ کی باتوں سے چمک رہی تھی۔ قسط وار کہانیوں کی اگلی قسط کا انتظار ہے۔ سود و زیاں عقیلہ حق کی کہانی بہت اچھی لگی۔ بے شک ہر شے پر اللہ ہی قادر ہے بھروسا، سحرش کی کہانی بہت مختصر مگر بے حد پُراثر لگی۔ اختر شجاعت، جیتی رہیں ہزاروں برس اس قدر محنت اور توجہ سے مضمون لکھنے پر آپ کو ڈھیروں ڈھیر مبارک باد اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں زندگی میں مطالعے میں مزید اضافہ فرمائے، آمین۔ آپ سدا سلامت رہیں اور اسی طرح دین کی مقدس باتیں کرتی رہیں، آمین۔ اور اللہ رب العزت ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان پر عمل کریں ان سے سبق سیکھیں، آمین۔ بدگمانی، صدف آصف کی کہانی کا آخری پیراگراف بہت اچھا لگا۔ کھوئے، کھوئے لمحے، تابندہ نعیم کا ناولٹ بہت اچھا لگا۔ میں اکثر گنگناتی ہوں، کرن کمال، ماہ رخ، جمی قندیل، پروین افضل، ناہمہ تحریم، سیما گل، نگینہ ضیا کے قطعات اور اشعار اچھے لگے۔ جلترنگ ہمیشہ کی طرح بے حد فرحت بخش تحریریں تھیں۔ (پسندیدگی کا شکریہ آپ کو بھی شاداں و فرحاں رکھے)

✉ ثمینہ ناز، کراچی۔ آپ کا شکایت نامہ پڑھا کہ میں فیس بک پر آپ کی جانب سے آئی ہوئی ریکوئسٹ کو کیوں نہیں قبول کر رہی...... پیاری گڑیا میں روزانہ فیس بک کا استعمال نہیں کیا کرتی اور نہ ہی مجھے کوئی اہم پوسٹ کرنی ہوتی۔ میں تو اکثر فیس بک پر

صائمہ اکرم، فاخرہ گل اور چند بہنوں کی مزے مزے کی پوسٹ پڑھتی ہوں۔ شگفتہ شفیق کی شاعری پڑھتی ہوں...... اور بھی بڑی اہم نیوز کی اطلاع مجھے فیس بک سے پہلے اور ٹی وی سے بعد میں پتا چلتی۔ میں نے اپنا پہلا اکاؤنٹ اس لیے کلوز کر دیا تھا کہ اس میں ہزاروں لوگ شامل ہو گئے تھے۔ اور اب صرف رائٹرز کا ایک چھوٹا سا گروپ ہے جس میں مزید لوگوں کو شامل کرنا بھی نہیں چاہتی۔ چلیے آپ کو شامل کرلوں گی، خوش......!

✉ رضیہ زبیری، کراچی۔ آپ کہاں ہیں، نہ آپ کا کوئی فون، نہ تبصرہ، نہ کوئی دعا بتا رہی ہیں۔ جلدی سے آجائیں مجھے آپ کی بے حد کمی محسوس ہو رہی ہے۔

ہما الیاس، حیدر آباد سے۔ ''بہت عرصے سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں اور اس کو پڑھ کر مجھے یوں لگتا ہے کہ یہ ایک فیملی میگزین ہے اس میں لکھنے والوں کو میں ایسے ہی جانتی ہوں جیسے فیملی ممبرز کو اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں کہ جلترنگ پڑھ کر لگتا ہے کہ آپ خوب ہوہو، ہی ہی کرنے والی ہوں گی مگر اداریہ اور آپ کی دیگر تحریریں پڑھ کر لگتا ہے کہ آپ سنجیدہ سی ہوں گی۔ آخر آپ کیسی ہیں؟'' (پیاری ہما اس محفل میں خوش آمدید...... جب آپ ہماری فیملی ممبر ہیں تو آپ سے کیا تکلف میں اپنی ہم ذوق دوستوں اور اپنے بچوں کے ساتھ واقعی ہوہو، ہی ہی والی سی ہوں۔ اور بے وجہ بک بک کرنا بھی پسند نہیں ہے)

شگفتہ ناصر، فیصل آباد سے۔ ''شیریں حیدر کا انٹرویو بہت پسند آیا۔ ناول سب ہی اچھے جا رہے ہیں مگر گم شدہ محبت ایک خوب صورت اضافہ ہے۔ ایک صحافی لڑکی کی کہانی پڑھ کر مزہ آ رہا ہے۔ اس ماہ میمونہ صدف کی تحریر بھی بہت اچھی لگی اور عظمیٰ نے اپنی کتاب کا احوال لکھا ہے وہ تصنع سے پاک اور دل کو چھو گیا...... عظمیٰ اب تمہارا دلچسپ سا افسانہ، ناولٹ آجانا چاہیے۔ ہاں عذرا رسول کے انٹرویو کا پارٹ ٹو رضوانہ پرنس کب دے رہی ہیں۔'' (اصل میں عذرا رسول چاہتی ہیں کہ پہلے تمام رائٹرز کے انٹرویوز لگتے رہیں۔ ویسے عذرا صاحبہ کا تفصیلی انٹرویو اکتوبر 2012ء کے شمارے میں آچکا ہے)

نادیہ، راول پنڈی سے۔ ''پہلی مرتبہ کسی بھی رسالے کے لیے رائے دے رہی ہوں۔ یوں تو پاکیزہ میں ہر لکھنے والی بہن بہت اچھا لکھ رہی ہے مگر مجھے باجی عظمیٰ آفاق کی تحریریں بہت پسند ہیں۔ ان کو پڑھ کر طبیعت میں ایک خوشی سی آجاتی ہے۔ اس مرتبہ ان کی کتاب کی تقریب کے بارے میں لکھا تھا جس میں لکھنے والیوں نے شرکت کی تھی مگر مجھے یوں لگا جیسے میں بھی وہاں تھی۔ باجی آپ کے بارے میں کیا کہوں...... بس اتنا ہی کہ میں ہر نماز کے بعد آپ کے لیے دعا کرتی ہوں اور آپ میرے لیے کیجیے گا۔'' (پیاری نادیہ اس محفل میں خوش آمدید، اللہ تمہارے بیمار بیٹے کو بھی جلد صحت دے اور تمہاری ساری پریشانیاں بھی جلد ختم ہوں۔ آمین)

سارہ، راول پنڈی۔ تم اپنا موبائل نمبر مجھے بھیج دو...... پنڈی میں مقیم کئی خواتین فون پر تم سے دوستی کرنے کے لیے منتظر ہیں، جس سے تمہاری تنہائی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

✉ مسز مخدوم، راول پنڈی۔ ''آپ خیریت سے تو ہیں ناں...... اور آپ کی بیٹی کیسی ہے۔ بہت دنوں سے کوئی رابطہ نہیں ہوا...... آج بے اختیار آپ کی بیٹی مجھے یاد آگئی۔

پروفیسر شیریں سلیم، لاہور۔ کافی عرصہ ہو گیا آپ کا کوئی فون آئے۔ آپ خیر و عافیت سے تو ہیں ناں...... اب تبصرہ آجانا چاہیے آپ کا......؟ بہت آرام کرلیا آپ نے......

پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''سالگرہ نمبر زبردست رہا اور کیوں نہیں ہوتا۔ بزم پاکیزہ میں بابدولت کا دوسرا انعام جو لگا تھا۔ سرورق زبردست تھا۔ آپ کا اداریہ ادب کے حوالے سے بہت ہی اچھا لگا۔ کھوئے کھوئے لمحے کا پانچواں اور آخری حصہ دل لے گیا۔ تینوں سلسلے وار ناولز تو اچھے جا ہی رہے ہیں ان کے علاوہ پکھیرو، آنکھوں کے دیے، انعام گلشن، لوہے کی روٹی، پس آئینہ کوئی اور ہے، اگر ایسا ہو جائے، خصوصی مضامین میں یادوں کی مالا، شمع ہدایت، ذرا سا گھوم لوں میں، وہ آئے بزم میں اچھے لگے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فریدہ جاوید فری اور امینہ عندلیب کو مکمل صحت عطا فرمائے۔ اس بار بہنوں کی محفل کے صفحات کے ارد گرد پاکیزہ کے سرورق سجا کر ان صفحات کو چار چاند لگا دیے گئے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ بزم پاکیزہ کی طرح پاکیزہ ڈائری میں اکثر گنگناتی ہوں، بہنوں کی محفل میں بھی انعامات کا سلسلہ جلد از جلد شروع کر دیں۔ ہماری دعا ہے کہ پاکیزہ اور عروج حاصل کرے۔'' (آپ کی تجاویز زیر غور ہیں)

رابعہ عمران چوہدری، رحیم یار خان سے۔ ''پاکیزہ کا سالگرہ نمبر کا ٹائٹل بہت اچھا لگا۔ دین کی باتوں سے مستفید ہوئے۔

انٹرویوز لاجواب رہے۔ نیلم احمد بشیر نے بہت خوب صورت اور منفرد لکھا۔ نگہت اعظمی کی تحریر انعام بھی قابلِ تعریف لگی۔ رضوانہ پرنس کی تحریر گھٹن لاجواب رہی۔ عقیلہ حق کی مختصر تحریر لوہے کی روٹی، ایک بہترین تحریر تھی۔ بہت کم اور خوب صورت لفظوں نے بہت بڑی حقیقت بیان کی۔ اندازِ بیاں خوب تھا۔ ہما بیگ کی تحریر بھی لاجواب رہی واقعی مجبوریاں بھی پچھتاوے کا سبب بنتی ہیں۔ شیریں حیدر کی تحریر پڑھنے سے پہلے ہی مجھے پتا ہوتا ہے کہ جو بھی لکھتی ہیں کمال لکھتی ہیں۔ ریحانہ زیدی، ہالہ احمد نے خوب صورت لکھا۔ (نوازش......) عظمیٰ آفاق کی بک منگوانے کے لیے کیا کرنا ہوگا۔'' (صرف ایک فون القریش پبلیشرز لاہور کو...... وہ آپ کو کتاب وی پی کردیں گے۔ کتاب ملنے کے بعد کتاب کی قیمت ادا کردیجیے گا۔ القریش والوں کے فون نمبر یہ ہیں۔ 021.37652546..042.37668958

٭ فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ''اداریے میں آپ کی باتوں نے جو تعریفی جملے ادا کیے اس سے مجھ سمیت سب کا خون بڑھا ہوگا۔ آپ کی قابلِ ستائش باتیں ہمارے لیے روشنی کا کام دیتی ہیں۔ محترمہ ذکیہ بلگرامی صاحبہ کی... مقدس محفل میں سر جھکا کر حاضری دی۔ ذکیہ صاحبہ ایوارڈ کی مستحق ہیں۔ میری اعلیٰ حکام سے گزارش ہے کہ ان کے کارہائے نمایاں کو دیکھتے ہوئے انہیں اعلیٰ ترین اعزاز سے نوازا جائے۔ (بے شک) اللہ کے ہاں انہیں اجرِ عظیم ملے گا مگر جو کام انہوں نے ہمارے لیے کیا ہے اس کی وہ حق دار ہیں۔ ان کی روح پرور باتیں میرے دل پر براہ راست اثر کرتی ہیں ذکیہ جی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت والی لمبی عمرِ عزیز عطا فرمائے، آمین۔ میرے لیے بھی خاص دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری آخرت سنوار دے، آمین۔ نیلم احمد بشیر کی تحریر ہمیشہ کی طرح پُراثر اور جاندار رہی۔ ہر عورت کے اندر لاکھوں کہانیوں کا خزانہ ہوتا ہے۔ بس اسے احاطہ تحریر میں لانے کی ضرورت ہے۔ نگہت اعظمی کا انعام بھی دلگداز رہا۔ دعا کے منتظر ہیں لکھی جانے والی تحریر آنکھیں نم کر گئیں۔ رضوانہ پرنس کی گھٹن اور عقیلہ حق کی لوہے کی روٹی معاشرتی رویوں کی عکاسی کررہی تھیں اور سبق آموز بھی تھیں۔ آپ کی گم شدہ محبت کا کیا کہنا...... دلچسپ کہانی ہے اور مزیدار بھی، صبا کی فی البدیہہ باتیں پسند آئیں شہلا جیسی احمق لڑکیاں آج بھی موجود ہیں جو یکطرفہ محبت کے بھنور میں پھنسی ہوئی، مجموعی طور پر ہر کردار زبردست ہے۔ ہاجرہ ریحان اور ہما بیگ کی تحاریر گزارے لائق تھیں۔ شیریں حیدر نے پسِ آئینہ خوب لکھی۔ لڑکے والے لڑکیوں کو اتنا ارزاں کیوں سمجھ لیتے ہیں۔ درِ ثمن، بڑے دل سے لکھ رہی ہیں۔ اپر کلاس کے گھرانوں کی عکاسی ٹھیک ٹھاک ہو رہی ہے۔ شعور معاشرے کے بدصورت رویّوں کو ظاہر کرگئی۔ نایاب جیلانی کا منی ناول بھی اچھا جارہا ہے۔ بکھیرو لاجواب تحریر لگی۔ اختر شجاعت کا مضمون پاکیزہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔ ایسے ایسے واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ ہم اس مقام پر کھڑے ہیں۔ اللہ ہمارے گناہ معاف فرمائے، آمین۔ شائستہ کا سر دے ہمیشہ کی طرح مزیدار رہا۔ تصاویر بہت بھلی لگتی ہیں۔ عظمیٰ کو بہت مبارک کہ وہ آپ کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے۔ ذرا سا گھوم لوں، کی تقریب میں چاند ستارے بھی جمع تھے۔ اللہ اور ترقی دے آمین۔ شیریں حیدر سے پُرلطف و پُراثر ملاقات بہت اچھی رہی۔ تفصیلی باتیں ہوئیں، بہت قابل خاتون ہیں۔ اور ہمارے لیے سرمایہ بھی......'' (تبصرے کا شکریہ)

٭ ڈاکٹر ممتاز ضیا، ضیا الدین اسپتال کراچی سے۔ ''سالگرہ نمبر اپنے اندر بڑے، بڑے ناموں اور ان کی تحریروں کو لیے ملا، دیکھ کر ہی دل خوش ہوگیا۔ ذکیہ بلگرامی اپنی روداد کے سحر میں سب کو جکڑے ہوئی ہیں دل چاہتا ہے لکھتی ہی رہیں اور اسی طرح لوگوں کو فیض پہنچاتی رہیں۔ آمین! اعتبارِ وفا، میں نہ جانے رشتے کب کھل کر سامنے آئیں گے جب کوئی راز کھلنے لگتا ہے تو کوئی نہ کوئی اس بندہ کو مخاطب کرلیتا ہے جو یہ راز افشاں کررہا ہوتا ہے اور بس قصہ ختم...... تابندہ نعیم نے اپنی کہانی خوب صورت انداز میں صحیح وقت پر ختم کردی اس سے تحریر نے بور نہیں کیا۔ گھٹن رضوانہ پرنس کی انسانی نفسیات پر اچھی تحریر ہے۔ عقیلہ کی لوہے کی روٹی بھی آج کے زمانے میں بھی آپ حقیقت ہے۔ گم شدہ محبت کی تیسری قسط بھی زوردار رہی کہانی مناسب انداز میں آگے بڑھ رہی ہے ویسے انجم تم نے بہت سی ورکنگ ویمنز کو دہلا دیا ہوگا کہ آپ کی گفتگو اس طرح مانیٹر ہوتی ہے۔ حیثیت، چار پل کم نہیں، اچھی تحریریں ہیں۔ شیریں حیدر حسب معمول بھرپور اور مخصوص انداز میں اچھی تحریر لائیں۔ درِ ثمن بلال، اپنے کھلے ڈلے انداز میں عشق کے عجیب کھیل دکھا رہی ہیں۔ پتا نہیں ڈاکٹر عمر کس پر چلے گئے۔ شعور اور یادگار گوارا ہیں دیار صبح کے اجالوں میں دلچسپ ہوتی جارہی ہے۔ بکھیرو میں ہمیں لگا کے ہدی کے ساتھ کچھ زیادہ ہی ماں کا رویہ سرد دکھایا بھی

اکیلے میں بھی اسے ہدئی کے لیے پریشان نہیں دکھایا۔ عظمیٰ نے اپنی تقریب، کتاب کی رونمائی کی خوب صورت انداز میں کوریج کی شرکت کے باوجود پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ رفعت سراج واقعی بہت پیارے موڈ میں تھیں۔ عظمیٰ ٹھیک ہے ہمارے کپڑے ریپیٹ تھے مگر اتنے برے بھی نہیں تھے کہ تم نے ذکر ہی نہ کیا۔ تم سے ہمیں یہی کہنا ہے کہ جلدی، جلدی لکھتی رہا کرو۔ اف نزہت تمہارا شکریہ تم نے اتنی پیاری شخصیت سے اتنی بھرپور ملاقات کروائی دل خوش ہوگیا۔ شیریں پیاری تم نے یہ کیسے سوچا کہ میں تمہیں پسند نہیں کرتی شکر ہے کہ تمہاری غلط فہمی رفع ہوگئی۔ مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔ میرے خیال سے شیریں کی تحریروں میں بے باکی نہیں ہے۔ ان حساس موضوعات کی بدولت اگر چند والدین بھی سبق حاصل کریں تو بہت سی بچیاں برباد ہونے سے بچ جائیں گی۔ پاکیزہ کے دیگر سلسلے بھی اچھے ہیں۔ جلترنگ میں دونوں خاکے ہی خوب تھے۔'' (بھرپور تبصرے کا شکریہ...... ممتاز ماشاء اللہ آپ اتنی لمبی سی ہیں جو بھی پہن لیں بھرپور لگا کرتی ہیں آپ کی شخصیت ایک بڑے ڈاکٹر جیسی ہے)

شہلا نواز، لاہور سے۔ ''ٹائٹل گرل کے گجرے اچھے لگے اداریہ پُر مغز تھا۔ دین کی باتیں ہمیشہ کی طرح ایمان افروز تھیں۔ ذکیہ آنٹی کی یادوں کی مالا میں یہ بات بالکل درست ہے کہ قرآن پاک ترجمے سے پڑھو اور یہ سمجھو کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں تو پھر واقعی انسان غلط کام نہیں کرتا ان کی طرح میں بھی اپنے اللہ سے باتیں کرتی ہوں۔ نگہت اعظمی کی کہانی انعام پڑھ کر میری آنکھ سے آنسوؤں کا سیلِ رواں بہہ نکلا واقعی میں بھی سب کے لیے بے غرض دعائیں کرتی ہوں کیا مجھے بھی انعام ملے گا؟ آپ کا ناول گم شدہ محبت اپنے ہلکے پھلکے انداز کی بنا پر مجھے بہت پسند ہے اور اس لیے بھی پسند ہے کہ اس میں میرا یعنی شہلا نامی کردار بھی ہے مگر میں اس شہلا کی طرح بے وقوف نہیں ہوں مجھے خواب دیکھنا پسند ہیں مگر ہر وقت خوابوں کی دنیا میں نہیں رہتی۔ شیریں حیدر کی سر آئینہ میرا عکس ہے اس میں مریم کے والد کی جرأت مندی اچھی لگی۔ اور لوگوں کے دُہرے معیار پر افسوس بھی ہوا۔ ثمینہ عظمت علی کے یادگار بھی ایک اچھا سبق تھی ان لوگوں کے لیے جو مادی اشیا کا ڈھیر لگا لیتے ہیں۔ ہالہ احمد کی اگر ایسا ہو جائے بھی سبق آموز کہانی تھی واقعی ہمیں اپنے اردگرد عمیق نظر رکھنی چاہیے۔ اور ضرورت مند لوگوں کی مدد بھی کرنی چاہیے۔ کپھیرو بھی بہت اچھی لگی لمحۂ فکریہ ہے ان اولادوں کے لیے جن کے پاس اپنے والدین کو دینے کے لیے وقت نہیں...... اگر انسان مکافاتِ عمل پر یقین رکھ لے تو یہ کام نہ ہو۔ ذرا سا گھوم لوں میں عظمیٰ کے چنچل قلم سے احوال پڑھ کر بہت لطف آیا۔ شیریں حیدر کا انٹرویو خاصے کی چیز تھی۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ''ماشاء اللہ بہنوں کے خطوط کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے اور سچ پوچھیں تو پڑھ کر مزہ آتا ہے محترمہ ذکیہ بلگرامی اور اختر شجاعت کی تحریر کے بارے میں کہنے کے لیے الفاظ نہیں ملتے کہ یہ راہ ہدایت بھی ہیں اور منزل تک پہنچنے کا آسان ذریعہ بھی...... کہانیوں میں میمونہ صدف کا کپھیرو سب پر بازی لے گیا لاجواب موضوع بے مثال تحریر۔ پھر عظمیٰ چھا گئیں اپنی تحریر کے ذریعے ہمیں بھی گھما دیا اور افسوس یہ رہا کہ ہم نہ ہوئے اس محفل میں کم از کم اپنی پسندیدہ رائٹر سے ملنے کا موقع مل جاتا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس حساب سے مصنفین ہیں سب کو تو صرف ولیمہ اور شادی ہی میں بلایا جا سکتا ہے، شیریں حیدر کا انٹرویو بھی بہت اچھا رہا مگر تشنگی باقی رہی انہیں پرسنل لائف مثلاً بچے، شوہر اور ان کی مصروفیات کیونکہ پاکیزہ کے توسط سے ہمیں نواسے کی اطلاع ملی تھی۔ ویسے ان کی تحریر آج کل کے حالات کے مطابق تھی پتا نہیں آخر کب تک لڑکیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا جائے گا۔ آج کل تو آپ کے ناول پر زیادہ توجہ ہے اور مزہ آرہا ہے اب آخری بات سب کے انٹرویو لگا رہی ہیں، ہم آپ کا انٹرویو کب پڑھیں گے ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ جو خاتون ہر فن مولا ہیں وہ اس مقام تک کیسے پہنچیں۔ آپ کے بعد پھر عظمیٰ آفاق کے انٹرویو کی فرمائش ہوگی۔ عذرا رسول صاحبہ کا زبردست انٹرویو جو غالباً دو قسطوں میں تھا اور رضوانہ پرنس نے لیا تھا مجھے اب تک یاد ہے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ ابھی تو میری بہنوں کے انٹرویوز باقی ہیں۔ آپ نے بھی اس میں شامل ہونا ہے)

فریدہ فری یوسف زئی، لاہور سے۔ ''اپریل کا پاکیزہ ملا سب سے پہلے مجھے کچھ کہنا ہے پڑھا بے حد اچھا لگا پھر ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا پڑھ کر بے حد سکون ملتا ہے۔ بس پھر آپ کا سلسلہ وار ناول گم شدہ محبت پڑھا۔ (واہ، واہ) ابھی افسانے اور ناول نہیں پڑھے، صرف رضوانہ پرنس کا ناول گھٹن اور کپھیرو مکمل ناول پڑھا شیریں حیدر تو میری پسندیدہ رائٹر ہیں ان کا انٹرویو پڑھ کر مزہ آگیا میں تو ان کی ہر تحریر بہت شوق سے پڑھتی ہوں وہ تصویروں میں بھی بے حد پیاری لگ رہی تھیں۔ انہیں میری طرف سے بے حد سلام دعا (جی ضرور وہ شکریہ کہہ رہی ہیں) عظمیٰ آفاق کا مجموعہ ذرا سا گھوم لوں میں پڑھ کر بے حد مزہ آرہا ہے۔ عظمیٰ نے کیا کمال کا سفرنامہ ترتیب دیا ہے اور آپ کی کتاب تو تکیے کے نیچے ہی رکھی رہتی ہے۔ روزانہ پڑھ کر سوتی ہوں۔ بیماری کی وجہ سے سارا

میگزین نہیں پڑھ سکتی گلشادا ور... پروین افضل شاہین کو انعام ملنے پر بے حد مبارک باد قبول ہو۔'' (پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

٭ مرک جانوری، نواب شاہ سے۔ ''میں نے آپ سے پہلے فون پر بھی بات کی تھی۔ دو خط بھی لکھے لیکن کوئی ریسپانس نہیں ملا۔ (اس سے قبل آپ کا کوئی خط نہیں ملا) انجم آنٹی میں انٹرویو بھیج رہی ہوں۔ اگر جگہ پا سکے تو مجھے خوشی ہوگی۔ (آپ کا انٹرویو جلد شائع ہوگا۔ بے فکر رہیں) میں ایک ڈاکٹر ہوں، میری بہت مصروفیات ہیں لیکن کسی دن وقت نکالنا پڑے گا بھرپور تبصرہ کے ساتھ۔ پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں رشتہ بھی تو پرانا ہے اس سے۔ اس کو سالگرہ کی ڈھیروں مبارکاں...... '' (اب آپ کے بھرپور تبصرے کی منتظر رہوں گی۔ اور آپ اپنے آس پاس کی خواتین کے انٹرویوز بھی ہمیں بھیجیں تو مشکور رہوں گی)

٭ فہمی فردوس احمد، گوجرانوالہ سے۔ ''بہنوں کی محفل میں اپنا مختصر تبصرہ چھپا دیکھ کر طبیعت نہال ہوگئی...... بلکہ باغ و بہار ہوگئی...... آپ کے کہنے پر اپنے دو ناول بھیج رہی ہوں۔ پڑھ کر بتایئے گا کہ آپ کی یہ شاگرد اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہے۔ تنقید برائے اصلاح کے لیے میں ہر وقت ذہنی طور پر تیار رہتی ہوں۔'' (گڑیا آپ کی دونوں کتب مجھے مل گئی ہیں۔ انشاء اللہ آپ اسی پاکیزہ میں ہی میری رائے ضرور پڑھیے گا) انجم صاحبہ آپ کا ناول گم شدہ محبت بڑے خوب صورت طریقے سے آگے کا سفر طے کر رہا ہے۔ یہ ناول عام روایتی ناولوں سے تھوڑا ہٹ کر ہے اس میں وہ دفتری ماحول دکھایا گیا ہے۔ جس سے ہم پہلے قطعی نابلد تھے۔ اس ماہ شیریں حیدر کا انٹرویو پڑھا بہت اچھا لگا ان کی باتیں ایسی ہی تھیں جیسی ایک شعور یافتہ اور کہنہ مشق رائٹر کی ہونی چاہئیں...... سچ تو یہ ہے کہ وہ پُراثر تحاریر کی مالک ہونے کے علاوہ ایک دلکش اور سحر انگیز شخصیت کی مالک بھی ہیں۔ (ہاں یہ تو ہے) میں ان کی تحریروں کی فین تو تھی ہی ان کی تصاویر دیکھ کر ان کی پرسنالٹی کی فین بھی ہوگئی۔ میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایک عورت کو اتنا ہی گریس فل اور باوقار ہونا چاہیے ان کا اس ماہ کا افسانہ بھی ہمیشہ کی طرح دل کو چھو گیا۔ (آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی) دیارِ صبح کے اجالوں میں کی کہانی بھی اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ہادی کی تمام الجھنیں اب سلجھنے کے قریب ہیں۔ باقی رسالہ ابھی زیرِ مطالعہ ہے۔ پاکیزہ کی تمام رائٹرز اچھا لکھتی ہیں اور ہاں ایک بات میں اپنی پیاری آپی محترمہ شمیم فضل خالق سے کہنا چاہوں گی۔ آپی جان آپ نے کچھ عرصہ پہلے مٹاپے کے موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی...... جس کا عنوان تھا۔ مٹاپا اور میں...... وہ مجھے بہت پسند آئی۔'' (شمیم فضل خالق خوش ہو رہی ہیں کہ کسی نے تو ان کی کتاب پر عمل کیا)

٭ عظمٰی زہری، اوستہ بلوچستان سے۔ ''میری طرف سے پاکیزہ کی ساری ٹیم پاکیزہ کی رائٹرز تبصرہ نگار اور قاری بہنوں کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو...... اور جن کی اس ماہ سالگرہ ہے ان کو بھی ڈھیر ساری دعائیں...... (دعاؤں کا شکریہ) انجم انصار آپی آپ کا مجھے کچھ کہنا ہے، ہر شمارے کا ہٹ رہا ہر بار کچھ نئی باتوں سے آگاہی ملی اور مسائل سے نمٹنے کے کچھ مشکل حل ملے۔ دین کی باتیں پڑھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون ملا ناولز اور ناولٹ کے کیا کہنے سپر ڈوپر جا رہے ہیں سارے مہینوں کے سلسلے وار ناولز اعتبار وفا، اے عشق ترے ہیں کھیل عجب تو ویسے ہی زبردست جا رہے بس پہلے دن کی طرح اپنے سے باندھے ہوئے ہیں آہستہ آہستہ اپنے کرداروں سے پردہ اٹھاتے ہوئے پھر عجب سی بات ہوگئی یک دم۔ طرف روشنی سی چھا گئی زوردار دھماکے کے ساتھ آپ کے ناول گم شدہ محبت کی انٹری ہوئی آپ لکھیں اور ہم نہ پڑھیں ایسا بھلا ہو سکتا ہے آپ نے ہر کردار کو پہلے دن سے ظاہر کیا ہے۔ بہت زبردست ناول ہے۔ شمع ہدایت پچھلے سب ماہ کی ہدایت ساتھ پڑھ کر ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی خاص کر نماز کے بارے میں پڑھ کر افسوس ہوا کہ ہم کتنی ہی نمازیں خواہ مخواہ میں چھوڑ دیتے ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ سے احتیاط کروں گی' پاکیزہ ڈائری کو میری ہم نام عظمٰی آفاق باجی نے بہت خوب صورت طریقے سے سنبھالا ہوا ہے۔ جلترنگ تو ہر ماہ ہی خاصے زبردست بجتے ہیں اور ہم ہر ماہ پڑھ کر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں ویسے آپی آپ اتنی مزاحیہ باتیں کیسے لکھ لیتی ہیں۔ تصویروں میں تو آپ بہت سنجیدہ دِکھتی ہیں۔ میرا بھی بہت دل کرتا ہے آپ سے ملنے کو انشاءاللہ...... میں جب بھی کراچی آئی آپ سے ضرور ملوں گی۔ ویسے کس ٹائم آپ سے مل سکتے ہیں۔'' (گڑیا...... میں عام سی عورت ہوں، آپ جب کراچی آئیں مجھے فون کرلیں اور میرے گھر آجائیں...... بیٹھ کر خوب باتیں کریں گے پاکیزہ بہنیں جب

دوسرے شہروں سے آتی ہیں تو وہ اسی طرح میرے گھر آیا کرتی ہیں)

☚ گل رعنا، نارتھ ناظم آباد سے۔ ”خط لکھنے کا سبب عقیلہ حق کی سود و زیاں، مکمل ناول بنا...... کیا یہ سچی کہانی سے ماخوذ ہے یا پھر بعض بار واقعات میں اتنی مماثلت ہوتی ہے کہ لگتا ہے رائٹر نے جو لکھا ہے ہم پہ ہی ہے۔ یا ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ ہوا ہے۔ ویل ڈن عقیلہ حق، بہت ہی عمدہ تحریر ہے۔ گم شدہ محبت اچھی تحریر ہے۔ کہانی آہستہ، آہستہ کھل رہی ہے اور مزے دار ہوتی جارہی ہے پہلے سب سے مجھے کچھ کہنا ہے۔ آپ کا پڑھتی ہوں جس میں حسب معمول آپ نے بہت ہی اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ واقعی زندگی اتنی مصروف ہوگئی ہے کہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا بہت کم ہوگیا ہے مگر آپ کی اس صلاح کے بعد شاید مجھ سمیت بہت سی بہنیں کوشش کریں کہ ایک دستر خوان پر مل بیٹھ کر کھانا کھایا جائے۔ جلترنگ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ خاص کر ڈر اور خوف، بہت ہی مزے دار تھا...... قسط وار ناولٹ تابندہ نعیم کا کھوئے کھوئے لمحے بہت اچھا جارہا ہے۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی رنگ و نور میں بھیگی تحریر لے کر آئیں۔ یادوں کی مالا پڑھ کر دل چاہتا ہے کہ داستان کبھی ختم نہ ہو۔ سبحان اللہ اور جزاک اللہ کہ وہ ہمیں گھر بیٹھے اتنی معلومات قرآن پاک کے بارے میں دیتی ہیں۔ نگہت سیما کا اعتبار وفا بھی اچھا جارہا ہے۔ کہانی فلیش بیک میں چل رہی ہے۔ شبانہ شوکت کی زندگی دھوپ تم گھنا سایہ، پرانا موضوع تھا مگر اچھا لگا۔ شمیم فضل خالق کی یار غار بس ایویں ہی لگی۔ نفیسہ سعید کی اس طرح تو ہوتا ہے اچھی تحریر...... محترمہ افسر سلطانہ سے ملاقات اچھی رہی۔“ (پسندیدگی کا شکریہ، دیکھیے آپ کا خط مجھے بے حد پرانا ملا ہے کہ جگہ جگہ سے روشنائی بھی مدھم ہوگئی ہے مگر پھر بھی شاملِ اشاعت کیا ہے کہ آپ آئندہ بھی ہمیں اپنا تبصرہ بھیجیں۔)

☚ فائزہ فاروق سحر، لاہور سے۔ ”شاید یہی رسم دنیا ہے، شاید کہ کچھ لوگوں کا دکھ ہی مقدر ہوتا ہے اور زندگی میں معمولی خوشیاں بھی ان کے حصے میں نہیں آتیں۔ شاید وہ محسوس نہیں کر سکتے جو لوگ خوشیوں میں کھیلتے ہیں کہ کچھ لوگ اس دنیا میں کس قدر تنہا ہیں اکیلے ہیں اور یہ تنہائیاں انہیں کاٹ کھاتی ہیں اور اک دن چاٹ جاتی ہیں۔“ (گڑیا اپنی تنہائی کو دور کرنے کا سب سے آسان حل اس کو اللہ کے ذکر سے ہم آباد کرلیں۔ اور اللہ ہمیں یہ توفیق بھی دے۔ آپ اداس نہ ہوں ہم بھی آپ کے لیے دعا گو ہیں۔)

☆ پیاری بہنو! پاکیزہ میں خط بھیجئے، مراسلات بھیجئے اور اپنے افسانے بھیجنے کا ایک ہی ایڈریس ہے۔ جو بہنوں کی محفل کے آخر میں لکھا ہوا ہے۔ بس رجسٹرڈ ڈاک پی او بکس پر نہیں آتی بلکہ آفس ایڈریس پر موصول ہوتی ہے۔ اور اب آیئے پہلے درود پاک پڑھتے ہیں اور پھر دعا مانگتے ہیں۔ یا اللہ، یا رحمان، یا رحیم، اے کریم اللہ ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے سارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے اور نیک کام کرنے کی توفیق، ہمت اور طاقت ہم سب کو ضرور عطا کرے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور اب موجودہ اور آئندہ قیامت تک آنے والے سارے ایمان والے مردوں، عورتوں، انسانوں، جنوں سب ہی کی بخشش فرما دے۔ ہمارے تمام مسائل حل فرما دے۔ ساری بگڑیاں بنا دے، بیماروں کو شفایاب کرے۔ شادی کے ضرورت مندوں کو خیر کے رشتے عطا فرما دے۔ یا اللہ ہماری تمام پریشانیوں کو راحت میں بدل دے۔ (الٰہی آمین)

یا اللہ ہماری تمام دعائیں قبول فرما...... اور ہم سب کو دونوں جہاں میں خیر عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین۔ یا مجیبُ، یا مجیبُ، یا مجیبُ۔ آخر میں ایک بار پھر درود پاک پڑھ لیجیے۔

دعا گو
آپ کی اپنی باجی
انجم انصار

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.C فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500
فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

جو کہیں نہ ملے وہ خوشی چاہیے
درد کیسا بھی ہو بندگی چاہیے
مجھ کو دنیا کی اب کوئی خواہش نہیں
آخرت کی مجھے زندگی چاہیے
تیرے ہی آگے ہاتھ پھیلاؤں میں
اللہ ایسی مجھے بے بسی چاہیے
تو ہوجائے راضی سنور جاؤں میں
میرے مالک ایسی آگہی چاہیے
میں جھکوں اور جھکوں بس جھکی ہی رہوں
عبادت میں یہ عاجزی چاہیے
میں بھٹک جاؤں تو آسرا دے مجھے
ایسی اللہ مجھے رہبری چاہیے

انتخاب: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نورِ الٰہی نورِ نبیؐ کو اپنے دل میں بسائے رکھنا
سیدھی رہ سے بھٹک نہ جانا نور کی شمع جلائے رکھنا
امیدوں کی راہ گزر پر آگے آگے بڑھتے جانا
کانٹے چن چن پھول بچھانا نور کی شمع جلائے رکھنا
دکھ مشکل ہو غم یا رنجش حرفِ شکایت کبھی نہ نکلے
صبر بھی کرنا شکر بھی کرنا نور کی شمع جلائے رکھنا
اللہ کی رحمت سے بندوں کبھی بھی تم مایوس نہ ہونا
راحت اور سکھ چین ملے گا نور کی شمع جلائے رکھنا
رات کو اٹھ اٹھ سجدے کرنا اشک بہانا مت گھبرانا
اس دنیا کو منہ نہ لگانا نور کی شمع جلائے رکھنا
وہی ہے خالق وہی ہے مالک اسی کے در پر دوڑ کے جانا
نور ہی نور ملے گا تم کو نور کی شمع جلائے رکھنا
دشمن تم پر وار کرے گا ہار نہ جانا بھاگ نہ جانا
جیت مقدر بن کے رہے گی نور کی شمع جلائے رکھنا
اِک نور کی شمع جلتی ہے جب سے پڑھی ہے میں نے نعت
دل کرتا ہے سب سے کہہ دوں نور کی شمع جلائے رکھنا

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی

دعا

اے عطا کرنے والے رب
تو ہماری وہ دعا قبول فرما جس کا انجام اچھا ہو
کیونکہ
ہم انجام سے ناواقف ہوتے ہیں مگر
تُو، تو ہر چیز کو جاننے والا اور ہر انجام سے باخبر ہے
میرے اللہ
ہمیں برے انجام سے بچا
یا اللہ تو ہم سے ہمیشہ کے لیے راضی ہوجا
ہم پر اپنا رحم و کرم نازل فرما
اس دنیا کی زندگی میں ہمیں آسانیاں عطا فرما
اور قبر کی منزلوں اور آخرت میں بھی ہم سے محبت اور رحمت کا معاملہ فرمانا یا ارحم الراحمین
بے شک تو جسے چاہے بخش دے اور بے شک تو ہر بات پر
قادر ہے اے سب سے رحم فرمانے والے......
آمین ثم آمین

از: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

جنتی عورت

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہو، ماہ رمضان کے روزے رکھتی ہو، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتی ہو اور

اپنے شوہر کی اطاعت کرتی ہو، اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔

مسند احمد بن حنبل

مرسلہ: ارم کمال، فیصل آباد

پیارے نبی ؐ نے فرمایا

دعا نفع پہنچاتی ہے اور ان بلاؤں کو ٹالتی ہے جو نازل ہو چکی ہیں اور ان بلاؤں سے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئیں اس لیے تم دعاؤں کا اہتمام کیا کرو۔

مرسلہ: ایمنہ عندلیبؔ سلانوالی

ماں کے بغیر

جو ماں کے بغیر جی سکتے ہیں
وہ ہر کسی کے بغیر جی لیں گے

از: منور شہزادی، گوجرانوالہ

میری ماں

ماں تیرے جانے سے
میرا میکا موتی موتی ٹوٹ رہا ہے
سب میں الفت اب ہے کم کم
آنکھیں اپنی ہیں بس نم نم
میں کی ایسی گردان لگی ہے
سب کو اپنی اپنی ہی پڑی ہے
میری ماں......!
ملکِ عدم سے لوٹ آ دوبارہ
اور سب کو باندھ دے
اپنی پیار کی زنجیروں میں

شاعرہ: شگفتہ شفیق

مرسلہ: ایمان چوہدری، پنجاب

مزدور ڈے

ہاتھ پاؤں یہ بتاتے ہیں کہ مزدور ہوں میں
اور ملبوس بھی کہتا ہے کہ مجبور ہوں میں
فخر کرتا ہوں کہ کھاتا ہوں فقط رزقِ حلال
اپنے اس وصفِ قلندر پہ تو مغرور ہوں میں
سال تو سارا گمنامی میں کٹ جاتا ہے
بس یکم مئی کو یہ لگتا ہے کہ مشہور ہوں میں
پیٹ بھر دیتا ہے حاکم میرا تقریروں سے
اس کی اس طفل تسلی پہ تو رنجور ہوں میں
یوم مزدور ہے، چھٹی ہے، میرا فاقہ ہے
پھر بھی یہ دن تو مناؤں گا کہ مزدور ہوں میں
مجھ کو پردیس لیے پھرتی ہے روزی واصف
اپنے بچوں سے بہت دور بہت دور ہوں میں

مرسلہ: اسما جمشید، ڈی آئی خان

اے ماں تجھے سلام

مثلِ تعویز ہیں تیرے الفاظ۔ ان کو پڑھ کر ہی شفا ملتی ہے تو صرف یہ الفاظ ہی مثلِ تعویذ نہیں ہوتے ماؤں کا وجود کسی مرہم کی طرح ہوتا ہے انہیں دیکھتے ہی زمانے کے سب رنج والم دکھ درد بھی جیسے پل بھر میں رفو سے ہو جاتے ہیں۔ ایسی ماؤں کے تو بس پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کر کے یا پھر ان کی ایک جھلک دیکھ کر ہی قرار سا آ جاتا ہے۔

غزل

الفاظ ضروری نہیں اظہار کے لیے
رویے کافی ہیں یہاں پیار کے لیے
دل خالی، مکاں خالی، نظر بھی خالی ہے
دو آدمی تو چاہئیں، تکرار کے لیے
اپنا تمہیں کہہ تو چکا ہوں، میں ازل سے
وجہ پھر بتاؤ ناں، انکار کے لیے
دل لے کے گیا پھر نہ کبھی واپس پلٹا
کوئی القاب تو دو، اس مکار کے لیے
ڈراما زندگی میں ذلت سے مر گیا ہے جو
فاتحہ پڑھ لیجیے اس فنکار کے لیے

شاعرہ: عظمیٰ آفاق سعید، کراچی

ماں کی آواز

جدید ریسرچ نے یہ بات ثابت کی ہے کہ ماں کی آواز ذہنی دباؤ سے نجات دیتی ہے۔ چاہے وہ فون

پہ ہی کیوں نہ بات کررہی ہوں۔

از: نویدہ تبسم، آسٹریلیا

غزل

کرچی کرچی شیشہ ٹوٹا
شیش محل تھا کیسے ٹوٹا
دل تھا تیرے حسن کا مسکن
دل کا شیشہ کیسے ٹوٹا
حسنِ تصور اللہ اللہ
صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا
بوئے محبت ہر سو پھیلی
نخلِ محبت ہر جا پھوٹا
راہِ محبت سہل نہیں ہے
اِک پل گزرا اور دل ٹوٹا
جب سے تیرا دامن تھاما
دردِ جہاں کا قصہ چھوٹا
آنکھوں میں سب حسن کے جلوے
جلوؤں سے کب دامن چھوٹا
مخفی ہے اور تیری یادیں
کیسے وہ در ہم سے چھوٹا

شاعرہ: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

رائٹر اور لائٹر

میرے خیال میں لکھاری دراصل چنگاری ہوتا ہے
یعنی رائٹر ایک لائٹر ہوتا ہے
یہ تو اس کی اپنی مرضی ہے کہ ہر جگہ آگ لگائے
یا پھر صرف روشنی پھیلائے

از: رابعہ عمران چوہدری، رحیم یار خان

اِک لڑکی

آنکھوں میں اب نمی سی رہتی ہے
زندگی میں کچھ کمی سی رہتی ہے
اس کے لہجے میں شرارت ہے نہ ہونٹوں پہ ہنسی
وہ لڑکی اب دکھی سی رہتی ہے
جس کے ہر انداز میں چاہت تھی کبھی
اس کے لہجے میں بے رخی سی رہتی ہے
جانے کھوگئی اس کی مسکان کہاں
وہ میری دوست بجھی بجھی سی رہتی ہے
جس سے ملتی تھی مجھ کو بھی ضیا
وہ نظر اب جھکی سی رہتی ہے

شاعرہ، عالیہ ضیا، کراچی

نمک

لوگوں کی زندگی میں نمک کی طرح شامل رہیں، اس طرح کہ جب ان کے ساتھ ہوں تو ہونے کا احساس نہ ہو مگر جب نہ ہوں تو آپ کی کمی شدت کے ساتھ محسوس کی جائے۔

مرسلہ: فرحت احمد، گلشن حدید کراچی

زبان

زبان عورت کی اِک ہتھیار بھی ہے
یہ قینچی ہی نہیں تلوار بھی ہے
ماں کی بیوی کی یا بہن کی سنیے
ہر مرحلہ شوہر کے لیے دشوار بھی ہے

از: نازیہ نزی، نوشہرہ کینٹ

مسئلہ وفا کا ہے

کہا اس نے
بہت چڑ کے
مسئلہ ہے تمہارا کیا
کہا میں نے
بہت دل سے
میرا مسئلہ وفا کا ہے
جو لڑنے اور جھگڑنے سے
بحث لمبی سی کرنے سے
کبھی بھی حل نہیں ہوگا

شاعرہ: سیدہ علیشاہ، بہاول پور

☆☆☆

جلترنگ

انجم انصار

بالی عمریا

''ملائکہ نام تھا ان کا، اداکارہ ملائکہ سے صرف اتنی متاثر تھیں کہ کم کپڑے پہنتی تھیں۔قیص کے گلے پھاٹک کی طرح کھلے رہتے تھے گو کہ پیٹ بھر کے کالی تھیں مگر اپنے آپ کو بے حد خوب صورت سمجھتی تھیں۔ خود تو نہیں ناچتی تھیں مگر دوسروں کو بخوبی نچالیتی تھیں۔ نام چونکہ ملائکہ تھا اس لیے اپنے آپ کو انسانوں سے تو نہیں مگر اپنی سسرال سے افضل سمجھا کرتی تھیں۔فرسودگی سے انہیں چڑ تھی اور ریپیٹیشن سے نفرت......

شاید اسی وجہ سے میٹرک میں آئی سپلی انہوں نے کلیئر نہیں کی......اب اہلِ علم رزلٹ ہی خراب بنائیں گے تو تعلیم کا معیار کیونکر اونچا ہوسکتا ہے۔(یہ ان کا نظریۂ خاص تھا) یوں بھی ان میں تعلیم کم تھی اور قابلیت زیادہ...... ڈگری ہولڈر لڑکیوں کو وہ پکی لڑکیاں کہا کرتی تھیں۔پڑھ، پڑھ کر لڑکیاں پک جاتی ہیں۔(یہ قول ان کا ذاتی تھی) یوں بھی اکثر گھرانوں میں سمجھدار لڑکیاں ٹھہر، ٹھہر کر پڑھا کرتی ہیں ورنہ ان کی بالی عمریا پر حرف آجاتا ہے اور اپنے سے چھوٹی لڑکیوں کو بڑا کہنا مشکل سا ہو جاتا ہے۔ ہے ناں......!

بیچاری ساس

زندگی میں اگر کسی چیز کا شوق تھا تو صرف شاپنگ کرنے کا......اگر کوئی جھوٹے منہ بھی بازار جانے کا کہتا تو وہ اس کو سچ مان لیتیں۔ چھوآپا بازاروں میں اس قدر گھومنا پسند کرتی تھیں کہ اکثر دکاندار جو روایتی جملے کہہ کر اپنے گاہکوں کو بلایا کرتے تھے وہ ان پر صادق آگئے۔

''ارے آپا! آپ تو ہمیشہ ہم سے کپڑا لیتی ہیں، آج ہماری دکان بھول کر کہاں چلی گئی تھی اور یہ ڈیزائن تو ہے ہی آپ کے لیے، ہر ایک کو تو میں دکھاتا بھی نہیں ہوں۔''

ایک دن چھوآپا خاصی بیمار تھیں۔ بخار ایسا چڑھا کہ اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ بستر پر لیٹی انتہائی بور ہورہی تھیں۔ ان کا بیٹا، بہو اُن کی خیریت پوچھنے آئے تو وہ خاصی آہیں بھر کر اپنی کمزوری کا اظہار بھی کرتی رہیں۔ بیچاری بہو کے منہ سے نہ جانے یہ کیسے نکل گیا۔

''امی جان، اس وقت ہم لوگ بازار جارہے ہیں۔ آپ کو کچھ منگوانا ہے تو بتادیں۔''

بازار کا نام سن کر ان کی آنکھوں میں روشنی سی بڑھ گئی اور فوراً اٹھ کر بیٹھ گئیں اور ہنس کر بولیں۔''مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو، کہیں جاؤں گی تو ہی یہ بخار جان چھوڑے گا۔'' بیٹا تذبذب میں تھا کہ کسی طرح اپنا جانا بھی کینسل کروے مگر وہ تو بڑی سی چادر لے کر پرس پکڑ کر فوراً یوں کھڑی ہوگئیں جیسے ان کے بجائے کسی دوسرے کو بخار ہو۔ چھوآپا بیٹے، بہو کے ساتھ بازار گئیں تو بیٹے نے انہیں ایک کرسی پر بٹھایا اور دونوں لسٹ میں لکھی ہوئی چیزیں لینے میں جت گئے۔

چھوآپا نے خاصا انتظار کیا کہ اب بیٹا بہو اُن کی جانب متوجہ ہوں۔ پانچ سے پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ بہو تو گاہے بہ گاہے ان کو نظر اٹھا کر بھی دیکھ لیتی تھی مگر بیٹا تو شاید انہیں اپنے ساتھ لاکر بھول گیا تھا۔ ایسی ناقدری انہوں نے کہاں دیکھی تھی، پیسے کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ مرحوم شوہر اچھی خاصی تگڑی رقم ان کے نام چھوڑ گئے تھے۔ پہلے تو انہوں نے سوچا کہ بیٹھے، بیٹھے اپنے بیٹے، بہو کو باتیں سنانا شروع کردیں تاکہ دیکھنے والے بھی خوب تھو، تھو کریں مگر دوسرا خیال اس سے بہتر آیا۔ پہلے سامنے ہی دکانوں پر خریداری شروع کردی اور پھر آنکھ بچا کر وہ آگے نکل گئیں۔ خوب دل بھر کر شاپنگ کر کے ٹیکسی کر کے اپنے چھوٹے بیٹے کے گھر چلی گئیں۔

بیچارے بہو بیٹا دو گھنٹے انہیں مارکیٹ میں تلاش

کرتے رہے۔ تھکے ہارے جب گھر آئے تو ماں کی غیر موجودگی نے انہیں پھر پریشان کر دیا۔

شام کو جب وہ چھوٹے بیٹے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئیں تو بیٹے کو سناتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''وہ تو میری ایک جاننے والی مجھے مل گئیں جو مجھے چکر کھا کر گرتے دیکھ کر گھر پہنچا گئیں ورنہ تم لوگ تو اپنی شاپنگ میں اتنا محو ہو گئے تھے کہ بیچاری ماں تک کو بھول گئے۔ ارے بھئی اگر ماں کو ساتھ لے گئے تھے تو اس کا خیال بھی تو رکھنا تھا ناں......!'' سارے بیٹے، بیٹیاں ان کے بڑے بیٹے اور بہو کو باتیں سنا رہے تھے جسے وہ لوگ کان دبائے سن رہے تھے۔

کھٹرتل لہجے

ایسا بھی ہوتا ہے کہ زندگی کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کبھی پیچھے پلٹ کر دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ جب یادوں کی البم کھل جائے تو خود ہی مسکراہٹ لبوں کو شگفتہ سا کر دیتی ہے اگر کبھی مسکراہٹ کی آنچ تیز ہو جائے اپنے بڈھے گڈے بن کر پوچھتے ہیں۔

''کیا بات ہے جان! کیوں آپ کھلی پڑ رہی ہیں؟''

''ارے کوئی بات نہیں ہے کیا بغیر کسی جواز کے مسکرایا نہیں جا سکتا؟''

''اس عمر میں مسکراہٹ تو کیا اچھی بات کہنی بھی خاصی مشکل لگتی ہے۔'' (باتوں کے تیر کیسے کیسے ہوتے ہیں۔)

''ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہوتا ہم تو بے وجہ بھی ہنستے ہیں اس وقت بھی ہنستے ہیں جب رونے کو دل چاہ رہا ہوتا ہے۔'' (مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔)

تب یادوں کا البم آپ ہی کھل جاتا ہے، ایسا شور ایسا غل کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی مگر یہ بات نمایاں ہوتی ہے۔ ایک شوخ و چنچل لڑکی خوب شرارتیں کرتی نظر آتی ہے کہ اس کی شرارتیں کسی کو بری بھی لگ سکتی ہیں اور اب تو کوئی اچھی بات کہتے ہوئے بھی دس مرتبہ سوچنا پڑتا ہے کہ اس کے معنی و مطلب مطالب کہیں غلط اخذ نہ ہوں جو برداشت نہیں ہوں گے اور برداشت کی کمی تو ہر گھر کا

مسئلہ ہو گیا ہے۔

آس

سلیمہ خالہ اکثر ہمارے گھر آتی تھیں، ان کے پسندیدہ شاپنگ سینٹر کے قریب گھر بنوا کر سب سے بڑی پریشانی یہی ہوئی تھی، وہ جب بھی ہمارے گھر آتیں ہمیں یوں لگتا جیسے وہ گھر سے شرط لگا کر آئی ہوں کہ ہم چاروں بہنوں کی بے عزتی کر کے جائیں گی۔

صوفے کا کشن کمر کے نیچے دباتے ہوئے کہتیں۔

''اللہ توبہ ایسی بری کڑھائی کی گئی ہے۔ مور بھی طوطا سا دکھائی دے رہا ہے۔ آپ کی لڑکیوں کو سینا کاڑھنا تک نہیں آتا۔''

''انہیں شوق نہیں ہے۔'' امی کھسیا کر کہتیں۔ ''اُف خدایا جب پہلے آئی تھی تو تمہارے ہاں کڑھی چاول بنے ہوئے تھے، آج آئی ہوں تو پھر بنے ہوئے ہیں۔ کیا ابھی تک وہی چل رہے ہیں؟''

امی کو چاہیے تھا کہ کہہ دیتیں۔''آپا آج دس دن بعد دوبارہ بنے ہیں۔'' مگر ان کے سامنے بچی بچی کہہ دیا۔''اس دن کڑھی بچ گئی تھی ناں تو ڈیپ فریزر میں رکھ دی تھی۔ آج بچیوں نے اس کے ساتھ چاول ابال لیے ہیں۔''

''ایسی بدمزہ کڑھی تو آپ کو پھینک دینی چاہیے تھی، مجھے تو لگتا ہے فیروزہ تمہاری طبیعت کی خرابی کی اصل وجہ تمہاری یہ کاہل بیٹیاں ہیں، کام کرنے کا انہیں شوق نہیں ہے۔ الٹا سیدھا ہراندہ مارا کھانا پکا کر رکھ دیتی ہیں۔ بلکہ جمع کر کے بھی کھلاتی رہتی ہیں۔ جب ہی تو تم بیمار رہتی ہو۔'' امی خواہ مخواہ قہقہہ لگا کر خاموش ہو گئی تھیں۔ سلیمہ خالہ کو دیکھ کر کسی کا بھی چائے بنانے اور انہیں چائے پلانے کو جی نہیں چاہتا مگر بحالتِ مجبوری بنانی پڑی، وہ چائے کی چسکیاں لیتیں اور کپ رکھنے کے بعد امی سے یوں گویا ہوتیں۔

''فیروزہ تمہاری لڑکیاں ڈھینگ کی ڈھینگ ہو گئی ہیں اور انہیں ابھی تک چائے بنانی بھی نہیں آئی، اللہ توبہ، یہ چائے ہے کہ جوشاندہ اور ایسی بدمزہ کہ سینے پر گھونسا مار

کرتا رہی جاری ہے۔‘‘

سلیمہ خالہ آتیں تو ان کا دورانیہ بھی چار سے چھ گھنٹے کا ہوتا تھا۔ چائے سے نمٹ کر وہ کھانا کھاتیں اور خوب کھاتیں، سنا تھا کہ گھر میں احتیاط کرتی ہیں مگر ہمارے گھر آکر ہر احتیاط کو گھر سے باہر رکھ کر آتیں۔ کھانے کے دوران بڑی آپا بھاگ بھاگ کر گرم روٹی ان کی پلیٹ میں رکھتیں تاکہ وہ کسی طرح خوش ہوسکیں مگر ان کی کنتری جاری رہتی۔

’’اے لو! روٹی کے اتنے موٹے کنارے اور پھر کچی روٹی اس پر چتی بھی نہیں پڑی اور تم نے اتار لی۔‘‘ وہ تمسخر بھرے لہجے میں کہتیں اور ہم بہنوں کو آگ سی لگ جاتی، دل چاہتا کہ ان کے آگے سے دستر خوان بڑھا دیں مگر ہم چپ چاپ ان کی کنتری سنتے رہتے اور آپا بھاگ کر تازہ روٹی ان کی پلیٹ میں دھر کر کہتیں ’’خالہ جان یہ روٹی تو اچھی ہے ناں‘‘ ایسی باتیں بحالتِ مجبوری ہم بہنوں کو اس وجہ سے کرنی پڑتی ہیں کہ خالہ کے ماشاء اللہ چار بیٹے ہیں اور چاروں اچھی پوسٹ پر فائز ہیں اور چاروں ہی کنوارے ہیں۔ خالہ بے شک ہم بہنوں کو کتنا ہی برا بھلا کہتی رہیں مگر ہم اپنی آس تو نہیں توڑ سکتے ناں! تاوقتیکہ وہ اپنی اپنی بیویوں کو پیارے ہوجاتے اور ہم سب کی آس ختم ہوجاتی۔!

عزت

پورے خاندان میں کیسے نت نئے صوفے آکر پرانے بھی ہوگئے تھے مگر ان کے ہاں وہی پرانا صوفہ چل رہا تھا جس پر بیٹھ کر خود ہی لیٹ جاتے تھے۔ بڑی خالہ نے اس کو مذاق میں صوفہ کم بیڈ کا نام دے دیا تھا۔

ماہ رخ خالہ بڑے زعم کے ساتھ بتایا کرتی تھیں جب میرا طارق ہونے والا تھا تب یہ صوفہ آیا تھا۔ ماشاء اللہ ... پچیس سال سے یہ چل رہا ہے۔ اب آپ کا اسے پھینکنے کو دل نہیں چاہتا تو کوئی کیا کرے۔ ان کے دیور تک نہیں ہنسا کرتے تھے۔ صوفے کا ایک پیر کب سے ٹوٹ گیا تھا اس کے نیچے اینٹ رکھی جاتی تھی مگر سلیقہ ان میں بہت تھا، اینٹ پر تکیے کا غلاف اس طرح لپیٹ دیا جاتا تھا کہ وہ اینٹ کہیں سے دکھائی نہ دینے پائے۔ گلاس جار جٹ اور شاموز کے پردے آج سے تیس سال پہلے ڈالے تھے۔ سال کے سال واشنگ پاؤڈر میں گھر سے ہی دھو کر انہیں کھڑکیوں پر ڈال دیا جاتا تھا۔

’’بھابی آپ گھر کے پردے کیوں نہیں تبدیل کرتیں؟‘‘

’’ارے میری کون سی لڑکیاں ہیں جو گھر کو سجا کر رکھوں جن کے ہاں لڑکیوں کی قطاریں ہوں، وہ اپنا گھر سجائیں۔‘‘ انہوں نے طنز سے کہا۔

’’جن کے گھروں میں لڑکے ہوتے ہیں ان کو صفائی ستھرائی بھی نہیں کرنی چاہیے۔‘‘ جیٹھ کو ان کی باتیں سن کر غصہ آرہا تھا۔

’’ارے بھیا! جب پردے پھٹتے ہی نہیں تو میں ان کو کیوں تبدیل کروں؟‘‘ وہ کھسیا کر بولیں۔

’’یہ تو کبھی پھٹ ہی نہیں سکتے۔‘‘ ان کا غصہ دیدنی تھا۔

’’تو پھر کاہے کو بدلنے لگی۔‘‘ ان کی مسرت و شادمانی قائم تھی۔

یہ بات نہیں تھی کہ وہ ہر معاملے میں ہی ایسی تھیں، اچھا کھاتی تھیں، اچھا پہنتی تھیں مگر گھر کو سجانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔

’’امی! آپ کا دل نہیں چاہتا کہ ہم اپنا گھر سجا کر رکھیں؟‘‘ ایک دن ان کے چھوٹے بیٹے نے کہا۔

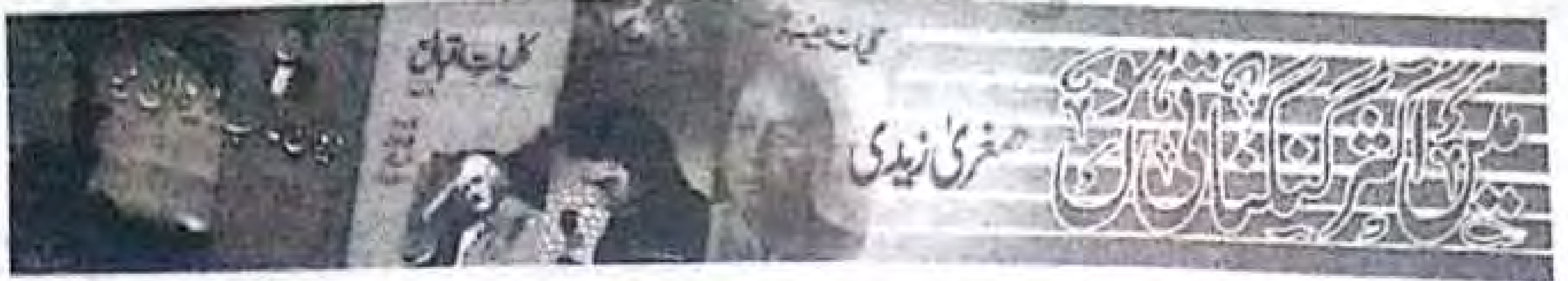
’’خواہ مخواہ کیوں پیسہ ضائع کریں، گھر سجائیں گے تو لوگ جلیں گے، یوں بھی پیسے والے لوگ اپنا پیسہ چھپا کر رکھتے ہیں۔‘‘

’’امی جان اب تو یہ مقولہ پرانا ہوچکا ہے، آج کل تو جن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں وہ بھی اپنا ڈرائنگ روم اپنی اوقات سے زیادہ سجا کر رکھتے ہیں کہ کوئی انہیں غریب نہ سمجھے۔‘‘

’’کیوں بھئی؟‘‘ وہ چونکی سی ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

’’وہ اس لیے کہ اب عزتوں کا معیار یہی چیزیں رہ گئی ہیں اور جب ہمارے گھر میں کچھ ہوگا ہی نہیں تو ہماری عزت کیسے ہوگی؟‘‘

☆☆



☆ نیلوفر خان...... بہارہ کہو
لیں گے خرید تجھ سے تیرے سارے رنج و غم
سکے میری دعاؤں کے جس روز چل گئے

☆ رفعت مبین رفی...... مشی گن یو ایس اے
تمہیں دانستہ محفل میں جو دیکھا ہو تو مجرم ہوں
نظر تو پھر نظر ہے بے ارادہ اٹھ گئی ہوگی

☆ صبا نور...... لیہ
زخموں سے چُور چُور ہیں اشجار کے بدن
ہے پھر ہوا کے ہاتھ میں خنجر کھلا ہوا

پروین افضل شاہین...... بہاول نگر
مرا سفر ہے ترے عشق کی گہرائی تک
میں روک لوں نہ کہیں خون کی روانی تک
وہ عشق تجھ سے کیا ہے کہ بیشتر اوقات
ہمیں تو بار گزرتی ہے مہربانی تک

☆ ماہ زیب...... چونیاں
یوں تو لکھنے کے لیے کیا نہیں لکھا میں نے
پھر بھی جتنا تجھے چاہا، نہیں لکھا میں نے
میرے ہر لفظ کی وحشت میں ہے اِک عمر کا عشق
یہ کوئی کھیل تماشا نہیں لکھا میں نے

☆ لاریب...... چونیاں
بس اِک ضد ہے جسے دیتے ہیں پانی
وگرنہ عاشقانے کون سے ہیں
وہ زلفیں ہونا بھی چاہیں پریشاں
تو اپنے پاس شانے کون سے ہیں

☆ نگہت آصف...... اسلام آباد
وہ ولولے کہ جن سے عبارت تھی زندگی
غم ہائے روزگار کے سانچے میں ڈھل گئے

☆ ماہ نور خان...... بہارہ کہو
ہم سے ہوتا ہے جب گناہ کوئی، اس کو قسمت کی بھول کہتے ہیں
کتنے خود اعتماد ہیں ہم لوگ، لغزشوں کو اصول کہتے ہیں

☆ سیما گل...... ملتان
دل کو اب شکوۂ اغیار نہیں ہے کوئی
دوستوں کا بھی تو معیار نہیں ہے کوئی
واقفِ عظمت کردار نہیں ہے کوئی
لوگ شعبدہ باز ہیں فنکار نہیں ہے کوئی

☆ فردوس شازیہ...... لاہور
گھر پھونکنے میں صرف ہوائیں نہیں شریک
شامل کچھ اس میں گھر کے دیے کا ہنر بھی ہے

☆ خدیجہ جمیل...... نیو کیمپس لاہور
نہ مروت، نہ محبت، نہ خلوص ہے اقبال
میں تو شرمندہ ہوں اس دور کا انساں ہو کر

☆ ثوبیہ ظہور...... ضلع اٹک
لغزشیں شاملِ فطرت ہیں ازل سے
تم فرشتوں کی نظر سے مجھے دیکھا نہ کرو

☆ نگہت اعوان...... سرگودھا
تمام رات مری خواب گاہ روشن تھی
کسی نے خواب میں اِک پھول دے دیا تھا مجھے

☆ فروہ بتول...... راول پنڈی
تیری داستانِ حیات لکھوں کس غزل کے عنواں سے
تیری شوخیاں بھی عجیب ہیں، تیری سادگی بھی کمال ہے

☆ زریں مشتاق...... سرگودھا
روز کہتا ہوں نہ گھر جاؤں گا اس کے لیکن
روز اسی کوچے میں اِک کام نکل آتا ہے

☆ حلیمہ سعدیہ...... کمالیہ
ہمارا ہنسنا تو درد چھپانے کا اِک بہانہ ہے
ہمارے جیسے ہونے کی تمنا تم نہیں کرنا

خوش ذائقہ پاکیزہ بہنیں

لذیذ کباب

اجزا: قیمہ (گائے، بکرا، مرغ) آدھا کلو۔ نمک، لال مرچ حسبِ پسند۔ انڈا' دو عدد۔ ٹماٹر' دو عدد۔ کٹی مرچ، ہرا دھنیا (ملا کر) آدھا کپ۔ سرکہ دو ٹیبل اسپون۔ ڈبل روٹی کے سلائس دو عدد۔ تیل تلنے کے لیے۔ آلو درمیانے' تین عدد۔

ترکیب: قیمہ سرکہ نمک لگا کر ایک گھنٹے کے لیے میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ پھر اس میں آلو، ٹماٹر، ہری مرچ، ہرا دھنیا ڈال کر گلنے اور پانی خشک ہونے تک پکائیں۔ ٹھنڈا ہونے پر یہ قیمہ پیس لیں۔ اب ڈبل روٹی کے سلائس پانی میں بھگو کر پھر نچوڑ کر قیمے میں ملائیں اور اس کے کسی بھی شیپ کے گول، لمبوترے یا بیضوی کباب بنائیں اور انڈے پھینٹ کر اس میں کباب الٹ پلٹ کر کے تیل میں فرائی کرتی جائیں۔ فرائنگ پین یا توے پر تھوڑا سا آئل گرم کر کے کباب ہلکی آنچ پر فرائی کریں۔ پھر املی کی کھٹی میٹھی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

املی کی کھٹی میٹھی چٹنی

پیاری بہنو! موسم گرما کی آمد ہے تو چٹنی، اچار اور شربت کی تیاری بھی کرنا ہوگی۔ فی الحال املی کی چٹنی حاضر ہے۔

اجزا: املی کا گودا ایک کپ۔ ادرک پسی ہوئی' ایک ٹیبل اسپون یا سونٹھ پیس لیں۔ لہسن پیسٹ' ایک ٹی اسپون۔ نمک، مرچ حسبِ ذائقہ۔ گڑ حسبِ ذائقہ لے لیں۔ یا کوٹ کر ایک ٹیبل اسپون فل ہو جائے۔ زیرہ پاؤڈر ایک ٹی اسپون۔

ترکیب: یہ تمام اجزا ایک برتن میں ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں۔ جب آمیزہ یک جان ہو جائے اور گاڑھا گاڑھا ہو جائے تو چولہے سے اتار لیں۔ مزیدار کھٹی میٹھی چٹنی تیار ہے یہ دہی بڑوں پر بھی ڈال کر کھائی جاتی ہے۔

مرسلہ: بینا عباس، کراچی

املی کا شربت

موسم گرما کے آغاز کے ساتھ ہی مختلف شربتوں کے ٹھیلے جگہ جگہ نظر آ رہے ہیں۔ آج املی کا شربت بنانے کی ترکیب بتا رہے ہیں کہ اس سے لُو اور گرمی کی شدت میں کمی آتی ہے۔

اجزا: املی آدھا کلو (خوب اچھی ہو گودے والی) گڑ آدھا کلو۔ نمک' چٹکی بھر۔ زردے کا رنگ' آدھا ٹی اسپون۔ سرکہ' ایک ٹیبل اسپون۔ پانی' دو لیٹر۔

ترکیب: ایک اسٹیل کی دیگچی میں پانی اور املی ڈال کر خوب پکائیں۔ جب املی کا گودا اچھی طرح نرم ہو جائے تو اسے کپڑے میں چھان لیں۔ اب اس چھنے ہوئے آمیزے کو دوبارہ چولہے پر رکھیں اور نمک، گڑ، زردے کا رنگ اور سرکہ ڈال کر پکائیں۔ (گڑ کا اگر شیرہ نکال کر چھان کر اس میں ڈالیں تو اچھا ہوگا)۔ چکھ کر دیکھیں میٹھا کم لگے تو مزید گڑ ڈال دیں۔ ٹھنڈا کر کے شیشے کی بوتلوں میں بھر کر فریج میں رکھ دیں اور ضرورت پڑنے پر برف کے چورے کے ساتھ سرو کریں۔

فرائی چانپ

اجزا: چانپ آدھا کلو، نمک حسبِ ذائقہ، لال مرچ ایک چمچ، پسی کالی مرچ ایک چمچ، ادرک لہسن پیسٹ دو چمچ، پسا ہوا گرم مسالا ایک ٹی اسپون، پسا ہوا کچا پپیتا ایک چمچ، بھنا اور پسا ہوا دھنیا اور سفید زیرہ ایک' ایک چمچ۔ انڈا ایک عدد اور آئل فرائی کے لیے۔

ترکیب: چانپ دھو کر خشک کر لیں اور انڈے اور آئل کے علاوہ تمام اجزا چانپوں پر اچھی طرح لگا کر دو گھنٹے فریج میں رکھ دیں۔ انڈے پھینٹ کر اس آمیزے میں ذرا سا نمک ملا کر چانپ ڈبو کر فرائی کر لیں۔ خوب سرخ اور کرسپی ہونے پر اتار لیں۔ فرانچ فرائز چٹنی اور

سلاد کے ساتھ مزہ دوبالا ہو جائے گا۔

مرسلہ: تابندہ جبین، کراچی

شام کا ناشتا

آپ حیران نہ ہوں اکثر گھرانے شام کی چائے پر باقاعدہ اہتمام کرتے ہیں اور اسے شام کے ناشتے کا نام دیتے ہیں۔ آپ بھی جھٹ پٹ ناشتا تیار کرسکتی ہیں۔

☆ گھر میں دالوں سے نمکو بنائیے۔

ماش، چنے، مونگ یا کالی مسور کی دال بارہ گھنٹے نمک کے ساتھ پانی میں بھگوئیں۔ تلنے سے گھنٹا بھر پہلے نتھار کر کسی کاغذ یا کپڑے پر پھیلا دیں تاکہ اضافی پانی نکل جائے۔ کڑائی میں تیل تیز گرم کر کے اس میں دال تلیں اور نکال کر خاکی کاغذ پر پھیلا دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر کالی مرچ، نمک، اجینوموتو اور چاٹ مسالا ڈال کر نوش فرمائیں۔ یہ چیز آپ بنا کر ایئر ٹائٹ جار میں محفوظ بھی کر سکتی ہیں۔ مگر ٹھنڈا ہونے پر۔ اس طرح مٹر کے دانے، کالے اور سفید چنے تلے جا سکتے ہیں۔ مونگ پھلی کے اضافے سے یہ اور مزے کے ہو جائیں گے۔

☆ ایک تو ڈبل روٹی کو باسی نہ ہونے دیں اور اگر ہو جائے یا کبھی پہلا اور آخری سلائس بچ جائے تو پکوڑوں کی طرح بیسن کا آمیزہ بنائیں اور یہ سلائس اس میں ڈپ کر کے تلیں۔ ایک یا دو دن پرانی ڈبل روٹی کو استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ لیں کہ پھپھوندی یا فنگس تو نہیں لگی اگر ہے تو استعمال نہ کریں۔

بعض اوقات بچے آدھے سلائس کھاتے ہیں اور آدھا چھوڑ دیتے ہیں یا پھر کنارے چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں ضائع نہ ہونے دیں۔ انہیں بیسن کے ہی آمیزے میں یا فرنچ ٹوسٹ کے آمیزے میں تل کر بچوں کو دیں اس صورت میں وہ کھالیں گے۔

مرسلہ: نگہت آصف۔ اسلام آباد

اسپائسی چکن رول

اجزا: آٹا، ایک کپ۔ میدہ، ایک کپ۔ سفید زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ (بھنا ہوا پسا ہوا زیرہ) نمک، سرخ مرچ پاؤڈر، حسبِ ذائقہ۔ ہلدی پاؤڈر، ایک چٹکی۔ کوکنگ آئل، دو کھانے کے چمچ۔ پانی، (گوندھنے کے لیے) حسبِ ضرورت۔ کوکنگ آئل، فرائنگ کے لیے، حسبِ ضرورت۔

اجزا: برائے فلنگ۔ چکن، بون لیس، 1/2 کپ۔ بند گوبھی، (باریک کٹی ہوئی) دو کھانے کے چمچ۔ انڈے، دو عدد۔ (ابلے ہوئے باریک ٹکڑوں میں کاٹ لیں) سیاہ مرچ پاؤڈر، 1/2 چائے کا چمچ۔ چائنیز نمک، 1/2 چائے کا چمچ۔ سفید زیرہ، پسا ہوا۔ 1/2 چائے کا چمچ۔ ہلدی پاؤڈر، ایک چٹکی۔ سویا ساس، دو کھانے کے چمچ۔ ٹماٹر (باریک کٹا ہوا) ایک عدد۔ ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی) دو عدد۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ کوکنگ آئل، چار کھانے کے چمچ۔

ترکیب: میدے میں آٹا، سفید زیرہ، سرخ مرچ پاؤڈر، نمک، ہلدی پاؤڈر اور دو کھانے کے چمچ کوکنگ آئل شامل کریں اور پانی سے اچھی طرح گوندھ لیں۔ آدھے گھنٹے کے لیے رکھ چھوڑیں۔ اب چھوٹے، چھوٹے پیڑے بنا کر چپاتیاں بیل لیں اور ہلکے گرم توے پر برف الٹ پلٹ کریں پکانی نہیں ہیں۔

فلنگ کے لیے: بوٹیاں ایک کپ پانی ڈال کر ساتھ ہی سفید زیرہ، نمک اور ہلدی پاؤڈر ڈال کر نرم ابال لیں اور باریک ٹکڑے کرلیں۔ اب فرائنگ پین میں چار کھانے کے چمچ کوکنگ آئل گرم کریں اور کٹی ہوئی بند گوبھی کو 2 منٹ تک فرائی کریں پھر بوٹیاں، سیاہ مرچ پاؤڈر، سویا ساس اور چائنیز نمک ڈال کر اچھی طرح فرائی کریں۔ اس کے بعد ٹماٹر اور ہری مرچ ڈال کر دم پر رکھ دیں اور کچھ دیر بعد اتار لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر باریک کٹے ہوئے انڈے شامل کریں اور تمام آمیزے کو چپاتیوں میں رکھ کر رول کی صورت لپیٹ دیں اگر رول کھل رہے ہوں تو دھاگے یا ٹوتھ پکس کی مدد سے انہیں بند کریں اور بعد میں نکال دیں اور ہلکے، ہلکے فرائی کریں۔ خیال رہے کہ ڈیپ فرائی نہ کریں بس گرم تیل میں الٹ پلٹ کرتی رہیں یہاں تک کہ کرکرے ہو جائیں۔ نہایت لذیذ خستہ اور منفرد اسپائسی چکن رول تیار ہیں۔

مرسلہ: عرشیہ جنید، کراچی

بزمِ پاکیزہ پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ ثریا...... پنجاب

سوال۔ بیوی کے تقاضے نہیں نبھائے جاتے ورنہ ہم کو تو بھی تمنا تھی کہ بیاہے جاتے

جواب: ظاہر ہے چوبیس گھنٹے کی ایکٹومیڈ ہر کوئی تاں بن سکتا ہے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ عرشیہ جنید...... کراچی

سوال: کبھی کبھی برا وقت بھی ہمیں کچھ اچھے لوگوں سے ملوانے کے لیے آتا ہے...... کیا واقعی؟

جواب: ہاں برے، بہت زیادہ برے اور بے حد زیادہ برے لوگوں سے تو ملوا ہی دیتا ہے اس لیے جو صرف خالی برے ہوتے ہیں اُن کو کچھ اچھا بھی کہا جا سکتا ہے۔

☆ انیسہ حامد...... کراچی

سوال: لوگ آتش فشاں جیسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟

جواب: باتیں آتش فشاں نہیں ہوتیں۔ لہجے آگ لگا دیتے ہیں۔

☆ لاریب...... چونیاں

سوال: عورت کی عمر اور مرد کی تنخواہ پوچھنے پر کوئی بل پاس ہونا چاہیے؟ کیا خیال ہے؟

جواب: بل تو ہونا ہی چاہیے بلکہ اسلامی سزائیں علیحدہ...... ہاہاہا......

☆ ماہ زیب...... چونیاں

سوال: ہر طرف ساس، بہو کے محاورے اور قصے مشہور ہیں مگر سسر، داماد......؟

جواب: مرد حضرات مشکل کاموں میں کہاں ہاتھ ڈالا کرتے ہیں...... یہ مشکل مشکل کام تو بیچاری خواتین کے ہی حصے میں آتے ہیں۔

☆ مس ردا اقبال...... اوکاڑہ

سوال: وہ ہر سال سرخ آنچل لے کر آنے کا کہتے ہیں مگر لے کر نہیں آتے، کیوں......؟

جواب: وہ وعدہ تو بہت ساری کڑیوں سے کر لیتے ہیں...... تو کیسے اور کس، کس کا وعدہ پورا کریں گے۔

☆ دیا آفرین...... شاہدرہ

سوال: پنچھی آزاد کرنے کے بعد کیا اُن کے لوٹ کر آنے کا انتظار کرنا چاہیے؟

جواب: بڑی فارغ ہو تم۔

☆ ارم کمال...... فیصل آباد

سوال: جلدی سے بتائیں یہ خوابوں کی ڈور کتنی لمبی ہوتی ہے؟

جواب: یہ خوابوں کی اوقات پر منحصر ہے...... کہ آپ اعلیٰ نوعیت کے خواب دیکھ رہی ہیں تو دس کنال کی ڈوری ہوگی اور اگر خوابوں کی اوقات روز مرہ کے احوال جیسی ہے تو پانچ، دس مرلے کے برابر رکھ لو۔

☆ فائزہ شہزاد...... حیات آباد

سوال: بڑا بنگلا، لگژری کار، اعلیٰ عہدے پر فائز ہینڈسم شوہر اور جب آنکھ کھلی تو......؟

جواب: اس جھوٹے خواب پر غصہ آیا۔

☆ انعم حیدر خان...... پاک پتن

سوال: کیا واقعی جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی اور عورتوں کو؟

جواب: ہم عورتیں ہی تو جنت کی حوریں ہوں گی۔

☆ یاسمین کنول......پسرور
سوال: ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے...... کیسے لوگ؟
جواب: جو آسانیاں بانٹتے ہیں۔
☆ گلناز گل......ملتان
سوال: جب وہ ہنستی ہے تو مجھے یہ شک ہونے لگتا ہے......کیا؟
جواب: یہی کہ وہ میرا دھڑلے سے مذاق اُڑا رہی ہے۔
☆ ردا......پنجاب
سوال: انہوں نے جیسے ہی مجھے مسکرا کر دیکھا تو.. ان کی امی نے فوراً ان سے کہا؟
جواب: بیٹا اپنی بہن سے کہو کہ کسی دن بریانی پکائے تو ضرور ہمیں کھلائے۔
☆ فرخندہ جعفری...... گجرات
سوال: لوگ اپنی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں مگر دوسروں کی تعریف سن کر کیوں رنجیدہ ہو جاتے ہیں؟
جواب: وہ اپنی تعریف کا پلڑا سب سے بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔
☆ مریم کاشف......حیدر آباد
سوال: سست کام کرنے والوں کا تعلق کہاں سے ہوتا ہے۔
جواب: بحرالکاہل سے۔
☆ تازیہ......نوشہرہ
سوال: افلاطون بننے کا شوق کون سے لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے۔
جواب: احساسِ کمتری کا شکار لوگوں کو۔
☆ ناعمہ تحریم......بلیر ہالٹ
سوال: اس سالگرہ پر میرے میاں مجھے ہاتھی، اونٹ اور گھوڑے دینے والے ہیں پر میں انہیں کہاں رکھوں گی؟
جواب: اپنے شوکیس میں۔
☆ سیما ممتاز عباسی......لاڑکانہ
سوال: سنگدل اور تنگ دل میں کیا مماثلت ہوتی ہے؟
جواب: ان کا لہجہ سخت، غصیلا انداز، ضدی مزاج اور کبھی کسی کو معاف کرنا پسند نہیں کرتے۔
☆ ارم......فیصل آباد
سوال: کیا اس سال وہ میری مٹھی میں آجائیں گے؟
جواب: مشکل ہے ابھی تو وہ آپ کے دماغ پر سوار ہیں۔
☆ فرحانہ پروین......راول پنڈی
سوال: دل نہ چاہتے ہوئے بھی کیا کسی سے بات کی جاسکتی ہے؟
جواب: بالکل، مروت اور شائستگی کا تقاضا بھی یہی ہے۔
☆ امینہ عندلیب......سلانوالی
سوال: چرب زبان خواتین کی کوئی خاص پہچان؟
جواب: خوشامدانہ لہجہ ہوتا ہے اور ادھر کی بات اُدھر کرنے میں ماہر ہوا کرتی ہیں......وہ بھی گوٹہ کناری کے ساتھ یعنی بات کو بڑھا کر کرنے والیاں۔
☆ صبا نور......لیہ
سوال: لوگ اپنی نفرت کی آگ سے دوسروں کو کیوں جلاتے ہیں؟
جواب: پہلے تو وہ اس آگ سے اپنے آپ کو خود ہی جھلسا لیتے ہیں۔ اس کے بعد دوسروں کو جلا کر مزید جلتے ہیں۔
☆ منور شہزادی......گوجرانوالہ
سوال: شادی شدہ زندگی کی کامیابی میں کس کا ہاتھ ہوتا ہے میاں کا یا بیوی کا......؟
جواب: ہمیشہ اپنے گھر کو بچانے والی اور کامیابی سے گھر چلانے والی ذات بیوی کی ہی ہوا کرتی ہے۔
☆ نور افشاں......شکارپور
سوال: پریشان حالات میں اپنے آپ کو خوش باش دکھانا کیسا ہے؟
جواب: ہاں مشکل تو ضرور ہے مگر کہا یہی جاتا ہے کہ اگر تم اس وقت مسکرا سکتے ہو جب تم پوری طرح ٹوٹ چکے ہو تو یقین جانو کہ دنیا میں تمہیں کبھی کوئی توڑ نہیں سکتا۔





روحانی مشورے

ادارہ

بیٹیوں کی رخصتی

ہمارے ہاں شادی کا معیار جب سے بڑھا لیا گیا ہے۔لڑکیوں کی شادی ایک مسئلہ بنتی جارہی ہے۔ایک تعلیم یافتہ لڑکا،کم تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کرلیتا ہے مگر ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی کم تعلیم یافتہ لڑکے سے شادی کرنا پسند نہیں کرتی۔ایک تو لڑکیوں کی شادیاں یہ مشکل طے پاتی ہیں اور جب طے ہوجاتی ہیں تو رخصتی میں رخنے پڑجاتے ہیں۔اب یہ دور منگنی کا تو رہا ہی نہیں ہے۔جیسے ہی شادی کا پیغام قبول کیا جائے فوراً ہی شادی کا فریضہ سر انجام دینا چاہیے۔مگر کوئی تیاری کے لیے وقت لیتا ہے تو کوئی ٹال مٹول کرنے کے لیے...... بے اعتباری اس قدر بڑھ چکی ہے کہ منگنی کے بعد بھی اکثر گھرانے لڑکے اور لڑکی کی تلاش جاری رکھتے ہیں۔مگر زیادہ تر برے اثرات لڑکی کے خاندان پر پڑتے ہیں۔منگنی کے بعد لڑکا اپنی جاب کے لیے پریشان ہے یا وہ باہر ہے۔وہاں سے آنے کے لیے چھٹی نہیں مل رہی یا اس کی بڑی بہن کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔اس کی شادی جب تک نہ ہوجائے وہ اپنی منگیتر کو بھی انتظار کی سولی پر چڑھائے رکھتا ہے۔آج کل تو نکاح کرکے لوگ سالوں کے لیے رخصتی موخر کردیتے ہیں اور اگر بیرون ملک لڑکے کی ملازمت ہو تو ویزے کا بہانہ کردیا جاتا ہے۔

ایسی وہ تمام لڑکیاں جن کا رشتہ طے ہونے کے باوجود ان کی رخصتی میں تاخیر پر تاخیر ہورہی ہے وہ سب لڑکیاں فجر کی نماز کے بعد ایک سو ایک مرتبہ یا وہابُ اول و آخر درود شریف گیارہ، گیارہ مرتبہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرکے اپنے چہرے پر پھیرلیں اور روزانہ دو نفل حاجت کے پڑھ کر اپنے لیے یہ دعا کریں کہ ان کی شادی خیر و عافیت کے ساتھ ہو اور انہیں اپنی زندگی میں حقیقی خوشیاں نصیب ہوں۔خیال رہے کہ یہ عمل سورج نکلنے سے قبل کیا جائے...... کسی روز تاخیر ہوجائے تو یہ عمل نہ کریں۔عمل کی مدت نوے دن ہے،ناغے کے دن گن کر بعد میں پورا کریں۔وہ لوگ جن کے کاموں میں رکاوٹیں زیادہ آتی ہیں وہ روزانہ کم از کم پانچ تسبیح درودِ ابراہیمی پڑھنا اپنی عادت بنالیں۔پھر دیکھیں اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔(سبحان اللہ)

اس کے علاوہ نمازِ ظہر اور عصر کے درمیانی وقفے میں سورہ والضحیٰ پانچ مرتبہ اسی نیت سے تلاوت کریں کہ اس میں خوشخبری کا ذکر ہے۔بے شک اللہ رب العزت ہی سب کے بگڑے کام بنانے والا ہے۔

خوب صورت تحفہ

قارئین کرام!ایک خوب صورت تحفہ میں آپ کو دے رہی ہوں اور میری یہ دلی خواہش ہے کہ اسے آپ آگے تک پہنچائیں۔یعنی آپ جس سے ملیں اس تک یہ بات پہنچائیں۔(آپ اسے اس سال کا سب سے خوب صورت تحفہ بھی کہہ سکتے ہیں)اس کے لیے ایک چھوٹی سی کاپی اور پینسل آپ کو اپنے سرہانے رکھنی ہوگی۔یا اگر آپ سفر میں رہتے ہیں تو بیگ میں بھی رکھ سکتے ہیں۔روزانہ اپنی کاپی میں تاریخ ڈال کر لکھیں کہ آج آپ نے کتنی بار درود شریف پڑھا ہے۔سب سے مختصر درود شریف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔اگر آپ دس تسبیح روزانہ پڑھ لیتے ہیں تو کاپی پر لکھیں آج ایک ہزار مرتبہ درود پڑھ لیا ہے۔یعنی ہر روز کا دورد شریف کا ٹوٹل گزشتہ دنوں کے درود شریف میں جمع کرکے لکھنا ہوگا۔روزانہ دس تسبیح پڑھنا تو کوئی مشکل ہے ہی نہیں۔بہت سی خواتین آرام سے دس ہزار درود شریف پڑھ رہی ہیں اور بعض بچیاں تو روزانہ بیس ہزار مرتبہ پڑھ لیتی ہیں۔جب بہت تیزی سے درود

شریف پڑھا جانے لگے تو آپ سمجھ لیجیے کہ آپ کے ساتھ فرشتے بھی شریک ہو گئے ہیں۔ (سبحان اللہ!) کاپی میں درج کرنے سے پڑھنے کی تحریک زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب یہ تعداد لاکھوں میں ہونے لگے تو انشاء اللہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی ہوگی اور آپ کی پریشانیوں کے بادل چھٹ جائیں گے۔ اور آپ کو دلی طمانیت اور سکون حاصل ہوگا۔ تو آیئے اس نیک کام میں میرے شریک بن جایئے۔ اللہ تعالیٰ درود شریف کی برکت سے ہم سب کو دونوں جہاں میں عزت و توقیر عطا فرمائے۔ آمین! پیاری بہنو ان تینوں مہینوں رجب، شعبان، رمضان میں درود شریف اور پہلا اور تیسرا کلمہ کثرت سے خود بھی پڑھنا ہے اور لوگوں کو پڑھنے کے لیے تاکید بھی کرنا ہے اور ہاں درود شریف آپ کوئی سا بھی پڑھ سکتے ہیں۔ جیسے آپ ''اللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد'' بھی پڑھ سکتے ہیں یہ بھی چھوٹا سا ہے۔

اچھا رشتہ ملنے کی دعائیں

جوان ہونے کے بعد لڑکے لڑکیوں کو یہ دعا مانگنی چاہیے جس میں اچھے اور نیک رشتے کا ملنا اور عافیت کے ساتھ زندگی گزارنا طلب کیا گیا ہے۔ دعا کے اول و آخر تین مرتبہ درود ابراہیمؑ پڑھیں۔

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما (سورۂ فرقان آیت ۷۴)

''اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے دل کا چین اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو اپنے خالص بندوں کی دعا فرمایا ہے یہ دعا ہر مرد و زن کو تمام زندگی مانگنی چاہیے۔ یہ بہت ہی مبارک دعا ہے۔ اس میں شوہر، بیوی اور بچوں سب کے لیے دنیاوی و آخرت دونوں کی دعا کریں۔

اس طرح لڑکیاں خود اپنے لیے نیک شوہر ملنے کی بھی دعا کریں۔

مثلاً اے اللہ! مجھے ایسا شوہر عطا فرما جو دیندار ہو اور میرے لیے بھی دینی لحاظ سے معاون و مددگار ہو۔ نرم دل ہو، نیک بیوی کی قدر کرنے والا ہو۔ اس کے مقدر میں نیک اور صالح اولاد ہو۔ دین کو دنیا میں پھیلانے اور نیک عمل کرنے کا شوق اور لگن رکھتا ہو۔ بے ایمانی، بے حیائی اور تمام شرور سے دور ہو۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اس کے دل میں سب سے زیادہ ہو۔ اے اللہ! مجھے اس نیک شوہر کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک، ذریعۂ تسکین اور سرمایۂ راحت بنا۔ آمین!

ہر نماز کے بعد درود شریف کے ساتھ یہ دعا بھی مانگنی چاہیے۔

یا وھاب ھب لی زوجا صالحاً

''اے بہت عطا کرنے والے! مجھے نیک شوہر عطا فرما۔''

☆☆☆

یہ عمل بے حد مجرب ہے کہ بعد نمازِ عشا ایک سو پچاس مرتبہ یا لطیف لڑکی کے والدین یا سرپرست میں سے کوئی بھی پڑھے انشاء اللہ بہت جلد اور بہت مناسب بر آجائے گا۔ اول و آخر درود ابراہیمؑ تین تین بار پڑھیں جب تک شادی نہ ہو پڑھتے رہیں۔

یہ سورہ بھی بہت اکسیر ہے اسے 191 مرتبہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد پڑھیں۔

والضحیٰ O والیل اذا سجیٰ O

''قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی اور قسم ہے رات کی جب وہ سکوت طاری کردے۔''

اول و آخر درود ابراہیمؑ گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھیں جب تک رشتہ نہ آئے پڑھتے رہیں۔ شادی کے بعد شکرانے کے نفل پڑھیں اور کسی غریب کی حسب توفیق مدد کریں۔

شادی کے لیے یہ عمل بھی بے حد اکسیر ہے کہ بعد نمازِ عشا دو رکعت نمازِ حاجت (برائے شادی) اور سلام پھیرنے کے بعد سورۂ اخلاص 41 مرتبہ پڑھ کر شادی کے لیے دعا مانگیں۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

☆☆☆





شوابے
ہومیو کلینک

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

چھوٹی بچی بڑے مسائل

اکبر محمود......لاہور

میری بیٹی کی عمر ساڑھے چھ سال ہے۔ اسے عرصہ تین سال سے عینک لگی ہے۔ اس کے سر میں شدید درد ہوتا تھا اور متلی کی کیفیت ہوتی تھی۔ بائیں آنکھ کو ٹیڑھا کر کے دیکھتی تھی۔ اب یہ صورتِ حال ہے کہ ہر چھ ماہ بعد نظر چیک کروانے پر پہلے سے کمزور ہی نکلتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ہر بات کی فکر کرتی ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو خود پہ سوار کر لیتی ہے۔ حد سے زیادہ حساس ہے۔ براہِ کرم ایسی دوا تجویز کریں جو نہ صرف نظر کو ٹھہرنے میں مدد دے بلکہ ٹھیک بھی کرے۔

جواب: اکبر صاحب آپ نے تفصیل بالکل نہیں لکھی کہ اب سر درد کا کیسا ہوتا ہے یا اب ختم ہو گیا ہے۔ اس کے لیے کیا علاج کیا۔ آنکھ کی پوزیشن کیا ہے، نمبر کتنا تھا اور اب کتنا ہے۔ آپ کے گھر میں ایک دوسرے سے تعلقات کیسے ہیں۔ موجودہ وزن اور خوراک کیسی ہے۔ مکمل تفصیلات لکھیے گا۔ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Staphisagria 30 اور Ruta 30 کے پانچ، پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ دیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

جون 2016ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ______________

پتا: ______________

____

وقت سے پہلے ایام

فریحہ......کراچی

میں پاکیزہ کی بہت پرانی پڑھنے والی ہوں۔ ہومیوکلینک سے بھی کافی استفادہ حاصل کیا ہے۔ میں آپ کے پاس ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ پچھلے سال میں دبئی شاپنگ کرنے گئی تھی تو راستے میں مجھے تکلیف ہوگئی۔ گرمی بھی شدید تھی۔ جیسے ہی میں گھر آئی تو مجھے ماہانہ ایام شروع ہوگئے۔ حالانکہ 10 دن پہلے ہی فارغ ہوئی تھی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ مہینے کے بعد نہیں آتے 20 دن کے بعد آجاتے ہیں۔ جس کی وجہ بہت کمزوری ہوگئی ہے اور خون کی بھی کمی ہوگئی ہے۔ چھوٹی بیٹی سوا سال کی ہے۔ اس کو فیڈ بھی کرواتی ہوں۔ براہِ مہربانی آپ کوئی ایسی دوا بتائیں جس سے میرا مسئلہ حل ہو اور کمزوری بھی دور ہوجائے۔

جواب: محترمہ آپ اپنا الٹراساؤنڈ کرا کر رپورٹ ضرور بھیجیں نیز ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ptk60 کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ اور Ptk45 کی دو گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

ہاتھوں کا سُن ہونا

فرخندہ......منڈی بہاء الدین

میرے ہاتھ اکثر سن ہوجاتے ہیں۔ بازو موڑ کر سونے سے زیادہ ہوتے ہیں۔ بازو سیدھا رکھوں تو بہتر رہتا ہے۔ رات کو بار بار آنکھ کھل جاتی ہے۔ کافی علاج کرایا ہے اب ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کا حل سرجری ہے جو میں کروانا نہیں چاہتی۔ برائے مہربانی ہومیوپیتھی میں اگر کوئی اس کا علاج ہے تو مجھے ضرور بتائیں اور دوا تجویز کریں۔ بہت مشکور ہوں گی۔

جواب: محترمہ آپ کو اپنی رپورٹس بھی بھیجنی چاہیے تھیں۔ تاکہ ہم اپنے طور پر اس کو جانچ سکیں۔ لہٰذا فوراً



رپورٹس بھیج دیں۔ ساتھ خون کا ٹیسٹ HbA1C بھی کرائیں۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calccarb30 اور Rhustox30 کے 10،10 قطرے 1/4 کپ پانی میں دن میں 4 مرتبہ استعمال کریں۔

نزلہ اور سفید بال

نازنین......راولپنڈی

میں ہومیوپیتھک دوائی تقریباً ایک سال سے استعمال کر رہی ہوں۔ میرے بالوں میں سفیدی بہت ہے، ساتھ نزلہ رہتا ہے اور ناک بند ہوجاتی ہے۔ اس سے پہلے بھی دوبار خط لکھ چکی ہوں۔ دوائی سے زیادہ فرق نہیں آیا۔ نزلہ کے علاج کے لیے بھی دوا تجویز کردیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ کوئی ایسی دوائی تجویز کریں جس سے بالوں کی سفیدی ختم ہوجائے۔

جواب: نازنین صاحبہ بالوں کو دھونے کے لیے میٹھا پانی استعمال کریں اور کوئی اچھا شیمپو بھی۔ شوابے جرمنی کی AcidPhos30 اور Lyco30 کے 5، 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ ایک گھونٹ پانی میں لیں جبکہ Bacilinum200 ہر 15 دن بعد لیا کریں۔ 6 ماہ بعد اپنی کیفیت سے مطلع کریں۔

سورائسس

گوہر علی......حیدرآباد

ایک اہم مسئلے کی طرف رجوع کررہی ہوں۔ میں پانچ چھ سال سے دونوں پاؤں میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوں جس کا بار بار علاج کرنے کے باوجود وقتی فائدے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ تین مختلف ڈاکٹروں کا علاج کرا چکی ہوں۔ ان لوگوں نے سورائسس تجویز کیا۔ ان ڈاکٹروں کے Prescription کی (فوٹو

کاپی) بھیج رہی ہوں۔ بعد میں ہومیو پیتھک علاج بھی کروایا۔ علاج سے وقتی فائدہ تو ہوجاتا ہے لیکن مکمل افاقہ نہیں ہوتا۔ مرض پھر بڑھ جاتا ہے۔ مہربانی کر کے اس موذی بیماری کا مناسب حل تجویز کریں جس سے مستقل افاقہ ہو اور مجھے صحت کاملہ نصیب ہو۔

جواب: آپ ڈاکٹر والمار شوابے جرمنی کی Bacilinum 200 کی ایک خوراک ہفتہ میں ایک دفعہ لیں۔ اس کے ایک دن کے وقفے کے بعد Ars.iod 30 کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں اور Hydrocotyle 30 کے بھی 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ شوگر ٹیسٹ کروا کر رپورٹ بھیجیں۔ میٹھی چیزوں کا استعمال بھی کم سے کم کریں۔

قد چھوٹا رہ گیا

ارم ظہیر......میر پور

محترم، میں اپنی بیٹی کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ میری بیٹی کا قد بہت چھوٹا رہ گیا ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی اچھی سی دوا لکھ دیں جس کے استعمال سے میری بیٹی کا قد تھوڑا سا اور بڑھ جائے۔ آپ کے لیے زندگی بھر دعاگو رہوں گی۔ میری بیٹی کو مینسز ٹھیک طرح سے نہیں آتے۔

جواب: ویسے تو قد کے بڑھنے میں بہت سارے عوامل کارفرما ہوتے ہیں جن میں خاندانی ہسٹری اور ہارمونز وغیرہ ہیں۔ ٹین ایج تک بڑھنے کی گنجائش ہوتی ہے لہٰذا اپنی بیٹی کو ہر روز صبح ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc. Carb200 کے تین قطرے ایک گھونٹ پانی میں دیں اور اسی کمپنی کی PTK60 کی ایک گولی صبح، شام اور رات کو دیں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بڑھا ہوا پیٹ

کوثر رحمان......فیصل آباد

میرے چھوٹے بیٹے کی عمر دو ماہ ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ چھوٹے بیٹے کی پیدائش کے بعد اب پیٹ بڑھ گیا ہے اور کولہے بھاری ہوگئے ہیں۔ اب میں گھر کے اندر چلنے پھرنے سے بھی تھک جاتی ہوں اور رنگ بھی بہت پیلا ہوگیا ہے۔

جواب: سب سے پہلے آپ اپنی غذا کو متوازن بنائیں اور اس میں ایسی اشیا استعمال کریں جو خون کی افزائش میں معاون ہوں۔ مثلاً لال گوشت، ٹماٹر، سیب، آم، کیلا، ہری سبزیاں وغیرہ۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Phytolacca-e-baccisQ,Fucus VesQ کے 10،10 قطرے ½ گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc. Carb 3X کی ایک گولی بھی دن میں تین مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے دوبارہ مطلع کریں۔

چہرے پر دانے

نادیہ ارشد......چیچہ وطنی

میں جسمانی طور پر بے حد کمزور ہوں، عمر سے کم لگتی ہوں۔ مجھے کافی پہلے ایک بار یرقان ہوا تھا۔ کمزوری بہت ہے، کبھی کبھی چکر آتے ہیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ چہرے پر دانے نکلے تو ایک اسکن اسپیشلسٹ کو دکھایا۔ انہوں نے 5 ہفتے علاج کیا۔ وقتی طور پر دانے ٹھیک ہوئے مگر بعد میں اور زیادہ بڑھ گئے۔ جہاں نکلتے ہیں وہاں کالے داغ چھوڑ جاتے ہیں۔ پہلے رنگت کھلتی ہوئی تھی اب سیاہی مائل ہوتی جارہی ہے۔ جسم میں کیلشیم، خون اور آئرن کی کمی ہے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ہیں، اچھی خوراک اور موسم کے لحاظ سے پھل کھانے کے باوجود ختم نہیں ہورہے۔ آپ میرے لیے ایسا نسخہ تجویز کریں جس سے سیاہ حلقے اور کمزوری دور ہو اور رنگت نکھر جائے۔

جواب: بی بی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بہت

ساری وجوہات کے بنا پر ہوسکتے ہیں۔ ان میں نیند کا پورا نہ ہونا، کھانا جسمانی ضرورت کے مطابق نہ کھانا، لیکوریا وغیرہ۔ آئندہ خط لکھتے ہوئے اس بات کا بھی خیال رکھیے گا۔ ابھی فی الحال ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Kali bromide 30 کے 5,5 قطرے دن میں تین مرتبہ لیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی PTK-45 کی 2 گولیاں دن میں تین مرتبہ تھوڑے پانی سے لیں۔

لیکوریا

نرملہ خان ...... کے۔ پی۔ کے

میں شادی شدہ ہوں۔ تین بچے ہیں، مجھے عرصے سے لیکوریا کی بیماری ہے، میں جسامت میں کمزور ہوں اور آنکھوں کے گرد حلقے ہیں، برائے مہربانی کوئی ایسی دوا تجویز کردیں کہ میری صحت بھی بہتر ہوجائے اور اس مرض سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل جائے۔

جواب: نرملہ صاحبہ، آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ova tosta 4x کی دو گولیاں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں اور اُسی کمپنی کی HydrastisQ کے سات قطرے دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ ایک ماہ بعد کیفیت بتائیں۔

چھوٹی بچی میں لیکوریا

رانا نعیم ...... ایبٹ آباد

یہ مسئلہ میری بیٹی کا ہے جو ساڑھے چھ سال کی ہے۔ اسے تقریباً دو تین سال قبل گرمیوں میں پیشاب میں جلن کی شکایت ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کی اینٹی بائیوٹک دوائیوں سے وقتی افاقہ ہوجاتا تھا لیکن پھر وہی صورتِ حال ہوتی تھی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ بچی جلن کی شکایت تو نہیں کرتی لیکن اب اسے لیکوریا کی شکایت ہوگئی ہے۔ بچی دیکھنے میں کمزور نہیں ہے۔ صحت اُس کی اچھی ہے لیکن چہرے کی رنگت زرد اور مرجھائی ہوئی رہتی ہے۔ برائے مہربانی اچھی سی دوا تجویز کرکے ممنون فرمائیں۔



جواب: اپنی بچی کو ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ferrum Calc.Carb Kreosote30 Phos 30,30 کے 5،5 قطرے دن میں تین مرتبہ استعمال کرائیں۔ 15 دن بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

چہرے پر بال اور ایام کی خرابی

راحیلہ ...... ملتان

میری شادی ہونے والی ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ گزشتہ پانچ سال سے ایام ایک مہینہ آتے ہیں اور دو مہینے نہیں آتے۔ میرے جسم خاص طور پر چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں جب نکالوں تو خون نکلتا ہے اور جگہ کالی ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ سے کسی پارٹی میں نہیں جاسکتی، مہربانی کرکے کوئی اچھی دوائی بتادیں جس سے یہ مسئلہ حل ہوجائے۔ میرا مسئلہ ضرور شائع کریں۔

جواب: اللہ آپ کو صحت دے آمین۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc.Carb 200 کے 5 قطرے ہفتے میں ایک دفعہ لیں جبکہ روزانہ Pulsatilla 30 کے 5,5 قطرے دن میں تین مرتبہ اور Oleum Jec30 کے بھی 5 قطرے دن میں تین مرتبہ ایک گھونٹ پانی میں لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

چہرے پردانے

ش۔ع .... فیصل آباد

سوال: ۔میرے چہرے پردانے نکل رہے ہیں جو کہ سرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔ خود نکلتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں۔ مگر بعض اوقات اتنے نکلتے ہیں کہ چہرہ عجیب سا لگتا ہے۔ برائے مہربانی کوئی دوا تجویز فرمائیں۔ میری عمر 20 سال ہے۔

جواب: ۔ش۔ع۔ صاحبہ! آپ اپنے کھانے میں موسمی پھلوں اور سبزیوں کا اضافہ کیجیے۔ منہ پر کسی قسم کی

کوئی کریم استعمال نہ کریں۔ دن میں پانچ سے چھ مرتبہ پانی سے دھویا کریں۔ صبح سویرے کی دھوپ یا شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے کی دھوپ میں 15 منٹ تک روزانہ بیٹھیں۔ ساتھ Juglans Regia 30 روزانہ ایک خوراک اور Gun Powder 3X دن میں تین مرتبہ لیں۔

سر کے بال گر رہے ہیں

(میرا نام شائع نہ کیا جائے)

سوال:۔ میری تکلیف یہ ہے کہ کافی عرصے سے میرے سر کے بال گر رہے ہیں اور سر میں خشکی اور کائی بھی ہے۔ مختلف قسم کے تیل اور شیمپو استعمال کیے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آپ کوئی اچھا سا نسخہ تجویز فرمادیں۔

جواب:۔ اپنے بالوں کی صفائی کا خیال رکھیں۔ اچھی اور متوازن غذا کا استعمال کریں۔ خوشبو والے صابن اور تیل کا استعمال ترک کردیں۔ صبح ناشتے کے بعد Acid Flour 30 دوپہر کو کھانے کے بعد Vinca Minor 30 اور Acid Phos Q کے پانچ قطرے ایک گلاس پانی میں رات کو سوتے وقت استعمال کریں اور ایک مہینے بعد اپنے حال سے آگاہ کریں۔

قد نہیں بڑھ رہا

عامر قریشی..........گارڈن کراچی

سوال:۔ میری عمر 19 سال ہے اور وزن 11 پونڈ ہے۔ میرا قد 5 فٹ 2 انچ ہے۔ کئی سالوں سے میرا قد نہیں بڑھ رہا ہے۔ برائے کرم قد بڑھانے کی کوئی دوا تجویز کریں۔

جواب:۔ جناب عامر قریشی 17 سال بعد قد کم ہی بڑھتا ہے۔ بہر حال ٹرائی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ اچھی متوازن غذا استعمال کریں۔ متوازن غذا سے مراد انڈا، دودھ، مکھن، گھی، گوشت (گائے، بکرا، مچھلی) دالیں، پھل اور سبزیاں لیں۔ صبح سویرے ورزش کا اہتمام کریں خصوصاً لٹکنے والی ورزش آپ کے لیے مفید ہے۔ اس کے علاوہ اگر مزاج میں تیزی ہو، غصہ جلد آتا ہو تو Thyroidinum 30_ صبح و شام کھائیے اور Ferrum Phos 6X + Calc Phos 6X دوپہر اور رات کھانے کے بعد چار چار ٹیبلیٹ استعمال کیجئے اور اپنے احوال سے بھی آگاہ کرتے رہیں۔

ہائے مٹاپا

ناصر احمد............لاہور

سوال:۔ میری عمر 20 سال ہے لیکن میرا وزن 65 کلو ہے۔ سینہ 34 انچ اور پیٹ 36 انچ چوڑا ہے۔ میں بہت موٹا ہوں۔ دودھ، انڈے اور میٹھی چیزوں سے مجھے رغبت ہے اور ورزش سے مجھے چڑ ہے۔ مٹاپے کی وجہ سے گھٹنے میں درد رہتا ہے اور سر میں بھی ہلکا سا درد رہتا ہے۔ سر کو گھمانے سے سر میں چکر آتے ہیں۔

جواب:۔ سب سے پہلے آپ اپنی غذا کی طرف توجہ دیں۔ دن میں بھوسی والی ایک روٹی کھائیں، آدھی پیالی دودھ پئیں، سبزیوں میں گاجر، ٹماٹر، سلاد اُبال کر یا کچی بھی استعمال کریں۔ پھلوں میں موسمی پھل اور سیب استعمال کریں۔ کیلا، آلو اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں، ورزش ضرور کیا کریں، کم از کم ایک گھنٹا پیدل چلیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی روزانہ ایک خوراک 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں Calc Carb 200 کے روز صبح کو اور Phytolacca e Baccis-Q کے 7 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ دوماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔



اسماء الحسنیٰ ۔ کامیابی کا راستہ

دین اسلام کی روشنی میں آپ کے مسائل کا مکمل حل

پیر شاہ محمد قادری

پیر شاہ محمد قادری ناجی ہاشمی گذشتہ 25 برسوں سے اسماء الحسنیٰ کے حوالے سے زندگی میں درپیش تمام مسائل اور پریشانیوں کے حل کے لئے اسماء الحسنیٰ کی تلقین کرتے ہیں اور آیات قرآنی کے ذریعے روحانی علاج کے حوالے سے دنیا بھر میں شہرت یافتہ ہیں ۔ آپ کے پروگرام اسماء الحسنیٰ ۔ کامیابی کا راستہ کروڑوں ناظرین دیکھتے رہتے ہیں ۔ آپ اپنے مسائل اور پریشانیوں میں براہِ راست ان سے بذریعہ خط اور ملاقات راہ نمائی لے سکتے ہیں ۔

دوغلا پن شخصیت کا حصہ

○ پیر صاحب! زندگی عجیب سی الجھنوں میں گزر گئی، چھوٹی تھی تو یوں لگتا تھا کہ بڑی ہوجاؤں گی تو سب مسائل حل ہوجائیں گے۔ 7 برس کی تھی جب والدہ فوت ہوگئیں، رشتے داروں کے زور دینے پر والد صاحب نے دوسری شادی کرلی، سوتیلی ماں کا جو روایتی سلوک تھا میری نئی والدہ بالکل اس کے الٹ تھیں، نہایت محبتی اور پیار کرنے والی، انہوں نے مجھے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا، مگر سچی بات یہ ہے کہ میں نے انہیں سوتیلی ماں سے زیادہ نہیں سمجھا، ہمیشہ ان کو آڑے ہاتھوں لئے رکھا، ان سے میرے تین بہن بھائی پیدا ہوئے مگر پھر بھی میرا پیار نفرت کو نا چھوڑ سکا، انہوں نے بہت اچھی جگہ میری شادی کی، مگر اس رشتے کی ساری برائی صرف یہ تھی کہ یہ میری ماں کی پسند تھا، میرے سسرال کی اچھائیاں، میرے شوہر کا والہانہ پن سب سے مجھے الجھن ہوتی تھی، میں آج یہ تسلیم کرتی ہوں کہ میں اچھی بیٹی، اچھی بیوی اور اچھی ماں نا بن سکی، بس عجیب سی لاتعلقی، زہریلا پن اور دوغلا پن میری شخصیت کا حصہ رہا، سب میری خوبصورتی اور سلیقہ مندی کی تعریف کرتے ہیں، مگر میں سچی خوشی سے محروم ہوں میں بچوں کی طرح ہنسنا، کھلکھلانا چاہتی ہوں بے ساختہ گفتگو کرنا چاہتی ہوں مگر یہ سب نہیں ہوتا، ایک بار اچین سے آپ سے ملنے آئی تھی مگر اس دن بہت زیادہ لوگ تھے آپ نے کہا تھا کہ تفصیلی بات چیت کے لئے تھوڑا انتظار کر لیجیے مگر میں اٹھ کر آگئی تھی، آج پھر آپ سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں ذہنی و دلی سکون کے لئے کوئی اسم الٰہی بتایئے، مجھے اپنی بیعت میں قبول فرما لیجیے، بہت تھک چکی ہوں ۔ زہرہ جعفری ۔ کراچی

☆ عزیز بہن! اللہ تعالیٰ آپ کی روحانی کیفیت میں مثبت تبدیلی عطا فرمائیں ۔ انشاء اللہ ۔ بعض اوقات بچپن کی تشنگی، محبت کی کمی بہت سے مسائل کو جنم دیتی ہے، آپ کے معاملے میں استخارے سے یہ کیفیت سامنے آئی ہے کہ آپ کی والدہ کی طویل بیماری نے آپ کو خوف میں مبتلا رکھا، بنیادی طور پر آپ اس چیز سے خوفزدہ تھیں کہ آپ کی امی مر جائیں گی تو کیا ہوگا اور امی کے انتقال کے بعد جو آپ نے سال ڈیڑھ سال کا عرصہ تنہائی میں گزارا وہ آپ کی شخصیت کا حصہ بن گیا اور آپ چھن جانے کے خوف میں مبتلا ہوگئیں ۔ میری بہن، کمی ہم سب کی زندگی میں کوئی نا کوئی ضرور ہوتی ہے بس ہمیں اس کو ہمت، جرأت سے پورا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، آپ ہر نماز کے بعد 170 مرتبہ آیت کریمہ پڑھا کریں، جب آپ اپنی بھانجی کی شادی میں لاہور آئیں تو بیعت بھی کر لیجیے گا۔

مجھے کوئی متاثر نہیں کرتا

○ میری بیٹی کے رشتے بہت آتے ہیں مگر وہ ان کو کوئی نا کوئی بہانہ بنا کر مسترد کر دیتی ہے، حالانکہ ہم نے کہا ہے اگر تمہیں کوئی پسند ہے تو اس کو بلالو، مگر وہ کہتی ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں اگر کوئی مجھے متاثر نہیں کرتا تو میں کیا کروں، میرا دل آمادہ نہیں ہوتا، یہاں کئی عاملوں کو دکھایا وہ کہتے ہیں کہ اس پر سایہ ہے، اب یہ تو اللہ ہی جانے کہ کیا مسئلہ ہے مگر اس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کی دوسری بہنوں کا رشتہ بھی نہیں ہو رہا ہے، گھر میں یکے بعد دیگرے چار بچی شادی کی عمر کو پہنچ چکے ہیں لیکن اس کی وجہ سے مسلسل تاخیر ہو رہی ہے، آپ

سے روحانی علاج وعمل کی استدعا ہے۔ فاطمہ باقر۔راولپنڈی

☆آپ کی صاحبزادی کے لئے لوح تسخیر خاص، نقوش ارسال کئے جا رہے ہیں 90 دن کے بعد کیفیت بتایئے گا، انشاء اللہ شادی کا مسئلہ حل ہوجائے گا جب شادی طے ہوجائے تو بی بی سیدہ فاطمتہ الزہرہؓ کی نذر حسب توفیق بروز جمعہ کروایئے گا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کی بیٹیوں کا نصیب اچھا کرے۔(آمین)

لڑنے مرنے پرآمادہ

O سرکار! آپ کا صفحہ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔کئی سال پہلے آپ کے ہی ذریعے اللہ تعالیٰ نے بہت سے خوفناک حالات سے گزرنے میں مدد عطا کی تھی آج بہت طویل عرصے کے بعد آپ کو پھر سے پالیا، اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ عطا کردیا، ایک وقت تھا جب گمان ہی نہیں تھا کہ میں کبھی دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکوں گا۔اب ایک اور مسئلہ درپیش ہے میرے سالے صاحب نے اپنی پسند کی شادی کی تھی شروع میں والدین راضی نہیں تھے لیکن پھر بیٹے کی خوشی کے آگے مجبور ہوگئے، مگر شادی کے بعد سے وہ بالکل بدل گیا، والدین سے اپنے حصے کا مطالبہ کردیا، بہنوں سے قطع تعلق کرلیا، چھوٹا بھائی اپنے سپر سٹور کو سنبھالتا تھا اس سے لڑ جھگڑ کر سارے سٹور کے کام کو سنبھال لیا مگر 6 مہینے میں ہی دو ڈھائی لاکھ سیل والا سٹور تباہ کردیا، بیوی کے مسلسل کہنے میں ہے غرض گھر کا سکون برباد ہوگیا ہے، سسرال والے بات بات پر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ہم لوگ سخت پریشان ہیں اوپر سے خاتون کے کسی اندرونی نقص کی وجہ سے اولاد کے امکانات بھی نہایت محدود ہیں، ہم کیا کریں روحانی راہنمائی عطا کیجئے۔شہزاد اکرم۔سیالکوٹ

☆اللہ تعالیٰ خیروعافیت رکھے۔(آمین) ہر نماز کے بعد 140 مرتبہ ''یافتاح یاقوی'' پڑھ کر دعا کیا کریں۔آپ کو فتح نامہ ارسال کیا جارہا ہے 90 دن کے بعد حالات سے مطلع کیجئے گا۔گیارہویں شریف میں آپ تمام فیملی کے ہمراہ شریک ہوسکتے ہیں۔

دل کا مریض

O میری شادی کو 22 سال ہوگئے ہیں ساری عمر والدین کی خدمت کی۔17 برس سعودیہ میں رہا ساری کمائی والدین کے سپرد کی ان کی ہی مرضی سے شادی کی، باقی بھائی بہت چھوٹے تھے ان کو پڑھایا لکھایا آج میرے حالات بہتر نہیں ہیں، کئی بار والد صاحب سے کہا کہ وہ مکان آپ نے میری کمائی سے بنایا تھا، اب گو کہ سارے بھائی اس میں حصے دار بن گئے ہیں میرا شریعت کے مطابق حصہ دے دیں، میرے حالات بہت خراب ہو چکے ہیں لیکن والد صاحب کسی بھی صورت حصہ دینے پر آمادہ نہیں ہیں الٹا وہ یہ کہتے ہیں کہ تم نے کیا کیا؟ اب بتایئے میں کیا کروں؟ باون برس کی عمر میں دل کا مریض ہوگیا۔تین بیٹیاں جوان ہیں جبکہ اکلوتا بیٹا ابھی تیرہ برس کا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمادیں کہ والد صاحب حصہ دینے پر آمادہ ہوجائیں۔محمد نوراللہ۔نواب شاہ

☆عزیزم! ہر نماز کے بعد ''یاعزیز یاقوی'' پڑھ کر دعا کریں۔آپ کے والد صاحب ضرور حصہ دیں گے، لوح تسخیر خاص ارسال کی جارہی ہے، محفل درود شریف میں آپ کے لئے خصوصی دعا کی گئی ہے۔

جنات کا بسیرا

O پیر صاحب! ہم نے بڑی محنت سے گھر خریدا ہے۔دوسال تو بہت اچھے گزرے پھر گھر میں آہستہ آہستہ مسائل پیدا ہونا شروع ہوگئے، کبھی الماری میں رکھے ہوئے کپڑے خود بخود گیلے ہوجاتے، کٹ جاتے، کبھی دیواروں پر دسیوں چھپکلیاں نظر آنے لگتیں کبھی یوں لگتا ہے کہ دروازے پر دستک ہو رہی ہے مگر کوئی نہیں ہوتا، مگر اب تو حد ہی ہوگئی ہے، ہم لوگ بہت زیادہ ڈرنا شروع ہوگئے ہیں عجیب قسم کی کیفیت رہتی ہے، کئی عاملوں کو دکھایا سب یہی کہتے ہیں کہ جنات کی ٹولی یہاں بسیرا کئے ہوئے ہے۔آپ ہماری مدد کیجئے ہم اس مکان میں رہنا چاہتے ہیں۔امیر علی۔کراچی

☆اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو بھی مخلوق پیدا کی ہے اس کے لئے کچھ ضوابط بھی مقرر کئے ہیں خصوصاً جب جنات کے معاملات آتے ہیں تو پھر ان اصولوں کو سمجھنا بہت اہم ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہزار فیصد اثر ہے لیکن اس کے لئے زبان وقلب کا پاکیزہ ہونا ضروری ہے۔آپ سورۂ بقرہ کا آخری رکوع صبح شام 9 مرتبہ پڑھا کریں۔آپ کو روحانی علاج ارسال کیا جارہا ہے، گھر میں پانچوں وقت اذان ونماز کا اہتمام کریں۔90 روز کے بعد صورت حال سے مطلع فرمائیں۔

نقش آدم وحوا علیہ السلام

O پیر صاحب! میں نے ایک علم جفر کے ماہر سے سنا ہے کہ کوئی نقش حضرت آدمؑ اور حواؑ سے بھی منسوب ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کے فوائد کیا ہیں؟ روبینہ کوثر۔کراچی

☆بیٹی! آپ نے صحیح سنا ہے نقش حضرت آدمؑ وحضرت حواؑ علی الترتیب ۱۵ اور ۴۵ کا ایک مثلثی نقش ہوتا ہے اس نقش کو عموماً ایسے افراد کے لئے تیار کیا جاتا ہے جن میں وہ لوگ جو ناراض ہوکر گھر سے چلے گئے ہوں، خصوصاً میاں بیوی کی ناراضگی کے حوالے سے یہ نقش علمائے جفر تیار کرتے ہیں اسی طرح محبت کے معاملات میں بھی اس نقش کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔آستانہ عالیہ پر حضرت آدمؑ کے نقش پا کی شبیہ مبارک موجود ہے جہاں پر اتوار کو بعد محفل درود شریف خواتین و حضرات زیارت بھی کرتے ہیں اور حضرت آدمؑ کے وسیلے سے دعائیں بھی مانگتے ہیں۔سیدنا آدم علیہ السلام تمام عالم انسان کے جد امجد ہیں،

ان کے وسیلے سے مانگی ہوئی دعائیں ضرور شرف قبولیت پاتی ہیں۔

ماں بننے سے خوفزدہ

○ میری بیوی ماشاء اللہ بہت سمجھدار، پڑھی لکھی ہیں، ہماری شادی کو 7 سال ہو گئے ہیں ایک بیٹا ہے اس بیٹے کی پیدائش پر کافی پیچیدگیاں ہوئی تھیں جس کی وجہ سے بیگم کو شدید تکلیف اٹھانی پڑی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہ دوبارہ ماں بننا نہیں چاہتی ہیں، کہتی ہیں کہ وہ اس مرحلے سے گزر نہیں سکتی ہیں، جبکہ ہماری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک اور اولاد سے نوازدیں۔ دراصل ہمارے ہاں بچے بہت کم ہیں میرے دونوں بھائیوں کے ہاں ایک ایک بچہ ہی ہے، ہم تین بھائی ہیں لیکن اس کے باوجود گھر خالی سا لگتا ہے، ہمیں ایسا روحانی علاج عطا کریں کہ جس سے بیگم راضی ہو جائیں نہایت شکر گزار رہوں گا۔ سید عباس حیدر۔ حیدرآباد

☆ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں کی خوشیوں سے نوازے۔ (آمین) آپ کی بیگم دوران زچگی پیش آنے والی پے چیدگی اور تکلیف سے خوفزدہ ہو گئی ہیں، ان کے لئے لوح اسم ذات ارسال ہے۔ "یا اللہ یا حفیظ یا قوی" ہر نماز کے بعد 140 مرتبہ پڑھ کر دعا کیا کریں۔ انشاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

شدید آرزو

○ میری شادی کو 4 سال کا عرصہ گزر گیا ہے ایک بار امید ہوئی تھی لیکن وہ ضائع ہو گیا پھر اس کے بعد کوئی معاملہ نا بن سکا، ڈاکٹری رپورٹس کے مطابق ہم دونوں بالکل ٹھیک ہیں، لیکن اس کے باوجود کوئی امید نہیں ہوتی، بعض اوقات یہ ضرور ہوتا ہے کہ بیوی رات کو بہت بری طرح ڈر جاتی ہے، بہت علاج کروایا مگر افاقہ نہیں ہوا، اولاد کی شدید آرزو ہے کوئی روحانی علاج کیجئے۔ محمد علی۔ ساہیوال

☆ از روئے استخارہ آپ کی بیگم کسی حسد کے باعث بدعمل کے زیر اثر ہیں۔ سورۂ بقرہ کا آخری رکوع ہر نماز کے بعد 9 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 7 مرتبہ درود شریف، آپ کے لئے بطور روحانی علاج نقش علاج درعقیم ارسال کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے یقین ہے کہ وہ آپ کو پنجتن پاک کے طفیل اولاد عطا فرمائے گا۔

محبت غیر کی ہے

○ ہم گزشتہ 15 سالوں سے یہاں رہتے ہیں، ہر قسم کی سہولت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے، لیکن گزشتہ کئی مہینوں سے ایک ایسی مصیبت میں مبتلا ہیں کہ کسی سے کچھ بتا بھی نہیں سکتے ہیں، ہماری بیٹی کو ایک غیر مسلم سے محبت ہو گئی ہے، غیر مسلم وہ بھی ہندو، لیکن کیا کریں بیٹی کسی صورت کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہے، کہتی ہے کہ میں کیا کروں میرا دل ہی نہیں مانتا اس کے علاوہ کچھ سوچنے کو لیکن ایسا کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنی بیٹی اس طرح بیاہ دیں۔ منت مرادوں کی پالی ہوئی بیٹی کے لئے سخت پریشان ہیں کوئی ایسا روحانی علاج بتادیں کہ جس سے بیٹی کا دل اس سے پھر جائے اور وہ کوئی بھی کلمہ گو لڑکا پسند کر لے، ہمیں پسند کی شادی پر اعتراض نہیں مگر ایسی پسند سے توبہ ہی بھلی یہاں ایسی کئی مثالیں ہیں مگر جوان بچوں کو کچھ کہا نہیں جا سکتا ہے، آپ سے التجا ہے کہ اس مسئلے کا حل فرمائیں۔ شمسہ۔ ناروے

☆ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ (آمین) اللہ تعالیٰ اسی لئے مال اور اولاد دونوں کو ہی آزمائش قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر آزمائش میں ہم سب کو سرخرو رکھے۔ (آمین) آپ ہر نماز کے بعد 140 مرتبہ "یا ہادی یا حفیظ یا مانع" پڑھ کر دعا کیا کریں آپ کے لئے لوح تسخیر خاص اور نقوش ارسال کئے جا رہے ہیں۔ دعاؤں کا شکریہ

یاد کروں بھول جاؤں

○ امتحانات سر پر کھڑے ہیں مگر عالم یہ ہے کہ جو یاد کروں وہ بھول جاؤں کے مترادف، رات رات بھر رٹے لگا لگا کر یاد کرتے ہیں مگر پھر سب بھول جاتا ہوں، یوں لگتا ہے کہ سلیٹ کی طرح ذہن بالکل صاف ہے، میری طرح اور بھی ہوں گے، مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ امتحانات کے ساتھ ہی یہ مسئلہ کیوں ہوتا ہے، پورے سال ہی تمام ٹیسٹوں میں اچھے نمبر ہوتے ہیں مگر امتحانات کے نزدیک بالکل صفر، کوئی کہتا ہے کہ نظر لگ گئی ہے کوئی کہتا ہے کہ جادو ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا مسئلہ ہے اس کا روحانی علاج کیجئے۔ احسن علی۔ خوشاب

☆ عزیزم! اس بھوت کو امتحان کا خوف کہتے ہیں اور آپ جیسے نوجوان دوست اس بھوت کا شکار ہیں مگر آپ ہرگز نا گھبرائیں، "سورۂ الم نشرح" ہر نماز کے 13 مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لیا کریں اول آخر 7 مرتبہ درود شریف، آپ کی کامیابی کے لئے لوح ارسال کی جا رہی ہے ساتھ میں نقوش اور تعویز خاص بھی ہیں، امتحانات میں کامیاب ہونے کی مٹھائی ضرور کھلائے گا۔ انشاء اللہ

ضروری نوٹ

اپنا مختصر مسئلہ اپنے مکمل نام معہ والدین اور تاریخ پیدائش کے ساتھ ارسال کریں۔ اس اشتہار میں جواب باری آنے پر دیا جاتا ہے۔ براہ راست جواب کے لئے اپنا پتا لکھا ہوا جوابی لفافہ بھیجئے۔ فون پر مسئلہ نہیں سنا جاتا ہے بخط لکھیں یا ملاقات کریں۔ بیرون شہر سے آنے والے وقت لے کر تشریف لائیں۔ بیرون ملک مقیم خواتین و حضرات اپنا مکمل پتہ ارسال کریں۔

پیر شاہ محمد قادری 382-A/2، جوہر ٹاؤن،
نزد محمد علی چوک، کالج روڈ، لاہور۔ تعطیل بروز جمعۃ المبارک
0302-5555967

روحانی سکون

O محفل درود شریف میں شرکت کی بے حد روحانی سکون میسر آیا، طبیعت ہلکی ہوگئی، والدہ بھی بہت خوش تھیں پھر آپ کی دعا نے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا یوں لگا کہ جیسے تمام مسائل ہی حل ہو گئے ہیں آئندہ سے ہم تمام لوگ باقاعدگی سے حاضری دیں گے، اس دن تو رش بھی بہت تھا دوسرے آپ جیسی شخصیت کے سامنے اپنے مسئلے کے متعلق زبان کھولنے کی جرآت نہیں ہو رہی تھی، اس لئے خط کا سہارا لے رہا ہوں، مجھے ایک خاتون سے محبت ہوگئی ہے لیکن میری والدہ نہیں مانتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی پہلی شادی کسی وجہ سے ختم ہوگئی تھی، شادی کے 4 ماہ کے بعد ہی طلاق ہوگئی تھی، کوئی بچہ نہیں میری والدہ کو لڑکی بہت پسند تھی مگر جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، جبکہ میرا موقف یہ ہے کہ یہ حادثہ تو کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا وہ میری بہن بھی ہو سکتی ہے تو کیا اس کا مطلب ہے کہ سزا ہمیشہ لڑکی کو ہی ملتی رہے؟ میں ان ہی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ مہربانی فرما کر کوئی روحانی حل تجویز فرما دیں کہ والدہ ہنسی خوشی راضی ہو جائیں۔ محمد اسحاق۔ شیخوپورہ

☆ میاں! اچھے ارادے والے ضرور کامیاب ہوتے ہیں ہر نماز کے بعد 101 مرتبہ درود شریف ابراہیمی پڑھ کر دعا کیا کریں۔ لوح تسخیر خاص ارسال ہے، محفل درود شریف میں ہر فرد کو خوش آمدید کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کے طفیل ہم سب کی مرادوں کو پورا فرمائے۔ (آمین)

زکوۃ۔ ڈنڈی نہ ماریں

O میں یہاں 8 سالوں سے رہتا ہوں ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ ہے پہلے بہت اچھا چلتا تھا مگر نجانے کیا ہوا کہ گاہک راستہ ہی بھول گئے ہیں پہلے رات 9 بجے تک تمام فوڈ اسٹف ختم ہو جاتا تھا، مگر اب 12 بج جاتے ہیں اکا دکا گاہک ہی آتے ہیں، بہت نقصان ہو رہا ہے جی چاہتا ہے کہ بند کر دوں مگر پھر سوچتا ہوں کہ کیا کروں گا، پاکستان میں بھی کچھ نہیں ہے بیوی بچے بھی ساتھ ہیں خرچہ بہت ہے کوئی روحانی حل بتائیں تاکہ اس مشکل سے خلاصی مل جائے۔ عارف حسین۔ العین۔ یو اے ای

☆ عزیزم! مشکلات سے گھبراتے نہیں نظر اور حسد کا یہ دور عارضی ہے ہر نماز کے بعد 161 مرتبہ "یا وہاب یا فتاح" پڑھ کر دعا کیا کریں۔ زکوۃ میں ہرگز ڈنڈی نہ ماریں۔ آپ کے لئے لوح اور نقوش ارسال کئے جا رہے ہیں۔

32 سال کی بیٹی

بیٹی کی عمر 32 سال ہوگئی ہے ایک منگنی ہوئی تھی مگر وہ پھر دو سال رہ کر ختم ہوگئی، اس کے بعد رشتے تو آتے رہے ہیں مگر کہیں کوئی بات نہیں بنی، کوئی کہتا ہے جادو ہے کوئی کہتا ہے بندش ہے ہمیں سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا معاملہ ہے مگر اب بہت دیر ہوگئی ہے کئی لوگوں سے پوچھا ہے مگر کسی نے کوئی شافی حل نہیں بتایا۔ آپ کا کالم پڑھا ہے تو نئی امید پیدا ہوئی ہے آپ کی باتیں آپ کا انداز دل کو لگا ہے، ہمیں اس مشکل کا کوئی روحانی حل عنایت فرمائیں۔ والدہ زرتاج۔ سکھر

☆ عزیز بہن! بعد نماز عشاء 3125 مرتبہ "یا لطیف یا فتاح" بغیر ناغہ 40 یوم پڑھیں۔ روزانہ سوا پاؤ باجرہ پرندوں کو ڈالیں، لوح، نقوش پہنے اور غسل کے لئے ارسال کئے جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

روزے رکھوانا

O والدہ بہت ضعیف ہیں شوگر اور ہارٹ کی مریضہ ہیں اب وہ روزے نہیں رکھ پاتیں ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں کوئی عبادت گزار مرد و خاتون کو روزے رکھوا دیں، آپ اس سلسلے میں ہماری راہنمائی کیجئے۔ فردوس عطا۔ پشاور

☆ آپ ادارے کے نمبر 042-35168036 پر رابطہ کریجئے۔

امیگریشن مل جائے

O ہم لوگ کئی سالوں سے اپنے والدین کی امیگریشن کے لئے مسلسل کوششیں کر رہے ہیں مگر کوئی نتیجہ نہیں آتا ہے یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی نے کوئی بندش کی ہوئی ہے، جبکہ امیگریشن کے قواعد و ضوابط کے عین مطابق پورے اترتے ہیں مگر پھر بھی کوئی بات نہیں بنتی ہے والدین خصوصاً والد صاحب بہت بوڑھے ہو گئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی خدمت کی سعادت عطا فرمائے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی روحانی رکاوٹ ہے تو وہ بھی دور کر دیجئے۔ سلیم اختر۔ بروکلین امریکا

☆ آپ ہر نماز کے بعد 140 مرتبہ "یا رافع یا فتاح" پڑھ کر دعا کر لیا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ آپ کے لئے لوح و نقوش ارسال کئے جا رہے ہیں امید ہے کہ اسی سال والدین آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ انشاء اللہ

بیٹے کی آرزو

O آپ سے غائبانہ تعارف آپ کی ویب سائٹ www.khanqahh.com پر ہوا تھا پھر آپ کا فیس بک qadrisarkar@hotmail.com پر آپ کی سرگرمیاں دیکھیں ماشاء اللہ آپ بہت کام کر رہے ہیں، ہمیں بھی اپنی دعاؤں سے نوازیں، میری تین بیٹیاں ہیں بیٹے کی آرزو ہے آپ کے روحانی علاج کا بہت سنا ہے آپ ہمیں بھی اپنی محبت سے کچھ عنایت کریں، بہت دعا گو رہیں گے۔ سیما شاہین۔ یو کے

☆ عزیز بیٹی! آپ ہر نماز کے بعد 140 مرتبہ "یا وارث یا باقی یا قوی" پڑھ کر دعا کریں روحانی علاج کے لئے نقش علاج درعقیم ارسال کیا جا رہا

ہے حسب ہدایت استعمال کیجئے گا مراد پوری ہوگی۔ انشاء اللہ

جادو کا نتیجہ

O عجیب سے معاملات میں گرفتار ہیں زبان کبھی خشک رہتی ہے کبھی چھالے پڑ جاتے ہیں، چند دن پیٹ ٹھیک رہتا ہے پھر پھول جاتا ہے صبح اٹھتے ہیں تو منہ کا ذائقہ تلخ اور تھوک بے حد زرد رنگ اور گاڑھا ہوتا ہے بعض اوقات منہ کا ذائقہ پھیکا ہو جاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ جگر خراب ہے کوئی کہتا ہے معدے میں السر ہے، ڈاکٹر حکیم سب کا علاج کروالیا مگر چند دنوں بعد دوبارہ مسئلہ ہو جاتا ہے۔ دوائیں کھا کھا کر تنگ آ چکے ہیں، یہ کیفیت گھر کے تمام افراد کی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ وجہ کیا ہے، اگر بیماری نہیں تو کیا ہے؟ ہم لوگ وہمی نہیں ہیں مگر اب تو یقین آنے لگا ہے کہ یہ سب جادو کا نتیجہ ہے، آپ اس کے لئے ہمیں روحانی علاج دیجئے کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ مہینے میں چند دن کراچی بھی تشریف لائیں کیونکہ ہم جیسے بہت سے ضرورت مند ہیں جو کراچی سے لاہور نہیں آسکتے ہیں ان سب کا بھلا ہو جائے گا۔ رخشندہ بتول۔ کراچی

☆ آپ کے معاملے میں فقط صحت خرابی کا مسئلہ نہیں ہیں اس میں بد عملیات بھی شامل ہیں آپ سورۂ مبارکہ "الممتحنہ" صبح شام پانی پر دم کر کے پی لیا کریں۔ لوح، نقش زعفرانی ارسال ہیں، حسب ہدایت استعمال کیجئے۔ فی الحال مصروفیات اس قدر ہیں کہ وقت نکالنا مشکل ہے، جونہی مصروفیات نے اجازت دی کراچی کے پروگرام کے متعلق ان ہی صفحات میں مطلع کر دیا جائے گا۔

ادھاری بزنس

O میرا کنسٹرکشن کا بزنس ہے، مختلف قسم کے ٹھیکے لیتا ہوں، پچھلے دنوں ایک سپروائزر کو گھپلے کے باعث نکال دیا تھا، مجھے تو اس نے کچھ نہیں کہا لیکن مجھے کمپنی کے سٹاف نے بتایا کہ وہ بڑی دھمکیاں وغیرہ دے رہا تھا، میں نے کوئی پرواہ نہیں کی، مگر جب سے وہ گیا ہے میرا کام متاثر ہو رہا ہے دو تین ایسے ٹینڈر جن کے متعلق مجھے سو فیصد یقین تھا کہ مجھے ہی ملیں گے وہ میرے ہاتھ سے نکل گئے، کنسٹرکشن مشنری میں کوئی نا کوئی مسئلہ نکل آتا ہے اور اچھی خاصی مشین کھڑی ہو جاتی ہے، آپ کے علم میں تو ہے کہ یہاں پر سارا بزنس ادھار پر ہی ہوتا ہے، بنک گاڑیاں، مشینری سب لیز کر دیتے ہیں مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ قسطیں بر وقت ادا ہوتی رہیں، مگر حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ ہر جگہ پیسا پھنس گیا ہے، لاکھوں کی ٹرانزیکشن، لاکھ سوا لاکھ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے سخت پریشان ہوں اس کا کوئی روحانی تدارک کیجئے آپ اکثر دوبئی، ابوظہبی آتے رہتے ہیں ایک بار میرے لئے آجائیں جو کہیں گے خدمت کے لئے حاضر ہیں، بس ایک بار ان چیزوں سے جان چھڑا دیں۔ یوسف

تسیم ۔ ابوظہبی یو اے ای

☆عزیزم! مشکل حالات ہماری صلاحیتوں کا امتحان ہوتے ہیں ہرگز نا گھبرائیں انشاء اللہ سب بہتر ہوگا، ہر نماز کے بعد 140 مرتبہ ”یارافع یاقوی یا وہاب“ پڑھا کریں آپ کے معاملات میں جادو کا عنصر ہے ایک بات یاد رکھیے کہ کبھی کسی کی دل آزاری نا کیجئے کیونکہ دل آزاری کے باعث غصہ اور نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں فرد کوئی بھی قدم اٹھا لیتا ہے، جہاں تک ابوظہبی آنے کا سوال ہے تو آپ رابطے میں رہیں جب بھی پروگرام ہوگا آپ کو بذریعہ فون مطلع کردیا جائے گا۔ آپ کے لئے لوح تسخیر خاص، نقش فتح نامہ نقش زعفران ارسال کئے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جملہ مشکلات آسان فرمائیں۔ (آمین)

مجھے بدل دیں گے؟

○ آپ کے اکثر سوال جواب پڑھتا رہتا ہوں، سچی بات تو یہ ہے کہ میں یہ سمجھتا تھا یہ سب گھڑے گھڑائے قطعی فرضی ہوتے ہیں، لیکن جب اپنے ایک عزیز دیکھا کہ وہ چند ہفتے پہلے مرجھایا، اداس اور خاموش رہتا تھا، بالکل بدل گیا، تو اس نے بتایا کہ وہ آپ کے زیر توجہ تھا، پہلے جو کسی چیز کو نہیں مانتا تھا پیری فقیری کو ڈھکوسلا کہتا تھا وہ دن رات آپ کے ہی گن گاتا ہے، آپ کی تصویر ہمہ وقت اس کے پرس میں ہوتی ہے تو بے حد حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص کسی پر اتنا اثر انداز ہوسکتا ہے کہ ہر لمحہ اس کی تعریف کرتا رہے، جبکہ اس کی صرف آپ سے خط و کتابت ہے ۔ آپ کی تمام ڈاک وہ نہایت عقیدت سے سنبھال کر رکھتا ہے، دنیا میں دلچسپی اور گھریلو کاموں میں حصہ لینے لگا ہے، ہر ایک سے خوش مزاجی سے بات کرنا، پھر والدین کا بے حد ادب کرنا اس نے سیکھ لیا، اگر پیر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں تو مجھے بھی اپنا مرید بنالیں، دنیا سے اکتایا اور بیزار ہوں، محبت نا ملی، والدین صرف تنخواہ سے علاقہ رکھتے ہیں شادی ہوئی تو بیوی اپنی دنیا میں مگن یوں لگتا ہے کہ جیسے میں کوئی فالتو شئے ہوں کیا آپ مجھے بدل سکتے ہیں؟ عبدالحئی۔ میرپور خاص

☆عزیزم! پیر مثل باپ راہنما اور دوست ہوتے ہیں دکھ، سکھ، محبت، نفرت، بے یقینی، ناکامی، غصہ، بیزاری سب اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں، جب ہی پیروں کے پاس ناکام، نامراد آتے ہیں اور شادکام واپس جاتے ہیں، وجہ؟ وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آقا و محبوبﷺ .... کے راستے محبت کے مسافر ہوتے ہیں، نرمی، محبت، درگزری، تحمل یہ .... سنت ہے اور جب اس سنت پر عامل ہوجاتے ہیں تو پھر آپ ایک مقناطیس بن جاتے ہیں، جس کی طرف سب کھنچے چلے آتے ہیں، آپ بھی محبت کو اپنایئے، غصہ، نفرت، حسد، بیزاری کو طلاق دے دیجئے اور رحمت و محبت کو اپنا شعار بنالیں، ہنستے مسکراتے رہیں، کامیاب ہو جائیں، یقین نا آئے تو بیعت کرکے دیکھ لیجئے۔ دعا گو!

دل بہت بے چین ہے

○ میری بیٹی کی منگنی میرے خالہ زاد سے ہوئی تھی، کسی وجہ سے وہ منگنی ختم ہوگئی اور مجھے میرے ماموں نے مانگ لیا، پہلی منگنی کے وقت میری عمر بھی کوئی بارہ چودہ برس تھی جبکہ دوسری منگنی کے وقت میری عمر بائیس سال تھی، اب دسمبر میں شادی ہے مگر نجانے کیا ہوا ہے کہ مجھے اپنا پہلا منگیتر بہت یاد آتا ہے، بچپن میں ہم لوگ ساتھ ہی رہتے تھے، بہت شرارت کرتے تھے، لڑنا، مارنا، ساتھ ساتھ سکول جانا، منگنی ٹوٹ گئی کوئی احساس نا ہوا، مگر جب سے میری شادی کی بات پکی ہوگئی، زندگی بے حد الجھن کا شکار ہوگئی ہے وہ یاد آتا ہے، بے تحاشہ یاد آتا ہے، کیا کروں دل چاہتا ہے کہ انکار کردوں۔ مگر پھر خیال آتا ہے کہ کس وجہ سے کس کے بھروسے پر، پتا نہیں دل بہت بے چین ہے، دنیا میں معجزے بھی ہوتے ہیں کیا ایسا نہیں ہوسکتا وہ مجھے مل جائے اور سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے، آپ روحانی حل بتائیں۔ عندلیب گلزار۔ حیدرآباد

☆زندگی میں ہونی انہونی چلتی رہتی ہے، اس کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہر نماز کے بعد 140 مرتبہ ”یارافع یافتاح یالطیف یا قوی“ پڑھ کر دعا کرو۔ لوح تسخیر خاص اور نقوش ارسال کئے جارہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ بیٹی کب مٹھائی کا وعدہ پورا کرتی ہے۔

عورت کی چھٹی حس

○ میری شادی کے پہلے چار سال تو بہت پرسکون گزرے، پھر میرے شوہر کے دفتر میں انتظامیہ نے کچھ تبدیلیاں کردیں جس میں میرے شوہر کا عہدہ بڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی انہیں ایک سیکریٹری کی سہولت میسر آگئی، بس اس کے چند ہی دنوں کے بعد میری حیثیت ثانوی ہوگئی، ہر بات میں حنا کی مثالیں، وہ کافی ایسے بناتی ہے، وہ چائے ایسے سرو کرتی ہے، گفتگو یہ ہے، کلر ایسے پہنتی ہے، سلیقہ اور آراستگی بس اس پر ختم ہے، آپ تو جانتے ہیں کہ عورت کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے اب میرے میاں اس سے شادی کے چکر میں ہیں، جبکہ میرا پہلے برس ایک لڑکا ہوا، اب اللہ کے فضل سے پانچواں مہینہ ہے، مگر ان کو میری کسی کیفیت کسی تکلیف کی فکر ہی نہیں ہے، پچھلے دنوں یو کے میں ان کی فیلڈ کے حوالے سے ایک کانفرنس ہوئی تو اس میں حنا کو لے کر چلے گئے، میرا بلڈ پریشر ہائی رہنے لگا ہے، میرا گھر تباہ ہورہا ہے ان مہینوں میں تو سکون کی ضرورت ہوتی ہے مگر میرے لئے جیسے چاروں طرف دوزخ ہی دوزخ ہے، خدا کے لئے اپنے روحانی عمل سے میرا گھر بچالیجئے۔ یہ ایک بہن ایک بیٹی کی التجا ہے۔ شاہدہ سلمان۔ شارجہ یو اے ای

☆عزیز بیٹی! سب سے پہلے اپنی صحت کے معاملات پر توجہ دیجئے اور

مطمئن رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم فرمائیں گے۔ آپ ہر نماز کے بعد ''یا جامع یا قوی'' 190 مرتبہ پڑھ کر دعا کیا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف، آپ کی فرمائش پر روحانی عمل لوح اور نقوش ارسال ہیں گیارہویں شریف میں آپ کے لئے خصوصی دعا کی گئی ہے، رمضان المبارک میں راشن کی فراہمی کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0302-5555967۔

انکار کے پردے میں

○ بڑا بیٹا عمر 36 سال ہوگئی ہے مگر شادی کے لئے بالکل بھی نہیں مانتا، خوش شکل، خوش مزاج، اونچا لمبا قد ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے نوکری بھی بہت اچھی دی ہے، گاڑی بھی ہے مگر شادی کے لئے نہیں مانتا، کہتا ہے کہ باقی لوگوں کی شادی کردیں میری رہنے دیں وجہ کچھ نہیں ہے، اللہ جانے کیا وجہ ہے کون ہے اس انکار کے پردے میں، ہم تو سمجھا سمجھا کر تنگ آگئے ہیں، چھوٹے بیٹے اور بیٹی کی شادی پچھلے برس کردی، ماشاء اللہ دونوں ہی صاحب اولاد ہوگئے ہیں مگر آپ تو جانتے ہی ہیں کہ بڑے بیٹے کی شادی اور اولاد کا والدین کو کس قدر انتظار ہوتا ہے، اس کا کوئی روحانی علاج کیجئے، رمضان المبارک کے حوالے سے کچھ ہدیہ ارسال ہے آپ اپنے ہاتھوں سے کسی ضرورت مند کو دے دیجئے گا، آپ کے جواب کے شدت سے منتظر ہیں۔ پرویز اختر۔ دمام سعودی عرب

☆ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، بعض اوقات بچپن کے کچھ تجربات زندگی کے بعض معاملات سے برانگیختہ کردیتے ہیں آپ کے صاحبزادے ضرور شادی کریں گے۔ ہر نماز کے بعد 41 مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا کریں اول آخر 7 مرتبہ درود شریف لوح تسخیر خاص ارسال ہے۔

نادیدہ ہاتھ

○ ہم یہاں گذشتہ 15 سالوں سے مقیم ہیں، بیٹا جوان ہوگیا ہے تمام کاغذات مکمل ہیں مگر پھر بھی پیپرز میں پرابلم آجاتی ہے، میرے ساتھ کی تقریباً تمام ہی فیملیز کو پیپرز مل چکے ہیں مگر میرا مسئلہ حل نہیں ہورہا ہے، ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی نادیدہ ہاتھ میری فائل اٹھا کر پیچھے پھینک دیتا ہے، کبھی کبھی شدید مایوس ہوجاتی ہوں، جی چاہتا ہے کہ سرنڈر کرکے وطن واپس چلی جاؤں پھر سوچتی ہوں اب میرا وہاں پر ہے کون جس کے لئے جاؤں وطن بہت یاد آتا ہے مگر پھر مسائل گھیر لیتے ہیں صبح 8 بجے سے رات 11 بجے تک مسلسل کام کرتی ہوں، طویل ڈرائیونگ سے کمر اور ایڑیوں میں تکلیف رہنے لگی ہے، 38 برس کی عمر میں 70 برس کی لگنے لگی ہوں آپ سے روحانی امداد کی توقع ہے آپ نے میرے کزن کو جو ناروے میں رہتے ہیں لوح بنا کر دی تھی اور اسماء الحسنیٰ کی تلقین کی تھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی روحانی مدد سے ان کا مسئلہ بہت جلد حل ہوگیا تھا، میری بھی مدد کیجئے۔ سویرا ملک۔ ناروے

☆ عزیز بیٹی! اچھا وقت دور نہیں، آپ گذشتہ 8 برسوں سے ایک نحوست کے دور سے گزر رہی تھیں اب حالات بہتر ہورہے ہیں۔ ہر نماز کے بعد 13 مرتبہ سورۂ نصر پڑھ کر دعا کیا کریں۔ آپ کی فرمائش پر لوح ارسال ہے۔ دعاؤں اور تحفے کا شکریہ

ناناجان کی عنایتیں

○ بہت ہی اچھا لگا آپ کے ہاں حاضر ہوکر، خصوصاً یہ اطلاع اور ماجرا بے حد باعث مسرت ہوا کہ حضور سرکار ناناجان تاج الدین اولیاء ناگپوریؒ کا دستِ کرم آپ کے سر پر ہے، ہمارا پورا خاندان ہی حضور ناناجان تاج الدین اولیاء ناگپوریؒ کی محبت میں سرشار ہے، اس لئے اپنا جان کر اپنے سلسلے کے حوالے سے ہم پر بھی کرم فرمائیے، میری بیٹی کے سسرال والوں نے اس کا جینا حرام کیا ہوا ہے، ہر بات میں ہر معاملے میں اس کو بے حد تنگ کرتے ہیں، خصوصاً جب سے بیٹا پیدا ہوا ہے زندگی اور زیادہ پریشانیوں میں گھر گئی ہے، کہتے ہیں کہ بیٹا پیدا کرکے یہ نا سمجھ لینا کہ تم یہاں کی ملکہ بن گئی ہو، جب بھی چاہیں چوٹی سے پکڑ کر نکال باہر کریں گے، حالانکہ اولاد کے بعد تو بہو کو اہمیت مل جاتی ہے، داماد ہے کہ کان دبا کر چپ کا رہتا ہے مجال ہے کہ جو پلٹ کر کسی زیادتی پر ساتھ ہی دے سکے، بس خاموش رہتا ہے، بیٹی سوکھ کر کانٹا ہوگئی ہے، عجیب ہی قسم کی پریشانی نے گھیر رکھا ہے۔ کیا اس کے لئے کوئی روحانی عمل عنایت کریں گے، ہمارا تو آپ کے پر سلسلے کے باعث حق بھی ہے، سلیم الدین تاجی۔ بدین سندھ

☆ یہ سب اللہ کا فضل اور حضور ناناجان کا کرم و عنایت ہے، ان کی محبتیں اور عنایتیں ہیں جو سلسلے والوں کی محبت ہے آپ ہرگز فکر نا کریں ہر نماز کے بعد ''سورۂ کوثر'' 41 مرتبہ پڑھ کر دعا کرلیں۔ آپ کی فرمائش پر لوح تسخیر خاص، نقوش اور صاحبزادے کے لئے نظر بد کا تعویز ارسال کیا جارہا ہے۔ محبتوں کا بے حد شکریہ

مقدمہ کردیا دیور نے

○ میرے شوہر گذشتہ طویل عرصے سے بیمار ہیں، ہماری جائیداد ہے جس کے کرائے سے گزر بسر ہوجاتی ہے، مگر اب اس جائیداد پر دیور نے مقدمہ کردیا ہے، حالانکہ اٹھارہ سال قبل مرحوم سسر نے سب کو باقاعدہ جائیداد میں قانونی طور پر حصہ دے دیا تھا، تاکہ کسی قسم کے اختلافات پیدا نا ہوں، مگر دیور نے تمام کاغذات کو جعلی قرار دے کر مقدمہ کردیا ہے اور ساتھ ہی کرائے پرائے آرڈر لے کر کرایا بھی رکوا دیا ہے، اب کرایا کورٹ میں جمع ہورہا ہے دیور خوشحال کاروباری آدمی ہیں مگر اس کے باوجود لالچ پیچھا نہیں چھوڑتا، جبکہ ہمارے بچے پڑھ رہے

ہیں، سارا پیسا بچوں کی تعلیم پر لگا دیا ہے جب سے کرایا رکا ہے مصیبتیں کھڑی ہوگئی ہیں، پچھلے سمسٹر کی فیس اپنا زیور بیچ کر جمع کروائی، دیور سے بات کی تو وہ کہتا ہے کہ آپ بڑی ہیں چونکہ اب کیس کورٹ میں ہے تو جو فیصلہ کورٹ کرے گی وہ ہی بہتر ہوگا، کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا ہے، اچھے بھلے دن گزر رہے تھے۔ بدر النساء۔ ملتان

☆ عزیز بہن اللہ پاک دنوں کے الٹ پھیر سے ہمیں آزماتے ہیں۔ آپ ہر نماز کے بعد 41 مرتبہ سورۂ لہب پڑھ کر دعا کیا کریں مقدمے میں کامیابی کے لئے نقش فتح نامہ ارسال ہے، مقدمہ آپ کے حق میں ہوگا۔ انشاءاللہ

اُنہیں پالوں؟

○ وہ مجھے بچپن سے ہی اچھے لگتے تھے، ان کا دھیما دھیما انداز، ٹھہرا ہوا لہجہ، ذہانت، متانت ہر خوبی ان کے اندر تھی، وہ مجھے گڑیا کہتے تھے، مگر وہ میرے دیوتا تھے، وہ میرا بے حد خیال رکھتے تھے، پھر ایک دن وہ مجھ سے جدا ہوگئے، وجہ ہمارے خاندانی تنازعات تھے، میں کچی عمر کی لڑکی دل مار کر رہ گئی، پھر ایک اطلاع ملی کہ ہمارے بڑے تایا ابو فوت ہوگئے ہیں ان کی وفات سے بہت کچھ بدل گیا، گھر جائیداد کے معاملات حل ہوگئے، ہم لوگ پھر سے ملنے جلنے لگے، وہ اب پہلے سے کہیں دلکش اور بُردبار ہوگئے تھے، مگر وہ اب شادی شدہ تھے میں اپنی کوئی بات ان سے شیئر نا کرسکی، پھر بچے کی پیدائش میں پیچیدگی کے سبب ان کی بیگم اور بچہ انتقال کرگئے، میں نے حد سے بڑھ کر ان کی دلجوئی کی، مگر اپنے دل کی بات ان سے نا کہہ سکی، ان کے لئے میں ابھی تک گڑیا ہی ہوں، اب ان کی والدہ جو بے حد ضعیف ہوگئی ہیں ان کی شادی کرنا چاہتی ہیں، کیا ایسا کوئی روحانی عمل ہوسکتا ہے کہ میں اُن کو پالوں، میں بے حد پریشان ہوں آج تک اپنی آرزو کسی کو بتا نا سکی آپ کے کالم نے، آپ کے انداز نے ہمت دی ہے دل کی بات کہنے کی، مجھے کوئی روحانی علاج ارسال کردیجئے۔ گڑیا۔ ساہیوال

☆ گڑیا بیٹی! آپ ہر نماز کے بعد 140 مرتبہ "یالطیف یاجامع یاقوی" پڑھ کر دعا کرلیں، تمہاری فرمائش پر روحانی علاج لوح تسخیر خاص، نقوش ارسال کئے جارہے ہیں دعاؤں کا شکریہ، محفل گیارہویں شریف میں آپ کے لئے خصوصی دعا کی گئی ہے۔

○ ضروری نوٹ۔ ہمیں بے شمار ایسے خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں نا تو مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے نا ہی اپنا نام والدین کا نام یا پتا لکھا ہوا جوابی لفافہ ارسال کیا گیا ہے، اسی طرح بہت سے فون صرف اس لئے کئے جاتے ہیں کہ کیا میں خط لکھ سکتی ہوں کیا مجھے جواب ملے گا؟ پھر یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ ملاقات کا وقت کیا ہے؟ تمام معلومات اس کالم میں موجود ہوتی ہیں انہیں غور سے پڑھ لیں تمام باتوں کے جوابات مل جائیں گے، آپ کا اور ہمارا وقت بچ جائے گا۔

بہن کی شادی

○ پیر صاحب! ہماری بہن بہت پڑھی لکھی اور اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں مگر شادی کے نام سے الرجک ہیں، امی بہت پریشان ہیں، خاندان والے باتیں بناتے ہیں کہ بیٹی کی کمائی کھا رہے ہیں ہم پانچ بہن بھائی ہیں ہم چاروں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں اس کی وجہ سے ہماری شادی بھی رکی ہوئی ہے، وہ کہتی ہے کہ شادی کرلیں آپ لوگ مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ بڑی بہن کی شادی نا ہو اور ہم شادی کرلیں، اب اس کی وجہ سے گھریلو مسائل پیدا ہورہے ہیں کیا کریں کہ بہن شادی کے لئے راضی ہوجائیں۔ عبدالغنی۔ فیصل آباد

☆ پریشان نا ہوں اللہ تعالیٰ تمام معاملات پر قادر ہیں، ازروئے استخارہ شادی کے امکانات موجود ہیں۔ آپ ہر نماز کے بعد 225 مرتبہ "یا لطیف یا فتاح" پڑھ کر دعا کریں، بروز منگل سوا کلو بڑے گوشت کا صدقہ دیں۔ روحانی علاج لوح اور تعویز ارسال کئے جارہے ہیں۔ آپ محفل درود شریف کے بعد ذاتی طور پر ملاقات کے لئے آسکتے ہیں۔

نظر کھا گئی ہے

○ قادری صاحب! ہمارا اچھا بھلا کاروبار تھا، بہت تھوڑے سے شروع کیا تھا، چار پانچ سالوں میں ہی اللہ تعالیٰ نے نہایت برکت عطا کی، ہم کرائے کے مکان سے اٹھ کر اپنے دس مرلے کے ذاتی گھر میں آگئے، گاڑی بھی لے لی، بچے اچھے سکول میں پڑھنے لگے، پھر آہستہ آہستہ کاروباری حالات خراب ہونے لگے، گھر کا اوپر والا حصہ کرائے پر دینا پڑا، یوں لگتا ہے کہ جیسے ساری چیزیں ہی ہم سے چھین لی گئی ہیں، برائے مہربانی اس کا روحانی علاج کیجئے، ہم آپ کو اپنے شہر آنے کی دعوت دینا چاہتے ہیں، ہمیں آپ کے ٹی وی پروگرام بہت پسند ہیں۔ شہناز اختر۔ اوکاڑہ

☆ ازروئے استخارہ یہ بات سامنے آئی ہے کہ آپ کے کاروباری معاملات میں شدید قسم کی نظر اور جادو ہے جو کہ کسی قریبی عزیز کے حسد کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ آپ ہر نماز کے بعد 9 مرتبہ "سورۂ بقرہ" کا آخری رکوع پڑھ کر دعا کریں اور پانی پر دم کرکے گھر اور کاروبار کی جگہ پر چھڑکیں، روحانی علاج اور نقش فتح نامہ ارسال کیا جارہا ہے۔ آپ اور جو خواتین وحضرات خطاب ودعوت کے لئے مدعو کرنا چاہتے ہیں وہ ایک ماہ قبل اس نمبر پر وقت لے لیں۔ 0302-5555967

نوٹ

براہ راست جواب کے لیے اپنا نام معہ والدین اپنا پتا لکھا ہوا جوابی لفافہ ضرور ارسال کریں۔ تعطیل بروز جمعۃ المبارک